1

وَاَمَّا الَّذِيْنَ سُعِدُوْا فَفِي الْجَنَّةِ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا

○

تُحفۂ سَعدیہ

○

احوال و معارفِ قطبِ دوراں قیومِ زماں حضرت مولانا

ابوالسعد احمد خاں نقشبندی مجددی و مولانا محمد عبداللہ قدس اللہ سرہما

و ذکر حضرت مولانا خان محمد صاحب مدظلہ العالی

— بہ اضافہ —

احوال و آثار اکابر موسیٰ زئی شریف رحمہم اللہ

ناشر

خانقاہ سراجیہ - کندیاں - ضلع میانوالی

(جملہ حقوق محفوظ)

بار دوم : صفر المظفر ۱۳۹۹ھ - جنوری ۱۹۷۹ء

مؤلف : مولانا محبوب الٰہی

ناشر : خانقاہ سراجیہ کندیاں ضلع میانوالی

کتابت : محمد یوسف نگینہ

مطبع : شرکت پرنٹنگ پریس نسبت روڈ لاہور

تعداد : ایک ہزار

قیمت : ۱۰۰/- روپے

ملنے کا پتہ

• خانقاہ سراجیہ، کندیاں۔ ضلع میانوالی

فہرست

عنوان	صفحہ	عنوان	صفحہ
مقدمہ	۱۱	اظہارِ حق میں جرأت	۳۰
بیعت اور طریقِ صحبت کی ضرورت	۱۳	واقعۂ بیعت	〃
معراجِ کمال	۱۶	اصلاحِ نفس اور کرامتِ شیخ کا ایک واقعہ	۳۳
اجزائے شریعت	۱۷	تبلیغِ طریقہ	۳۴
بیعت نجات یافتہ گروہ	۱۸ 〃	زندگی کے آخری ایام	〃
مذاہب و مسالکِ فقہیہ	۱۹	اکابر موسیٰ زئی شریف کے مختصر حالات	۳۶
مسالکِ تصوف	〃	حالات حضرت حاجی دوست محمد قندھاریؒ	۳۷
اقرب و اکمل طریق	〃	تلاشِ حق	〃
حضرت مجدد الف ثانیؒ کا فیصلہ	〃	تلاشِ مرشد میں سرگردانی اور بشارت	۳۸
طریقہ پاک کی آٹھ بنیادی اصطلاحات	۲۱	بارگاہِ مرشد میں رسائی	۳۹
خصوصیاتِ طریقہ	۲۳	محبتِ شیخ	〃
ذریعہ حصولِ فوائد	۲۶	پیش گوئی اور بشارت	۴۰
مولانا سعد شمسی مرحوم کے احوال و آثار	۲۸	اجازت نامہ میں کلماتِ مدح	〃
تحفۂ سعدیہ	۲۹	جائے قیام کی وصیت	〃
اخلاق و کردار	〃	موسیٰ زئی کا انتخاب	۴۲

عنوان	صفحہ	عنوان	صفحہ
قیام کے سلسلہ میں کرامت کا ظہور	۴۳	چند ملفوظاتِ گرامی	۵۶
اہلِ قریہ کی کثرتِ رجوع	۴۴	کشف و کرامات	۵۷
ترویجِ سلسلہ	〃	مکاتیب	۵۸
تربیتِ سالکین	۴۵	شانِ استغنا	۵۹
ایک واقعہ	۴۶	وصال	〃
تدوینِ مکاتیب	〃	اولاد	۶۰
آخری التماس	۴۷	مادہ ہائے تاریخ	〃
شجرۂ اولاد فقیر عبداللہ مرحوم	۴۸	شجرۂ اولاد حضرت خواجہ محمد عثمان دامانی رحمۃ اللہ علیہ	۶۲
ذکر احوال حضرت خواجہ محمد عثمان دامانی رحمۃ اللہ علیہ	۴۹	احوال و آثار حضرت خواجہ سراج الدین رحمۃ اللہ علیہ	۶۳
ولادت	〃	ولادت باسعادت	〃
ابتدائی تعلیم	〃	تعلیم	〃
مدرسہ سے خانقاہ میں	〃	مسند نشینی	〃
انشراحِ باطن	۵۱	ترویجِ سلسلہ	۶۴
درسِ مشکوٰۃ کا ایک واقعہ	〃	تزکیۂ باطن میں ریاضت کی احتیاج	〃
فراستِ شیخ اور استعدادِ مرید	۵۲	اہل اللہ کا دستار	۶۶
شیخ کی صحبت و خدمت	〃	موسم گرما کے درمیان مختلف سفر	۶۷
شیخ و مرید کا باہمی رابطہ	〃	مقامِ استغناء	〃
ایک سخت امتحان	〃	شانِ توکل	〃
رحمتِ حق بہانہ می جوید	۵۵	خاص عنایات	۶۸
جانشینی	〃	ریا و اخلاص میں فرق	〃

عنوان	صفحہ
حضرت خواجہؒ کی بے مثال شفقت	۶۹
حضرت خواجہؒ کی دنیا سے بے نیازی	〃
اژدہا کی فرماں برداری	۷۰
حضرت کی عظمت پر ایک بے مثال شہادت	۷۱
ایک مثالی رابطہ	۷۲
حضرت خواجہ کے پس ماندگان	۷۲
خلفائے عظام	۷۳
وصال	۷۴
مجددِ عصر قیومِ زماں حضرت مولانا ابوالسعد احمد خان قدس سرہٗ کے احوال و آثار	۷۷
شجرۂ اولاد	۷۸
حضرت اعلیٰ کی الہامی عبارات	۷۹
نظم در شانِ حضرت اعلیٰ	۸۰
حضرت سیدنا و مولانا ابوالسعد احمد خان صاحب	۸۱
احوالِ خاندان	〃
بشارتِ ظہور قبل از ولادت	〃
ولادت باسعادت	۸۳
پیش گوئی کا ظہور	〃
تعلیم	〃
انہماکِ مطالعہ کی ایک مثال	۸۵
تحصیل علم کے لیے ہندوستان کا سفر	〃

عنوان	صفحہ
تکمیلِ سلوک	۸۶
حضرت خواجہ سراج الدین قدس سرہٗ سے تجدید بیعت	۸۷
رابطۂ شیخ	〃
شیخ کی خصوصی توجہ	۸۸
ذکر و شغل میں سرگرمی	〃
خدمتِ شیخ کا بے مثال ذوق	۸۹
حیرت انگیز روحانی قوت اور جسمانی توانائی	〃
خدمتِ آب کشی	〃
دریا خاں میں قیام	۹۰
اسباقِ کتبِ تصوف	〃
مکتوباتِ امام ربانی کا درسِ خصوصی	〃
عطائے خلافت	۹۱
اخلاصِ عقیدت کا ایک واقعہ	〃
طالبانِ حق کو حضرت خواجہؒ کا مشورہ	〃
بکھڑے سے کھولہ شریف نقل مکانی	۹۲
بنائے خانقاہ شریف کے محرکات	۹۳
اعلیٰ حضرت کی شانِ فقر	۹۴
اعلیٰ حضرت کی کرامت	۹۵
مکان اور کنوئیں کی تعمیر	۹۶
تجویز	۹۷

عنوان	صفحہ	عنوان	صفحہ
منظوری	۹۷	حضرت مولانا انور شاہ صاحب کشمیریؒ کی خانقاہ سراجیہ	۱۱۵
کھولہ شریف سے نقل مکانی	〃	میں تشریف آوری	
تعمیر چاہ	۹۸	آپ امام نقشبندیہ ہیں	۱۱۶
آغاز کار	〃	حضرت سید عطاء اللہ شاہ صاحب بخاریؒ کے لیے دُعا	۱۱۷
کنوئیں کی تیاری	〃	حضرت امام ربانیؒ سے والہانہ عقیدت	〃
حویلی کی تعمیر خام	۹۹	اصل فتنہ کی نشاندہی	۱۱۸
تعمیر مسجد	〃	شفائے قاضی عیاضؒ	〃
مسجد کی ابتدائی صورت	〃	مقبولیت مسجد کی پیش گوئی	۱۲۰
ازواج و اولاد	۱۰۰	صبر و رضا کی تلقین	〃
ایک حیرت انگیز واقعہ	۱۰۱	ایک مقروض کی قرضے سے نجات	〃
خشک سالی اور باران رحمت	۱۰۳	فیضان نظر	۱۲۱
واقعۂ سرہند شریف اور خلعت قیومیت سے سرفرازی	۱۰۴	حضور رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کا خطاب	〃
انتخاب آرام گاہ آخریں اور بنائے احاطۂ مزارات	۱۰۷	انتہائے کرم	۱۲۲
وقائع متفرقہ	۱۱۰	جامع کمالات ہستی	〃
امارت مجاذیب و اصحاب خدمت	〃	**چند ایمان افروز مشاہدات**	۱۲۳
سیادت اہل خدمت کی ایک اور مثال	۱۱۲	سیدنا مجدد الف ثانیؒ اور خواجگان سرہند کی روحانی زیارت	〃
جنات کی ارادت	۱۱۳	عذاب قبر کا ازالہ	۱۲۴
بعض مطائبات	〃	نسبت شیخ کا صحیح مقام	〃
تاثیر توجہ	۱۱۴	انوار الٰہیہ کا نزول	۱۲۵
علامہ شبیر احمد عثمانیؒ کی نظر میں اعلحضرت کی قدر و منزلت	〃	حضرت اعلیٰ کا ذوق سخن	〃

عنوان	صفحہ	عنوان	صفحہ
حضرت اعلیٰ کے پسندیدہ پنجابی اشعار	۱۲۸	نقل وصیت نامہ	۱۴۵
حضرت خواجہ غریب نوازؒ کا ارشاد مبارک	۱۲۹	اعلیٰ حضرت کے پس ماندگان اور خلفاء	۱۴۸
حضرت اعلیٰ کے وجودِ روحانی کی وسعت	۱۳۰	رسالہ تحفۂ سعدیہ	۱۶۱
اعلیٰ حضرت کی خصوصی توجہات	״	نقشہ ریلوے پنجاب	۱۶۲
ایک تفسیری نکتہ	۱۳۲	خوش قسمتی کا پہلا دن	۱۶۳
ناموس اسلام کی پاسداری	״	کیا دیکھا ؟	۱۶۵
تلاوتِ کلام پاک کا معمول	״	حالات خصوصیہ، عادات مرضیہ اور معمولات یومیہ	۱۶۷
معارفِ مجددیہ	״	اتباعِ کتاب و سنت	۱۷۱
ذکرِ الٰہی کی خاص نوعیت	״	نفاست پسندی	۱۷۲
سجدے کی حالت میں ایڑیوں کا جوڑنا	۱۳۳	محبت علم	۱۷۳
خطبۂ جمعہ میں خلفائے راشدینؓ کا ذکر	۱۳۴	شوق مطالعہ	۱۷۷
اختتام	״	درسِ حدیث	۱۸۱
ہجومِ امراض	״	خوش مزاجی	۱۸۲
حکیم عبدالوہاب صاحب نابینا کا علاج	۱۳۵	حلم و تحمل	۱۸۳
حکیم صاحب کا ادراک	״	مہمان نوازی و خادم پروری	۱۸۹
حکیم صاحب کا داخلِ طریقہ ہونا	۱۳۶	حزم و احتیاط اور اخفائے احوال	۱۹۳
آخری علاج اور رحلت	۱۳۷	کمالات ولایت و کمالاتِ نبوت اور ان میں عروج و نزول	۱۹۹
قطعاتِ تاریخ بزبانِ عربی و فارسی و اردو	۱۳۹	غنائے قلب اور سیر چشمی	۲۰۳
حضرت اعلیٰ کی شان میں پنجابی اشعار	۱۴۱	فراستِ بیدار دلی اور کشف و وجدان	۲۰۶
مسئلۂ جانشینی	۱۴۴	شبانہ روزی معمولات اور تقسیم اوقات	۲۰۸

عنوان	صفحہ
مذاکرات علمیہ	۲۱۰
ما یتعلق بالقرآن	۲۱۲
قارون کا جرم کیا تھا؟	〃
حضرت داؤد کے کس قصور پر عتاب ہوا تھا؟	۲۱۵
سورۂ نجم کا ربطِ آیات	۲۱۹
سورۂ یوسفؑ کی ایک آیت	۲۲۰
حضرت سلیمانؑ اور ان کے گھوڑے	۲۲۱
ختمِ نبوت کی دلیل	۲۲۲
ہمارے علوم عربیہ اور فہم قرآن	۲۲۵
ما یتعلق بالحدیث	۲۲۶
ردِ مذاہب باطلہ و تحقیق مسائلِ خلافیہ	۲۲۹
مرزائے قادیانی کی دجالیت	〃
شاہ اسمٰعیل دہلویؒ	۲۳۰
فروعی مسائل میں تشدد کرنے والے پر عذابِ قبر	۲۳۱
کیا حرام جانور کا چمڑا ذبح سے پاک ہوتا ہے یا نہیں؟	۲۳۲
فرعون کے معتقد	۲۳۳
سنت فجر کو قبل طلوع یا بعد طلوع قضا کرنے کا مسئلہ	〃
حضرت ابن عربیؒ اور ملا علی قاریؒ	۲۳۵
تلقین و تربیتِ خدام	۲۳۶
اصولِ تربیت	۲۴۰
تزکیہ و تصرف	۲۴۲
بعض ارشادات متعلقہ سلوک	۲۵۰
خطورِ خواطر	〃
کیفیات و حظوظ	۲۵۱
لباسِ درویشی	〃
توجہ شیخ کے ثمرات مدت کے بعد	۲۵۳
سلسلہ نقشبندیہ کا طریقۂ سلوک	۲۵۵
رابطۂ شیخ	۲۵۷
طریقۂ ذکر	۲۵۹
وقائع شتّٰی	۲۶۴
اولیاء اللہ وفات کے بعد	〃
بلقیس کا تخت	۲۶۶
عورتوں کی بے دینی	〃
ولایت اور خوارق	〃
دشمن کے ساتھ مناسب سلوک	۲۶۷
محبتِ شیخ	〃
شیر مست نام مجذوب	۲۶۸
قطعۂ تاریخ تصنیف کتاب ہذا	۲۷۰
شجرۂ سعدیہ معلّٰی	۲۷۱

عنوان	صفحہ
شجرۂ سعدیہ منظوم اردو	۲۷۳
شجرۂ سعدیہ منظوم پنجابی	۲۷۵
نظم در شان حضرت مولانا محمد عبداللہ قدس سرہٗ مع مادہ تاریخ وصال	۲۷۸
حالات نائب قیوم زماں صدیق دوراں حضرت مولانا محمد عبداللہ قدس سرہٗ	۲۷۹
والد ماجد کا مختصر حال	״
اولاد	״
ماحول	۲۸۰
حضرت کی پیدائش	״
تعلیم و تربیت	״
دینی تعلیم کا غیبی سامان	۲۸۳
بچپن کی کرامت	۲۸۴
مڈل اسکول کی تعلیم	״
مذہبی رواداری کا واقعہ	״
اردو مڈل کے بعد	۲۸۵
سہ سالہ امتحانات کی تفصیل	۲۸۶
دارالعلوم دیوبند کا ماحول	۲۸۷
دارالعلوم کا دائرۂ اہتمام	۲۸۸
مقامِ اساتذہ	״
سلوک کی ابتدا	۲۸۹
خانقاہ سراجیہ میں حاضری	״
مدت قیام درویشی	۲۹۱
منصبِ شیخی	۲۹۲
صبر و استقامت	۲۹۳
ایک لطیف اور عبرت انگیز اشارہ	״
ادائے فرضِ منصبی	״
نیابتِ قیومِ زمانی	۲۹۴
مولانا عبدالخالقؒ پر شفقت و عنایت	۲۹۶
کتب خانہ کی توسیع	۲۹۷
ظاہری تعمیرات سے استغنا اور اس کا سبب	״
عنایتِ خصوصی	۲۹۸
اخلاقِ عالیہ	۲۹۹
شیخ سے رابطۂ محبت	״
امورِ دینیہ میں رسوخ اور پختگی	۳۰۰
بعض مستحسن امور کی رعایت	״
سورۂ الم السجدہ پڑھنے کا معمول	۳۰۱
فرض نماز کے بعد ایک خصوصی دعا	״
مسلکِ فقہی میں اعتدال	״
حرمتِ شیخ کی پاسداری	۳۰۲
خلافِ سنت امور پر تنبیہ	״
لطافتِ مزاج	۳۰۳

عنوان	صفحہ
اہلِ دنیا سے بے نیازی	۳۰۴
قبولِ زکوٰۃ سے احتراز	″
آپ کی نظر میں سلوک کا ماحصل	۳۰۵
نمود و نمائش سے احتراز	۳۰۶
دیدِ قصور	″
کشاں کشاں لیے چلنا	۳۰۷
تمام بدن کا سننا	″
ایک غلط فہمی کا ازالہ	۳۰۸
ایک خواب اور اس کی تعبیر	″
عالی شان مکان	۳۰۹
آپ کے تصرف کا ایک واقعہ	″
دلداری و سیر چشمی کی ایک عظیم مثال	۳۱۰
ولادتِ فرزند پر آپ کے تاثرات	۳۱۱
بعدِ وفات اولادِ شیخ پر نظر	۳۱۲
بیعت کا مقصد	″
حضرت مولٰنا عبدالقادر رائے پوریؒ سے روابط	۳۱۳
مزارِ امامِ ربانی پر ایک مشاہدہ	۳۱۵
حضرت داتا گنج بخش رحمۃ اللہ علیہ سے روحانی تعلق	″
تحفظِ ختمِ نبوت سے والہانہ لگاؤ	۳۱۶
سرہند شریف کا آخری سفر اور وصال	۳۱۷

عنوان	صفحہ
پس ماندگان	۳۱۹
حضرت اقدس رحمۃ اللہ کے خلفاء	۳۲۰
تعزیت نامے	۳۲۵
احوال و معارف حضرت خان محمد صاحب مدظلہ العالی	۳۳۳
آبائی حالات	″
ابتدائی تعلیم	۳۳۴
علومِ عربیہ کی تحصیل	۳۳۵
زمانۂ تدریس کا ایک دلچسپ واقعہ	۳۳۶
حضرت قبلہ کی ازدواجی زندگی	″
خدمتِ شیخ	″
حضرت قبلہ کی اسیری	۳۳۸
حضرت ثانیؒ کا ایک لطیف اشارہ	۳۴۰
حضرت قبلہ کی سجادہ نشینی	″
علومِ اسلامیہ کی ترویج و اشاعت	۳۴۱
کچھ کرامات کے بارے میں	۳۴۲
اختتامیہ	۳۴۳
شجرہ ہائے سلسلہ عالیہ نقشبندیہ مجددیہ	۳۴۵
شجرۂ منظومہ اردو	۳۴۶
شجرۂ منظومہ فارسی	۳۴۷
شجرۂ عربیہ مع ترجمہ	۳۴۸

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

مُقدّمہ

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ وَکَفٰی وَسَلَامٌ عَلٰی عِبَادِہِ الَّذِیْنَ اصْطَفٰی خُصُوْصاً عَلٰی خَیْرِ الْوَرٰی مُحَمَّدِ نِ الْمُصْطَفٰی وَعَلٰی آلِہٖ وَاَصْحَابِہِ الَّذِیْنَ ھُمْ نُجُوْمُ الْھُدٰی وَعَلَی الَّذِیْنَ اتَّبَعُوْھُمْ بِاِحْسَانٍ مِّنْ اَھْلِ التُّقٰی وَالنُّھٰی۔ اما بعد

خدائے تعالیٰ کا فضل واحسان ہے کہ اس نے ادارۂ سعدیہ مجددیہ کو رسالہ **تحفۂ سعدیہ** شائع کرنے کی توفیق کرامت فرمائی۔ یہ رسالہ حضرت قیوم زمانی محبوب سبحانی مولانا ابوالسعد احمد خاں صاحب الاسرار النقشبندیہ والمعارف المجددیہ قدس سرہٗ العزیز کے مختصر پاکیزہ حالاتِ زندگی اور معمولاتِ خاصہ پر مشتمل ہے، جسے اعلیٰ حضرت قدس سرہٗ کی حیاتِ مبارک ہی میں مولانا نذیر احمد عرشی دھنولوی رحمۃ اللہ علیہ نے خانقاہ شریف میں اپنے مختصر قیام کے دوران بعض چشم دید واقعات اور برادرانِ طریقت کی ثقہ روایات کو سامنے رکھتے ہوئے جمع کر کے شائع کیا تھا۔

یہ رسالہ گرچہ مختصر ہے اور اعلیٰ حضرت کے حالاتِ زندگی بھی اس میں پورے نہیں آسکے۔ پھر بھی اس رسالے کے ایک بار مطالعہ سے قاری کی رُوح میں تشنگی باقی رہتی ہے اور بار بار مطالعہ کا تقاضا بڑھتا چلا جاتا ہے۔ ہر بار مطالعہ کرنے سے خاص کیفیات ومعاملات پیش آتے ہیں۔ نیز اس رسالۂ مبارکہ کی برکت سے سینکڑوں طالبانِ حق کو راہِ ہدایت نصیب ہوئی اور توبہ وانابت کی دولت میسر آئی جو اس امر کی علامت ہے کہ مولانا نذیر احمد عرشی مرحوم کی یہ کوشش طریقۂ پاک کی ایک اعلیٰ خدمت ہے جسے بارگاہِ الٰہی سے قبولِ حسن کی سند مل چکی ہے۔

اس رسالے کی اشاعت کو ایک مدت گزر چکی ہے۔ اب عرصہ سے نایاب تھا۔ سلسلۂ عالیہ کے متوسلین کی آرزو تھی کہ اسے دوبارہ شائع کیا جائے۔ جب ادارۂ سعدیہ مجددیہ نے سلف صالحین کی کتبِ نادرہ کی اشاعت

کا بیڑا اٹھایا تو ہر طرف سے تقاضے ہونے لگے کہ رسالۂ مذکورہ کو جلد از جلد شائع کیا جائے۔ لیکن وسعت و استطاعت کے باوجود بعض نامساعد حالات کی بنا پر طباعت کی یہ گراں بہا خدمت معرضِ التوا میں پڑی رہی۔ نیز اشاعتِ ثانیہ کے سلسلہ میں شیخِ طریقت، زینتِ مسندِ ارشاد بقیۃ السلف، قدوۃ الخلف حضرت مولانا ابوالخلیل خان محمد صاحب مدظلہ العالی نے ارشاد فرمایا کہ رسالہ کے شروع میں ایک مقدمہ ہونا چاہیے جس میں حضرت حاجی دوست محمد قندھاری، خواجہ محمد عثمانؒ دامانی، خواجہ محمد سراج الدینؒ دامانی کی سیرت اور حضرتِ اقدس کے ابتدائی احوال و معارف مختصراً بیان کر دیے جائیں۔ رسالہ کے آخر میں بطورِ تتمہ حضرتِ اقدس کے جانشین حضرتِ ثانی، نائبِ قیومِ زماں، صدیقِ دوراں صاحبِ اسرارِ الٰہیہ مولانا محمد عبداللہ قدس سرہٗ العزیز کے حالات بھی حیطۂ تحریر میں آجائیں۔ حضرت ممدوح نے یہ خدمت حضرت قاضی شمس الدین صاحب مدظلہ العالی خلیفۂ مجاز حضرت ثانی رحمہ اللہ تعالیٰ کے سپرد فرمائی تھی۔ قاضی صاحب موصوف نے علمی و دینی مصروفیات کے باوجود فرصت نکال کر بہت مختصر مسودات تیار کر کے راقم الحروف کے حوالے کر دیے۔ کتاب کے مطبوعہ حصہ کی کتابت شروع ہو کر دو ماہ میں پایۂ تکمیل تک پہنچ چکی تھی۔ اب کام یہ باقی رہ گیا تھا کہ قاضی صاحب موصوف کے مسودات پر نظرِ ثانی کر کے ان کو صاف کیا جائے اور پیش لفظ لکھ کر کاتب کو دیا جائے دریں اثنا احقر ایک نہایت عجیب و غریب مرض میں مبتلا ہو گیا۔ علالت نے یہاں تک طول پکڑا کہ دو سال گزر گئے اور مسودات جوں کے توں دھرے رہے۔ احباب کا تقاضا برابر جاری تھا مگر راقم الحروف کے پاس طبیعت کی واماندگی اور کم ہمتی کے سوا کوئی عذر نہ تھا۔ صورتِ حال یہ تھی کہ کسی علمی، ادبی یا تحقیقی کام پر طبیعت آمادہ نہ ہوتی تھی۔ احباب سے خط و کتابت بھی قریباً منقطع تھی اور دنیوی امور سے تنفر اور بیزاری پیدا ہو چکی تھی۔ بے کیفی کا یہ دور خاصا پریشان کن رہا حضرت شیخ مدظلہ العالی کی خدمت میں عریضہ ارسال کرنے کی نیت ہر روز کرتا تھا۔ مہینے گزر جاتے تھے مگر کچھ نہ لکھ پاتا تھا۔

آخر حضرت قبلہ کی توجہ اور عنایت سے مرض میں کچھ افاقہ ہوا اور اللہ کا نام لے کر قلم اس نیت سے اٹھایا ہے کہ جس طرح ممکن ہو مقدمہ و خاتمہ ترتیب دے کر کتاب شائع کر دی جائے۔ اس صورت میں حضرت شیخ مدظلہ العالی کے ارشاد کی تعمیل بھی ہو جائے گی اور برادرانِ طریقت کی دیرینہ آرزو بھی پوری ہو سکے گی۔ واللہ الموفق والمستعان

نیز اشاعتِ ثانیہ کے سلسلہ میں ایک کام یہ بھی تھا کہ کتاب اور اس کے حواشی پر حضرت مولانا مفتی عطا محمد صاحب خلیفۂ مجاز حضرت ثانی قدس سرہٗ العزیز کی رہنمائی میں نظرِ ثانی کی جائے اور بعض مقامات کے تحت جہاں مضمون وضاحت

طلب ہو حواشی میں اضافے کر دیے جائیں۔ بحمد اللہ تعالیٰ یہ کام بھی حضرت مفتی صاحب موصوف نے رمضان المبارک کے عشرہ میں خانقاہ شریف قیام فرما کر مکمل کر دیا۔

بیعت اور طریقِ صحبت کی ضرورت :

تمام سلاسلِ طریقت حضور رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم پر منتہی ہوتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو خاتم النبیین کا منصب عطا فرما کر اس وقت عالم میں مبعوث فرمایا جب تمام عالم انبیائے سابقہ علیہم السلام کی تعلیمات سے روگرداں ہو کر گمراہی کی انتہاء گہرائیوں میں غرق ہو چکا تھا۔ کہیں توحید تثلیث میں گم تھی اور کہیں سینکڑوں ہزاروں بلکہ کروڑوں بتوں نے خدائے وحدہٗ لاشریک کی جگہ لے رکھی تھی۔ بے محابا بت پرستی کا رواج تھا جس کے نتیجہ میں اخلاقی اقدار کا انحطاط خلقِ خدا کو ہولناک تباہیوں کی طرف دھکیل رہا تھا۔ وَكُنْتُمْ عَلٰى شَفَا حُفْرَةٍ مِّنَ النَّارِ فَاَنْقَذَكُمْ مِّنْهَا۔

اللہ تعالیٰ نے حضرت خاتم المرسلین محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کو مبعوث فرما کر گویا نئے سرے سے پھر بابِ رحمت کھولا اور دنیا کی ہدایت کے لیے اپنے آخری رسولؐ کو بھیجا۔ جس نے تھوڑے عرصہ میں کائنات کو نورِ توحید سے فروزاں کر دیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے تبلیغِ دین کا آغاز وَاَنْذِرْ عَشِيْرَتَكَ الْاَقْرَبِيْنَ کے تحت سب سے پہلے اپنے قریبی رشتہ داروں سے کیا۔ رفتہ رفتہ پورے خطۂ عرب اور پھر بیرونِ عرب ساری عالمِ انسانیت کو اللہ کا پیغام سنایا اور اس آفتابِ ہدایت نے روئے زمین کے ذرے ذرے کو تابندہ کر دیا۔ صلوٰت اللہ تعالیٰ علیہ وتسلیماتہٗ

قرآن مجید اللہ تعالیٰ کا کلامِ معجز نظام ہے اور انسان کی زندگی کے تمام اطوار و اوضاع پر حاوی ہے۔ ہر قسم کے احکام اس میں موجود ہیں، توحید، رسالت، عبادات، معاملات، سیاسیات اور مکارمِ اخلاق وغیرہ، الغرض انسان کی فلاح و بہبود اور نظامِ اصلاح کا کوئی گوشہ ایسا نہیں جس کی کامل صراحت و وضاحت اس میں موجود نہ ہو۔

اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم معلمِ دین بنا کر نہ بھیجے جاتے اور آپؐ کی بجائے کوئی فرشتہ کتاب اللہ کو آسمان سے لا کر لوگوں کے سامنے رکھ دیتا اور یہ کہہ کر آسمان پر چلا جاتا کہ عامۃ الناس اس کی تلاوت اور فہم کے بعد خود بخود

اپنی زندگی کو اس کے لائحۂ عمل کے مطابق ڈھال لیں تو کیا یہ کتاب ہدایت لوگوں کو نورِ ہدایت عطا کر سکتی تھی ؟ ہر صاحب فہم و فراست اس کے جواب میں یہی کہے گا کہ یہ ناممکن تھا کیونکہ جب تک کتاب اللہ عملی سانچہ میں ڈھل کر لوگوں کے سامنے نہ آئے اور تعلیم الٰہی مجسم ہو کر ایک قابل تقلید مثال پیش نہ کرے، مناسبت نہ ہونے کے باعث خلقِ خدا کا رُجحان اس طرف نہ ہو سکے گا، خواہ وہ تعلیم بے حد مفید اور ارفع و اعلیٰ ہی کیوں نہ ہو۔

داعیٔ اِسلام صلی اللہ علیہ وسلم نے جب اپنے آپ کو احکامِ خداوندی، تعلیماتِ قرآنی اور اخلاقِ ربانی کا عملی نمونہ بنا کر پیش کیا اور اپنے قول و عمل سے ارشاداتِ الٰہی کی توضیح و تشریح فرمائی تو لوگوں میں اس کے سمجھنے، اس کے فیوض و برکات سے متمتع ہونے اور انہیں حاصل کرنے کے طریقے معلوم کرنے کا جذبہ پیدا ہُوا۔

جب حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے بحکم خداوندی اپنی رسالت و نبوت کا اعلان فرمایا تو سب سے پہلے ام المومنین حضرت خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا آپ پر ایمان لائیں۔ وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زوجیت کے شرف کے ساتھ دنیوی معاملات میں بھی آپ کی صداقت، دیانت، امانت اور خدا ترسی کا کامل مشاہدہ کر چکی تھیں معمر مردوں میں سب سے پہلے حضرت صدیقِ اکبر رضی اللہ عنہ ایمان سے مشرف ہوئے اور نوعمروں میں سب سے پہلے حضرت علی کرم اللہ تعالیٰ وجہہ نے اِسلام قبول فرمایا۔ یہ دونوں حضرات بھی رفاقت و قرابت کے باعث آپؐ کی صداقت و دیانت پر یقینِ کامل رکھتے تھے۔ لہٰذا یہ امر اظہر من الشمس ہے کہ ہر وہ شخص جو مشرف بہ اسلام ہُوا آپؐ کے فیضانِ صحبت سے بہرہ یاب ہُوا۔ ایمان و اسلام اس کے دل و دماغ اور رگ و پے میں سرایت کرتا چلا گیا۔ یہ آپؐ کی صحبت و محبّت کی تاثیر تھی کہ جو شخص ایک مرتبہ اس سے کیف آشنا ہُوا پھر نہ قریش کی سختیاں اسے اسلام سے روگرداں کر سکیں اور نہ بڑی سے بڑی اذیتیں اس کی راہ میں حائل ہو سکیں۔ مؤمنین نے جان دینا اور مصائب جھیلنا گوارا کر لیا مگر اسلام سے انحراف کا نام سننا بھی برداشت نہ کیا ؎

یہ وہ نشہ نہیں جسے ترشی اتار دے

یہ ایمان کا رسوخ اور کمال ہی تھا جو احکامِ خداوندی اور شریعت کے اوامر و نواہی پر صدقِ دل سے کاربند رہنا ہر مومن کے لیے آسان اور سہل کر دیتا تھا۔ وقتِ عبادت ہو تو پورے اہتمام سے عبادت کے لیے تیار، معاملات کا موقع ہو تو دیانت داری و راست بازی کے ساتھ ان سے عہدہ برآ ہونے پر آمادہ، وقتِ جہاد

ہو تو بلا تردد جاں نثاری وجاں سپاری کے لیے بے تاب ومضطرب۔

ایمان کی یہ پختگی حوصلہ کی بلندی اور دینِ اسلام سے شیفتگی حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے فیضانِ صحبت کا نتیجہ تھی۔ ایک ہی صحبت میں آپؐ کی محبت کا نقش ہر صاحبِ ایمان کے قلب پر ایسا گہرا بیٹھ جاتا تھا جسے کسی طرح بھی مٹانا ممکن نہ تھا اور یہ جاذبۂ محبت ہی بارگاہِ رسالتؐ کے جاں نثاروں کو ہر میدانِ عمل کی طرف کشاں کشاں لے جاتا اور بذلِ ہمت کے لیے تیار ومستعد کردیتا تھا۔

صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین آپؐ کی خدمت میں حاضر ہوکر احکامِ خداوندی کی تعلیم بھی حاصل کرتے تھے اور آپؐ کی صحبت وتربیت سے تزکیۂ نفس وتصفیۂ قلب کی دولت سے بھی مالامال ہوتے تھے۔ حکمتِ الٰہیہ اور اسرارِ دین کا درس ان سب عنایات پر مستزاد تھا۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے منصبِ نبوت کے تقاضوں کا بیان اس آیتِ قرآنی میں فرمایا ہے یَتْلُوْا عَلَیْهِمْ اٰیٰتِهٖ وَیُزَكِّیْهِمْ وَیُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ ۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام آیاتِ قرآنی اور احکامِ خداوندی اپنے اصحاب کو سناتے ہیں۔ ہواجسِ نفسانی سے ان کے قلوب کی تطہیر بھی کرتے ہیں۔ انہیں کتاب اللہ اور حکمتِ الٰہیہ کی تعلیم بھی دیتے ہیں۔

غرض رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تیئیس (۲۳) سال کی قلیل مدت میں صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کی ایک کثیر جماعت کو زمانہ کے گرم وسرد حالات میں تربیت دے کر ایسا راسخ العقیدہ اور سرگرمِ عمل بنا دیا کہ آئندہ اسلام کی توسیع واشاعت، تبلیغِ دین اور تزکیۂ نفوس کا کام انہی کے سپرد ہوا چنانچہ ارشاد فرمایا

اَصْحَابِیْ كَالنُّجُوْمِ بِاَیِّهِمُ اقْتَدَیْتُمْ اهْتَدَیْتُمْ ۔ — میرے صحابہ کرام ستاروں کی مانند ہیں، تم ان میں جس کی پیروی کروگے، ہدایت پاؤگے۔

قرآنِ عزیز اسلام کا مکمل ضابطۂ حیات ہے اس کی حفاظت حق تعالیٰ نے خود اپنے ذمہ لے رکھی ہے جس پر نصِ قرآنی کی شہادت موجود ہے:

اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَاِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوْنَ ۔ — ہم نے ہی اس ذکر (قرآنِ عزیز) کو اتارا ہے اور ہم ہی اس کے محافظ ہیں۔

مومن جب اس کے احکام وفرامین پر عمل پیرا ہوتا ہے، تو تلاوت آیات، تزکیۂ نفس اور تعلیم کتاب وحکمت کی صورت میں اس کی تجلیات سے بہرہ اندوز ہوتا ہے۔ چنانچہ اس کی تلاوت کی حفاظت بھی کی گئی۔ تزکیۂ نفس کا بندوبست بھی کیا گیا اور تعلیم کتاب وحکمت کا سلسلہ بھی تا قیامِ قیامت برقرار رہے گا۔ اللہ تعالیٰ نے الفاظِ قرآن اور ان کی حرکات وسکنات کی حفاظت کے لیے حفاظِ کرام کے سینوں کو کھول دیا۔ مجوّدوں اور قاریوں نے لحونِ عرب اور مخارج وصفاتِ حروف کی حفاظت اپنے ذمہ لے لی۔ علماءِ مفسرین نے معانی ومطالب کی نگرانی کا کام سنبھال لیا، علمائے راسخین اور عرفائے کاملین نے تزکیۂ نفوس اور تصفیۂ قلوب کا فریضہ انجام دیا اور یوں اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب کے ظاہری وباطنی پہلوؤں کی حفاظت اس انداز سے فرمائی جسے دیکھ کر عقلِ انسانی دنگ رہ جاتی ہے۔ دنیا کا کوئی مذہب اپنی مذہبی کتاب کو اس درجہ محفوظ حالت میں پیش نہیں کر سکتا۔

حاملینِ قرآن میں ایسے حضرات بھی ہر عہد اور ہر خطۂ زمین میں کثرت کے ساتھ موجود رہے جنھوں نے قرآنِ عزیز اور تعلیماتِ نبویہ کی ترویج واشاعت کو زندگی کا شعار بنایا۔ اور یہ سلسلۃ الذہب بحمدہٖ تعالیٰ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے عہدِ مبارک سے لے کر اب تک چلا آرہا ہے۔ علماء وصلحاء کا یہی وہ مقدس گروہ ہے جن کی صحبت میں قرآنی تعلیمات کے ظاہری پہلو بھی آشکارا ہوتے ہیں اور باطنی حقائق واسرار بھی کھلتے ہیں۔ ان کی صحبت میں قلوب کا تصفیہ بھی ہوتا ہے اور نفوس کا تزکیہ بھی۔ اسرارِ الٰہیہ کا انکشاف بھی ہوتا ہے اور معارفِ شرعیہ کا ادراک بھی۔ مقاماتِ سلوک پر رسائی نصیب ہوتی ہے اور منازلِ عرفان بھی طے ہو جاتی ہیں۔ اجمالی علوم تفصیلی رنگ اختیار کر لیتے ہیں اور نظریات مشاہدات میں بدل جاتے ہیں۔ اس طور سے نبوت کے کمالات وفیضان کا یہ سرچشمہ ان حضرات کی وساطت سے مسلسل کشت زارِ امت کو سیراب کر رہا ہے۔ فللہ الحمد والشکر علی ذالک

معراجِ کمال : یہ ایک مسلمہ حقیقت ہے کہ حضور کے دور میں انسانیت معراجِ کمال کو پہنچی۔ یہ شجرِ رحمت پروان چڑھا اور برگ وبار لایا۔ ہر فردِ بشر نے حسبِ استعداد خوشہ چینی کی اور دامانِ طلب کو بھرا۔ بایں ہمہ برگ وبار کی فراوانی کے پیشِ نظر تنگیٔ داماں کا احساس ہوتا تھا ؎

دامانِ نگہ تنگ وگلِ حسنِ تو بسیار
گلچینِ بہارِ تو ز داماں گلہ دارد

تاہم کسی صورت وقت اور فاصلے کے بُعد کو نظر انداز نہیں کیا جا سکتا۔ لہٰذا رفتہ رفتہ زندگی کے ہر شعبہ میں ان عظیم الشان عالمی اقدار کا انحطاط رُونما ہوا جس کی طرف حضور رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم نے پیشتر ہی اشارہ فرمایا تھا:

خَیْرُ الْقُرُوْنِ قَرْنِیْ ثُمَّ الَّذِیْنَ یَلُوْنَھُمْ ثُمَّ الَّذِیْنَ یَلُوْنَھُمْ۔ — سب سے بہتر عہد میرا عہد ہے پھر ان لوگوں کا جو میرے عہد سے قریب ہیں اور پھر ان کا جو دوسرے عہد سے متصل ہیں۔

صحابہ کرامؓ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد کے پروردہ ہیں، دورِ صحابہؓ کے تربیت یافتہ تابعینؒ اور عہدِ تابعینؒ کے فیض یافتہ تبع تابعینؒ ہیں۔ ہر دور سابقہ دور سے فروتر ہے اور اب تو یہ بُعد تیرہ سو سال تک پھیلا ہوا ہے۔ اس اعتبار سے ضعف بھی تقریباً انتہا کو پہنچ چکا ہے۔ لیکن بحمدہٖ تعالیٰ دنیا ہنوز ایسے نفوسِ قدسیہ سے خالی نہیں، جو ظاہری و باطنی کمالات سے آراستہ ہوں۔ ہر چند کہ اِن کی تعداد مجموعی طور پر قلیل تر ہو گئی ہے۔ مگر ان کے وجودِ مسعود کی برکات سے انکار نہیں کیا جا سکتا۔ اسی لیے ہر دور میں طالبِ حق پر یہ لازم آتا ہے کہ وہ عارفینِ کاملین کی تلاش میں رہے اور جس شیخ کو اتباعِ شریعت میں سرگرم پائے اور علم و عمل کے درجہ میں کامل و مکمل دیکھے اس کی صحبت اختیار کرنے کے بعد اصلاحِ نفس کی کوشش کرے۔ سالک پر یہ فرض بھی عائد ہوتا ہے کہ وہ اصل مقصود اور معیار حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اسوۂ حسنہ کو ٹھہرائے اور قلب و روح کو شریعت کے ظاہر و باطن سے آراستہ و پیراستہ کرے۔

<u>اجزائے شریعت</u> : حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی قدس سرہٗ فرماتے ہیں کہ شریعت کے تین جزو ہیں، علم، عمل اور اخلاص۔ علم یعنی عقائدِ صحیحہ کی معلومات کتبِ عقائد یا علمائے ظاہر کی تعلیم سے حاصل ہو سکتی ہیں ان کے حصول کے لیے طریقِ تصوف کی حاجت نہیں۔ عمل یعنی عبادات، نماز، روزہ اور دیگر معاملات کی صورتیں خرید و فروخت وغیرہ۔ یہ تمام فقہا و محدثین کی تعلیمات اور فتاویٰ سے دستیاب ہو سکتی ہیں، ان کے لیے بھی تصوف کی چنداں ضرورت نہیں۔ تیسری شق جو جزوِ اعظم کی حیثیت رکھتی ہے، اخلاص ہے اور وہ علم و عمل کی جان ہے۔ اس کے حصول کے لیے عرفا و صلحا کی صحبت اشد ضروری ہے۔ باطن کا تزکیہ، تصفیہ اور دولتِ صدق و صفا ایسے حضرات کے پاس رہ کر ہی حاصل کی جا سکتی ہے جن کا سلسلہ درستی و صحت کے ساتھ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم تک پہنچتا ہے اس کی طرف قرآنِ عزیز میں بھی اشارہ کیا گیا ہے:

يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَكُوْنُوْا مَعَ الصّٰدِقِيْنَ ط

اے ایمان والو! اللہ سے ڈرو اور اہلِ صدق وصفا کی صحبت اختیار کرو۔

بیعت : دولتِ اخلاص واحسان کے حصول کا ذریعہ عہدِ نبوی میں بھی بیعت ہی تھا اور آج بھی وہی ہے۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں کفار حاضر ہو کر اپنے آبا و اجداد کے تقلیدی دین سے توبہ کر کے آپ کے دستِ مبارک پر بیعتِ اسلام کرتے تھے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نظرِ کیمیا اثر کے ایک ہی التفات سے ایمانِ حقیقی اور اخلاص واحسان کے منتہا پر پہنچ جاتے تھے۔ ان کے نفوس مزکیٰ ومطہر ہو کر دوسروں کی تربیت و اصلاح کی صلاحیت بھی حاصل کر لیتے تھے۔

آج بھی ایمانِ تقلیدی اور آبا و اجداد کی رسوم سے نکل کر ایمانِ حقیقی اور اتباعِ سنت کے صحیح مقام کو سمجھنے کے لیے اہل اللہ سے رابطہ ضروری ہے۔ عرفانِ الٰہی کا حصول ان کے دامن سے وابستگی میں مضمر ہے۔ ان کے ہاتھ پر بیعت کرنا دینِ قیم اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی سنتِ مطہرہ پر ہمیشہ کاربند رہنے کا عہد استوار کرنا ہے۔ رُوحانیت کا یہی وہ پاکیزہ طریق ہے جس پر چل کر صحابہ کرامؓ، تابعینؒ، تبع تابعینؒ اور اولیائے امت کو ظاہری و باطنی کمالات کی لازوال نعمتیں میسر آئیں۔ رشد و ہدایت کا یہ فیضان سینہ بہ سینہ اور سلسلہ بہ سلسلہ ابدالآباد تک جاری وساری رہے گا ؎

بآں گروہ کہ از ساغرِ وفا مستند
سلامِ ما برسانید، ہر کجا ہستند

نجات یافتہ گروہ : رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پیش گوئی کے طور پر فرمایا ہے کہ میری امت تہتر[۴۲] فرقوں میں بٹ جائے گی جن میں فرقہ ناجیہ صرف ایک ہی ہو گا۔ باقی سب کے سب جہنم کے مستحق قرار پائیں گے صحابہؓ نے دریافت کیا کہ یا رسول اللہ! وہ نجات پانے والا گروہ کون سا ہے؟ اس پر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا هُمْ عَلٰى مَا اَنَا عَلَيْهِ وَاَصْحَابِىْ۔ یہ وہ لوگ ہیں جو عقیدہ و عمل میں اس طریقہ پر ہوں گے جس پر خود میں اور میرے اصحابؓ گامزن ہیں۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے وَاَصْحَابِىْ کے لفظ سے یہ صراحت بھی فرما دی کہ میرے اصحاب کا طریقہ بعینہٖ میرا طریقہ ہے۔ چنانچہ علمائے اہل السنت والجماعت کے جس قدر طبقات ہیں، وہ سب کے سب جنابِ رسالتمآبؐ اور آپ کے صحابہ کرامؓ کے اقوال و اعمال کو سرچشمۂ ہدایت اور معیارِ صداقت

تسلیم کرتے ہیں۔

مذاہب و مسالکِ فقہیہ: اہل السنت والجماعت جن میں سے چار مسلک حنفیہ، شافعیہ، مالکیہ اور حنبلیہ رواج عام پا سکے۔ گو بظاہر مختلف فقہی مذاہب و مسالک پر منقسم نظر آتے ہیں مگر سب کا مطمحِ نظر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی سنت اور صحابہ کرامؓ کے عمل کا اتباع ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ان تمام مسالکِ فقہیہ میں جو امتیازی شان اور دائمی قبولیت مسلکِ حنفیہ کو نصیب فرمائی وہ اس کا خصوصی فضل و انعام ہے۔ مگر جہاں تک حقانیت کا سوال ہے محققین کا فیصلہ ہے کہ حق ان مسالکِ اربعہ سے باہر نہیں اور انہی چار میں دائر و سائر ہے۔ لہذا چاروں فقہی مسالک برحق ہیں۔

مسالکِ تصوّف: سلوک و طریقت کے مسالک بھی اگرچہ بے شمار ہیں مگر ان میں چار طریقے نقشبندیہ، چشتیہ، قادریہ اور سہروردیہ مقبولِ عام ہیں۔ ان سب کا مقصدِ وحید زندگی کو پیروانِ کتاب و سنّت کی صحبت میں گزار کر رضائے الٰہی اور قربِ خداوندی حاصل کرنا ہے۔ الحمدُللہ کہ انعام و اکرام کے اس حصُول میں چاروں طریقے برابر کے شریک ہیں۔ یہ بات علیحدہ ہے کہ کسی طریقہ میں یہ مقصد سہولت اور سرعت کے ساتھ حاصل ہوتا ہے اور کسی میں ریاضت و مجاہدہ درکار ہے مگر سب کا اصل الاصُول کتاب و سنّت کا اتباع اور آئمہ مجتہدین کی پیروی ہے۔ اگرچہ روحانیت کے ارتقاء میں ان کے افکار و نظریات ایک دوسرے سے مختلف ہیں لیکن مطلوب و مقصود حق تعالیٰ کی رضا ہے۔ لہذا یہ چاروں طریقے حق پر ہیں، ان میں سے کسے اختیار کیا جائے؟ یہ سالک کی قلبی مناسبت پر موقوف ہے۔ جس طریقہ کے معارف سے اسے مناسبت ہو اس کا اختیار کرنا اس کے لیے مفید و موزوں رہے گا۔

اقرب و اکمل طریق: یہ فیصلہ کرنا ہر کسی کا کام نہیں کہ تمام طریقہ ہائے تصوف میں کون سا طریقہ اور کون سا مسلک عرفانِ الٰہی کے حصُول کے لیے قریب تر، کامل تر اور سہل تر ہے۔ بلاشبہ یہ فیصلہ کرنا صرف اسی جامع کمالات ہستی کا کام ہے جسے ان طریقوں پر کامل عبور حاصل ہو اور جس نے ہر طریقہ کے نشیب و فراز، درجات و مقامات اور معارف و اسرار کا ذاتی مشاہدہ کیا ہو اور پھر اللہ تعالیٰ نے اسے ناقدانہ بصیرت اور عارفانہ فراست سے بھی نوازا ہو۔

حضرت مجدّد الف ثانیؒ کا فیصلہ: سلاسلِ تصوّف میں اس امر کی ضرورت ہوتی ہے کہ طالبِ حق جس درجہ کی استعداد لے کر آئے، فیوض و برکات سے محروم نہ رہے۔ مقامِ حسرت ہے کہ آج سالکانِ راہ میں اتنی ہمت نہیں کہ وہ ان مشقتوں کو برداشت کر سکیں۔ جو حضراتِ متقدمین نے اٹھائیں۔ اس لیے اگر کسی میں

جذبۂ طلب پیدا بھی ہوتا ہے تو اس کی آرزو یہی ہوتی ہے کہ کسی سہل تر اور مفید تر طریق کو اختیار کرے جو اسے ساحلِ مراد تک پہنچا دے۔

اللہ تعالیٰ ہمارے پیشوا و مقتدا حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ کو جزائے خیر عطا کرے کہ انھوں نے تصوف کے جملہ مسالک پر عبور حاصل کیا اور وصول الی اللہ کے تمام مدارج و مقامات کی تفصیلی سیر کے بعد طریقۂ عالیہ نقشبندیہ کو اپنایا۔ آپ نے حسبِ ذیل الفاظ میں اس کی تعریف کرتے ہوئے طالبانِ حق کو اس کے اختیار کرنے کی ترغیب دی:

بدانکہ طریقے کہ اقرب است و اسبق و اوفق و اوثق و اسلم و احکم و اصدق و اولیٰ و اعلیٰ و اجل و ارفع و اکمل و اجمل طریقۂ عالیہ نقشبندیہ است قدس اللہ تعالیٰ ارواح اھالیھا و اسرار موالیھا این ہمہ بزرگیِ این طریق و علو شانِ این بزرگواران، بواسطۂ التزامِ سنتِ سنیہ است علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام والتحیۃ و اجتناب از بدعتِ نامرضیہ ایشانند۔ کہ در رنگِ اصحاب کرام علیہم الرضوان من الملک المنان نہایتِ کار در بدایتِ شان مندرج است و حضور و آگاہیِ ایشاں دوام پیدا کردہ و بعد از وصول بہ درجۂ کمال فوقِ آگاہیِ دیگراں شدہ

(مکتوب ۲۹۰ دفتر اول)

واضح ہو کہ سب طریقوں میں قریب تر، سابق تر، موافق تر، واثق تر، سالم تر، محکم تر، صادق تر، بہتر، عالی تر، جلیل تر، رفیع تر، کامل تر اور جمیل تر طریقہ علیہ نقشبندیہ ہے اللہ تعالیٰ اس کے اکابر کی ارواح اور اس کے بزرگوں کے اسرار کو پاکیزگی عطا فرمائے اس طریقہ کی یہ بزرگی اور ان اکابر کی یہ سرفرازی حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی سنتِ مطہرہ کے اتباع اور ناپسندیدہ بدعت سے پرہیز کے باعث ہے حضرات نقشبندیہ ہی وہ بزرگ ہیں کہ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کی طرح سلوک کا انتہائی مقصود ان کی ابتدا میں سمو دیا گیا ہے۔ انہیں دائمی حضور و آگاہی سے نوازا گیا ہے اور مقامِ کمال پر فائز ہونے کے بعد ان کا حضور دوسروں سے سبقت لے گیا ہے۔

حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہٗ نے ان چند مختصر اور جامع الفاظ میں طریقۂ نقشبندیہ کی افضلیت و برتری کا جس طرح اظہار فرمایا وہ کوئی یکطرفہ فیصلہ نہیں بلکہ آپ نے نقشبندیہ سلوک سے پہلے چشتیہ، قادریہ، سہروردیہ، کبرویہ وغیرہ متعدد طریقہ ہائے تصوف کو طے کیا اور ان کے مقامات و احوال کا عرفان حاصل کیا۔ مزید یہ کہ آپ کو ان

میں خلافت اور سندِ اجازت بھی مل چکی تھی۔ بلاشبہ ایسی ہی شخصیت کو حق پہنچتا ہے کہ وہ ان طریقوں میں سے آسان تر اور مفید تر طریقہ منتخب کر کے طالبانِ حق کی رہبری کرے۔ اَللّٰھُمَّ اجْزِہٖ عَنَّا جَزَآءً حَسَنًا کَافِیًا مُّوَافِیًا لِفَیْضَانِہِ الْفَائِضِ فِی الْاٰفَاقِ۔

اگر حضرت مجدد علیہ الرحمہ کے ان الفاظ کی شرح مقصود ہو تو مکتوباتِ امام ربّانی کے تینوں دفتروں کا مطالعہ کرنا چاہیے۔ حضرتؒ نے طریقہ نقشبندیہ کی شان میں جن تیرہ صفات کا ذکر صیغۂ تفضیل کے ساتھ فرمایا، مکتوباتِ شریفہ کے دفتر ان کی تفصیلات سے لبریز ہیں۔

طریقۂ پاک کی آٹھ بنیادی اصطلاحات

حضرت عبدالخالق غجدوانی قدس سرہٗ کے مندرجہ ذیل آٹھ اصطلاحی کلمات ہیں جو طریقہ نقشبندیہ میں سنگِ میل کا درجہ رکھتے ہیں۔

۱۔ نظر بر قدم: اس اصطلاح کے دو معنیٰ ہیں۔ ایک ظاہری اور دوسرے باطنی۔ ظاہری معنیٰ یہ ہیں کہ راستہ چلتے اور شہر و صحرا میں آتے جاتے سالک اپنی نظر کو پشتِ قدم پر رکھے کہ وہ نامناسب جگہ پر نہ پڑے اور پریشانیٔ خیال کا موجب نہ بنے اور باطنی معنیٰ یہ ہیں کہ سالک کی رفتار سیر و سلوک میں اتنی تیز ہونی چاہیے کہ جس مقام پر نظر پہنچے فی الفور قدم بھی وہاں پہنچ جائے[۱]۔ مولانا جامیؒ حضرت خواجہ بہاؤالدین قدس سرہٗ کی شان میں فرماتے ہیں ؎

بسکہ ز خود کردہ بہ سرعت سفر
باز نماندہ قدمش از نظر

---

[۱] یہ عبارت رشحات سے ماخوذ ہے۔ امام ربانی حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہٗ العزیز نے اس اصطلاح کے جن معانی کو اختیار فرمایا ہے، وہ حسبِ ذیل دو ہیں:

۱۔ ظاہری اعتبار سے نظر بر قدم کے معنیٰ وہی ہیں جو صاحبِ رشحات نے بیان کیے ہیں کہ نظر کو قدم پر مرکوز رکھا جائے تاکہ وہ نامناسب جگہ پر نہ پڑے۔ یہ معنیٰ حضرت مجدد رحمہ اللہ کے نزدیک پسندیدہ ہیں۔

۲۔ نظر بر قدم سے مراد یہ ہے کہ قدم اس طور پر نظر سے پیچھے نہ رہ جائے کہ وہ کسی وقت بھی نظر کے مقام پر نہ پہنچ سکے۔ یہ معنیٰ درست ہیں۔ اس سے یہ مفہوم بھی پیدا ہوتا ہے کہ قدم بعض مراتب نظر تک پہنچ سکتا ہے اور بعض تک نہیں۔ البتہ قدم کا ہمیشہ پیچھے رہنا ترقی کے منافی ہے۔

یعنی منزلِ ہستی کو اتنی تیزی سے طے فرمایا کہ قدم نظر سے پیچھے نہیں رہا۔ جس مقامِ بلند پر نظر پہنچی، قدم بھی وہاں فی الفور پہنچ گیا۔

۲۔ ہوش در دم: اس سے مراد یہ ہے کہ جو سانس اندر سے باہر نکلے وہ حق تعالیٰ کی طرف توجہ، حضور اور آگاہی سے خالی نہ ہو۔ حضرت خواجہ بہاؤالدین نقشبند قدس سرہٗ فرماتے ہیں کہ اس طریق میں ذکر و شغل کی بنیاد سانس پر رکھنی چاہیے کہ کسی سانس کو ضائع نہ ہونے دیا جائے۔ سانس کی آمد و رفت، اس کا درمیانی وقفہ ذاتِ باری تعالیٰ کے حضور میں گزارنا چاہیے۔ تا آنکہ یہ کیفیت ایک ملکہ کی حیثیت اس طور پر حاصل کرلے کہ اس میں کسی تکلف اور تصنع کا عمل دخل نہ رہے۔

۳۔ سفر در وطن: اس سے مراد سیرِ انفسی ہے یعنی سالک کا اپنی ذات کے اندر سفر کرنا اور ناپسندیدہ صفاتِ بشریہ سے پاکیزہ صفاتِ ملکوتیہ کی طرف بڑھتے ہوئے مقاماتِ عشرہ توبہ، انابت، صبر، شکر، قناعت، ورع، تقویٰ، تسلیم، توکل اور رضا پر فائز ہو جانا۔ سیرِ آفاقی بھی اسی کے ضمن میں طے ہو جاتی ہے۔ رباعی:۔

یارب چہ خوش است بے دہاں خندیدن | بے واسطۂ چشم جہاں را دیدن
بنشین و سفر کن کہ بہ غایت خوب است | بے منت پا گردِ جہاں گردیدن

۴۔ خلوت در انجمن: حضرت خواجہ بہاؤالدین نقشبند قدس سرہٗ سے دریافت کیا گیا کہ آپ کے طریقہ کی بنیاد کس چیز پر ہے۔ آپ نے فرمایا، خلوت در انجمن پر یعنی ظاہر میں خلق کے ساتھ رہنا اور باطن میں حق تعالیٰ کے ساتھ۔ زندگی کا اس انداز پر گزارنا کہ خلقِ خدا کے ساتھ روابط سالک کو مطلوبِ حقیقی سے باز نہ رکھ سکیں ؎

از دروں شو آشنا و از بروں بیگانہ وش
ایں چنیں زیبا روش کم می بود اندر جہاں

قرآنی آیت رِجَالٌ لَّا تُلْهِيهِمْ تِجَارَةٌ وَّلَا بَيْعٌ عَنْ ذِكْرِ اللّٰهِ وَاِقَامِ الصَّلٰوةِ وَاِيْتَآءِ الزَّكٰوةِ میں بھی اسی مقام کی طرف اشارہ ہے کہ وہ ایسے لوگ ہیں جنہیں تجارت اور اشیاء کی خرید و فروخت، ذکرِ الٰہی، پابندی صلوٰۃ اور ادائیگی زکوٰۃ سے غافل نہیں کر سکتی۔

۵۔ یاد کرد: شیخ نے مرید کو جو ذکر تلقین فرمایا ہے، اسم ذات ہو یا نفی و اثبات، لسانی ہو یا قلبی،

ہر وقت اس میں مشغول رہے اور یہ شعر ترجمانِ حال بن جائے ؎

دائم ہمہ جا ، با ہمہ کس ، در ہمہ کار
می دار نہفتہ چشم دل جانبِ یار

۶۔ بازگشت : اس سے مراد یہ ہے کہ ذاکر ذکر کرتے ہوئے جس طرح زبانِ دل سے اللہ اللہ یا لا الٰہ الا اللہ کہہ رہا ہے اسی طرح اس کے بعد باطن میں خشوع و خضوع کے ساتھ کہے " خداوندا ! مقصود من توئی و رضائے تو ، ترک کردم دنیا و آخرت را برائے تو ، محبت و معرفت خود دہ "۔ شروع میں اگر سالک خود کو اس قول میں صادق نہ بھی جانتا ہو ، تب بھی کہے کیونکہ اس سے تضرع و زاری اور ندامت و خجالت کے احساس میں اضافہ ہوگا۔ پھر رفتہ رفتہ اس قول میں صداقت کے آثار ان شاء اللہ آشکارا ہو جائیں گے۔

۷۔ نگاہداشت : اس سے مراد یہ ہے کہ سالک ذکر کی حالت میں خطرات و وساوس سے دل کی حفاظت کرتا رہے اور خیالاتِ پریشاں سے دل کو متاثر نہ ہونے دے۔ ایک گھنٹہ ، دو گھنٹے یا اس سے زائد وقت تک اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی خیال نہ آئے اور اس کی مشق یہاں تک کرے کہ ماسوا اللہ بالکل فراموش ہو جائے۔

۸۔ یاد داشت : اس سے مراد یہ ہے کہ حق سبحانہٗ و تعالیٰ کی طرف ذوقِ وجدانی کے طور پر دائمی حضور و آگاہی حاصل ہو جائے۔ اسی کو حضورِ بے غیبت سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ اہلِ تحقیق ذاتِ باری تعالیٰ کی محبت کے سلسلہ میں جس شہود اور غلبہ کے قائل ہیں اس سے بھی یہی ملکۂ یاد داشت مراد ہے اور نسبت خاصۂ نقشبندیہ بھی اسی کو کہا جاتا ہے۔

خصوصیاتِ طریقہ : ۱۔ امامِ طریقت حضرت خواجہ بہاؤ الدین نقشبند بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے بارگاہِ خداوندی میں عجز و نیاز کے ساتھ پندرہ روز تک سربسجود ہو کر دعا مانگی تھی کہ خدایا مجھے وہ طریقہ القا فرما جو بندے کو سہولت اور آسانی کے ساتھ تیری ذات تک پہنچا دے۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کی دعا کو شرفِ قبولیت بخشا اور یہ طریقہ خاص عطا فرمایا جو آپ کے مشہور لقب نقشبند کی مناسبت سے نقشبندیہ کہلایا۔ یہ سب طریقوں سے قریب تر اور سہل تر ہونے کے ساتھ مقصودِ حقیقی تک بالیقین پہنچانے والا ہے۔

۲۔ اس سلسلے کا انتساب حضرت سیدنا صدیقِ اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ہے جو انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام

کے بعد بالاتفاق افضل البشر ہیں۔ اس کی بنیاد خالصتہً اتباعِ سنت نبوی پر ہے جس کے لیے بدعت کی ہر نوع سے اجتناب لازمی شرط ہے۔

۳۔ اس طریقہ میں جذبہ سلوک پر مقدم ہے جو طالبِ صادق کو شیخ کامل کی توجہ سے حاصل ہو جاتا ہے۔ احوال و کیفیات طاری ہونے لگتے ہیں جن سے طلب میں ذوق و شوق بڑھ جاتا ہے، ذکر و عبادت میں خاص لذت و سرور اور روح کو سوز و گداز نصیب ہوتا ہے اور یہی سوز و گداز سالک کو مقصودِ حقیقی کی طرف کشاں کشاں لے جاتا ہے ؎

وادیٔ عشق بسے دور و دراز است ولے
طے شود جادۂ صد سالہ بآہے گاہے

۴۔ اس طریقہ میں فیض و ترقیٔ درجات کا دار و مدار صحبتِ شیخ اور توجہِ شیخ پر ہے۔ صحبتِ شیخ حضورؐ کی سنّتِ مطہرہ کے اتباع میں ممد و معاون ہے۔ لہٰذا مرید ادب و احترام کے ساتھ جس قدر صحبتِ شیخ کا التزام کرے گا اسی قدر سرعت کے ساتھ منازلِ ترقی و مدارجِ کمال طے کرتا چلا جائے گا۔

۵۔ اس طریقہ میں انعکاس فیضان اسی طرح ہے جس طرح صحابہ کرامؓ کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی مجلس میں حاصل ہوا کرتا تھا۔ جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبتِ مبارکہ میں صدقِ دل اور جاذبۂ محبت کے ساتھ ایک مرتبہ حاضر ہونے والا شخص بھی کمالِ ایمانی کے اعلیٰ و ارفع مقام پر فائز ہو جاتا تھا۔ کم و بیش حضراتِ نقشبندیہ کی خدمت میں صدقِ دل سے آنے والا شخص عرفان و آگہی کے اس مقام کو محسوس کر لیتا ہے جو دوسرے طریقوں میں مدت مدید کے بعد نصیب ہوتا ہے۔ اسی لیے اکابرِ نقشبندیہ رحمہم اللہ تعالیٰ کا قول ہے کہ "طریقۂ ما بعینہٖ طریقۂ اصحاب کرامؓ است" یعنی ہمارا طریقہ صحابہ کرامؓ کے طریقہ کے عین مطابق ہے۔ ان حضرات نے افادہ و استفادہ کا وہی انداز اختیار کیا ہے جو صحبتِ نبوی کا طرۂ امتیاز تھا۔ اسی لیے فرماتے ہیں "در طریقۂ ما محرومی نیست و ہر کہ محروم است در طریقۂ ما نخواہد آمد" یعنی جو شخص ہمارے طریقہ میں داخل ہوا وہ محروم نہ رہے گا اور جو ازلی محروم ہے وہ ہمارے سلسلہ سے منسلک نہ ہو سکے گا۔

۶۔ وجودِ انسانی دس لطائف پر مشتمل ہے۔ پانچ کا تعلق عالم خلق سے اور پانچ کا تعلق عالم امر سے ہے۔ عالم امر سے تعلق رکھنے والے لطائف قلب، روح، سر، خفی اور اخفیٰ ہیں جبکہ نفس اور اربعہ عناصر عالم خلق

سے منسوب ہیں۔ اس طریقۂ مبارکہ میں ان لطائف کے تصفیہ و تزکیہ اور فنا و بقا کے لیے چند مقرر کردہ اصول و ضوابط ہیں جن پر عمل پیرا ہو کر سالک ایک قلیل مدت ہی میں ان سب کے انوار و تجلیات اور احوال و کیفیات سے بہرہ ور ہو جاتا ہے۔

۷۔ اس طریقہ میں آغاز سیرِ انفسی سے ہوتا ہے اور سیرِ آفاقی اس کے ضمن میں طے کرا دی جاتی ہے۔ سیرِ آفاقی سے مراد یہ ہے کہ دائرۂ امکان' جو ارض و سما، عرش و کرسی اور جمیع ممکناتِ عالم کو محیط ہے کے احوال کا تفصیلی طور پر ظہور و انکشاف ہو جائے جبکہ سیرِ انفسی عالمِ امر کے پنجگانہ لطائف سے تعلق رکھتی ہے اور یہ تمام لطائف فوق العرش ہیں۔ اکابرِ نقشبندیہ خصوصاً خواجہ عبید اللہ احرار قدس سرہٗ نے اس سیر کو سیرِ مستدیر یعنی اپنی ذات کے گرد گھومنا' سے تعبیر کیا ہے اور سیرِ آفاقی کو سیرِ مستطیل قرار دیا ہے۔ مزید یہ بھی ارشاد فرمایا ہے کہ سیرِ مستدیر قرب در قرب ہے' اور سیرِ مستطیل بُعد در بُعد۔

اس طریقۂ پاک میں عالمِ امر کے لطائف کی سیر اجمال و تفصیل کے ساتھ کرائی جاتی ہے۔

تفصیل حسبِ ذیل ہے :

لطیفۂ قلب زیرِ قدم حضرت آدم علیہ السلام ہے، لطیفۂ رُوح زیرِ قدمِ حضرت نوح و ابراہیم علیہما السلام' لطیفۂ سِرّ زیرِ قدمِ حضرت موسےٰ علیہ السلام، لطیفۂ خفی زیرِ قدمِ حضرت عیسےٰ علیہ السلام اور لطیفۂ اخفٰی زیرِ قدمِ حضرت محمّد مصطفٰے صلی اللہ علیہ وسلم ہے۔ ان لطائف کے عروج و کمال اور فنا و بقا سے مشاربِ ولایت وابستہ ہیں۔ لطیفۂ قلب سے ولایتِ آدم علیہ السلام کا تعلق ہے جو سالک اس راہ سے واصل ہوتا ہے اسے آدمی المشرب کہتے ہیں۔ لطیفۂ روح سے واصل ہونے والا ابراہیمی المشرب کہلاتا ہے۔ لطیفۂ سِرّ سے درجۂ وصول پر فائز ہونے والا موسوی المشرب کے نام سے موسوم ہوتا ہے۔ لطیفۂ خفی کی راہ سے واصل عیسوی المشرب کا نام پاتا ہے اور لطیفۂ اخفٰی کی ولایت پر فائز ہونے والا سالک ولایتِ خاصۂ محمدیّہ سے مشرف ہوتا ہے۔ ان تمام ولایات کا تعلق دائرہ ولایتِ صغریٰ سے ہے جو اولیائے عظام کی ولایت کا دائرہ کہلاتا ہے۔ دوسرا دائرہ ولایتِ کبریٰ کا ہے جو انبیائے کرام کی ولایت کا دائرہ ہے۔ تیسرا دائرہ ملاء اعلیٰ یعنی ملائکۂ مقربین کی ولایت کا دائرہ ہے جو دائرۂ ولایتِ عُلیا کہلاتا ہے۔

۸۔ اس سلسلہ میں لازم ہے کہ سالک کا خیال[1] دل کی طرف مرکوز رہے اور دل ذاتِ باری تعالیٰ کی طرف متوجہ رہے۔ پھر یہ کہ ذاکر ذکرِ نفی و اثبات کرتے وقت سانس کو روک لے اور طاق اعداد[2] پر چھوڑے۔ نفس کا محاسبہ[3] کرتا رہے۔ اگر عملِ خیر کی توفیق ہو تو اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرے۔ اگر کوئی لمحہ غفلت میں گزرے تو اس پر نادم ہونے کے بعد استغفار کرے۔

۹۔ اس طریقۂ عالیہ میں دوامِ حضور و آگاہی وہ پاکیزہ مقام ہے جس کا نام حضرات صحابۂ کرامؓ کے نزدیک احسان ہے اور اصطلاحِ صوفیہ میں اس کو مشاہدہ و شہود، یاد داشت اور عین الیقین وغیرہ ناموں سے پکارا جاتا ہے درحقیقت اَنْ تَعْبُدَ رَبَّکَ کَاَنَّکَ تَرَاہُ کے مصداق یہی حالت ہے جو بعینہٖ دیدارِ الٰہی نہ سہی مگر مثلِ دیدار ضرور ہے۔

ذریعۂ حصولِ فوائد: شیخِ کامل کی صحبت آداب و شرائط کے ساتھ مسلسل اختیار کرنا اور حسبِ تلقینِ شیخ اس طریقۂ پاک کے اذکار و اشغال پر کاربند رہنا تمام فیوض و برکات کے حصول کا ذریعہ ہے، پھر اس سلسلہ میں بلند تر مقامات اور ارفع و اعلیٰ واردات بھی موجود ہیں جو اولوالعزم سالکین اور صاحبِ ہمت مقربین کا حصہ ہیں۔ فطرت نے جنہیں اہلیت و استعداد بخشی ہے وہ ان سے شرف اندوز ہوتے ہیں اور بڑھتے چلے جاتے ہیں۔

جنابِ عشق بلند است ہمتے حافظ
کہ عاشقاں رہِ بے ہمتاں بخود ندہند

طریقۂ نقشبندیہ کے یہ وہ خصائص ہیں جنہیں حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی قدس سرہٗ نے اپنے مکتوباتِ شریفہ میں بڑی تفصیل کے ساتھ متعدد مقامات پر ذکر فرمایا ہے۔ یہ حقیقت ہے کہ آپ سے پیشتر طریقۂ نقشبندیہ کے نظریات و تعلیمات ایک مرتب شکل میں موجود نہ تھے۔ آپ ہی نے اس سلسلۂ عالیہ کے مقامات و مشاہدات کو ترتیب دیا اور انہیں ایک تدریجی و عملی صورت عطا کی پھر اسی پر اپنے طریقۂ خاصۂ مجددیہ کی بنیاد رکھی مزید بے شمار حقائق و معارف کے انکشاف کے بعد معرفتِ الٰہی کا ایک ایسا قصرِ رفیع تعمیر فرمایا جہاں پہنچ کر سالک بے اختیار پکار اٹھتا ہے " ہماں نسبتِ پیشینیاں بہماں طراوت در سینیاں بردئے کار آمدہ "۔ یعنی جو کمالاتِ رسالت و نبوت صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کو حضورِ ختمی مرتبت صلی اللہ علیہ وسلم کی

---

[1] اصطلاحِ تصوف میں اس کا نام وقوفِ قلبی ہے [2] وقوفِ عددی [3] وقوفِ زمانی

صحبت کے طفیل میسر تھے ہزار سال بعد حضرت مجدد الف ثانی رحمہ اللہ کے وسیلے سے بار دگر منصۂ شہود پر جلوہ گر ہیں۔ دوران کی تنویرات مسلم کے قلوب کو حیاتِ جاوداں عطا کر رہی ہے۔ فَجَزَاهُ اللّٰهُ تَعَالٰی عَنَّا وَعَنْ سَائِرِ مُتَّبِعِی الطَّرِيْقَةِ الشَّرِيْفَةِ ؎

نقشبندیہ عجب قافلہ سالارانند
کہ برند از رہِ پنہاں بہ حرم قافلہ را

═══ * ═══

مولانا عرشیؔ مرحوم کے احوال و آثار

نذیر بیگ نام، عرشی تخلص، ولدیت مولانا عبدالکریم، پیدائش ۱۸۸۴ء، وفات ستمبر ۱۹۴۷ء

عمر ۶۳ سال وطن قصبہ دھنولہ ریاست نابھہ

آپ مستند عالم، ماہر طبیب، نامور ادیب، فاضل مصنف اور پختہ کلام شاعر تھے۔ مدرسہ نعمانیہ لاہور سے فارغ التحصیل ہوئے اور پنجاب یونیورسٹی سے علومِ شرقیہ میں مولوی فاضل اور منشی فاضل کی سندات حاصل کیں۔ علم دین اور فنِ طب میں کمال حاصل کیا۔ فراغت کے بعد آپ نے اپنے وطن قصبہ دھنولہ ہی میں قیام فرمایا۔ مطب کے ساتھ ساتھ تصنیف و تالیف کا شغل خاص بھی جاری رکھا اور مدرسہ کریمیہ دھنولہ میں تدریس و تعلیم کا آغاز کیا۔ آپ کے والدِ ماجد کا اسمِ گرامی مولانا عبدالکریم تھا۔ اس مناسبت سے درس گاہ کا نام 'مدرسہ کریمیہ' رکھا۔ مشاغل تصنیف و تالیف، فارسی و عربی کتب کی تدریس اور مصروفیاتِ طب کے علاوہ آپ خطابت میں بھی یدِطولیٰ رکھتے تھے۔ آپ کا وعظ عالمانہ اور پُرتاثیر ہوتا تھا۔ تصنیف و تالیف کے سلسلہ میں آپ نے چھوٹی بڑی تقریباً ۲۷ کتابیں، رسالے اور تراجم مرتب کیے جن میں سے بعض شائع بھی ہو چکے ہیں اور باقی مسودات کی شکل ہی میں پڑے رہے۔ وہ غالباً برِصغیر کی تقسیم کے ہنگاموں میں تلف ہو گئے۔ مطبوعہ رسائل و کتب کا اجمالی خاکہ حسبِ ذیل ہے:

تعلیم نسواں کے سلسلہ میں ایک مکمل نصاب مرتب فرمایا جو تعلیم البنات کے نام سے آٹھ حصّوں میں شائع ہوا۔ اپنے مواعظ پر مشتمل ایک رسالہ 'مواعظ عرشی' کے نام سے شائع کیا۔ ایک اور مجموعہ 'خطبات عرشی' کے نام سے طبع ہوا۔ مثنوی مولانا رومؒ کی شرح عام فہم اور سلیس اُردو میں اکیس جلدوں میں مرتب فرمائی جو لاہور سے نہایت عمدہ طرز پر شائع ہوئی۔ اس شرح کے دیکھنے کا اتفاق راقم الحروف کو بھی ہوا جب تقسیم ہند کے بعد لاہور آکر ایک پرائیویٹ ادارہ تعلیم جامعہ شرقیہ کے نام سے گوالمنڈی لاہور میں قائم کیا تھا۔ اس ادارہ میں پنجاب یونیورسٹی کے امتحانات منشی فاضل، ادیب عالم اور ادیب فاضل کی تیاری کرائی جاتی تھی۔ چونکہ مثنوی مولانا رومؒ

کا پہلا دفتر منشی فاضل کے نصاب میں شامل تھا۔ لہٰذا اس سلسلہ میں مولانا نذیر احمد عرشی مرحوم کی شرح مفتاح العلوم کی زیارت و مطالعہ کا شرف حاصل ہوا۔ حق یہ ہے کہ فاضل مصنف نے تشنگان علم کی تسکین کے لیے جہاں پیر رومیؒ کے حقائق و معارف کو وضاحت کے ساتھ بیان کیا ہے وہاں اردو دان حضرات کی دلچسپی کا سامان بھی بہم پہنچایا ہے۔ ہر شعر کی تقطیع، حل لغات اور نحوی تراکیب کا التزام بھی فرمایا ہے۔ مثنوی کی متعدد شروح کو پیش نظر رکھتے ہوئے مطالب و معانی کی تسہیل میں کوئی دقیقہ فروگزاشت نہیں کیا۔ زبان نہایت فصیح اور اسلوب بیان بے حد دل نشیں ہے۔ بلا مبالغہ کہا جا سکتا ہے کہ اردو زبان میں مثنوی رومی کی اس سے بہتر شرح موجود نہیں۔ اس شرح کے علاوہ آپ نے 'درِ مختوم' کے نام سے مثنوی مولانا رومؒ علیہ الرحمہ کا ایک حاشیہ بھی تحریر فرمایا اور فنِ حدیث میں کنز الآثار تالیف فرمائی۔

فنِ طب کے سلسلہ میں کلیدِ مطب، بیاضِ کریمی، مفرداتِ عرشی، اصول علاج اور کلید عطاری ایسی متعدد کتابیں ترتیب دیں جن میں معمولاتِ مطب، نسخہ جات اور ادویہ مفردہ کے خواص، امزجہ اور دواسازی کے اصول و طریق مفصل طور پر بیان کیے گئے ہیں۔

تحفۂ سعدیہ: یوں تو مثنوی مولانا رومؒ کی شرح بھی مضامینِ تصوف کا ایک بحرِ زخار ہے اور اس میدان کو ہمارے مؤلف رحمہ اللہ تعالیٰ نے بڑی خوبی اور کامیابی کے ساتھ سر کیا ہے لیکن تصوف کے سلسلہ میں آپ کی گرانقدر تالیف تحفۂ سعدیہ ایک ایسی عظیم الشان ہستی کے تعارف و حالات پر مشتمل ہے جن سے مولف موصوف نے خود بھی کسبِ فیض کیا اور پیران کی وساطت سے طریقۂ نقشبندیہ مجددیہ کے عرفان کی منازل کو طے کیا۔ گویا عالم تصوف میں شرح مثنوی اگر جگ بیتی کا اظہار ہے تو تحفۂ سعدیہ ایک حد تک آپ بیتی کا بیان ہے۔

مؤلف کی تصنیفات و تالیفات میں سے یہی مذکورہ بالا انیس[19] رسائل و کتب ہیں جو ہمیں دستیاب ہو سکے اگر ان کی تصنیف کردہ شرح مثنوی کی ہر جلد کو الگ شمار کیا جائے تو تعداد ۲۹ ہو جاتی ہے۔ جناب حکیم مہر محمد صاحب مدظلہٗ (کاموکی منڈی ضلع گوجرانوالہ) سے معلوم ہوا ہے کہ آپ کی تصنیفات و تالیفات کی تعداد بہتر[72] تک پہنچتی ہے راقم الحروف حکیم صاحب کا تہِ دل سے شکرگزار ہے کہ انھوں نے عرشی مرحوم کے احوال و آثار مرتب کرنے میں اس کی مدد فرمائی۔

اخلاق و کردار: آپ نہایت علم دوست اور پابندِ سنت تھے۔ درس و تدریس سے والہانہ ربط تھا۔

طب اور اس کی جزئیات پر کامل عبور تھا۔ اخلاقِ عالیہ اور خلوص و وفا ان کی سیرت و کردار کے امتیازی نشان تھے۔ رزقِ حلال حاصل کرنا اور اسے جائز مصارف میں لانا آپ کی زندگی کا اصول تھا۔ اہلِ تقویٰ کے شعار کو ملحوظ رکھتے ہوئے لباس اور وضع قطع میں اس قدر سادگی پسند تھے کہ ان کے بعض ملاقاتی انہیں پہچاننے میں دھوکہ کھا جاتے تھے۔ اکثر احباب کسی اہلِ مجلس کو مولانا عرشی سمجھتے ہوئے اس سے مصافحہ کر کے بیٹھ جایا کرتے تھے، یا پوچھا کرتے تھے کہ آپ میں عرشی صاحب کون سے ہیں؟ خلقِ خدا سے معاملات میں آدابِ شرعی کا لحاظ رکھنا ان کی فطرتِ ثانیہ بن چکا تھا۔ نہایت نیک نفس، خوش خلق، متواضع اور دیانت دار انسان تھے۔ شدید احتیاج کے وقت بھی قریبی احباب میں سے کسی کا دست نگر ہونا عار سمجھتے تھے اور اپنی شانِ استغنا ہمیشہ برقرار رکھتے تھے۔ اگر بر سبیلِ تذکرہ احباب کو ان کی کسی ضرورت کا احساس ہو جاتا تو یہ ایک علیحدہ بات تھی مگر بہ نیتِ استمداد کسی کے سامنے لب کشائی ان کی ذات سے بعید تھی۔ ذکر و شغل اور مراقبہ کی پابندی ہر حال میں پیشِ نظر رہتی تھی۔ آپ کے مواعظِ حسنہ کا سلسلہ لوگوں کو امورِ شریعت و طریقت کی طرف متوجہ کرنے اور ان پر عمل کرنے کے لیے برابر جاری رہتا تھا۔

• **اظہارِ حق میں جرأت:** شہر میں ہندو، بنیے اور مہاجن سودی کاروبار کرتے تھے۔ اس ننگِ انسانیت طبقے کا شکار زیادہ تر مفلس اور قلاش مسلمان ہوا کرتے تھے۔ اس لیے آپ اپنے مواعظ میں خاص طور پر اس امر کا التزام کرتے تھے کہ سُود کے لین دین سے مسلمانوں کو نفرت دلائی جائے۔ بنک کے سود سے بھی منع کیا کرتے تھے۔ ہر چند حکامِ ریاست اور مہاجنوں کو آپ کا طرزِ عمل سخت ناگوار گزرتا تھا مگر آپ کسی فاسقانہ قوت کو خاطر میں نہ لاتے ہوئے مسلمانوں کو سودی کاروبار سے جسے خدا اور رسولؐ کے ساتھ جنگ کرنے کے مترادف قرار دیا گیا ہے، ہمیشہ روکتے تھے۔ سلف صالحین کی سنت پر عمل کرتے ہوئے ایک غیر مسلم اور متعصب سٹیٹ میں احکامِ شرعیہ کی برملا تبلیغ کرتے تھے۔

واقعۂ بیعت: مؤلف موصوف نے اپنی بیعت کا واقعہ آغازِ رسالہ میں عجب دلآویز انداز کے ساتھ تحریر کیا ہے تاریخِ بیعت تو ذکر نہیں فرمائی۔ البتہ خانقاہ سراجیہ میں آپ کی حاضری پہلی مرتبہ ۲۳ شوال ۱۳۵۰ھ بروز چہار شنبہ ہوئی۔ بیعت کا شرف اس تاریخ سے پیشتر مالیر کوٹلہ میں مستری ظہور الدین رحمہ اللہ کے مکان پر حاصل ہو چکا تھا۔ مستری صاحب موصوف ہی نے آپ کو اس طرف توجہ دلائی تھی۔ چنانچہ مؤلف محترم نے زیرِ عنوان

"خوش قسمتی کا پہلا دن" یہ رقم فرمایا ہے :-

" یہ وہ دن تھا جب برادرِ طریقت مستری ظہور الدین صاحب کا ایک خط بدیں مضمون مجھے ملا کہ اعلیٰ حضور (مرشدنا و مولانا ابو السعد احمد خان) دامت برکاتہم کوٹلہ تشریف فرما ہیں۔ تمہیں حاضر ہو کر منہ در بہرہ اندوزِ سعادت ہونا چاہیے"۔

مستری صاحب مرحوم کے اس جملہ نے مولف موصوف کے قلبِ مضطرب میں ایک تحریک پیدا کر دی اور آپ اگلے ہی روز مالیر کوٹلہ کی طرف چل پڑے۔ موٹر پر سوار ہوتے ہی حضرتِ اعلیٰ قدس سرہٗ کی طرف سے غائبانہ توجہ اور فیضان کا احساس ہونے لگا۔ لکھتے ہیں :

" دھنولہ، برنالہ کی وہی پامال سڑک جہاں روز آنا جانا رہتا تھا، آج نہ معلوم اس کا اتصال کس جنت النعیم سے تھا کہ عطر بیز ہوائیں برابر میرے مشامِ روح کو معطر کر رہی تھیں"۔ ؎

نسیمِ کوئے تو از لطف می برد ہر دم
غمے کہ بر دلِ ایں جانِ فگار می گزرد

اگرچہ مؤلف موصوف ابھی تک کسی بزرگ کے حلقۂ ارادت و بیعت میں شامل نہ ہوئے تھے مگر مرشد کامل اور رہنمائے حقیقت کی طلب کا جذبہ آپ کے دل کو بے چین کیے رکھتا تھا۔ دوسری طرف ظاہر پرست اور دنیا طلب پیروں کا انبوہِ کثیر بھی نظروں میں تھا جو ایک شیخِ کامل اور صاحبِ ولایت تک رسائی حاصل کرنے میں ہنوز حائل تھا۔ اب جو حضرتِ اعلیٰ کی خدمت میں حاضری کی سعادت نصیب ہوئی تو فرمایا :

" دل نے باور کر لیا کہ جس نادیدہ و ناشنیدہ منزلِ مقصود کے لیے میں برسوں سے سرگرمِ سعی تھا وہ یہی تھی"۔

غرض حاضری سے اگلے ہی روز داخلِ طریق ہو گئے اور شیخ کی پہلی نگاہِ التفات نے جو اثر کیا اس کا بیان انہی کے الفاظ میں سنیے :-

حضرت المرشد کی پہلی نگاہِ التفات نے قلبِ ہائم (سرگرداں) کو اطمینانِ دائم بخش دیا

یہ دو شعر اسی ساعت کی یادگار ہیں ؎

بہ شہرِ کوٹلہ مردے بدیدہ ام کہ مپرس　　　بجانِ خویش کسے برگزیدہ ام کہ مپرس

چہ روزہا بسر آمد مرا بہ تشنہ لبی　　　کنوں بآبِ حیاتے رسیدہ ام کہ مپرس

فرماتے ہیں کہ میں نے شہر مالیر کوٹلہ میں جس مردِ خدا کو پایا ہے نہ پوچھو کہ وہ کس شان کا مالک ہے میں نے دل وجان سے جس ہستی کا انتخاب کیا ہے مجھ سے اس کے کمالات کی تفصیل نہ پوچھو۔ روحانی تشنگی کے عالم میں بیشمار دن گزر چکے تب کہیں جا کر آج آبِ حیات تک رسائی نصیب ہوئی۔ اس کی دل نوازی وجاں پروری کا حال کیا پوچھتے ہو؟

غرض بیعت اور اس کے پاکیزہ ثمرات سے فیضیاب ہو کر مؤلف موصوف جلد ہی اپنے وطن قصبہ دھنولہ واپس تشریف لے گئے۔ لکھتے ہیں :۔

"پیچھے وطن میں ایک مسجد کی توسیع وتعمیر کا کام چھیڑ رکھا تھا اس لیے جلدی اجازت لے کر واپس جانا پڑا اور قرار پایا کہ تربیتِ باطن کے حصول کی غرض سے پھر کبھی ایک خاص مدت کے لیے خانقاہ شریف حاضر ہونگا"

لیکن جب آتشِ شوق بھڑک اٹھتی ہے تو پھر بجھائے نہیں بجھتی ؎

عشق پر زور نہیں ہے یہ وہ آتش غالب
کہ لگائے نہ لگے اور بجھائے نہ بنے

فرقت کے ان ایام میں حضرتِ اعلیٰ سے مراسلت جاری رہی۔ شیخِ کامل بھی جب کسی جوہرِ قابل کو دیکھ لیتا ہے تو اس کی تربیت کا جذبہ اسے بھی بے تاب ومضطرب بنا دیتا ہے۔ پھر اس کی توجہ کی حرارت طالب کے وجود میں ماسوا اللہ کی ہر قوت کو جلا کر راکھ کر دیتی ہے۔ مؤلف کے خطوط میں شوق وطلب کا اظہار برابر ہوتا رہا اور حضرتِ اعلیٰؒ کے مکاتیبِ شریفہ میں اس سوز وتپش کو تیز تر کرنے کا سامان بہم پہنچایا جاتا رہا۔ البتہ دنیوی مشاغل کی نوعیت ہی ایسی ہے کہ ہر چند اُن میں بعض دینی امور بھی شامل ہوں پھر بھی وہ ایک اچھے خاصے صاحبِ عزم انسان کو تردد وانتشار میں ڈال دیتے ہیں۔ کچھ ایسا ہی معاملہ ہمارے مؤلف مرحوم کو اس وقت درپیش تھا کہ تعمیرِ مسجد کا عذر خانقاہ شریف حاضری دینے میں رکاوٹ بنا ہوا تھا۔ شیخ ومرید کے درمیان جو خط وکتابت ان چند ایام کے دوران ہوئی وہ کچھ اسی مضمون کی تھی کہ شیخ کی طرف سے بتقاضائے شفقت جلد آنے کی ہدایت ہوتی تھی اور مُرید کی طرف سے تعمیرِ مسجد کا عذر تھا اور فراغت میسر آنے کے بعد حاضری کا قصد

3 ظاہر کیا جاتا تھا۔ جب اس تاخیر نے طول پکڑا تو جذبۂ شفقت نے شیخ کے قلم سے وہ جملہ بھی لکھوا دیا جسے پڑھ کر مؤلف مرحوم حاضری کے لیے بے تاب ہو گئے۔ اس کیفیت کا بیان انھی کے الفاظ میں سنیے :۔

آخری مکتوب شریف کا ایک جملہ یہ تھا کہ " اگرچہ تعمیرِ مسجد ایک بڑی فضیلت ہے مگر تہذیبِ اخلاق اور تزکیۂ نفس جو بہ حقیقت تعمیرِ باطن ہے اس سے بمدارج افضل اور مقدم تر ہے۔"

اس ارشاد پر مؤلف موصوف کا تاثر :

" یہ ارشاد پا کر مجھے تابِ تاخیر نہ رہی اور بعجلت تمام عازمِ خانقاہ شریف ہوا ______ ۲۲ شوال ۱۳۵۰ھ چہار شنبہ کا دن تھا کہ خداوند تعالیٰ کے فضل و کرم سے اس غریب الرحمن کو اپنے مرشدِ کامل کے متبرک وطن کی خاکِ پاک پر سجدۂ شکر بجا لانے کا شرف حاصل ہوا۔"

وہاں پہنچ کر کیا نقشہ دیکھا اور کیا کیا کوائف و احوال قلب و روح پر طاری ہوئے ان کا اظہار کچھ مؤلف مرحوم نے کیا دیکھا کے زیرِ عنوان اپنے فصیح و بلیغ فارسی قصیدہ میں کیا ہے جسے ناظرین رسالۂ مذکور میں ملاحظہ فرما کر لطف اندوز ہوں گے۔

حاصلِ کلام یہ کہ ہمارے مؤلف آغازِ سلوک ہی سے ایک خاص جذبہ و کیف کے ساتھ شیخ کی خدمت میں حاضر ہو کر کسبِ فیض کرتے رہے۔ وطن واپس جانے کے بعد بذریعۂ مکاتیب عرضِ احوال کر کے اسباقِ طریق حاصل کرتے رہے۔ رفتہ رفتہ وہ منزل بھی آ گئی کہ شیخ نے اجازتِ طریقۂ پاک سے سرفراز فرمایا۔

اصلاحِ نفس اور کرامتِ شیخ کا ایک واقعہ : بعض دوستوں سے ذکر فرمایا کہ سلوک کے ابتدائی دور میں ایک بار خانقاہ شریف جاتے ہوئے لالہ موسیٰ کے اسٹیشن پر (اس زمانہ میں ٹرین کندیاں براستہ لالہ موسیٰ و ملک وال جایا کرتی تھی) مجھے ایک نفسانی خیال آیا کہ لطف کی بات جب ہے کہ خانقاہ شریف پہنچنے پر حضرت صاحب مجھے زردہ اور پلاؤ کھلائیں۔ جس وقت پہنچا دسترخوان بچھا ہوا تھا اور لنگر سے کھانا تقسیم ہو رہا تھا اور عام کھانا روٹی سالن میرے سامنے بھی آ گیا۔ ابھی کھانا شروع نہ کیا تھا کہ حضرت صاحب قبلہ بعجلت تمام تشریف لے آئے اور میرے پاس کھڑے ہو کر خادم سے فرمایا کہ عرشی صاحب کے سامنے سے یہ کھانا اٹھالو اور اندر سے زردہ پلاؤ جو تیار ہے لا کر ان کو کھلاؤ، آج ان کا جی زردہ پلاؤ کھانے کو چاہتا ہے۔ میں یہ سن کر شرمندگی سے زمین میں گڑ گیا۔ چنانچہ زردہ پلاؤ

آگیا اور کھا بھی لیا مُگر عرصہ دراز تک شرمسار رہا۔ شیخ کے کشف و کرامت کا یہ منظر دیکھ کر ایسی ہیبت اور رعب طاری رہا کہ بیان سے باہر ہے۔ اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے تزکیۂ نفس کے سلسلہ میں میری مدد فرمائی۔

تبلیغ طریقہ : مؤلف موصُوف چونکہ حضرت شیخ کی حیات ہی میں منازلِ سلوک معتد بہٖ درجات و مقامات تک طے فرما کر طریقہ نقشبندیہ کی تبلیغ و ترویج کے مجاز قرار دیئے جا چکے تھے لہٰذا سلسلۂ عالیہ کی تبلیغ میں سرگرم رہنا ان کے فرائضِ منصبی میں شامل تھا۔ چنانچہ آپ کی رہنمائی سے سینکڑوں طالبانِ حق متوجہ خانقاہ شریف ہوئے اور حضرتِ اعلیٰ کے فیوض و برکات سے بہرہ ور ہوئے۔ اعلیٰ حضرت قدس سرہٗ کی وفات حسرت آیات ۱۲۶۰ھ میں ہوئی۔ اس طرح ہمارے مؤلف محترم کو شیخ کامل سے تکمیلِ سلوک کے لیے دس سال کا عرصہ نصیب ہوا۔ صوفیائے کرام نے ایک متوسط سالک کی تکمیل کے لیے اتنی ہی مدت کا تعین کیا ہے۔ حضرت شیخ کے وصال کے بعد آپ کا تعلق اگرچہ خانقاہ پاک سے بدستور رہا مگر کثرتِ آمد و رفت کا وہ سلسلہ نہ رہا جو شیخ قدس سرہٗ کے زمانۂ حیات میں تھا لیکن آپ اپنے مقام پر اسی طرح استقامت و اخلاص کے ساتھ معمولاتِ طریقۂ عالیہ بجالاتے رہے اور معارف سلسلہ کی ترویج و اشاعت میں کوشاں رہے۔

زندگی کے آخری ایام : تقسیمِ ہند کے بعد وہ خونیں انقلاب رونما ہوا جس کی نظیر تاریخ عالم میں نہیں ملتی جیسا کہ سابقاً مذکور ہوا آپ مسلمانوں کی دینی و دنیوی خیرخواہی کو ہر عمل پر مقدم سمجھتے تھے اور انہیں سودی کاروبار سے منع کرتے رہتے تھے پھر اس سے بڑھ کر یہ کہ حکامِ وقت کے ظلم و ستم کے خلاف ہمیشہ اپنی آواز بلند کرتے تھے۔ اعلائے کلمۂ حق چونکہ زندگی کا دستور تھا اس لیے آپ حکامِ ریاست کی نظروں میں ایک انقلابی رہنما تصور کیے جاتے تھے۔ سُود خوار ہندو اور سکھ آپ کو ایک متعصب مسلمان سمجھتے تھے۔ تقسیم کے بعد جب نقل مکانی کا مرحلہ آیا اور کفار نے بے دریغ مردوں، عورتوں اور معصوم بچوں کو تہ تیغ کرنا شروع کر دیا تو اس وقت آپ اپنے ساتھیوں کی ہمت افزائی کرتے رہے اور اہلِ اسلام کو ہلاکت و خونریزی کے اس دھارے سے بچانے کی کوشش میں اپنی تمام قوتوں کو بروئے کار لاتے رہے۔ آپ نے برملا یہ تلقین شروع کر دی کہ اگر دشمن تم پر ہتھیار اٹھائے تو تم بھی دلاوری و پامردی سے اس کا مقابلہ کرو اور اسے کیفرِ کردار تک پہنچاؤ۔ اگر اللہ کی راہ میں گردن کٹ جائے تو اسے سرخروئی کی دلیل سمجھو اور کسی صُورت اپنے آپ کو بے دین قوم کے حوالے نہ کرو۔

غرض آپ اپنے ساتھیوں سمیت کفار سے دست بدست لڑتے رہے تا آنکہ بمقام تلونڈی ہڈانوالی علاقہ ریاست نابھہ میں جام شہادت نوش کیا۔ وَلَا تَقُولُوا لِمَنْ يُقْتَلُ فِي سَبِيلِ اللَّهِ أَمْوَاتٌ بَلْ أَحْيَاءٌ وَلَٰكِن لَّا تَشْعُرُونَ

بنا کردند خوش رسمے بہ خون و خاک غلطیدن
خدا رحمت کند ایں عاشقانِ پاک طینت را

زمین نے اہل اللہ کے خون سے اپنی تاریخ دہرائی اور چشمِ فلک نے اس جاں گداز منظر کو دیکھا۔ بلاشبہ اس خطۂ زمین کا ہر وہ ذرہ جو آپ اور آپ کے ساتھیوں کے خون سے رنگین ہوا حشر تک آپ کی شجاعت پر شاہد رہے گا اور آپ کے علوِ درجات کے لیے خالقِ ارض و سما کی بارگاہ میں بزبانِ حال دعا کرتا رہے گا۔

نذیر عرشیِ عارف بہ علم و فضل وحید
بریدہ ز اہلِ جہاں کسوتِ ابد پوشید
بہ فیضِ صحبتِ پیرِ طریقت احمد خاںؒ
ز خاکِ تیرہ سر عرشِ کبریا برسید

＊

اکابر موسٰے زئی شریف کے مختصر حالات

خانقاہ سراجیہ مجدّدیہ کندیاں ضلع میانوالی درحقیقت خانقاہ احمدیہ سعیدیہ موسیٰ زئی شریف کی ایک مثمر، فیض رساں اور بہار افزا شاخ سر بلند ہے جس نے حضرات اکابر موسیٰ زئی شریف رحمہم اللہ تعالےٰ کی روحانی تعلیمات اور ان کی تبلیغ و اشاعت کا فریضہ وسیع پیمانے پر سنبھال رکھا ہے۔ خانقاہ موسیٰ زئی شریف کے بانی حضرت خواجہ حاجی دوست محمد قندھاری قدس سرہٗ العزیز ہیں۔ ان کے جانشین حضرت خواجہ محمد عثمان دامانی رحمۃ اللہ علیہ ہوئے۔ بعد ازاں آپ کے فرزند گرامی قدر خواجہ سراج الدین رحمہ اللہ نے مسندِ ارشاد کو زینت بخشی۔ ان حضرات ثلاثہ کے مبارک اور سعادت آفریں دَور میں ایک جہان اکابر نقشبندیہ مجددیہ کے بے پایاں فیوض و برکات سے بہرہ ور ہوا۔ خصوصاً حضرت خواجہ سراج الدین قدس سرہٗ کے عہدِ مبارک میں خانقاہ موسیٰ زئی شریف کی عظمت و شان نقطۂ عروج پر تھی۔ بے شمار طالبانِ حق اطراف واکنافِ ہند و کابل، خراسان و قندھار وغیرہ سے حصولِ فیض کے لیے آپ کے آستانۂ عالیہ پر ناصیہ فرسا ہوئے اور اپنا دامنِ مراد کمالاتِ مجددیہ کے گہرہائے آبدار سے بھر کر اپنے اپنے وطن واپس لوٹے۔ پھر ان حضرات نے اپنے گرد و پیش کے تمام علاقوں کو عرفانِ الٰہی سے سیراب کیا۔

حضرت خواجہ سراج الدین رحمہ اللہ نے اپنے زمانہ مبارک میں شریعت و طریقت کی ترویج جس انداز پر فرمائی بحمداللہ حضرت اعلیٰ نے خانقاہ سراجیہ میں اسی طریق کو اپنایا اور فروغ بخشا جس کے نتیجہ میں اس خانقاہ عالیہ نے ایک مرکزی حیثیت حاصل کر لی۔ چونکہ اس چشمۂ عرفان کا تعلق اکابر موسیٰ زئی شریف کے بحرِ بیکراں سے ہے اور یہ گوہر نایاب اسی معدنِ فیض سے منسوب ہے اس لیے تحفۂ سعدیہ کی اشاعتِ ثانیہ کے وقت حضرت اقدس سیدنا و مولانا ابوالخلیل خان محمد صاحب مدظلہ العالی نے ارشاد فرمایا کہ حضرات موسیٰ زئی شریف کا ذکرِ خیر بھی تیمناً و تبرکاً رسالہ مذکور کے آغاز میں بالاختصار ہونا چاہیے۔ لہٰذا ہم بطورِ ضمیمہ ان حضرات ثلاثہ کے احوال و آثار شاملِ رسالہ کرتے ہیں۔

خاکپائے اکابرِ مجددیہ
محمد محبوب الٰہی عفی عنہٗ

حالاتِ حضرۃ حاجی دوستؒ محمد قندھاری رحمۃ اللہ علیہ

حضرت حاجی صاحب قبلہ قدس سرہٗ کی ولادت باسعادت ۱۲۱۶ھ میں قندھار کے قریب اپنے آبائی قریہ میں ہوئی۔ جب ہوش سنبھالا تو تحصیلِ علم کا شوق دامن گیر ہؤا۔ سب سے پہلے قرآن مجید پڑھا اور اس کے بعد عربی و فارسی زبان میں دینی علوم کا آغاز کیا۔ ابھی ظاہری علوم سے فراغت حاصل نہ کر پائے تھے کہ عرفان الٰہی کا جذبہ پیدا ہؤا جو فطرت نے روزِ ازل سے آپ کی سرشت میں ودیعت کر رکھا تھا۔ چنانچہ حضرت والا اپنے خود نوشت سوانح میں یوں فرماتے ہیں :۔

"ابتدائے عمر ہی سے فقیر کو اہل اللہ اور عارفانِ حق سے ایک خاص قسم کا انس رہا ہے۔ اگرچہ شروع میں ظاہری علوم کی مشغولی فقراء کے زمرہ میں شامل ہونے سے مانع تھی لیکن پھر بھی جب کسی بزرگ اور عارف باللہ کا علم ہوتا، ان کی خدمت میں حاضر ہو کر اپنے حق میں دُعا کی درخواست کیا کرتا تھا۔"

اس کے بعد حاجی صاحب قبلہ یوں رقمطراز ہیں :۔

تلاشِ حق : کابلؔ میں قیام کے دوران عجیب وغریب کش مکش سے گزر رہا تھا کہ ایک طرف میلانِ طبع اہل اللہ کی جانب تھا اور دوسری طرف تحصیلِ علم کا شوق پابندِ مدرسہ رکھنا چاہتا تھا۔ فقیر نے ابھی صرف ونحو کی چند کتابیں اور منطق کے بعض رسالے پڑھے تھے کہ درسی علوم سے طبیعت اچاٹ ہوگئی۔ اسی اثنا میں ایک روز رات کے وقت میرے سینہ میں ایسا درد اٹھا کہ جس کی شدت سے بے ہوش ہوگیا۔ بے ہوشی کی یہ کیفیت جیسا کہ دیکھنے والوں نے بعد میں بتایا مسلسل تیرہ ۱۳ دن تک طاری رہی۔ پھر خود بخود ہوش آگیا۔ اس وقت زبان پر بے ساختہ اللہ ھو اور سبحان اللہ کا ورد جاری تھا۔ یہ ذکر گاہے آہستہ اور گاہے باآواز بلند جاری رہتا تھا۔ لبوں پر کبھی نالہ ہائے جاں گداز ہوتے تھے اور کبھی پُر درد آہیں بھرتا تھا۔ کچھ سمجھ میں نہ آتا تھا کہ اس کیفیت کا باعث کیا ہے، اور اس کا انجام کیا ہوگا؟ اسی زمانہ میں پشاور کے مضافات میں کسی بزرگ کے بارے میں علم ہوا۔ ان کی خدمت میں

لہ اس سے معلوم ہؤا کہ آپ نے درسی علوم ابتدائی طور پر علمائے کابل کی خدمت میں رہ کر حاصل کیے اور علوم عربیہ کی تکمیل بیعت کے بعد کی۔ محبوب الٰہی عفی عنہٗ

حاضر ہوا۔ ان کی صحبت سے وہ ذوق و شوق جو ذکر کے جاری ہونے کے باعث مجھے نصیب ہوا تھا، یکسر ختم ہو گیا اور اس کی بجائے باطنی اضطراب و ہیجان پیدا ہو گیا۔ آخر کار اس بے چینی کے ہاتھوں تنگ آ کر یہ ارادہ کر لیا کہ جس طرح ممکن ہو بغداد شریف جا کر حضرت غوث الثقلین شیخ سید عبد القادر جیلانی قدس سرہٗ العزیز کے دربار اقدس میں حاضری دوں شاید وہاں اپنے درد کا مداوا حاصل کر سکوں۔ چنانچہ رخت سفر باندھا اور بغداد شریف پہنچ کر حضرت غوث اعظمؒ کے مزار مبارک پر حاضر ہوا۔ فاتحہ پڑھی، دعائیں مانگیں لیکن وہ بے چینی اور اضطراب بدستور باقی رہا ؎

جانم بلب رسید کجائی بیا بیا
وقت است گریہ پرسشم آئی بیا بیا

تلاشِ مرشد میں سرگردانی اور بشارت: چند روز بغداد شریف قیام کرنے کے بعد جب اس جانگداز کیفیت نے چین سے نہ بیٹھنے دیا تو بامر مجبوری وہاں سے کردستان کے شہر سلیمانیہ پہنچا۔ وہاں قیام کے دوران کسی شخص نے مجھے شیخ عبد اللہ ہروی رحمۃ اللہ علیہ کے متعلق بتایا کہ خطہ ہرات میں ان کی بزرگی و ولایت کی بہت شہرت ہے اور ان کا تذکرہ زبان زد خاص و عام ہے۔ میں فوراً سلیمانیہ سے چل کر ہرات پہنچا اور دو تین ماہ شیخ موصوف کی خدمت میں گزارے مگر اضطراب باطن روز بروز افزوں ہوتا چلا گیا۔ بالآخر حضرت شیخ عبد اللہ ہروی نے میری زبوں حالی دیکھ کر ارشاد فرمایا کہ تم حضرت شاہ ابو سعیدؒ صاحب کی خدمت میں دہلی چلے جاؤ وہاں تمہیں سکون نصیب ہو گا لیکن سفر دہلی کے بارے میں کچھ فیصلہ نہ کر پایا تھا کہ اسی تذبذب کے عالم میں بار دیگر بغداد کا رخ کیا اور شیخ محمد جدیدؒ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ وہاں کچھ دن قیام کے بعد بصرہ چلا گیا اور حضرت حسین دوسریؒ بصری کی خدمت میں مسلسل سات مہینے مقیم رہا۔

وہاں سے براہِ خشکی متعدد شہروں میں گھومتا پھرتا رہا۔ ہر جگہ، ہر شہر کے بزرگوں کی زیارت کی اور ان سے طالب دعا ہوا۔ آخر کار شہر قلات نصیر خان پہنچا۔ یہاں اس اضطراب انگیز کیفیت نے پھر جوش مارا۔ بارگاہ الٰہی میں عجز و نیاز کے ساتھ گریہ زاری کی اور خشوع و خضوع کے ساتھ استخارے کیے جن کے نتیجہ میں متعدد بشارت آمیز خواب دیکھے اور اب مصمم ارادہ کر لیا کہ حضرت شاہ ابو سعیدؒ دہلوی کی خدمت میں باریابی حاصل کی جائے۔ براہ بمبئی دہلی کے قصد سے روانہ ہوا۔ بمبئی پہنچا تو معلوم ہوا کہ حضرت شاہ صاحبؒ سفر حج کی نیت سے یہاں تشریف لائے ہوئے ہیں اور جہاز کے انتظار میں شہر بمبئی ہی میں قیام پذیر ہیں۔ یہ خبر سن کر بے حد مسرت ہوئی۔ فوراً حضرت شاہ صاحبؒ

کی خدمت میں حاضر ہوا اور بیعت کی درخواست کی جو حضرت والا نے قبول فرمائی۔ ایک دن موقع پاکر حضرت شاہ صاحبؒ کی خدمت اقدس میں سارا ماجرا ازاول تا آخر بیان کر ڈالا جسے سن کر آپ نے فرمایا تمہاری باطنی کشائش کے لیے وقت درکار ہے۔ میں حج پر جا رہا ہوں اور رُوح کی تمام لطافتیں سرزمینِ حجاز کی طرف مرکوز ہیں لہٰذا اس قلبی اضطراب کی تسکین کے لیے دہلی جاکر میرے فرزند احمد سعید کی صحبت اختیار کرو اور ان سے کسبِ فیض کرتے رہو یا پھر بمبئی ٹھہر جاؤ اور میری واپسی کا انتظار کرو۔

بارگاہِ مرشد میں رسائی : میں نے پہلی شق کو ترجیح دی کہ دہلی جاکر حضرت شاہ احمد سعید صاحبؒ کی خدمت میں رہنا ہی مناسب ہوگا۔ بمبئی ویسے بھی ایک ایسا شہر تھا جہاں کسی سے میری شناسائی نہ تھی اور موسم گرما کی شدت بھی ناقابلِ برداشت تھی۔ چنانچہ بمبئی سے دہلی کے لیے روانہ ہوگیا۔ سفر کے دوران ایک رات خواب دیکھا کہ حضرت شاہ صاحب قبلہ تشریف فرما ہیں اور مجھ سے یوں مخاطب ہیں :۔

"شما ماذونِ ما ہستید" ۔ یعنی تم ہمارے خلیفہ ہو۔

علی الصبح بیدار ہوا تو دل نے دہلی کی طرف شدید کشش محسوس کی۔ الغرض دہلی پہنچ گیا۔ خانقاہ مظہریہ میں داخل ہوتے ہی شیخ طریقت امامی و مرشدی حضرت شاہ احمد سعید صاحب کے روئے انور پر نظر پڑی اور آپ کی زیارت و برکت سے سابقہ تردد و انتشار لمحہ بھر میں کافور ہوگیا۔ دل میں ایک انقلاب آچکا تھا۔ اب اضطراب راحت میں اور بے قراری سکون میں بدل چکی تھی ؎

منم کہ دیدہ بدیدار دوست کردم باز
چہ شکر گویمت اے کار ساز بندہ نواز

حضرتِ والا کے دستِ مبارک پر تجدید بیعت کی۔ ایک سال دو ماہ اور پانچ روز آپ کی خدمتِ اقدس میں رہا۔ حضرتِ ممدوح نے اس قلیل مدت میں فقیر کو طریقہ نقشبندیہ، قادریہ اور چشتیہ کی نسبتوں سے سرفراز فرمایا اور ہر سہ سلاسل میں خرقۂ خلافت عطا کیا۔

محبتِ شیخ : آپ کے سوانح حیات میں یہ واقعہ صراحت کے ساتھ مذکور ہے کہ آپ کو اپنے شیخ حضرت شاہ احمد سعید قدس سرہٗ سے اس قدر والہانہ عقیدت تھی کہ شیخ کی جوتیاں اٹھا کر اپنے سر پہ رکھتے انہیں آنکھوں

سے لگاتے اور فرطِ رقت سے دیر تک روتے رہتے تھے۔

خاک روبوں کی کمی کسی شہر میں نہیں ہوا کرتی۔ یہاں بھی حضرت کے ہاں بیت الخلاء کی صفائی کے لیے خاکروب مقرر تھا۔ مگر دہلی میں اپنے قیام کے دوران حضرت حاجی صاحب قدس سرہٗ شیخ کے ذاتی بیت الخلاء کی صفائی خود اپنے ہاتھ سے کیا کرتے تھے اور اسے اپنے لیے موجب افتخار و شرف سمجھتے تھے۔ سبحان اللہ نیاز مندی و انکساری کا یہ مقام کسے میسر آسکتا ہے؟ حقیقت یہ ہے کہ رابطۂ محبت ایک ایسی چیز ہے کہ وہ محب کو محبوب کی ذات میں فنا کردیتا ہے۔ اس بے پناہ عقیدت کے پیشِ نظر شاہ صاحب قبلہ بھی حضرت حاجی صاحب کے ساتھ اپنی محبت کا تذکرہ ان الفاظ میں فرمایا کرتے تھے:

"حاجی صاحب نے جو کچھ پایا ہے وہ انہیں میری محبت کے طفیل ملا ہے اور مجھے جو محبت ان کے ساتھ ہے متوسلین سلسلہ میں سے کسی اور کے ساتھ نہیں"۔

پیشگوئی اور بشارت: نیز حضرت شاہ احمد سعید صاحب قدس سرہٗ حضرت حاجی صاحب کے بارے میں فرمایا کرتے تھے کہ جس طرح حضرت شاہ غلام علی رحمۃ اللہ علیہ کے خلفاء میں مولانا خالد رومیؒ امتیازی حیثیت رکھتے ہیں اور ان کے طفیل سلسلۂ عالیہ نقشبندیہ مجددیہ کا فیضان کثرت کے ساتھ خلقِ خدا کو پہنچا۔ اسی طرح حضرت حاجی صاحب ولایت میں ایک عظیم الشان مقام پر فائز ہوں گے اور لاکھوں افراد ان کے رشد و ہدایت سے بہرہ اندوز ہوں گے۔

اجازت نامہ میں کلماتِ مدح: قبلہ شاہ صاحب رحمہ اللہ نے جو تحریری اجازت نامہ بوقتِ رخصت حضرت حاجی صاحبؒ کو مرحمت فرمایا اس میں آپ کی شان میں جو مدحیہ کلمات استعمال فرمائے ہیں وہ ایک عارفِ کامل ہی اپنے باکمال جانشین کے لیے استعمال کرسکتا ہے۔ تحریر فرماتے ہیں:۔

فَصَارَ مَجْمَعَ الْاَنْوَارِ وَمَعْدِنَ الْبِحَارِ فَاَجَزْتُہٗ بِاِجَازَۃٍ مُّطْلَقَۃٍ	حاجی صاحب (بفضلہ تعالیٰ) انوارِ الٰہیہ کے جامع اور بحارِ معرفت کے منبع بن گئے ہیں۔ لہٰذا میں نے انہیں طریقہ کی کامل اجازت دے دی ہے

جائے قیام کی وصیت: جب حاجی صاحب قبلہ شادکام اور فائز المرام ہو کر اپنے شیخ سے رخصت ہوئے تو حضرت شاہ صاحب قدس سرہٗ نے جائے قیام کے انتخاب کے لیے یہ وصیت فرمائی کہ آپ ایسی جگہ قیام کیا

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الحمد للہ افضل الحمد واجلہ واعلاہ کما یلیق بجناب قدسہ تعالی
والصلوۃ والسلام علی سید الوری کما ینبغی ویحری وعلی الہ التقی
واصحابہ النقی اما بعد باعث این سطور آنکہ از مدت آرزوی
زیارت حرمین شریفین زادہما اللہ شرفا وکرامۃ در دل
بود حالا ارادۂ الہی سبحانہ بآن منضم گردید ونیت طواف
آنجا راسخ شد ومتوجہ آنحدود مع اہل وعیال شدیم اللہ تعالی
از کرم خویش آنجا رساند لہذا رقم میسازم بمریدان خود کہ
در ہندستان وخراسان سکونت میدارند کہ بجای من مقبول
بارگاہ احد حاجی دوست محمد صاحب را کہ خلیفہ من اند بدانند و
توجہات از ایشان گرفتہ باشند وہو خلیفتی ویدہ کیدی فطوبی
لمن اقتدی بہ فہو خلیفتی علی الاطلاق بای طریق یامرکم فعلیکم
بامتثالہ ولا یجوز العدول عن حکمہ اللہم اجعلہ ہادیا مہدیا واہد بہ الناس
طرا علی سبیل الدوام والاستمرار وزد فی عمرہ ورشدہ وصلاحہ و
فلاحہ یا رب العلمین بجاہ سید المرسلین صلی اللہ علیہ والہ واصحابہ
اجمعین ویرحم اللہ عبدا قال آمینا والسلام اولا وآخرا

عکس اجازت نامۂ حضرت احمد سعید رح دہلوی بنام حاجی دوست محمد قندہاری رح

جو پشتو اور پنجابی دونوں زبانوں کے سنگم پر واقع ہو۔ مراد یہ کہ اس کے ایک جانب آباد علاقہ میں پشتو اور دوسری جانب پنجابی بولی جاتی ہو۔ گویا شاہ صاحب قبلہ کی نگاہِ بصیرت بیں نے دیکھ لیا تھا کہ مرید رشید صاحبِ کمالات اور جامع صفات ہے۔ نیز اس کے انوارِ فیض خطۂ کابل و قندھار کے علاوہ پشتو اور پنجابی بولنے والے خطوں میں بھی پھیلیں گے لہٰذا اس کا مرکزی مقام ایسی جگہ ہونا چاہیے جہاں مختلف تہذیب و ثقافت رکھنے والے لوگ بآسانی پہنچ سکیں۔ مرشدِ کامل کی پیشگوئی درست ثابت ہوئی اور ہزارہا گم گشتگانِ طریق نے حاجی صاحبؒ قبلہ کے توسل سے دولتِ ایمان و آگہی پائی۔

موسیٰ زئی کا انتخاب: حضرت حاجی صاحبؒ نے قریۂ موسیٰ زئی کو اپنے قیام کے لیے منتخب فرمایا۔ آج کل وہاں پختہ سڑک جاتی ہے۔ اور یہ مقام ڈیرہ اسمٰعیل خاں سے اکتالیس میل کے فاصلہ پر جنوب مغربی سمت پر واقع ہے۔ مشہور قصبہ درابن سے جنوب کی طرف اس کا فاصلہ تین میل ہے۔ یہ بستی واقعی پشتو اور پنجابی زبانوں کا سنگم ہے۔ اس کے مغرب کی طرف تمام علاقوں کی زبان پشتو ہے اور مشرقی سمت تمام علاقوں کی زبان پنجابی ہے۔ خود موسیٰ زئی شریف میں پنجابی اور پشتو دونوں زبانیں بولی اور سمجھی جاتی ہیں۔

قیام کے سلسلہ میں کرامت کا ظہور: حضرت حاجی صاحب قبلہ نے اس جگہ کو اپنے قیام کے لیے پسند فرمالیا اور اپنے مریدانِ باصفا کی معیت میں پانی کی کمیابی کے پیشِ نظر موسیٰ زئی شریف کے مغرب میں ایک پہاڑی نالے کے کنارے ڈیرہ لگایا تاکہ خورد و نوش اور دیگر ضروریاتِ زندگی میں سہولت رہے۔ تھوڑے ہی عرصہ میں قبیلہ تاجوخیل کے لوگ آپ سے بیحد مانوس ہوگئے اور بہت سے داخلِ طریق بھی ہوگئے لیکن دوسرے قبائل کے چند رئیسوں کو جو اسی بستی میں رہتے تھے آپ کا یہاں ٹھہرنا اور آپ کے درویشوں کا نالے کے پانی کو استعمال کرنا سخت ناگوار گزرا انہیں حاجی صاحبؒ کے ساتھ تاجوخیل قبیلہ کی گرویدگی دیکھ کر آپ پر سختی کرنے کی ہمت تو نہ پڑتی تھی۔ البتہ اس فکر میں ضرور رہتے تھے کہ کوئی ایسا ذریعہ اور حیلہ ہاتھ آجائے کہ حضرت حاجی صاحبؒ اور آپ کے درویشوں کو اس جگہ سے بے دخل کرکے ہجرت پر مجبور کردیا جائے۔

اتفاقاً ایک روز ایک ہندو تحصیل دار دورہ کرتے ہوئے اُدھر آنکلا۔ مخالفین جو موقع کی تلاش میں تھے فریادی بن کر تحصیل دار کے پاس پہنچ گئے کہ ایک فقیر نے ہماری شاملات دہ زمین پر قبضہ جمالیا ہے، اس کے ساتھ فقیروں کی ایک بڑی جماعت ہے۔ یہ سب ہمارے نالے کا پانی خراب کرتے ہیں۔ ہمارے کہنے پر یہ قبضہ نہیں چھوڑتے

اور یہاں سے نہیں جاتے۔ اگر آپ ان فقیروں کو یہاں سے نکال دیں تو ہم احسان مند ہوں گے تحصیلدار ان کی خاطر مدارات اور تکلف و چاپلوسی سے متاثر ہوگیا۔ فوراً گھوڑے پر سوار ہو کر بڑی آن بان کے ساتھ حضرت حاجی صاحبؒ قبلہ کے پاس آدھمکا اور تحکمانہ لہجے میں کہا۔ "فقیر صاحب: تم یہاں سے چلے جاؤ"۔

حاجی صاحب نے اس کا یہ طمطراق دیکھ کر ذرا نرم لہجہ میں اسے مخاطب کرتے ہوئے فرمایا "شیخ صاحب! ہم یہاں سے نہیں جائیں گے"۔ تحصیلدار ہندو تھا اور اہلِ اسلام کا خطاب 'شیخ' سُن کر وہ مزید طیش میں آگیا اور مکرر سختی و ترشروئی کے لہجہ میں کہا کہ تمہیں یہاں سے جانا ہوگا۔ اس کے اندازِ تکلم پر اب حاجی صاحب قبلہ نے بھی قدرے سخت لہجہ میں مگر اسی شیخ صاحب کے لقب کے ساتھ ارشاد فرمایا کہ شیخ صاحب! ہمیں یہاں سے ہٹایا نہیں جاسکتا تحصیلدار کی ہندوانہ رگ پھڑکی کیونکہ وہ اپنے لیے مسلمانوں کا خطاب بلفظ شیخ بار بار گوارا نہ کرسکتا تھا۔ مزید تلخ و گستاخ لہجہ اختیار کرتے ہوئے کہا کہ میں ابھی زبردستی تمہیں یہاں سے نکال دوں گا۔ یہ سن کر حضرت حاجی صاحب قبلہ کی غیرتِ فقر کو بھی جوش آگیا۔ فرمایا "شیخ صاحب! کسی کی مجال نہیں جو فقیر کو یہاں سے ہٹا سکے"۔ یہ فرماتے ہوئے آپ نے ایک جلال انگیز نگاہ تحصیلدار پر ڈالی۔ نگاہ کا پڑنا تھا کہ تحصیلدار صاحب گھوڑے سے نیچے گر کر زمین پر تڑپ رہے تھے ___ حافظ شیرازیؒ نے اس مقام پر بجا ارشاد فرمایا ہے ؎

بس تجربہ کردیم دریں دارِ مکافات
بادُردکشاں ہر کہ درافتاد، برافتاد

یہ منظر دیکھ کر تحصیلدار صاحب کے ساتھ آنے والے پیادے اور قبیلے کے رئیس جو اپنی مقصد برآری کے لیے تحصیلدار کو ورغلا کر لائے تھے، سخت گھبرا گئے اور اسے وہاں سے اٹھا کر اپنے گھر لے گئے۔ تھوڑی دیر بعد جب اسے کچھ ہوش آیا تو منت سماجت کے ساتھ کہنے لگا کہ مجھے انہی فقیر صاحب کے پاس لے چلو۔ چنانچہ وہ اسے حاجی صاحب کے پاس لے آئے۔ یہاں آکر سب سے پہلے اس نے اپنی بے ادبی و گستاخی کی معذرت پیش کی اور کہا کہ حضور میں اسلام قبول کرنے کے لیے تیار ہوں۔ بشرطیکہ میری تین آرزوئیں پوری ہو جائیں۔ وہ یہ کہ میری بیوی بھی حلقہ بگوشِ اسلام ہو جائے میں اپنی جائداد، ورثہ وغیرہ سے اسلام قبول کرنے کے بعد محروم نہ رہوں اور وہ بدستور مجھے مل جائے۔ اور آخر میں یہ کہ ملازمت بھی برقرار رہے۔ حضرت نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ اپنے فضل و کرم سے تمہاری جمیع آرزوؤں کو برلائے گا۔ اس پر وہ

مشرف بہ اسلام ہوا۔ ادھر اس نے اسلام قبول کیا تھا کہ گھر میں اس کی اہلیہ کو دل کا شدید دورہ پڑا۔ تمام برہمن وہنود اس کے پاس گئے اور اس مرض کی مدافعت میں ہر ممکن کوشش کی مگر کوئی تدبیر راس نہ آئی۔ بالآخر کسی شخص نے اسے کلمہ طیبہ پڑھنے کے لیے کہا۔ وہ اپنی زبان سے کلمہ طیبہ کے الفاظ ادا ہی کرپائی تھی کہ درد جاتا رہا۔ اس طریق سے غائبانہ طور پر اس نے اسلام قبول کر لیا۔ بعدازاں حاجی صاحب قبلہ کی کامل توجہ اور باطنی عنایت سے اس کی بقیہ آرزوئیں بھی پوری ہوگئیں۔

حضرت حاجی صاحب قبلہ نے اس کا نام شیخ عبداللہ تجویز فرمایا۔ اب اس پر 'شیخ صاحب' کے لقب سے بار بار مخاطب کرنے کی حکمت بھی ظاہر ہوگئی۔ شیخ عبداللہ نے مزید التماس کیا کہ مسلمان ہونے کے بعد سابقہ قومیت سے میرا کوئی علاقہ نہیں رہا اس سلسلہ میں حضرتِ والا کا کیا ارشاد ہے۔ آپ نے فرمایا۔ آج سے تمہاری قومیت فقیر ہے چنانچہ اس کی ذریت و اولاد آج تک فقیر کے لقب سے معروف ہے۔ جن میں فقیر فیض اللہ، فقیر ابوسعید، فقیر احمد سعید اور فقیر ابوالحسن خاص طور پر مشہور ہیں حضرت حاجی صاحب کی کرم نوازیوں سے آج تک ان کی نسل چلی آرہی ہے۔

اہلِ قریہ کی کثرتِ رجوع : یہ حیرت انگیز کرامت دیکھ کر تمام اہلِ دہ بلکہ مخالفین بھی آپ کی عظمت کے معترف ہوگئے اور حضرت حاجی صاحب کی طرف رجوع کرنے پر مجبور ہوگئے اور بالاتفاق تمام اہلِ قریہ نے آپ کی تشریف آوری اور قیام کو اپنے لیے باعثِ خیر و برکت سمجھا۔ اس طرح خانقاہ احمدیہ سعیدیہ کی صورت میں رشد و ہدایت کا ایک عظیم مرکز قائم ہوگیا۔ یہ نام آج بھی تسبیح خانہ کی مرمریں لوحِ پیشانی پر کندہ ہے۔ اس مرکز کا قیام درحقیقت حضرت شاہ صاحب قدس سرہٗ کی پیشگوئی کا ثمرہ تھا اور جائے قیام کے انتخاب کرنے کی طرف جو اشارہ فرمایا تھا یہ سب اس کی برکات تھیں۔

ترویجِ سلسلہ : بعدازاں اس تخمِ ہدایت نے جو حضرت شاہ صاحب کی توجہ عالی نے حضرت حاجی صاحبؒ کے ہاتھوں اس سرزمین میں بویا تھا تھوڑے ہی عرصہ میں اپنے شاخ و برگ پھیلا کر اطراف و جوانب کے وسیع علاقوں کو اپنے سائے میں لے لیا۔ فارسی، پشتو اور پنجابی بولنے والے تقریباً تمام ہی علاقے آپ کے ذکر و فکر سے مستفیض ہوئے بلکہ جابجا آپ کے تربیت یافتہ باکمال خلفاء نے اس دریائے معرفت سے ہر ذرۂ زمین کو جو آتشِ فسق و فجور سے جل رہا تھا، سیراب کیا۔ رجوعِ خلق عام ہوگیا عقیدت مندوں اور مریدوں کی تعداد لاکھوں تک پہنچ گئی جن میں سے سینکڑوں نے خرقۂ خلافت اور سندِ اجازت سے سرفرازی حاصل کی۔ یہ خلفاء بھی گویا اس شجرِ معرفت کی بارآور شاخیں تھیں،

جنھوں نے ثمرات شریعت اور تجلیات معرفت سے ہزار ہا نفوس کو تنویر باطن عطا کی حتیٰ کہ ان شاخوں سے نئی کونپلیں پھوٹیں اور وہ بھی سایہ گستری اور فیض رسانی میں اپنی اصل کی مدد و معاون ثابت ہوئیں گویا چشم بصیرت وَمَثَلُ كَلِمَةٍ طَيِّبَةٍ كَشَجَرَةٍ طَيِّبَةٍ أَصْلُهَا ثَابِتٌ وَفَرْعُهَا فِي السَّمَاءِ کی تفسیر مشاہدہ کر رہی تھی آپ کی حیات مبارک ہی میں آپ کے خلفاء اور متبعین یہ سلسلہ وسیع پیمانہ پر کابل، قندھار، ہرات اور اصلاع سرحد و پنجاب میں دور دور تک پھیلا اور یہ دائرہ وسیع تر ہوتا چلا گیا۔ حاجی صاحبؒ نے جو عریضہ حضرت شاہ صاحب کی خدمت میں بھیجا اس میں اپنے خلفاء کی تعداد سو کے قریب بیان کی ہے۔ آپ سراپا عجز و انکسار تھے۔ اپنے ارادتمندوں کا ذکر کرتے ہوئے بغرض اطلاع اس تعداد کو تحدیث نعمت کے طور پر تحریر فرمایا تھا۔ یہ عریضہ مناقب احمدیہ سعیدیہ اور آپ کے مجموعۂ مکتوبات میں شامل ہے۔

<u>تربیتِ سالکین</u> : آپ کا انداز تربیت وہی تھا جو آپ نے اپنے شیخ حضرت شاہ صاحبؒ کی صحبت میں رہ کر دیکھا اور آپ کی تربیت سے سیکھا تھا۔ معمولاتِ طریقۂ نقشبندیہ یعنی تلقینِ ذکر و وظائف۔ توجہات شبانہ روز، لطائف و مراقبات، وعظ و تذکیر، سالکین کے احوال کی خبر گیری، ان پر غایت شفقت، تحریص و ترغیب، ترویج سلسلہ میں سرگرمی اور اصلاح و تربیت میں گرمجوشی الغرض جو محاسن و کمالات ایک کامل و مکمل خدا رسیدہ اور خدا رس بزرگ کی شان کے شایاں ہیں وہ سب کے سب آپ میں بدرجۂ اتم موجود تھے۔ تمام درویشوں کو آپ کے لنگر سے دونو وقت کھانا ملتا تھا۔ طالبانِ حق ہر قسم کی دنیوی پریشانیوں سے آسودہ ہو کر تحصیلِ سلوک میں مشغول رہتے تھے شریعتِ مطہرہ کا اتباع اور بدعات سے کامل اجتناب لوازم سلسلہ میں سے تھا۔ یہ آپ کی عظمتِ ولایت کا ادنےٰ کمال تھا کہ تمام وابستگانِ طریقہ پر ہمیشہ ہیبت طاری رہتی تھی اور کوئی فرد اپنے اوراد و وظائف میں تساہل نہ کر سکتا تھا۔ گاہے گاہے سالکین کے حجروں میں جا کر ان کے کپڑوں، کھانے پینے کے برتنوں اور کتابوں تک کا جائزہ لیا کرتے تھے کہ کوئی امر آدابِ طریقہ اور ضوابطِ خانقاہ کے منافی نہ ہونے پائے، جو انتشارِ توجہ کا موجب بنے۔

طریقت کے اصولوں میں یہ بات بہت اہم ہے کہ شیخ نے سالک کو جس ذکر و شغل پر کاربند رہنے کا حکم دیا ہے وہ اس سے سرمو تجاوز و انحراف نہ کرے۔ صلوٰۃ پنجگانہ اور فرائض و سنن سے فراغت کے بعد فکر و نظر کی تمام صلاحیتوں کو اپنے معمولات پر صرف کرے تاکہ یکسوئی اور جمعیت باطن حاصل کر سکے۔

لنگر سے جو غذا ملتی تھی وہ سادہ اور بقدر کفاف ہوتی تھی۔ خانقاہ میں کم خوردن، کم گفتن، کم خفتن اور کم با خلق بودن کا اصول کار فرما تھا۔

ایک واقعہ : ایک افغان درویش نے جو نوجوان و تنومند تھا اور لنگر کے کھانے کے بعد بھی اس کی اشتہا باقی رہتی تھی، کچھ مکی اور جوار وغیرہ بھنوا کر اپنے پاس رکھ لی تھی تاکہ جب بھوک غلبہ کرے تو ان فراہم کردہ اشیا سے اس کی مدافعت کر سکے۔ اتفاقاً ایک روز حاجی صاحب قبلہ درویشوں کے حجروں کا معائنہ کرنے کے لیے آگئے۔ خادم خاص حضرت خواجہ محمد عثمانؒ جلدی سے اس درویش کے پاس آئے اور اسے مطلع کیا کہ حضرت آ رہے ہیں اور وہ چبینہ کی تھیلی کو فوراً کسی جگہ چھپا دے مبادا حضرت دیکھ لیں اور آپ اس کی بے صبری و ہوس پر کبیدہ خاطر ہوں۔

اس واقعہ سے بیان کرنا یہ مقصود ہے کہ آداب خانقاہ میں یہ بات شامل ہے کہ درویش کو جو غذا جتنی مقدار میں لنگر سے ملتی ہو، اسی پر قناعت کرنی چاہیے اور خود کو قلتِ طعام کا عادی بنانا چاہیے کہ شکم سیری اس راہ میں سخت مضر ہے اور عرفانِ خداوندی سے محرومی کا باعث ہے۔ بقول شیخ سعدیؒ ؎

اندروں از طعام خالی دار　　تا درو نورِ معرفت بینی

تدوین مکاتیب : حضرت حاجی صاحب قدس سرہٗ کی تالیفات میں اس وقت دو مجموعے دستیاب ہیں۔ ایک مجموعہ ان مکاتیب پر مشتمل ہے جو آپ کے شیخ حضرت شاہ احمد سعید صاحب دہلوی ثم مہاجر مدنی قدس سرہٗ نے آپ کے نام تحریر فرمائے ہیں، آپ نے بہ نیت تبرک ان کی تدوین و ترتیب فرمائی۔ ان مکاتیب کے مطالعہ سے شیخ و مرید کے قریب ترین روابط کا علم ہوتا ہے۔ اس کے علاوہ ان میں سلوک کے بے شمار فوائد مندرج ہیں جو قلب و رُوح کو طراوت و جلا بخشتے ہیں۔

دُوسرا مجموعہ آپ کے ذاتی مکتوبات کا ہے جو تلقین و ذکر اور تعلیم طریقہ کے مضامین پر مشتمل ہیں اور جنہیں آپ نے اپنے شیخ، دیگر اعزہ و اقارب اور مُریدین و مخلصین کی طرف تحریر کیا تھا۔

اول الذکر مجموعہ مکاتیب حضرت شاہ احمد صاحب بنام حضرت حاجی صاحب قبلہ کو مولانا سید زوار حسین صاحب نقشبندی کے ایک متوسل پروفیسر ڈاکٹر غلام مصطفٰے صاحب نے "تحفۂ زواریہ" کے نام سے حیدرآباد سندھ سے شائع کیا ہے فجزاہ اللہ تعالیٰ احسن الجزاء۔ آخر الذکر مجموعہ اکتیس ۳۱ مکاتیب پر مشتمل ہے جو حضرت مفتی عطا محمد صاحب مدظلہ

سکنہ چودھوان، ڈیرہ اسمٰعیل خان کو کہیں سے دستیاب ہُوا۔ آپ نے اسے حافظ نصر اللہ خان خاکوانی کی امانت سے طبع کروادیا۔ مکتوبات کے ہر دو مجموعے فارسی میں ہیں۔ زبان نہایت شیریں، صاف اور سلیس ہے۔ فارسی کی معمولی استعداد رکھنے والا قاری ان کی لطافتِ بیان سے حظ وافر اٹھا سکتا ہے اور معارفِ سلوک کا استفادہ بھی کرسکتا ہے۔

آخری التماس : حضرت اقدس سیدنا ومطاعنا حاجی دوست محمد قندھاری قدس سرہٗ کے احوال و آثار کا یہ بہت ہی مختصر سا خاکہ ہے جسے راقم الحروف نے مناقب احمدیہ سعیدیہ اور دیگر مکاتیب و رسائل سے اخذ کرکے بعض ثقہ روایات کے اضافہ کے ساتھ ترتیب دیا ہے۔ اسے حضرت والا کے سوانح حیات کا نام دینا توجسارتِ بیجا ہے۔ اس وقت پیشِ نظر مدعا صرف اس قدر ہے کہ رسالۂ منبر کہ تحفۂ سعدیہ اپنے مرکز اور منبع کے اجمالی ذکر سے مزید برکات کا حامل ہوجائے۔ ورنہ حضرت حاجی صاحب قبلہ رحمہ اللہ کے اسرار و معارف اوراحوال ومقامات کے لیے بڑی فرصت اور طویل دفتر درکار ہیں۔ بہرحال نقیر مَالَا یُدْرَكُ كُلُّهٗ لَا یُتْرَكُ كُلُّهٗ کے مصداق جس قدر معلومات فراہم کرسکا ہے اس میں طریقۂ پاک کے متوسلین کے لیے آنکھوں کی ٹھنڈک اور دلوں کی تسکین کا کافی سامان موجود ہے۔ وَفَّقَنَا اللّٰهُ تَعَالٰی لِلْاِنْتِفَاعِ وَالتَّاَسِّیْ بِهٖ بِمَنِّهٖ وَكَرَمِهٖ

═══*═══

شجرۂ اولاد

فقیر عبداللہ مرحوم

- فقیر غلام محمد خان
  - فقیر فضل محمود۔ کورٹ انسپکٹر پولیس بنوں
  - فقیر غلام احمد لائل پور یونیورسٹی میں پروفیسر ہیں
  - فقیر احمد سعید ۱۹۳۰ء میں علی گڑھ سے وکالت کا امتحان پاس کیا۔ پھر پی سی ایس کے عہدہ پر فائز ہوئے ۱۹۶۷ء میں ریٹائر ہوئے آج کل بنوں میں ایڈوکیٹ ہیں
  - فقیر محمد صادق خان سیکرٹری میونسپل کمیٹی بنوں تھے۔ ۱۹۶۲ء میں وفات پائی
- خان بہادر فقیر ابوالحسن
  - فقیر ابوالحمید اے سی۔ پی۔ ڈبلیو۔ ڈی پشاور
  - فقیر ابوالفضل سوات میں ایڈیشنل ڈپٹی کمشنر تھے حال ہی میں رخصت پر آئے ہیں۔ چند ماہ میں پنشن ہو جائے گی۔
  - فقیر ابوالقاسم علی گڑھ سے بی اے بی ایس سی۔ ایل ایل بی کے امتحانات پاس کیے۔ آجکل زمینداری کرتے ہیں
  - خان بہادر فقیر فیض اللہ مرحوم ڈپٹی کمشنر تھے۔ پنشن پانے دو سال کا عرصہ ہوا۔ وفات پائی۔
  - فقیر عطاء اللہ مرحوم ایکسائز انسپکٹر تھے

نوٹ: حضرت فقیر عبداللہ کی نسل کا یہ شجرہ طیبہ ادارہ سعدیہ کی درخواست پر آپ کے پوتے فقیر احمد سعید صاحب ایڈوکیٹ بنوں نے فراہم کیا۔

ذکرِ احوالِ حضرت خواجہ محمد عثمان دامانی رحمۃ اللہ علیہ

ولادت : حضرت خواجہ محمد عثمان قدس سرہٗ اپنے آبائی وطن موضع لونی[1] میں ۱۲۴۴ھ میں پیدا ہوئے۔ آپ ایک علمی گھرانے کے چشم و چراغ تھے۔ آپ کے والد ماجد بڑے عابد، زاہد اور جلیل القدر فقیہہ تھے جو اپنے علاقہ میں فقیہہ لونی کے لقب سے معروف تھے۔

ابتدائی تعلیم : آپ نے ابتدائی تعلیم گھر ہی پر حاصل کی۔ جب سن تمیز کو پہنچے اور والد ماجد کی تجویز کے مطابق وطن سے باہر دیگر مدارس میں تعلیم کے لیے بھیجے گئے تو تھوڑے ہی عرصہ میں آپ نے عربی صرف و نحو کی تحصیل فرما کر عربی و فارسی کی مبادیات پر عبور حاصل کر لیا اور متوسطاتِ نصاب تک پہنچ گئے۔ لیکن ابھی تحصیلِ علم سے فارغ نہ ہونے پائے تھے کہ جاذبہ حق آپ کو مدرسہ سے خانقاہ میں لے آیا جس کا محرک حسب ذیل واقعہ ہوا۔

مدرسہ سے خانقاہ میں : آپ کے بڑے بھائی اخوند محمد سعید صاحب موضع کھوئی بہاراں میں اپنے ماموں مولانا نظام الدین صاحب کے پاس پڑھا کرتے تھے اور یہ مولانا نظام الدین حضرت حاجی دوست محمد قندھاری قدس سرہٗ کے حلقۂ ارادت میں شامل تھے۔ ایک دفعہ آپ اپنے بھائی محمد سعید صاحب کے پاس ان کے ملبوسات لے کر موضع کھوئی بہاراں تشریف لے گئے۔ آپ کے ماموں مولانا نظام الدین نے ان سے دریافت کیا کہ ہمارے پیر و مرشد حضرت حاجی صاحب کا قافلہ چودھوان کے قریب فروکش ہے، ان کے بارے میں تمہیں کچھ معلوم ہے۔ مقصد خیریت معلوم کرنا تھا۔ آپ نے جواب دیا کہ میں ان سے متعارف نہیں اور مجھے ان کے بارے میں علم نہیں کہ وہ کون بزرگ ہیں اور کس جگہ قیام فرما ہیں؟

کھوئی بہاراں سے جب واپس گھر جانے لگے تو ماموں صاحب نے ہدایت کی کہ تمہارے راستہ میں چودھوان آئے گا اور اسی کے قریب حاجی صاحبؒ کا قافلہ قیام پذیر ہے۔ تم ان کی خدمت میں حاضر ہو کر میرا سلام عرض کرنا اور یہ پیغام دینا کہ حضور کے خدام جو یہاں کھوئی بہاراں تشریف لائے ہوئے ہیں، کل خدمتِ اقدس میں حاضر ہو جائینگے۔

---

[1] از مضافات کلاچی۔ ڈیرہ اسمٰعیل خاں

4A

حضرت خواجہ محمد عثمان رحمۃ اللہ کا بیان ہے کہ جب میں گھر واپس جاتے ہوئے چودھوان سے گزرا تو میں نے حضرت حاجی صاحب قبلہ کے قافلے کے بارے میں اہلِ قریہ سے پوچھا۔ معلوم ہوا کہ حضرت والا یہیں قیام فرما ہیں۔ خدمت اقدس میں حاضر ہو کر ماموں صاحب کا سلام و پیام پہنچایا۔ پھر وہاں سے رخصت ہو کر اپنے تعلیمی مشاغل میں مصروف ہو گیا۔ کچھ عرصہ بعد طلبِ الٰہی کے ذوق و شوق نے دل میں ایک تلاطم برپا کر دیا۔ ان ایام میں فقہ کی مشہور اور اہم کتاب ہدایہ پڑھ رہا تھا۔ مگر جذبۂ طلب بڑھتے بڑھتے اس حد تک پہنچ گیا کہ ہر وقت استغراق کی کیفیت طاری رہنے لگی۔ نہ مطالعہ کر سکتا تھا اور نہ سبق پڑھ سکتا تھا۔ آخر جب جاذبۂ حق کے ہاتھوں مجبور ہو گیا تو استادِ محترم کی خدمت میں عرض کیا کہ میرے لیے اب تعلیم کا مزید جاری رکھنا مشکل ہو گیا ہے۔ محبتِ الٰہی کا غلبہ روز بروز بڑھتا جا رہا ہے اور اب یہ عزمِ صمیم کر لیا ہے کہ فی الحال سلسلۂ تعلیم کو ملتوی کرتے ہوئے کسی اہل اللہ کی خدمت میں حاضر ہو کر بیعت کا شرف حاصل کر دں شاید اس طرح غلبۂ حال اور جوششِ دروں کا مداوا ہو سکے۔

استادِ محترم یہ سن کر حیران ہوئے اور مشورہ دیا کہ ہدایہ کا جو تھوڑا سا آخری حصہ باقی رہ گیا ہے اس کی تکمیل کر لو پھر میں بھی تمہارے ہمراہ چلوں گا اور استاد و شاگرد باہم کسی اہل اللہ کے ہاتھ پر بیعت کریں گے۔ میں نے عرض کیا کہ حضرت! ہدایہ ختم ہونے میں کافی دن لگ جائیں گے، میری طبیعت میں بے حد اضطراب ہے اور میں نے اس امر کا پختہ ارادہ کر لیا ہے کہ کل صبح ہوتے ہی حضرت حاجی صاحب قبلہ کی خدمت میں حاضر ہو کر بیعت کی درخواست کروں گا۔

حضرت خواجہ صاحبؒ نے مزید فرمایا کہ استادِ محترم نے ہر چند روکنا چاہا لیکن جذبِ دل نے مجھے رکنے کی مہلت نہ دی۔ میں اگلے دن صبح سویرے اپنے مدرسہ سے روانہ ہو گیا اور سیدھا چودھوان پہنچا اس وقت چودھوان سے دو میل جنوب کی طرف حضرت حاجی صاحبؒ کا قافلہ فروکش تھا۔ چنانچہ بروز جمعہ ۹ جمادی الثانی ۱۲۶۶ھ[1] حضرت حاجی صاحب قبلہ کی خدمت میں حاضر ہوا اور بوقتِ عصر بیعت کی درخواست کی۔ حضرت نے یہ فرماتے ہوئے انکار کیا کہ فقیری اختیار کرنا بڑا دشوار کام ہے لیکن میں نے اصرار کیا کہ حضرت: میں تو فقیری کے حصول کے لیے تیار ہو کر آیا ہوں[2]

دست از طلب ندارم تا کام من برآید
یا تن رسد بجاناں، یا جاں ز تن برآید

---

[1] سن پیدائش ۱۲۴۴ھ کے اعتبار سے اس وقت آپ کی عمر ۲۲ سال تھی۔

مزید عرض کیا کہ میں جذبۂ دل کے ہاتھوں بے بس ہو کر ہر چیز سے قطع تعلق کرنے کے بعد آپ کی خدمت میں پہنچا ہوں۔ بس حضرت نے فرمایا "اچھا مغرب کی نماز کے بعد دیکھا جائے گا"۔ الحمد للہ تعالیٰ کہ آپ نے بعد نماز مغرب درخواست منظور کر لی اور فقیر کو اپنے حلقۂ ارادت میں داخل کر لیا۔ اس وقت عجیب و غریب کیفیات وارد ہوئیں۔

انشراحِ باطن : صرف، نحو، علم عقائد، فقہ، اصولِ فقہ اور تفسیر و حدیث کی جو کتابیں میں نے پڑھی تھیں، اگرچہ یاد تھیں اور ان کے نقوش ذہن میں محفوظ تھے لیکن نگاہ ان کے ظواہر سے آگے نہ جا سکتی تھی۔ اس لیے حضرت حاجی صاحبؒ نے از راہِ مرحمت فقیر کو دوبارہ تفسیر و حدیث اور کتبِ تصوف کا درس دینا شروع کر دیا، گویا ایں سلسلہ تعلیم جو معرضِ التوا میں پڑ گیا تھا، اسے نہ صرف تازہ کر دیا بلکہ علم ظاہر کے ساتھ اس کے تمام باطنی حقائق و معارف بھی مجھ پر آشکارا فرما دیے۔ چنانچہ حضرت حاجی صاحب قبلہ سے مندرجہ ذیل کتابیں بڑی تحقیق و توجہ سے پڑھیں مشکوٰۃ شریف، صحاح ستہ یعنی بخاری، مسلم، ترمذی، ابو داؤد، نسائی اور ابن ماجہ، علم اخلاق میں احیاء العلوم کامل، علم تفسیر میں بغوی کامل اور علم تصوف میں مکتوبات مجددیہ ہر سہ دفتر اور مکتوبات معصومیہ ہر سہ دفتر ان کے علاوہ حضرت نے تصوف کے متعدد رسائل اور کتب اپنی خاص توجہ سے فقیر کو پڑھائیں۔ بحمد اللہ حضرت والا کی عنایت سے روح علمی استدلال سے گزر کر عرفان و ایقان کے درجہ پر پہنچ گئی۔

درسِ مشکوٰۃ کا ایک واقعہ : درسِ مشکوٰۃ کی نوبت جب کتاب البیوع پر پہنچی تو حضرت حاجی صاحب قدس سرہٗ نے فرمایا کہ ملا عثمان! کتاب البیوع بھی پڑھو گے؟

میں نے عرض کیا، حضرت! میرے پاس کوئی نقد مال یا جائداد نہیں، بظاہر مجھے تو بیع و شریٰ (خرید و فروخت) کی ضرورت پیش نہ آئے گی۔ فرمایا خوب! نہ میرے پاس متاعِ دنیا، نہ تمہارے پاس کہ ہمیں لوگوں سے خرید و فروخت اور لین دین کی نوبت آئے۔ پھر یہ شعر پڑھا ؎

علم کثیر آمد و عمرت قصیر　　آنچہ ضروری ست بداں شغل گیر

اور کتاب البیوع چھوڑ کر کتاب الآداب[1] شروع کرا دی۔

---

[1] یہ اشارہ اس طرف تھا کہ فقیر کا سرمایہ درحقیقت اخلاقِ الٰہیہ اور آدابِ نبویہ ہیں۔ ان کا حاصل کرنا مقدم ہے بلکہ ان کے حصول کے بغیر معاملات کی صحت و درستی محال ہے۔

فراستِ شیخ اور استعدادِ مُرید : حضرت خواجہ محمد عثمان رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ ایک روز کچھ مدت کے بعد حضرت حاجی صاحب قدس سرہٗ نے دریافت فرمایا۔ کیوں ملا عثمان! تمہیں وہ دن یاد ہے جب تم اپنے ماموں مولٰینا نظام الدین کا سلام و پیام پہنچانے کے لیے ہمارے پاس آئے تھے۔ عرض کیا حضور! خوب یاد ہے۔ یہ واقعہ یاد دلا کر حضرت حاجی صاحب قبلہ نے فرمایا کہ ہم نے اسی روز تمہاری پیشانی میں نسبتِ نقشبندیہ کا نور مشاہدہ کر لیا تھا اور ہمیں یقین تھا کہ تم ضرور اکابرِ نقشبندیہ رحمہم اللہ کی نسبتِ عالیہ سے بہرہ ور ہو گے۔ لیکن کافی دن گزر گئے اور تم نہ آئے تو گمان ہونے لگا کہ شاید ہمارے کشف اور وجدان میں خطا واقع ہو گئی ہے۔ جب تم یہاں پہنچ گئے تو ہمارے اس کشف کی صداقت ظاہر ہو گئی۔[1]

شیخ کی صحبت و خدمت : حضرت خواجہ محمد عثمان رحمۃ اللہ علیہ بیعت کے بعد حضرت حاجی صاحب قبلہ سے ایسے وابستہ ہوئے کہ سفر و حضر میں ہمیشہ ساتھ رہے یہاں تک کہ جب ۱۲۸۴ھ میں حضرت حاجی صاحبؒ کا وصال ہوا تو کل مدت جو آپ نے شیخ کی خدمت میں گزاری، وہ اٹھارہ سال، چار ماہ اور تیرہ روز تھی۔

شیخ و مُرید کا باہمی رابطہ : وہ رابطۂ محبت جو شیخ و مُرید کے درمیان استوار ہو چکا تھا اس کا تقاضا بھی یہی تھا کہ ایک دوسرے سے زندگی بھر جُدا نہ ہوں۔ حضرت خواجہ محمد عثمان رحمہ اللہ نے جس خلوص اور وارفتگی سے حضرت حاجی صاحب کی صحبت میں رہ کر ہر قسم کی خدمات انجام دیں اس میں آپ کا کوئی سہیم و شریک نظر نہیں آتا۔ دوسری طرف هَلْ جَزَآءُ الْاِحْسَانِ اِلَّا الْاِحْسَانُ کے بموجب حضرت حاجی صاحب قدس سرہٗ کی جانب سے جو محبت انس اور شفقت آپ کے شاملِ حال رہی اس نے آپ کو تمام ارادتمندوں میں ایک امتیازی مقام عطا کر دیا تھا۔ جب مرید شیخ کی ذات پر ہر چیز کو نثار کر دیتا ہے تو یہ جذبۂ ایثار ایک لافانی رابطے کی صورت اختیار کر لیتا ہے۔ مرید شیخ کے علاوہ کسی دوسرے کی طرف متوجہ ہونا احترام کے منافی سمجھتا ہے اور شیخ بھی یہ گوارا نہیں کرتا کہ مُرید کا غیر کی طرف متوجہ ہونا اسے اخلاصِ عمل سے محروم کر دے۔

ایک سخت امتحان : مستند روایات سے منقول ہے کہ جس زمانہ میں حضرت خواجہ محمد عثمانؒ درسی تعلیم سے فارغ ہونے کے بعد مقاماتِ سلوک کے حصول میں ہمہ تن مشغول تھے۔ ایک دن حضرت حاجی صاحب قبلہ کو کبھی کبھی درویشوں

---

[1] ماخوذ از فوائدِ عثمانی

کے حجروں کا معائنہ کیا کرتے تھے ۔ خواجہ محمد عثمان کے حجرہ میں تشریف لے آئے ۔ اس وقت آپ حجرہ میں موجود نہ تھے مگر وہاں دو کتابیں رکھی ہوئی تھیں ۔ حضرت نے شریک حجرہ سے دریافت کیا کہ یہ کتابیں کس کی ہیں ؟ اس نے بتایا کہ ملا محمد عثمان کی ہیں ۔ یہ سن کر حاجی صاحب قبلہ نے فرمایا :

"اچھا ملا عثمان کا میں بھی ہوں اور کتابیں بھی"[1] سبحان اللہ ! کسی نے کیا خوب کہا ہے ۔

من تو شدم ، تو من شدی ، من تن شدم ، تو جاں شدی
تا کس نگوید بعد ازیں من دیگرم ، تو دیگری

حاجی صاحبؒ کے اس باطنی جوش غیرت کے نتیجہ میں آپ کی نسبت مستور ہو گئی ۔ اب جو خواجہ محمد عثمان اپنے باطن کی طرف دیکھتے ہیں تو خود کو نسبت سے خالی پاتے ہیں ۔ اس کی وجہ معلوم ہو گئی مگر حضرت کے جلال و ہیبت کے سامنے یہ جرأت کہاں کہ عذر و معذرت کر سکیں ۔ تسلیم و رضا کا مسلک اختیار کرتے ہوئے تمام فرائض خدمت کی بجا آوری میں حسب سابق آمادہ و مستعد رہے ۔ اور اسی حالت میں ایک طویل مدت گزر گئی ۔ معمولات کی پابندی برقرار' خدمات کی بجا آوری بدستور مگر دل حسرت و یاس کا مرقع بنا ہوا تھا ۔ بیم و امید کی یہ حالت جس پر گزرتی ہے ' وہی جانتا ہے ۔ تاہم آپ نے اس غم کو سینہ میں پنہاں رکھتے ہوئے کسی سے اس کا افشا نہ فرمایا ۔

قضارا ایک روز نماز تہجد کے بعد بوقت سحر بے اختیار چیخ نکل گئی ۔ شریک حجرہ درویش نے ہر چند اس راز سے پردہ اٹھانے کی درخواست کی ' مگر حضرت خواجہؒ نے اس کا اخفا ہی مناسب سمجھا ۔ جب اس نے بے حد اصرار کیا تو بامر مجبوری کنایتہً اسے حقیقت حال سے آگاہ کرتے ہوئے فرمایا کہ حضرت قبلہ نے جو نعمت مجھے عطا کی تھی ' وہ مجھ سے چھن گئی ہے ۔ مدت مدید تک ضبط کیا مگر آج حسرت و ندامت کا یہ احساس بے اختیار آہ بن کر لبوں پہ آ گیا ۔

یہ سن کر ساتھی کے دل کو بہت صدمہ پہنچا ۔ اس کا خیال تھا کہ آپ تمام مقامات سلوک طے کر چکے ہوں گے ۔ خواجہ صاحبؒ کی آہ دلسوز نے اس میں جذبۂ غمگساری پیدا کر دیا ۔ آخر ایک دن اس نے مناسب موقع پا کر حضرت حاجی صاحب قبلہ سے اپنے ساتھی (ملا محمد عثمان) کی سفارش کر دی کہ حضرت ان کے حال پر بھی نظر کرم ہو جائے ۔ یہ سن کر

---

[1] حضرت حاجی صاحب رحمہ اللہ کے ارشاد کا مفہوم یہ تھا کہ جب ملا عثمان نے حصول فقر کے لیے مجھ سے رابطہ استوار کر لیا ہے تو پھر کتابوں کے مطالعہ میں مشغول ہونا فرض وقت سے غفلت کے مترادف ہے ۔

حضرت حاجی صاحب کے چہرۂ مبارک پر جلال کے آثار نمودار ہو گئے۔ فرمایا:

"تم میرے اور ملا عثمان کے درمیان حائل ہونے والے کون ہو؟ میں جانوں اور ملا عثمان تمہیں اس سے کیا سروکار"؟

تذکرات میں آتا ہے کہ سفارش کنندہ کی خود رائی کا نتیجہ یہ نکلا کہ ملا عثمان کی نسبت تو بحال ہو گئی البتہ سفارشی صاحب خالی از نسبت ہو گئے۔

اسی بنا پر بزرگوں نے فرمایا ہے کہ فنا فی الشیخ حقیقت میں فنا فی اللہ کا مقدمہ ہے۔ شیخ و مرید میں جب تک ایک عظیم اور مستحکم روحانی رابطہ نہ ہو، بارگاہِ قرب میں رسائی ناممکن ہے۔

حضرت خواجہ محمد عثمان رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت حاجی صاحب قبلہ کی خدمت میں رہتے ہوئے جہاں سلوک کے مراحل و منازل طے فرمائے وہاں عظمتِ شیخ کو ملحوظ رکھتے ہوئے وہ محیر العقول خدمات انجام دی ہیں کہ باید و شاید کوئی خوش قسمت ارادتمند ہی اس دشوار منزل کو طے کر سکتا ہے جس پر آپ بڑی استقامت سے گامزن رہے حضرت خواجہ صاحبؒ نے اس وادی کو حیرت انگیز مستعدی اور جاں نثاری کے ساتھ عبور کیا۔

ایک بار حاجی صاحبؒ قبلہ نے اہلیہ محترمہ کی علالت کے سلسلہ میں خواجہ محمد عثمان رحمہ اللہ سے فرمایا کہ ڈیرہ اسمٰعیلخان میں فلاں حکیم صاحب کو کیفیاتِ مرض بتا کر ان سے دوا لے آؤ۔ اگرچہ اس وقت دن بہت تھوڑا باقی تھا اور شب کی آمد قریب تھی، راستہ ناہموار اور دشوار گزار تھا نیز پیدل سفر سے ڈیرہ تک کا فاصلہ ۳۲ میل تھا۔ بایں ہمہ آپ ارشادِ گرامی سنتے ہی فوراً سفر پر روانہ ہو گئے۔ تمام رات چلتے رہے صبح کو ڈیرہ پہنچے۔ حکیم صاحب سے ملے اور دوا لے کر اسی وقت واپس چل پڑے۔ ادھر آپ راستہ کی صعوبتوں کو خاطر میں نہ لاتے ہوئے موسیٰ زئی شریف کی طرف جادہ پیما تھے۔ اِدھر حاجی صاحبؒ روحانی طور پر آپ کی طرف متوجہ تھے اور فرما رہے تھے، ہائے! میں نے ملا عثمان کو ہلاک کر دیا، نہ معلوم اس پر راستہ میں کیا کیا افتاد پڑی ہو گی۔ زیادہ دیر نہ گزری تھی کہ حضرت خواجہ صاحب تشریف لے آئے۔

لہ حضرت حاجی صاحب قبلہ نے ہر دو مُریدوں کے حق میں جو تصرف فرمایا اس کا مقصد ضرر رسانی یا اظہارِ آزردگی نہ تھا، صرف تنبیہ مقصود تھی۔ حاشا وکلا اس سے یہ مراد نہیں کہ حضرت قبلہ ان کی روحانی تربیت سے دستکش ہو گئے تھے۔ تربیت بدستور جاری تھی اور مقامات بھی طے ہو رہے تھے مگر ترقی کا ادراک و احساس نہ ہوتا تھا۔

اس طرح چونسٹھ[۶۴] میل کی کٹھن منزلیں پیدل طے کرنے کے بعد بھی آپ تازہ دم نظر آتے تھے۔ نہ تکان کا احساس تھا اور نہ اضمحلال کا اثر۔ شعر حافظ اس حال کا ترجمان ہے ؎

در رہِ منزل لیلےٰ کہ خطرہاست بجاں
شرطِ اوّل قدم آنست کہ مجنوں باشی

رحمتِ حق بہانہ می جوید : دوسری طرف ایک معمولی خدمت ملاحظہ فرمایئے کہ وہ کس طرح خدمات جلیلہ پر فوقیت لے جاتی ہے۔ حضرت حاجی صاحب قبلہ خانقاہ میں شب کو آرام فرما تھے اور خواجہ محمد عثمان آپ کے خادمِ خاص ایک گوشہ میں دیاسلائی کی ڈبیہ ہاتھ میں لیے ذکر و مراقبہ میں مشغول بیٹھے تھے۔ اس خیال سے نہ لیٹے اور نہ سوئے کہ نہ معلوم کس وقت حضرت شیخ بیدار ہوں اور خدمت کے لیے آواز دیں۔ بوقت تہجد حاجی صاحبؒ بیدار ہوئے اور ملا عثمان کہہ کر پکارا۔ آپ نے جی حضور کہنے کے ساتھ ہی دیاسلائی جلا کر چراغ روشن کر دیا۔ حضرت حاجی صاحب قبلہ بہت مسرور ہوئے اور خدمت گزاری میں یہ سرگرمی و مستعدی دیکھ کر فرمایا:-

"ملا عثمان! تم نے بڑی اہم اور صبر آزما خدمات انجام دی ہیں مگر تمہاری یہ خدمت سب پر فوقیت لے گئی"۔

حضرت حاجی صاحب کی طرف سے رضا و خوشنودی کے اس اظہار نے حضرت خواجہ محمد عثمان کو جو کیف روحانی اور سرور جاودانی عطا کیا ہوگا، وہ کچھ اُنھی کا دل جانتا ہوگا۔ خوشنودی کے الفاظ بتا رہے ہیں کہ حضرت حاجی صاحب قبلہ نے آج اپنے عطا و کرم کا معاملہ انتہا کو پہنچا دیا ہوگا۔

غرض خواجہ محمد عثمان قدس سرہٗ شیخ کے ساتھ اپنی والہانہ محبت، خدمت اور جذبۂ ایثار و قربانی کی بدولت نہ صرف طریق نقشبندیہ بلکہ قادریہ، چشتیہ، سہروردیہ، کبرویہ، قلندریہ، شطاریہ اور مداریہ میں بھی خلیفۂ مجاز قرار دیے گئے اور شرف ضمنیت[۱] سے سرفراز ہوئے۔

جانشینی : چونکہ حضرت حاجی صاحب قدس سرہٗ کے خلفاء میں حضرت خواجہ محمد عثمان قدس سرہٗ خلیفۂ اعظم تھے اور تکمیل و تکمیل کے منصب جلیل پر فائز تھے اس لیے حاجی صاحبؒ قبلہ نے اپنی زندگی کے آخری ایام میں آپ کو اپنا جانشین نامزد فرمایا اور اپنی زیر نگرانی متعدد خانقاہوں کا انتظام و انصرام بھی آپ کے حوالے کر دیا جن میں موسٰے زئی شریف

---

[۱] تحفۂ سعدیہ صفحہ ۱۹۸ پر ضمنیت کی تشریح ملاحظہ ہو۔

اور خراسان کی خانقاہوں کے علاوہ خانقاہِ مظہریہ دہلی بھی شامل تھی جو شاہ احمد سعید صاحب قدس سرہٗ بوقت ہجرت آپ کے حوالے کر گئے تھے۔

۱۲۸۰ ہجری میں حضرت حاجی صاحب قبلہ کے وصال کے بعد آپ مستقل طور پر عالی ہمتی اور بلند حوصلگی کے ساتھ تمام خدمات مفوضہ انجام دینے لگے اور تقریباً تیس سال تک سلسلۂ عالیہ کی اشاعت و تبلیغ میں مشغول رہے اور ایک عالم کو اپنے فیوض و برکات سے مالامال فرمایا۔

چند ملفوظاتِ گرامی:

ملفوظ اوّل: حضرت ثانی مولانا محمد عبداللہ رحمہ اللہ تعالیٰ حضرت اعلیٰ مولانا ابوالسعد قدس سرہٗ سے نقل کرتے ہیں کہ حضرت اعلیٰ نے فرمایا کہ ایک مرتبہ حضرت خواجہ محمد عثمان قدس سرہٗ حویلی سے باہر تشریف لائے۔ میں (ابوالسعد احمد خان صاحبؒ) حاضرِ خدمت ہوا۔ حضرت نے از روئے نصیحت فرمایا "مولوی صاحب! عہدِ جوانی کو غنیمت سمجھنا چاہیے۔ اس میں آدمی محنت کر سکتا ہے، بڑھاپے میں کچھ نہیں ہو پاتا۔ مجھے دیکھو! اب ضعفِ بصر سے یہ حال ہو گیا ہے کہ رات کو تہجد کے لیے اٹھا تو گنگ (پہاڑی نالہ) تک جو گھر کے صحن میں جاری ہے اور روزانہ اس پر وضو کرنے کا معمول ہے، تلاشِ بسیار کے باوجود نہ پہنچ سکا۔ مجبوراً چھوٹی بہو کو آواز دی، اس نے آگ جلائی تو گنگ نظر آئی۔

نیز اسی مجلس میں ترکِ دنیا کے سلسلہ میں فرمایا کہ جس شیخ کے دل میں کسی مالدار یا زمیندار کو دیکھ کر یہ خیال پیدا ہو کہ یہ امیر آدمی میرا مُرید ہو جائے تو وہ شیخ کافر[1] ہو جاتا ہے۔

ملفوظ دوم: مولانا حسین علی صاحبؒ نے ایک بار درس و تدریسِ کتب سے قساوتِ قلبی پیدا ہونے کی شکایت کی اس پر حضرت خواجہ محمد عثمان قدس سرہٗ نے فرمایا "کچھ نیت میں فتور معلوم ہوتا ہے، ورنہ طریقِ نقشبندیہ میں اخلاصِ نیت کے ساتھ دینی کتابوں کا درس و مطالعہ نسبت کو تقویت بہم پہنچاتا ہے اور روحانی ترقی کا موجب ہے"۔

ملفوظ سوم: مولانا اکبر علی جامع فوائدِ عثمانی بعض اوقات حضرت خواجہ کی طرف سے خطوط کے جوابات بھی لکھا کرتے تھے۔ فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ میں نے حضرت والا کے مجاز پیر لعل شاہ کی وفات پر حضرت خواجہؒ کی طرف سے تعزیت کے سلسلے میں یہ جملے تحریر کر دیے:

---

[1] یعنی کافرِ طریقت ہو جاتا ہے۔ کیونکہ طریقت کا تقاضا اختیارِ فقر اور دنیا سے بے رغبتی ہے۔

"اس واقعہ جانگداز سے غم والم اس قدر ہوا کہ قلمِ تحریر اور زبانِ تقریر اس کی ادائیگی سے قاصر ہے۔ دل میں وہ آگ لگی ہے جس کا سرد ہونا ممکن نہیں"۔

حضرت خواجہؒ نے جب یہ عبارت دیکھی تو مولانا موصوف کو مخاطب کر کے فرمایا ایسی مبالغہ آمیز عبارت جو واقع اور نفس الامر میں جھوٹ قرار پائے، کبھی نہیں لکھنی چاہیے۔ پھر عبارتِ مذکورہ کی بجائے اپنے قلمِ حقیقت رقم سے یوں تحریر فرمایا:

"یقیناً حضرت لعل شاہ صاحب کی وفات بہت سخت حادثہ ہے اللہ تعالیٰ مرحوم کو غریقِ رحمت فرمائے اور اکابر رحمہم اللہ کے صدقہ میں ان کے پسماندگان کو حضراتِ کرام کے فیوضات سے سرفراز فرمائے۔ آمین" پھر فرمایا کہ میں بھی حضرت حاجی صاحبؒ کی طرف سے خطوط کے جواب لکھا کرتا تھا۔ ایک دفعہ 'گلۂ شتران' کی بجائے میں نے اُروانہ جات تحریر کر دیا۔ حضرت حاجی صاحب قبلہ نے تنبیہہ فرمائی کہ جو لفظ عام فہم نہ ہو وہ ہرگز نہیں لکھنا چاہیے۔ آئندہ اس کا خیال رکھنا۔

ملفوظ چہارم: فرمایا خانقاہ ذکر کرنے کی جگہ ہے۔ مطالعۂ کتب گھر کرنا چاہیے۔ البتہ کوئی کتاب اگر مُرید کے مناسبِ حال ہو اور شیخ امر کرے تو اس کا مطالعہ حدِ اجازت تک کرے، زیادہ نہیں[1]۔

کشف و کرامات: مجموعہ فوائدِ عثمانی میں حضرت خواجہ محمد عثمان قدس سرہٗ کے کشف و کرامات کا ذکر تفصیلی طور پر موجود ہے۔ ہم یہاں صرف دو کا ذکر کرتے ہیں۔

۱۔ ایک روز بوقتِ عشا حضرت خواجہؒ نے مولانا حسین علی صاحبؒ کو فرمایا "مولوی صاحب! آپ اپنے گھر جائیں اور پھر واپس آئیں۔ اس عرصہ میں جو احوال و واقعات آپ کو پیش آئیں گے وہ میں بفضلہٖ تعالیٰ سب کے سب آپ کو بتا دوں گا۔ کسی ایک واقعہ میں بھی خطا نہ ہوگی"۔

نیز ان کے تردد کو دور کرنے کے لیے آپ نے دُوسرے موقع پر یہ بھی فرمایا کہ مولوی صاحب! اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے اولیاء اللہ سب کچھ جانتے ہیں مگر ان کو ظاہر کرنے کی اجازت نہیں ہے

---

[1] مزید توضیح و تشریح کے لیے رشحات صفحہ ۱۲۳، اور صفحہ ۱۹۱ پر مولانا سعد الدین کاشغری اور مولانا شمس الدین روجی کے ملفوظات کا مطالعہ کیا جائے۔ قاضی شمس الدین عفی عنہٗ

مصلحت نیست کہ از پردہ بروں افتد راز
ورنہ در مجلسِ رنداں خبرے نیست کہ نیست

۲۔ ایک روز مولانا حسین علی صاحبؒ[1] اہل وعیال کے خیال میں غلطاں وپیچاں تھے۔ حضرت خواجہؒ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ آپ نے مولانا کو دیکھتے ہی یہ آیت تلاوت فرمائی اور مضمون آیت کی طرف توجہ دلا کر انہیں اہل و عیال کی پریشانیوں سے نجات دلائی:

یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اِنَّ مِنْ اَزْوَاجِكُمْ وَاَوْلَادِكُمْ عَدُوًّا لَّكُمْ فَاحْذَرُوْهُمْ۔	اے ایمان والو: تمہارے بیوی بچوں ہی میں تمہارے دشمن موجود ہیں پس ان سے اپنے آپ کو بچاؤ۔

مکاتیب: حضرت خواجہ محمد عثمان قدس سرہٗ کے مکاتیب میں سے ہم یہاں دو مکتوب درج کرتے ہیں جو حضرت مولانا ابوالسعد احمد خاں قدس سرہٗ بانی خانقاہ سراجیہ کے نام ہیں۔

مکتوبِ اوّل: یہ مکتوب حضرت خواجہ نے مولانا ابوالسعد علیہ الرحمہ کو ان کے شیخِ اوّل حضرت پیر لعل شاہ کی وفات پر تعزیت کے سلسلہ میں لکھا ہے۔ تسلی وتشفی دیتے ہوئے فرماتے ہیں:

"بے شک مخلص مُریدوں کے لیے شیخ کی وفات ایک سانحۂ عظیم ہُوا کرتی ہے۔ پیر لعل شاہ صاحب کی وفات بلاشبہ بیحد رنج والم کا موجب ہے مگر صبر سے کام لینا چاہیے۔ جزع وفزع نہ کریں اور فقیر کو تحصیلِ صبر اور تحصیلِ علم میں اپنا ممد ومعاون تصور کریں۔"

مکتوب دوم: تعزیت نامہ کے وصول کے بعد جب حضرت اعلیٰ نے حضرت خواجہ صاحبؒ سے تجدید بیعت کی درخواست کی تو آپ نے یہ جواب تحریر فرمایا:-

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ وَسَلَامٌ عَلٰی عِبَادِهِ الَّذِیْنَ اصْطَفٰی اما بعد فقیر حقیر لاشئے محمد عثمان عفی عنہٗ کی طرف سے محب و مخلص میاں احمد خان صاحب سلمہ اللہ تعالیٰ تسلیمات ودعوات مزید درجات فی الدارین کے بعد مطالعہ فرمادیں کہ آپ کا مکتوب شریف جس میں آپ نے تجدید بیعت اور طلبِ ورد کے متعلق استدعا کی تھی، پہنچا۔ جنابِ من! حضرت لعل شاہؒ کے سب مُریدان کے پیر (اشارہ بخود) ہی کے مُرید ہیں اس لیے فی الحال تجدید بیعت کی ضرورت

---

[1] حضرت مولانا حسین علی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا ذکر کثرت کے ساتھ اس لیے آیا ہے کہ آپ اس علاقہ میں حضرت خواجہ کے اجلّہ خلفاء میں سے تھے۔

نہیں۔ جب اللہ تعالیٰ نے آپ کو تحصیلِ علم سے فراغت نصیب فرمائی اور اس کے بعد نسبت باطنی حاصل کرنے کے لیے آپ کا پختہ ارادہ ہوا تو اس وقت تجدید بیعت کی ضرورت ہوگی۔ اس وقت آپ اپنے علمی مشاغل جاری رکھیں، اور اوقاتِ فراغت میں جناب شاہ صاحبؒ کے فرمودہ ذکر اسم ذات ہی کا ورد جاری رکھیں۔ ہمارے بزرگوں کی توجہ اہم ذات میں رسوخ حاصل کرنے کی طرف رہتی ہے۔ مقدور بھر کوشش کریں کہ پنجگانہ نمازیں بغیر سستی کے وقتِ مستحب پر باجماعت ادا ہوں۔ نیز غیر مشروع امور سے بچنے کی پوری کوشش کرتے رہیں۔ والسلام"

شانِ استغنا: ۱۔ ایک بار کٹری افغاناں کے تمام لوگوں نے حاضر ہو کر درخواست کی کہ ہم اپنی کاریز اور اس کی متعلقہ زمین جس کی مالیت دس ہزار روپیہ سے کم نہیں اور دو ہزار روپیہ اس کی سالانہ آمدنی ہے، آپ کے لنگر شریف کے خرچ کے لیے ہدیۃً پیش کرتے ہیں، اسے قبول فرمائیں۔ مگر حضرت خواجہ قدس سرہٗ نے یہ فرما کر انکار کر دیا کہ "جمیع کارِ فقیر بر توکل خدائے تعالیٰ جاری اند"۔ ہمارے سب کام اللہ تعالیٰ کے بھروسہ پر چلتے ہیں ؎

دوست مارا ار دہد منت نہد رازقِ ما رزق بے منت دہد

۲۔ ایک بار حاجی غلام نبی قوم بابڑ نے عرضداشت کی کہ میں اپنی تمام جائداد، زمین، حصۂ خراس، باغ اور رہائشی مکان جن کی مجموعی مالیت گیارہ ہزار روپیہ ہے حضور کے لنگر کے لیے پیش کر کے خود بھی درویشوں کے زمرہ میں شامل ہونا چاہتا ہوں، از راہِ کرم قبول فرمائیں۔ حضرت خواجہؒ نے جواب میں تحریر فرمایا، آپ کی نیت کا خلوص اور حسنِ اعتقاد بلا شبہ درست ہے، اللہ تعالیٰ آپ کو اس پر جزائے خیر عطا فرمائے۔ واضح ہو کہ فقیر کے لنگر کا خرچ اللہ تعالیٰ کے بھروسہ پر ہے اور ہمارے بزرگوں کی عادت قدیم زمانے سے یہی رہی ہے کہ اس سلسلہ میں کبھی کسی قسم کا تردد اور تکلف نہیں فرمایا اور لنگر وغیرہ کے اخراجات کو توکل و تقویٰ پر مبنی رکھا ہے ؎

تو چناں خواہی، خدا خواہد چنیں می دہد حق آرزوئے متقیں

اس بارہ میں فقیر کو معذور سمجھیں۔ البتہ خانقاہ شریف آپ کا اپنا گھر ہے جس وقت جی چاہے تشریف لے آئیں اور خانقاہ کے درویشوں کے ساتھ بقیہ زندگانی گزار دیں۔ انشاء اللہ تعالیٰ توجہ اور دعا گوئی میں پوری سرگرمی سے کام لیا جائے گا، اطمینان رکھیں۔

وصال: غرض تیس سال تک متواتر خطۂ خراساں، اطراف صوبۂ سرحد و پنجاب بلکہ دیگر صوبہ جاتِ ہندوستان

سے آنے والے طالبانِ حق کی دستگیری فرمائی اور واماندگانِ منزل کو اسی کاروانِ امت کے نقشِ قدم پر چلایا جو قرونِ اولٰی کے نفوسِ قدسیہ پر مشتمل تھا۔ دلہائے مضطرب کو طمانیتِ باطن عطا کی، یہاں تک کہ سیراب ہونے والوں کو تشنگی کا احساس ہوتا تھا۔ بالآخر یہ آفتابِ عالم تاب روئے ارض کے ہر بلند و پست کو منور کرنے کے بعد بوقتِ اشراق بروز شعبان المعظم ۱۳۱۴ ہجری چشمِ خلق سے نہاں ہو گیا۔

اِلَی اللّٰہِ اَشْکُوْ لَا اِلَی النَّاسِ اَنَّنِیْ[1]

اَرَی الْاَرْضَ تَبْقٰی وَالْاَخِلَّاءُ تَذْہَبُ

مجموعی عمر مبارک ۷۰ سال ۲ ماہ ۱۳ روز ہوئی۔ نمازِ جنازہ آپ کے فرزندِ اکبر حضرت خواجہ سراج الدین رحمۃ اللہ علیہ نے پڑھائی اور اپنے شیخ حضرت حاجی صاحب قدس سرہٗ کے قدموں میں آخری آرام گاہ پائی۔ رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالٰی رَحْمَۃً وَّاسِعَۃً اَبَدًا سَرْمَدًا

اولاد: آپ نے اپنے پیچھے تین صاحبزادے چھوڑے۔ بحمد اللہ سب کے سب نیک نفس اور پاک طینت تھے اور زندگی بھر شریعتِ مطہرہ کی ترویج میں کوشاں رہے۔ ان کے اسمائے گرامی حسبِ ذیل ہیں:۔

۱۔ خواجہ سراج الدین رحمۃ اللہ علیہ جو آپ کے سجادہ نشین ہوئے۔

۲۔ حضرت مولانا بہاؤ الدین رحمۃ اللہ علیہ

۳۔ حضرت مولانا سیف الدین رحمۃ اللہ علیہ

یہ معلومات فقیر نے فوائدِ عثمانی سے اخذ کی ہیں جسے مولانا سید اکبر علیؒ دہلوی خلیفہ مجاز نے مرتب کیا ہے۔ مجموعہ ہذا میں آپ کے حالات و معمولات اور ملفوظات و کرامات تفصیل کے ساتھ مذکور ہیں۔

مادہ ہائے تاریخ: حضرت خواجہ صاحب قدس سرہٗ کے وصال کے بعد آپ کے بہت سے خدام نے جو مادہ ہائے تاریخ نکالنے کا ملکہ رکھتے تھے، آپ کے سالِ وفات کو نظم و نثر کی مختلف عبارات میں تحریر کیا ہے۔ تفصیلی مطالعہ کے شائقین مجموعہ فوائدِ عثمانی کا مطالعہ فرمائیں۔ اس سلسلہ میں ہم چند فقرات اور اشعار پیش کرتے ہیں:۔

---

[1] میرا شکوہ اللہ تعالیٰ کی طرف ہے، مخلوق سے نہیں۔ بے شک میں دیکھ رہا ہوں کہ زمین تو بدستور باقی ہے مگر احباب رخصت ہوتے جا رہے ہیں۔

۱۔ از مولانا محمود شیرازیؒ

ا۔ حَمْدًا لِلّٰہِ الَّذِیْ لَآ اِلٰہَ اِلَّا ھُوَ الْحَیُّ الْقَیُّوْمُ الْمَاجِدُ ۱۳۱۴ ہجری

ب۔ سَلَامٌ عَلٰی مَرْکَزِ الْاِیْمَانِ عُثْمَانَا ۱۳۱۴ ہجری

ج۔ ؎ شیرازی از ملال بہ تاریخ سال گفت | مہر سپہر عالم دیں در محاق شد

د۔ ؎ گفت شیرازی پئے تاریخ سال | در جوار قرب حق دادش مقام
۱۳۱۴ھ

۲۔ از خان حقداد خان ترینؒ

؎ دل محزون بہ سال وصلش گفت | دوست باکام دل بدوست[1] رسید
۱۳۱۴ھ

۳۔ از مولوی محمد حسین صاحبؒ

؎ روح مرغش بود چوں قدسی وطن | شد بہ قدسی آشیانے متکا
۱۳۱۴ھ

۴۔ از محمود حسین خان نازآں رئیس جھجر

؎ سال وصال حضرت، بہر ثواب نازآں | عثمان نقشبندی کامل ولی نوشتہ
۱۳۱۴ھ

سقا اللہ تعالیٰ مضجعہ لشآبیب الرحمۃ والغفران
واسکنہ فی بحبوحۃ الجنان وافاض علیٰ جمیع مخلصیہ
ومریدیہ بواسطۃ او بلا واسطۃ اولاء الفیضان والرضوان

---

[1] یہاں دوست سے مراد ذات باری تعالیٰ ہے۔ اور حضرت صاحبؒ کے اسم گرامی کی طرف بھی اشارہ ہے۔

شجرۂ اولاد

حضرت خواجہ محمد عثمان دامانی رحمۃ اللہ علیہ

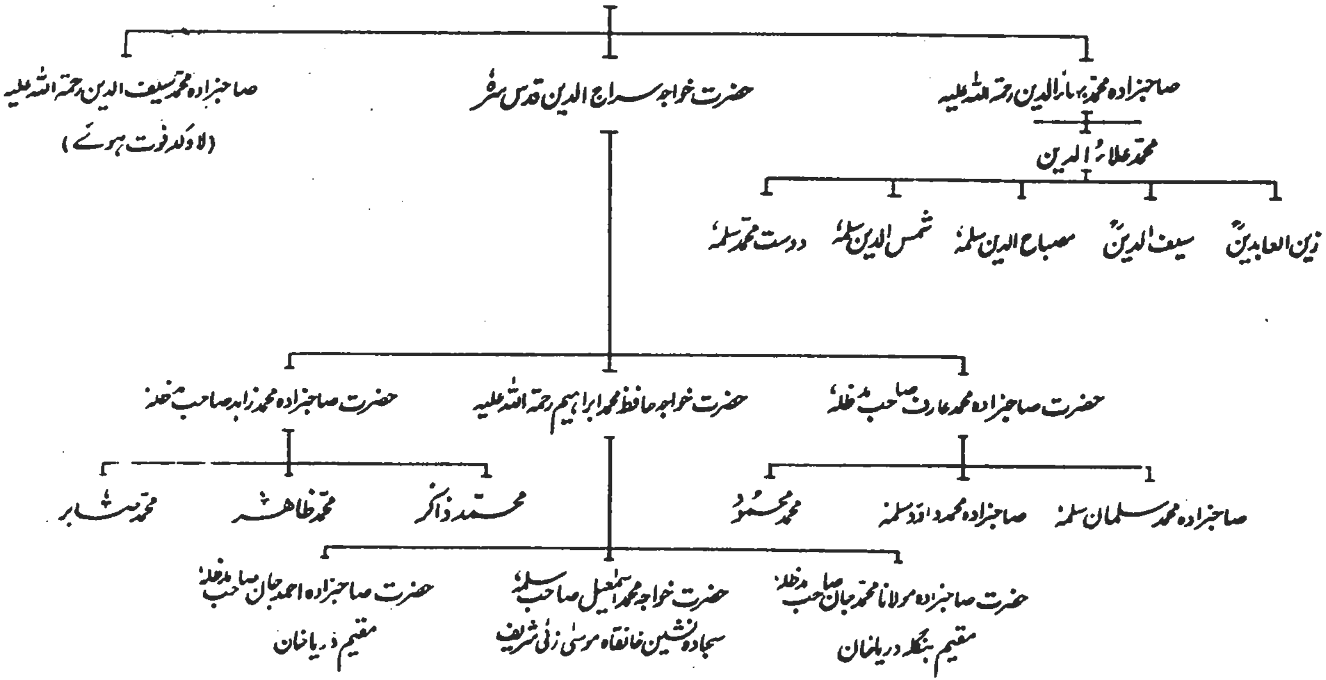

احوال و آثار حضرت خواجہ سراج الدین رحمۃ اللہ علیہ

ولادت باسعادت : حضرت خواجہ محمد سراج الدین رحمہ اللہ حضرت خواجہ محمد عثمان قدس سرہ کے فرزند گرامی خلیفہ اعظم اور جانشین ہیں۔ ولادت باسعادت خانقاہ احمدیہ سعیدیہ موسیٰ زئی شریف میں بروز دوشنبہ بوقت اشراق ۱۵ محرم الحرام ۱۲۹۷ھ ہجری ہوئی۔

تعلیم : قرآن مجید اخوند ملا شاہ محمد باڑ ساکن چودھوان سے پڑھا، فارسی میں نظم و نثر کی متداول کتابیں، عربی میں صرف و نحو، منطق و عقائد اور علم تجوید و قرات کے رسائل، فقہ میں کنز الدقائق، شرح وقایہ جلدین اولین و ہدایہ اخیرین، اصول فقہ میں نور الانوار اور چند جزو حسامی، تفسیر میں جلالین، حدیث میں مشکوۃ شریف نصف اول، ابن ماجہ نصف اول حضرت مولانا محمود شیرازی رحمہ اللہ سے پڑھیں اور بقیہ کتب یعنی حسامی کامل، شرح وقایہ جلدین اخیرین، ہدایہ اولین، تفسیر مدارک، تنقیح اصول بزدوی اور معانی میں تلخیص المفتاح، ترجمہ قرآن مجید، مشکوۃ شریف نصف آخر اور صحاح ستہ مولانا حسین علی صاحب رحمہ اللہ ساکن واں بھچراں ضلع میانوالی سے پڑھیں۔ تصوف میں مکتوبات امام ربانی ہر سہ دفتر و مکتوبات معصومیہ ہر سہ دفتر اپنے والد ماجد حضرت خواجہ محمد عثمان قدس سرہ سے پڑھے۔

مسند نشینی : جب حضرت خواجہ سراج الدین رحمہ اللہ عربی و فارسی کی متداول کتب، علوم معقول و منقول اور کتب مقامات طریقت سے ۱۳۱۱ ہجری میں فارغ ہو گئے تو حضرت خواجہ محمد عثمان قدس سرہ نے اپنے فرزند ارجمند کو چودہ سال کی عمر میں تمام سلاسل طریقت میں اجازت مطلقہ عطا فرمائی اور سند اجازت تحریر کرنے کے بعد آپ کو اپنا جانشین نامزد فرما دیا۔

۷، ربیع الاول ۱۳۱۴ھ کو والد بزرگوار نے اپنی موجودگی میں صاحبزادہ والا شان کو امامت نماز، ختم خواجگان اور ذکر و مراقبہ کے سلسلہ میں اپنی نیابت سونپ کر حضرت خواجہ سراج الدین رحمہ اللہ کی جانشینی کا اعلان و اظہار فرما دیا۔ آپ نے یہ فرائض منصبی احسن طریق پر انجام دینا شروع کر دیئے اور آپ کے فیضان صحبت سے طالبان حق، تاثیرات فائقہ اور مقامات عالیہ سے بہرہ یاب ہوئے۔

ترویجِ سلسلہ: حضرتؒ والا نے خود بھی مقاماتِ عالیہ مجددیہ میں وہ عروج حاصل کیا کہ اس پر مشائخ وقت رشک کرتے تھے۔ آپ نے اپنے متوسلین کو بھی ان مقاماتِ بلند پر پہنچایا کہ وہ خواب و خیال میں بھی ان کا تصور نہ کر سکتے تھے۔ چنانچہ طلبگارانِ حق اور فداکارانِ سنّتِ مصطفوی علیٰ صاحبہا التحیۃ والتسلیم قندھار، کابل، بخارا، ترکستان اور بلادِ اسلامیہ سے معرفتِ الٰہی کے حصول کے لیے حضرت کی خدمت میں آتے تھے اور سلسلۂ عالیہ کی نسبت اور کمالات حاصل کرتے تھے۔ آپ نے بھی جس خلوص، ہمدردی اور جاں نوازی سے ان کی تربیت فرمائی اور انہیں اصلاحِ ظاہر و باطن سے نوازا اس کی نظیر بھی شاید ہی چشمِ فلک نے کہیں دیکھی ہو۔ حضرت کو عربی، فارسی اور دیگر علومِ دینیہ پر کافی عبور تھا نیز آپ کو اعلیٰ درجہ کی علمی و ادبی کتابوں کا بہت شوق تھا۔ لہٰذا بلادِ اسلامیہ سے آنے والے حضرات اکثر و بیشتر اپنے ہمراہ مختلف اسلامی مطبوعات اور نادر کتب لاتے تھے۔ چنانچہ بلا مبالغہ موسیٰ زئی شریف میں آپ کا کتب خانہ نوادرِ علمی کا ایک بیش بہا خزانہ تھا۔ آپ کے وصال کے بعد کتاب خانہ کی وہ ہیئت و عظمت نہ رہی تاہم اس میں اسلامی تہذیب و ثقافت، علم و ادب، تصوف اور دیگر موضوعات پر ہنوز کافی کتابیں موجود ہیں۔

تزکیۂ باطن میں ریاضت کی احتیاج: حضرت خواجہ سراج الدین قدس سرہٗ نے جب مسندِ ارشاد کو سنبھالا تو آپ کی عمر مبارک سترّہ سال سے کچھ متجاوز تھی۔ اور پھر بعد ازاں آپ نے سینکڑوں متوسلین کو مقاماتِ سلوک بھی طے کرائے۔ عالمِ تصوف میں ایسی مثالیں بہت کم ملتی ہیں کہ اس قدر نو عمری میں کسی شخص کو ولایت کی بلند منازل پر رسائی نصیب ہوئی ہو۔ لہٰذا معارفِ سلوک کا مطالعہ کرنے والے عام قاری کے ذہن میں یہ سوال ضرور اُبھرتا ہے کہ آیا عرفانِ الٰہی کے حصول میں ریاضت و مجاہدہ کی احتیاج ہے یا اس کے بغیر بھی تزکیۂ باطن میسر آسکتا ہے۔ اس سلسلہ میں یہ کہنا بے محل نہ ہوگا کہ ریاضت و مجاہدہ اس بنا پر ناگزیر ہے کہ اس سے تہذیبِ نفس ہوتی ہے، قلب ہوا و ہوس کی ریشہ دوانیوں سے محفوظ ہو جاتا ہے اور معرفتِ الٰہی کے حصول کے لیے راہ ہموار ہو جاتی ہے۔ پھر اس سے بڑھ کر یہ کہ اولیاء اللہ ریاضت و مجاہدہ کرنے والی جماعت پر مشتمل ہیں۔ سالک کی فطرت میں پاکیزگی ہو اور اہلیت و استعداد کا جوہر موجود ہو تو ریاضت اس جوہر کو کندن بنا دیتی ہے۔ جہاں فطرت میں لطافت اور استعداد کا فقدان ہوگا وہاں ریاضت بالکل اثر انداز نہ ہوگی۔ بقول سعدیؒ ؎

ناکس بہ تربیت نشود اے حکیم کس

دوسری صورت میں یہ ایک ناقابلِ انکار حقیقت ہے کہ اللہ تعالیٰ کے بے پایاں الطاف اور اس کی لامحدود عنایات ریاضت سے وابستہ نہیں بلکہ اس کے فضل و کرم پر موقوف ہیں۔ اس کے انعام و اکرام کی راہیں جداگانہ ہیں۔ وہ جب چاہے، جسے چاہے نواز دے۔ وقت اور فاصلہ کے اصول زمان و مکان میں بسنے والوں کے لیے ہیں۔ ذاتِ لم یزل ان سے ارفع و اعلیٰ ہے۔ بس پر نصِ قرآنی کی شہادت کافی و وافی ہے:

لَا يُسْئَلُ عَمَّا يَفْعَلُ وَهُمْ يُسْئَلُوْنَ ۝

اللہ تعالیٰ سے اس کے فعل کے بارے میں پرسش نہیں ہو سکتی۔ سوال لوگوں ہی سے کیا جائیگا

لہٰذا جب اللہ تعالیٰ کا فضل و کرم بندے کے شاملِ حال ہو جاتا ہے اور تجلّی ربانی قلبِ انسانی پر اپنا پرتو ڈالتی ہے تو تمام رکاوٹیں اور حائل ہونے والی قوتیں اس کی ضیا ریزی سے پاش پاش ہو جاتی ہیں اور دل معرفتِ الٰہی کی جلوہ گاہ بن جاتا ہے۔

صورتِ مسئلہ کو مزید سلجھانے کے لیے ہمیں اس دور کا تجزیہ کرنا پڑے گا جو حضرت خواجہ سراج الدین قدس سرہٗ کی مسند نشینی سے پہلے کا ہے۔ اللہ رب العزت نے آپ کو فطرتِ پاکیزہ، اہلیت و استعداد اور اخلاقی عظمتوں سے نوازا تھا۔ پھر جس ماحول میں آپ نے سترہ برس گزارے وہ ماحول بھی قرآن و سنت کے اتباع کا ایک درخشندہ نمونہ تھا۔ اس کا ذرہ ذرہ اور گوشہ گوشہ ذکرِ الٰہی سے منور تھا اور یہ فضا نفسانی خواہشات اور تمام کدورتوں سے منزہ تھی۔ ایسی پاکیزہ فضا نے حضرت خواجہؒ کے باطن کی نقش نگاری کی تھی۔ بلا شبہ آپ جس مقام پر فائز ہوئے وہ روزِ ازل سے آپ ہی کا مقدر تھا۔

اس سلسلہ میں حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ کا ارشاد قولِ فیصل کا حکم رکھتا ہے۔ آپ نے فرمایا ہے[۱]:

"امروز حصولِ ایں دولتِ عظمیٰ وابستہ بتوجہ و اخلاص بایں طبقۂ علیہ
نقشبندیہ است بریاضتِ شاقہ و مجاہداتِ شدیدہ آں میسر نگردد کہ
بیک صحبتِ ایشاں حصول یابد۔"

---

[۱] دفتر اوّل مکتوب نمبر ۹ — آج اس دولتِ عظمیٰ کا حصول سلسلۂ عالیہ نقشبندیہ کے اخلاص و توجہ کے ساتھ وابستہ ہے۔ شدید مجاہدوں اور سخت ریاضتوں سے وہ حاصل نہیں ہو سکتا جو ان کی ایک صحبت سے مل جاتا ہے۔

اہل اللہ کا وقار: حضرت مولانا محمد عبد اللہؒ صاحب سجادہ نشین خانقاہ سراجیہ فرمایا کرتے تھے کہ سلسلۂ عالیہ نقشبندیہ میں تین ہستیاں ایسی گزری ہیں جو عظمت و وقار اور شان و شوکت میں بے مثال تھیں۔ ان میں سب سے پہلے حضرت خواجہ عبید اللہ احرار رحمۃ اللہ علیہ کا نام نامی آتا ہے کہ امرائے وقت اور وزرائے عہد سب کے سب آپ کے نیازمند تھے اور اہلِ ثروت آپ کے جاہ و جلال سے لرزہ براندام رہتے تھے۔ حضرت مجدد الف ثانیؒ نے ان کا ایک ملفوظ یوں نقل کیا ہے: "اگر من شیخی کنم، ہیچ شیخے درعالم مرید نیابد، اما مرا کارِ دیگر فرمودہ اند و آں ترویجِ شریعت و تائیدِ ملت است۔"

دوسرے حضرت خواجہ سیف الدین رحمۃ اللہ علیہ تھے جو قیومِ زماں حضرت خواجہ محمد معصومؒ کے صاحبزادے اور سجادہ نشین تھے۔ شہنشاہ اورنگ زیب عالمگیر آپ کے زیرِ تربیت رہے۔ خط و کتابت بھی اکثر جاری رہتی تھی۔ چنانچہ مکتوباتِ سیفیہ میں اورنگ زیب کے نام آپ کے متعدد مکاتیب موجود ہیں۔ آپ کی کرم گستری اور فیض رسانی زباں زدِ خلائق تھی۔ آپ کے مریدوں اور خلفاء کی تعداد ہزاروں سے متجاوز ہے۔

تیسری عظیم الشان ہستی حضرت خواجہ سراج الدینؒ سجادہ نشین موسیٰ زئی شریف تھے۔ آپ کے آستانہ عالیہ پر تین سو سے چار سو تک متوسلین و ارادتمند اکثر موجود رہتے تھے۔ شاہانہ طور پر تقسیم لنگر، داد و دہش اور عطا و نوال کا بازار گرم رہتا تھا۔ تمام مہمانوں کو خورد و نوش کا سامان وافر مہیا کیا جاتا تھا۔ بایں ہمہ آپ بے غرض اور بے نفس تھے۔ عقیدت مندوں کی یہ تعداد سفر و حضر دونوں صورتوں میں یکساں رہتی تھی۔ قافلے کی شکل میں روانہ ہوتے جس میں اکثر شتر سوار بھی ہوتے تھے۔ کسی اہلِ دنیا کی دعوت قبول نہ فرماتے۔ دورانِ سفر سارے کا سارا انتظام حضرت خواجہؒ کا ذاتی ہوتا تھا۔

خدا خود میر سامان است اربابِ توکل را

وَمَنْ يَّتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ فَهُوَ حَسْبُهٗ — اور جو اللہ تعالیٰ پر متوکل ہو جائے پس وہ اس کیلیے کافی ہے

۱؎ آپ بانی خانقاہ سراجیہ کندیاں حضرت مولانا ابوالسعد احمد خاں قدس سرہٗ کے خلیفۂ مجاز تھے اور موجودہ سجادہ نشین حضرت قبلہ خان محمد صاحب ادام اللہ فیوضہٗ کے پیر و مرشد۔

۲؎ یہ قول حضرت خواجہ عبید اللہ احرار کا ہے: اگر میں پیری مریدی شروع کر دوں تو دنیا میں کسی پیر کو کوئی مرید نہ ملے۔ لیکن میرے سپرد جو کام ہے وہ جداگانہ نوعیت کا ہے اور وہ ملت کی تائید اور شریعت کی ترویج ہے۔

چنانچہ آپ کے زمانہ میں ہر خاص وعام کی زبان پر یہ گفتگو رہتی تھی کہ اگر حضرت خواجہؒ چند سال مزید زندہ رہے تو کوئی شیخ طریقت ان کے عہد میں مسند آرائی نہ کر سکے گا۔

موسمِ گرما کے دَوران مختلف سفر: موسمِ گرما میں حضرت حاجی صاحبؒ قبلہ قندھار تشریف لے جاتے تو حضرت خواجہ محمد عثمان اور خواجہ سراج الدین رحمہما اللہ بھی آپ کے ساتھ شریکِ سفر ہوا کرتے تھے۔ لیکن بعد میں پاسپورٹ وغیرہ کے حصول کا مسئلہ پیدا ہو گیا۔ اور ہر دو حکومتوں میں حسبِ سابق داخلہ پر پابندیاں عائد کر دی گئیں۔ اس کے پیشِ نظر حضرۃ خواجہ سراج الدین رحمہ اللہ اکثر تین چار سو عقیدتمندوں کی معیت میں ایبٹ آباد تشریف لے جاتے وہاں بڑے وقار و تمکنت کے ساتھ موسم گرما ایک ریسٹ ہاؤس میں گزارتے جسے آپ کرایہ پر لے لیتے تھے۔ ایک مرتبہ جب آپ ایبٹ آباد تشریف لے گئے تو کسی شخص نے وہاں کے انگریز ڈپٹی۔ سی کے پاس مخبری کے طور پر کہا کہ ریسٹ ہاؤس میں فقیروں کی ایک جماعت مدتِ مدید سے مقیم ہے۔ ان کے مصارف کلی طور پر ذاتی ہیں پھر وہ کسی کی دعوت بھی قبول نہیں کرتے۔ اس سلسلہ میں شہر کے افسر مجاز کو ان حضرات کے مصارف اور ذرائع آمدن کے بارے میں تحقیق و تفتیش کرنی چاہیے۔ چنانچہ ڈی۔ سی بذاتِ خود حضرتِ اقدسؒ کی خدمت میں حاضر ہوا اور دعوت کی پیشکش کی۔ حضرت خواجہؒ نے فرمایا، آپ کی دعوت اس شرط پر قبول کی جا سکتی ہے کہ جب تک ہم یہاں قیام کریں، ہر روز صبح و شام کا کھانا آپ ہماری طرف سے بھی قبول کریں۔ یہ کھانا حسبِ منشا آپ کی رہائش گاہ پر ہماری طرف سے پہنچ جایا کرے گا یہ سننے کے بعد انگریز افسر بھونچکا سا رہ گیا اور ندامت و خجالت کے ساتھ اٹھ کر چلا آیا۔

مقامِ استغنا: جن ایام میں آپ ایبٹ آباد قیام پذیر تھے ایک فوجی افسر نے ہدیہ کے طور پر پھلوں کی ایک ٹوکری خدمتِ اقدس میں پیش کی۔ آپ نے اسے قبول فرمایا۔ پھر اس کے بعد یہ التزام کیا کہ ہر روز عمدہ پھلوں کی ایک ٹوکری اس فوجی افسر کے گھر بھیج دیا کرتے تھے۔ چند روز کے بعد فوجی افسر نے عجز و نیاز کے ساتھ یہ عرض کی کہ حضور! آپ میرے لیے یہ زحمت نہ فرمایا کریں۔

شانِ توکل: حضرت خواجہ سراج الدین رحمہ اللہ فرمایا کرتے تھے کہ فقیر[۱] اپنے والد صاحب سے کچھ حاصل نہیں کر سکا

---

[۱] یہ عجز و انکسار انتہا ہے۔ شیخ سعدیؒ نے بجا فرمایا ہے ؎

بزرگاں نکردند در خود نگاہ   خدا بینی از خویشتن بیں مخواہ

البتہ ان کے فیضانِ صحبت سے میرا دل دنیوی امور کے بارے میں کبھی مشوش نہیں ہوا اور ساتھ ہی قلب سے محبتِ دنیا کلی طور پر نکل گئی ہے۔ اس خیال سے کبھی تردد پیدا نہیں ہُوا کہ اس قدر سینکڑوں کی تعداد میں آنے والے عقیدتمندوں کا انتظام اور ان کے اسباب خورد و نوش کہاں سے میسر آئیں گے۔ بس ہر چیز کو اللہ تعالیٰ کے سپرد کرنے کے بعد وہ طمانیتِ قلب نصیب ہوئی ہے جسے حادثاتِ روزگار کبھی زائل نہیں سکتے۔

خاص عنایات : حافظ محمد عبداللہ صاحب حضرت خواجہؒ کے مُریدوں میں سے تھے اور صاحبزادگان کے استاد بھی تھے۔ وہ ایک مرتبہ ڈیرہ اسمٰعیل خان گئے۔ اس زمانہ میں حفاظت کی غرض سے شہر کے چاروں طرف قلعہ نما فصیل تعمیر کی گئی تھی اور شہر کے سب دروازوں کو عشاء کے بعد بند کر دیا جاتا تھا تاکہ ساکنانِ شہر محفوظ رہیں۔ ان دروازوں کو صبح کے بعد کھولا جاتا تھا۔ حافظ صاحب موصوف کا بیان ہے کہ میں حضرت قبلہ کی خدمت میں جلد ہی موسیٰ زئی شریف پہنچنا چاہتا تھا۔ دروازوں پر پولیس کا عملہ متعین تھا اور ڈیرہ اسمٰعیل خان سے موسیٰ زئی شریف کی مسافت ۴۰ میل تھی۔ طلوعِ آفتاب کے بعد سفر کا آغاز کیا جاتا تو دوپہر سفر میں ہو جاتی اور سخت دشواری پیش آتی۔ اللہ کا نام لے کر سحری کے وقت شہر کے ایک دروازے سے نکلا اور پولیس کے عملہ نے مجھ سے کچھ تعرض نہ کیا۔ شہر سے باہر آتے ہی آستانۂ شیخ کا رخ کیا، میں حضرت پیر و مُرشد کی محبت میں سرمست اور ذکرِ اسمِ ذات سے سرشار جا رہا تھا۔ چند میل کی مسافت کے بعد میرا قدم چلتے ہوئے یکایک رک گیا۔ ہزار کوشش کے باوجود اپنے قدم کو زمین پر نہ رکھ سکا۔ یوں معلوم ہوتا تھا، جیسے کسی غیر مرئی غیبی قوت نے میرے قدم کو شل کر دیا ہے۔ غور سے دیکھا تو نیچے ایک سانپ تھا۔ میں پیچھے ہٹ گیا اور قدم نے بھی موافقت کی۔ اس غیبی حفاظت پر میں نے اللہ تعالیٰ کا شکریہ ادا کیا۔ دراصل حضرت خواجہؒ ہی کے تھیں یہ سب عنایات میرے شاملِ حال تھیں۔ موسیٰ زئی شریف پہنچ کر حضرت کی زیارت کی۔ مجھے دیکھتے ہی آپ نے زبانِ فیض ترجمان سے فرمایا :

”حافظ صاحب ! اللہ تعالیٰ ساری کائنات کا محافظ ہے۔ وہی بندوں کو پولیس کی دستبرد سے بچاتا ہے اور سانپوں سے بھی ان کی حفاظت کرتا ہے۔“

ریا و اخلاص میں فرق : ایک افغان مدتِ دراز سے حضور کی خدمت میں رہتا تھا۔ اس کے ذمہ گھوڑوں کو چارہ ڈالنا اور تھان کی صفائی کرنا تھا۔ اپنی خدمت کی اہمیت ظاہر کرنے کے لیے وہ گھوڑوں کی لید

اپنے دامن میں بھر لیتا اور صفائی کا کام اس وقت شروع کرتا جب حضرت کا گزر خانقاہ سے حویلی کی طرف ہوتا۔ مگر حضرت نے کبھی اس کے حال کی طرف توجہ نہ فرمائی اور اس کی محنت و مشقت سے ہمیشہ صرف نظر فرماتے رہے۔ ایک دن مسجد میں آپ نے ایک چٹائی کو دیکھا جو نہایت مناسب و موزوں انداز کے ساتھ مرمت کی ہوئی تھی۔ آپ نے پوچھا یہ خدمت کس نے انجام دی ہے؟ حاضرین میں سے کسی نے کہا کہ حضور کے فلاں دیرینہ خادم افغان نے اسے مرمت کیا ہے۔ آپ بے حد مسرور ہوئے اور اس مسرت و کیف کے عالم میں اس کے حال پر چشم التفات ڈالی جس نے اس کا دامن عرفان خداوندی سے بھر دیا۔ پہلا عمل ریا پر مبنی تھا اس لیے اکارت گیا۔ دوسرے میں اخلاص نیت تھا یہی رحمت الٰہی کا موجب بنا۔

حضرت خواجہؒ کی بے مثال شفقت: حضرت خواجہ سراج الدین قدس سرہٗ ایک مرتبہ حج پر روانہ ہوئے۔ اس سفر میں حضرت مولانا ابوالسعد احمد خانؒ اور دیگر ارادتمند بھی شریک تھے۔ حضرت خواجہؒ کا ڈبہ کراچی تک کے لیے ریزرو تھا اور اس سے ملحقہ ڈبے میں آپ کے تمام مُرید بیٹھے ہوئے تھے۔ کراچی پہنچنے پر گارڈ نے حکم دیا کہ حضرت خواجہ کے ملحقہ ڈبہ کو علیحدہ کر کے عازمین حج کو قرنطینہ میں بھیجا جائے۔ جب ریلوے ملازمین ڈبے کو علیحدہ کرنے لگے تو حافظ محمد عبداللہ صاحب نے جو صاحبزادگان کے اُستاد تھے حضرت خواجہؒ سے فرمایا کہ قیامت کا علم تو اللہ تعالیٰ کو ہے لیکن ہمیں تو قیامت آج ہی نظر آرہی ہے کہ وَامۡتَازُوا الۡيَوۡمَ اَيُّهَا الۡمُجۡرِمُوۡنَ کے تحت ہمیں آپ سے جُدا کیا جارہا ہے یہ سن کر حضرت خواجہؒ نے ریلوے حکام سے کہا کہ میری جماعت کے کسی فرد کو قرنطینہ میں نہ بھیجا جائے۔ چنانچہ کسی نے آپ کے مُریدوں سے کچھ تعرض نہ کیا۔ سبحان اللہ! حضرت خواجہ کی رأفت و شفقت نے یہ گوارا نہ کیا کہ آپ کے مُریدوں کو ان سے کسی مقام پر علیحدہ رکھا جائے ۔ ؎

من از تو ہیچ مرادے دگر نمی خواہم ۔۔۔ ہمیں قدر بکنی کز خودم جدا نکنی

حضرت خواجہؒ کی دُنیا سے بے نیازی: صوفی مراز خان صاحب کا بیان ہے کہ ایک مرتبہ میں حضرت اعلیٰ کی معیت میں کھولہ شریف سے موسیٰ زئی شریف حضرت خواجہ سراج الدین قدس سرہٗ کی خدمت اقدس میں حاضر ہُوا۔ اس وقت حضرت خواجہ ایک خیمہ میں جلوہ افروز تھے۔ دریں اثنا ایک جوگی ہاتھ میں کوزہ لیے ہوئے آیا اور دُودھ کے ایک مٹکے کا مطالبہ کیا۔ حضرت خواجہؒ کے حکم سے خدام نے اسے دودھ کا ایک مٹکا فوراً مہیا کر دیا اور ساتھ ہی اس کا کوزہ بھی

دودھ سے بھر دیا۔ وہ اس دودھ کو لے کر پہاڑ کی چوٹی پہ جہاں اس کا ڈیرہ تھا چلا گیا۔

جوگی اگلے روز دودھ والے مٹکے میں چاندی بھر کر لایا اور التماس کیا کہ اسے لنگر کے مصارف میں لایا جائے حضرت خواجہؒ نے پانی کا ایک پیالہ منگوایا اور بسم اللہ شریف پڑھ کر اپنی چھنگلی اس میں پھیری۔ حضرت خواجہؒ کی کرامت سے مٹی کا وہ پیالہ پانی سمیت سونا بن گیا۔ اس کے بعد حضرت خواجہ اس جوگی سے مخاطب ہوئے اور فرمایا: "تم نے دودھ کی چاندی بنائی اور ہم نے پانی کا سونا بنا دیا۔ بحمد اللہ ہمیں سونا اور چاندی دونوں میں سے کسی کی حاجت نہیں۔ لہذا یہ تم اٹھا لو۔"

چنانچہ وہ جوگی سونا اور چاندی لے کر وہاں سے رخصت ہو گیا ۔

ہزار معجزہ بنمود عشق و عقلِ جہول — ہنوز امت اندیشہ ہائے خویشتن است

اژدہا کی فرمانبرداری: سون سکیسر میں قیام کے دوران ایک دن حضرت خواجہؒ نے مولانا ابوالسعد احمد خانؒ سے فرمایا کہ رائفل اور بندوق ساتھ لے لو۔ ہمیں پہاڑ کے درمیان ایک تالاب پر جانا ہے۔ چنانچہ حضرت خواجہؒ کی معیت میں مولانا احمد خانؒ کے علاوہ دوسرے درویش بھی چل دیئے۔ تالاب پر پہنچ کر حضرت خواجہؒ نے اپنے کپڑے اتار کر ملک فتح محمد صاحب کو دے دیئے اور تہ بند باندھ کر تالاب میں غسل کرنے لگے۔ تھوڑی دیر میں سنگریزوں کی کھڑکھڑاہٹ سنائی دی اور ایک بہت بڑا اژدہا نمودار ہوا۔ یہ منظر دیکھ کر تمام درویش دہشت زدہ ہو گئے، مگر حضرت خواجہؒ بالکل متاثر نہ ہوئے۔ چند منٹوں بعد تالاب سے باہر تشریف لائے۔ اپنا لباس زیب تن کیا اور وضو فرمایا۔ اس کے بعد اژدہا کے پاس جا کر اس کے سر پر ہاتھ پھیرتے ہوئے فرمایا:

"تو ہر روز کسی بھیڑ، بکری یا گائے بھینس کو مار ڈالتا ہے۔ یہاں پہاڑ میں بسنے والی مخلوقِ خدا تجھ سے بیزار ہے قیامت کے روز جب تجھ سے بازپرس ہو گی تو اللہ تعالیٰ کو کیا جواب دے گا؟ اب تالاب کا پانی پی اور اس میں نہا کر اپنے جسم کی حرارت کو ٹھنڈا کر لے۔"

حضرت خواجہؒ کے اس ارشاد کے بعد وہ تالاب میں کود گیا اور اس کے کودنے سے سارے پانی میں تموج پیدا ہو گیا۔ کچھ دیر بعد اس نے تالاب سے باہر آ کر حضرت خواجہؒ کے قدموں میں سر رکھ دیا۔ آپ نے فرمایا، اب تجھے اجازت ہے۔ حضرت خواجہؒ ایک فرلانگ بمشکل گئے ہوں گے کہ وہ پھر حاضر ہوا۔ اس پر حضرت خواجہ نے تاکیداً فرمایا

کہ اب اس پہاڑ کو چھوڑ کر کسی دوسری جگہ چلا جا۔ ہم تجھے رخصت کرتے ہیں۔ چنانچہ وہ وہاں سے غائب ہو گیا اور حضرت خواجہؒ اپنی قیام گاہ پر واپس تشریف لے آئے۔

توہم گردن از حکم داور میپیچ | کہ گردن نہ پیچد ز حکم تو ہیچ

حضرت کی عظمت پر ایک بے مثال شہادت: جب حضرت خواجہ محمد عثمان رحمہ اللہ کے وصال کے بعد آپ کے صاحبزادہ حضرت خواجہ سراج الدینؒ مسندِ ارشاد و ہدایت پر جلوہ افروز ہوئے تو عمر مبارک سترہ سال سات ماہ اور سات دن تھی۔ عنفوانِ شباب کا عالم تھا۔ ابھی مسیں بھیگ رہی تھیں۔ آپ کی نوعمری اور منصب ولایت کی رفعت کو دیکھ کر بعض قدیم خدام قلبی خلفشار اور تردد کا شکار ہو گئے۔ مگر پھر وہی لوگ وقائع اور مبشرات دیکھ کر حضرت کے گرویدہ ہو گئے اور اس شمع عرفان پر پروانہ وار نثار ہونے لگے۔ اس سلسلہ میں حضرت خواجہ محمد عثمان رحمہ اللہ کے خلیفہ مولانا محمد حسین صاحب کا واقعہ خصوصی اہمیت کا حامل ہے۔ آپ کانپور کے رہنے والے تھے اور خانقاہ حسینیہ کے بانی مبانی تھے۔ شیخ کے وصال کے وقت موسیٰ زئی شریف ہی میں قیام پذیر تھے۔ آپ کو اپنے شیخ سے بے حد والہانہ عقیدت تھی۔ چنانچہ پیر کامل کے فراق کا صدمہ ان کے لیے ناقابلِ برداشت تھا۔ پھر خواجہ سراج الدین صاحب قبلہ پر جوانی کا عالم تھا۔ اس خیال کے پیش نظر کہ نہ معلوم شیخ کے وصال کے بعد اہل خانقاہ کا رویہ میرے ساتھ کیسا رہے اور یہاں زندگی کس نہج پہ گزرے، تجدیدِ بیعت نہ کی اور کانپور واپس تشریف لے گئے۔ ایک سال تک وہیں قیام کیا۔ اپنے شیخ کی جدائی کا ہر لمحہ سوہانِ رُوح تھا۔ آخرالامر حج کا ارادہ کیا اور زیارت بیت اللہ شریف سے دیدہ و دل کا سکون پایا۔ وہاں مکہ مکرمہ میں حضرت حاجی امداد اللہ صاحب مہاجر مکی علیہ الرحمہ کے ایک مُرید سے ملاقات ہوئی جو باطنی نعمتوں سے سرفراز تھے اور صاحبِ کشف مشہور تھے۔ مولانا محمد حسین صاحب نے ان سے پوچھا کہ اس وقت عالم اسلام میں سب سے بڑے عارفِ کامل کون ہیں؟ اس بزرگ نے کہا کہ میں تمہیں اس بات کا جواب کل دوں گا۔ دوسرے دن جب مولانا محمد حسین صاحب ان کی خدمت میں حاضر ہوئے تو انہوں نے کہا کہ اس وقت صرف دو ہستیاں ہیں جو ولایت و عرفان کے عظیم الشان منصب پر متمکن ہیں۔ ان میں ایک بزرگ مصر میں ہیں جو کافی معمر ہیں اور دوسرے بزرگ ہندوستان میں ہیں جو ہنوز نوعمر ہیں۔ چنانچہ مولانا محمد حسین صاحب حج سے فارغ ہونے کے بعد حضرت سراج الدینؒ صاحب قبلہ کی خدمت میں خانقاہ موسیٰ زئی شریف حاضر ہوئے۔ اب حضرت کے روئے انور پر

ریشِ مبارک بھی بڑھ آئی تھی۔ آپ نے مولانا محمد حسین صاحب کو دیکھ کر فرمایا :

" دت چھوہراں دے وَس پے گئے او "

ایک مثالی رابطہ : مولانا حسین علی صاحب رحمہ اللہ حضرت خواجہ محمد عثمان قدس سرہٗ کے مُرید تھے اور بعض مقامات ولایت بھی آپ ہی کی خدمت میں طے کیے چنانچہ حضرت نے انہیں سلسلہ نقشبندیہ مجددیہ میں خلافت عطا کی لیکن حضرت خواجہ محمد عثمان رحمۃ اللہ علیہ کے وصال کے بعد جیسا کہ اجازت نامہ ذیل سے ظاہر ہوتا ہے مولانا نے سلوکِ نقشبندیہ کے مقامات کو از سرِ نو طے کرنے کی درخواست حضرت خواجہ سراج الدین قدس سرہٗ کی خدمت میں پیش کی تھی۔ حضرتؒ نے نہ صرف سابقہ مقامات کو تازہ کر دیا بلکہ جو مقامات باقی رہ گئے تھے ان کی تکمیل بھی کرا دی۔ سلسلہ عالیہ نقشبندیہ کے ساتھ انہیں دیگر سلاسلِ طریقت میں بھی مجاز قرار دیا۔ اس اعتبار سے خلافتِ جامعہ وکاملہ اور اجازتِ مطلقہ مولانا حسین علی صاحب رحمہ اللہ کو حضرت خواجہ سراج الدین قدس سرہٗ سے نصیب ہوئی۔

حضرت خواجہؒ کا رابطہ مولانا حسین علیؒ سے ایک مثالی نوعیت کا ہے۔ ایک طرف حضرت خواجہؒ نے حسبِ ارشادِ والدؒ مولانا حسین علی رحمہ اللہ سے علومِ دینیہ کی متعدد کتابیں پڑھیں اور دوسری طرف مولانا حسین علی صاحبؒ نے آپ سے ہشت سلاسلِ طریقت میں خلافت وسندِ اجازت حاصل کی۔ گویا حضرت خواجہ سراج الدین قدس سرہٗ مولانا کے تلمیذ بھی تھے اور شیخِ طریقت بھی۔

اجازت نامہ کی چند سطور ملاحظہ ہوں :

پس مولانا صاحب رجوع بہ فقیر آوردند کہ اسباقِ باقی ماندہ تکمیل کنم وباز از سرِ نو شروع کنم۔ بایں ہمہ عدمِ لیاقت از اجازت مسئول چارہ ندیدم۔ سبقِ حقیقتِ احمدی وحبِ صرف ولاتعین . . . . ودائرہ سیفِ قاطع ودائرہٗ حقیقتِ صوم دادم۔ احوالیکہ مناسب آنہا مشاہدہ خود کردند وفقیر ہم مشاہدہ کرد۔ فصار مجمع البحار ومعدن الانوار فاجزت لہ اجازۃ مطلقۃ فی الطریقۃ النقشبندیۃ والقادریۃ والچشتیۃ والسہروردیۃ والکبرویۃ وغیرہا لارشاد الطلاب والقاء السکینۃ والحضور فی قلوب الاحباب واخذ البیعۃ المسنونۃ عن طالب الطریق المذکورۃ فہو خلیفتی ویدہٗ کیدی فطوبیٰ لمن اقتدیٰ بہٖ۔

حضرت خواجہؒ کے پس ماندگان : آپ نے اپنے پیچھے تین صاحبزادے حافظ محمد ابراہیم صاحب رحمہ اللہ حضرت مولانا محمد زاہد صاحب اور حضرت مولانا محمد عارف صاحب سلمہما اللہ تعالیٰ، دو صاحبزادیاں اور بے شمار متوسلین

چھوڑے۔ حضرت خواجہ سراج الدین رحمۃ اللہ کے وصال پر سجادہ نشینی کا مسئلہ پیدا ہوا۔ مولانا حسین علی صاحبؒ نے حضرت خواجہؒ کے سب سے بڑے صاحبزادے حافظ محمد ابراہیم صاحب کو مجاز طریقت قرار دے کر ان کی دستار بندی کی۔ حضرت خواجہؒ کے خدام وخلفاء جو وہاں موجود تھے سب نے ان کی خلافت وجانشینی کو تسلیم کر لیا۔ آج کل حافظ صاحب مرحوم و مغفور کے فرزند اکبر مولانا محمد اسمٰعیل صاحب خانقاہ شریف کی تولیت اور اہتمام وانتظام کے فرائض انجام دے رہے ہیں۔ اَوْصَلَهُ اللّٰهُ تَعَالٰی اِلٰی مَقَامِ اٰبَائِهِ الْكِرَامِ۔

حافظ صاحب مرحوم کے دوسرے صاحبزادے مولانا محمد جان صاحب دریا خاں میں حضرت خواجہ سراج الدین قدس سرہٗ کے بنگلہ میں اقامت پذیر ہیں۔ قریب ہی مسجد کی تعمیر بھی کرا رہے ہیں۔ الحمد للہ کہ اکابر کے فیوض سے بہرہ وافر رکھتے ہیں۔ مہمانوں اور ارادتمندوں کی خدمات بجالاتے ہیں۔ اخلاقِ کریمانہ کا مجسمہ ہیں۔ تیسرے صاحبزادے احمد جان صاحب ہیں۔ آپ بھی دریا خاں ہی میں مقیم ہیں۔ اَوْصَلَهُمَا اللّٰهُ تَعَالٰی اِلٰی مَقَامَاتِ الْوَلَايَتِهِ وَالْعِرْفَانِ

حضرت خواجہ سراج الدین قدس سرہٗ کے دو صاحبزادے بحمدہٖ تعالیٰ اس وقت بقید حیات ہیں جن کے اسمائے گرامی خواجہ محمد زاہد صاحب اور خواجہ محمد عارف صاحب سلمہما ہیں۔ آبائے کرام کے مسلک پر استقامت کے ساتھ گامزن ہیں۔ بڑے مہماں نواز، خوش اخلاق اور بلند کردار ہیں۔ خواجہ محمد عارف صاحب متذکرہ بالا صفات کے ساتھ ایک نغز گو شاعر بھی ہیں۔ آپ کا کلام صوفیانہ اور عارفانہ رموز کا حامل ہے۔ اَبْقَاهُمَا اللّٰهُ تَعَالٰی وَاَطَالَ حَيَاتَهُمَا

خلفائے عظام: ۱۔ **حضرت مولانا ابو السعد احمد خان صاحب رحمۃ اللہ علیہ**۔ حضرت خواجہ سراج الدین رحمۃ اللہ علیہ کے خلیفۂ اعظم ونائب اتم ضمنیت شیخ سے سربلند، منصب قیومیت پر سرفراز امام الواصلین رئیس الکاملین، بانی خانقاہ سراجیہ کندیاں سیدنا ومرشدنا حضرت مولانا ابو السعد احمد خان قدس اللہ تعالیٰ سرہٗ العزیز ہیں۔ رسالہ تحفہ سعدیہ آپ کے احوال وآثار پر مشتمل ہے۔ حضرت اعلیٰ کے بعض ابتدائی حالات جو رسالہ میں نہیں آسکے تھے۔ انشاء اللہ کتاب ہذا میں تحریر کیے جائیں گے۔

۲۔ حضرت مولانا حسین علی صاحب رحمۃ اللہ علیہ۔ آپ واں بھچراں ضلع میانوالی کے رہنے والے تھے علوم عربیہ کے جید عالم، محدث اور فقیہ تھے۔ حدیث مولانا رشید احمد گنگوہی اور مولانا محمد مظہر نانوتوی رحمہما اللہ سے پڑھی۔ سلوک حضرت خواجہ محمد عثمان رحمۃ اللہ کی خدمت میں طے کرنا شروع کیا اور خواجہ محمد سراج الدین قدس سرہ سے

تکمیل کے بعد مجاز فی الطریقہ ہوئے۔ دیگر سلاسلِ طریقت میں بھی اجازت مطلقہ سے سرفراز ہوئے۔ اپنے شیخ حضرت خواجہ محمد عثمان کے مجموعہ فوائدِ عثمانی کی تصحیح فرمائی اور ان پر حواشی بھی تحریر کیے۔ حواشی میں (ح) آپ کے نام حسین علی کی طرف اشارہ ہے۔

بہت سے سالکانِ طریق آپ سے مستفید ہوئے۔ درسِ قرآن وحدیث آپ کا خصوصی مشغلہ تھا۔ بڑی سختی سے بدعاتِ مروجہ کی تردید کرتے تھے۔ ترویجِ سنت اور تبلیغِ توحید میں ہمہ عمر سرگرم رہے۔ تَغَمَّدَہُ اللّٰہُ تَعَالٰی بِغُفْرَانِہٖ۔

۳۔ حضرت مولانا غلام حسن رحمۃ اللہ علیہ: آپ بھی حضرت خواجہ سراج الدین رحمہ اللہ کے مشہور خلفاء میں سے تھے۔ حق تعالیٰ نے انہیں تبلیغ واشاعتِ دین کے لیے چن لیا تھا۔ کثیر تعداد میں ہندو اور سکھ آپ کی بدولت مشرف بہ اسلام ہوئے۔ ان نومسلم حضرات میں حفاظِ قرآن اور علمائے دین بھی بکثرت ہوئے۔ آپ نے قصبہ کروڑ میں ایک خانقاہ تعمیر کی اور اپنے شیخ کی نسبت سے اس کا نام خانقاہ سراجیہ رکھا۔

آپ کی کرامات اور تصرفات بے شمار ہیں۔ بحمدہ تعالیٰ آپ کے فیض کا سلسلہ جاری ہے۔ رحمہ اللہ رحمۃ واسعۃ

وصال: حضرت خواجہ سراج الدین صاحب قدس سرہٗ اٹھارہ سال تک مسندِ ارشاد پر متمکن رہے۔ اس عرصہ میں آپ نے ایک عالم کو رشد وہدایت سے نوازا۔ شریعت مطہرہ کی ترویج میں شب وروز کوشاں رہے۔ سنتِ نبویؐ کی ترویج واشاعت میں بے مثال خدمات انجام دیں اور ملتِ اسلامیہ کو سعادتِ دارین سے ہمکنار فرمایا۔ عمر مبارک پینتیس ۳۵ سال پائی۔ زندگی کے آخری ایام میں ورمِ امعاء کا عارضہ لاحق ہوا۔ حکیم حافظ محمد اجمل رحمہ اللہ کے ہاں دہلی میں زیرِ علاج رہے اور ۲۶ ربیع الاول ۱۳۳۳ھ کو عین شباب میں اپنے خالقِ حقیقی سے جا ملے اور اپنے والد ماجد حضرت خواجہ محمد عثمانؒ کے پہلو میں جگہ پائی۔

مقدور ہو تو خاک سے پوچھوں کہ اے لئیم
تو نے وہ گنجہائے گرانمایہ کیا کیے

حضرت کی وفات حسرت آیات نے ایک عالم کو اندوہ گیں بنا دیا۔ بعض متوسلین نے قطعاتِ تاریخ وصال لکھے۔ مولانا حکیم عبدالرسول صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے ایک طویل قطعہ نظم فرمایا۔ اس کے چند اشعار مادۂ تاریخ کے

ساتھ یہاں نقل کیے جاتے ہیں :-

آہ ! صد آہ ! قبلۂ عالم　　قطبِ اقطابِ وقت ، شاہِ شہاں

خواجۂ خواجگاں ، سراج الدینؒ　　شمسِ اوجِ ولایت و عرفاں

خَلَفِ اسعد ، خلیفۂ ارشد　　غوثِ آفاق حضرتِ عثمانؒ

کرد رحلت ازیں جہاں ناگاہ　　تیرہ بنمود صفحۂ دوراں

دارد آں کس کہ دید حضرت را　　سینہ بریان و دیدۂ گریاں

مرکزِ فیضِ آں امام ھمام　　شہرِ موسےٰ زئی ست در داماں

بہرِ تاریخِ وصلِ آں حضرت　　بنوشتم ز کلکِ خوں افشاں

از جہاں رفتہ آفتابِ زمن　　شبِ غم سوخت جانِ حسرتیاں

۳ ۳ ۵ ۳ ۱

حالِ زارم چو دید ہاتفِ غیب　　گفت مستور شد سراجِ جہاں

۳ ۳ ۵ ۳ ۱

۷۷

مجددِ عصر قیومِ زماں

حضرت مولانا ابو السعد احمد خان قدس سرہ

کے

احوال و آثار

◉

شجرۂ اولاد و احفاد حضرت اعلیٰ قیوم زماں محبوب رب العالمین مولانا ابو السعد احمد قدس سرہٗ

فرزند ۷ ، دختر ۶

اعلیٰ حضرت نے اپنے قلم سے دلائل الخیرات کے صفحات پر مندرجہ ذیل فرزندان کی تاریخہائے پیدائش و وفات درج فرمائیں :-

مولانا محمد معصوم
ولادت شب شنبہ ۱۵ر صفر ۱۳۱۱ھ
(اولاد: احمد سعید ، عبد الرحمٰن ، محمد شفیق ، محمد کیل ، محمد باقی)

صاحبزادہ محمد باقی
ولادت
شب جمعہ ۳ر ربیع الاول ۱۳۲۲ھ
وفات
روز شنبہ ۲۴ ذیقعدہ ۱۳۲۳ھ

صاحبزادی حیات بی بی سلمہا
ولادت
شنبہ ۲۳ رجب ۱۳۲۶ھ

صاحبزادہ محمد صادق (اول)
ولادت
۱۹ر رجب ۱۳۲۹ھ ، ۱۶ر جولائی ۱۹۱۱ء
یکم ساون ۱۹۶۸ بکرمی
وفات
۲۴ ربیع الاول ۱۳۳۰ھ بروز جمعہ
بوقت طلوع آفتاب

صاحبزادہ محمد سعید
ولادت
شنبہ ۲۵ جمادی الاول ۱۳۳۱ھ
۳ر مئی ۱۹۱۳ء ، ۲۲ر بیساکھ ۱۹۷۰ بکرمی
وفات
شب جمعہ وقت سحر ۲۴ر رجب ۱۳۵۴ھ

صاحبزادی سعیدہ بی بی
ولادت
شنبہ ماہ جمادی الاول ۱۳۳۳ھ
۲۰ر مارچ ۱۹۱۵ء
۷ر چیت ۱۹۷۱ بکرمی

صاحبزادی عائشہ بی بی
ولادت
شنبہ ۱۷ر ربیع الثانی ۱۳۳۵ھ
۱۰ر فروری ۱۹۱۷ء
۳۰ر ماگھ ۱۹۷۲ بکرمی

(اولاد صاحبزادہ محمد سعید)

صاحبزادہ محمد عارف سلمہٗ
ولادت
بوقت صبح صادق ۲۹ر شوال ۱۳۵۳ھ
۴ر فروری ۱۹۳۵ء ، ۲۲ر ماگھ ۱۹۹۱ بکرمی
(اولاد: محمد حامد سلمہٗ)

صاحبزادہ محمد زاہد سلمہٗ
سہ شنبہ بوقت ظہر ۲۹ر صفر ۱۳۵۶ھ
۱۱ر مئی ۱۹۳۷ء

صاحبزادی خدیجہ بی بی
ولادت
یکشنبہ ۳۰ر ذی قعدہ ۱۳۴۱ھ
۱۵ر فروری ۱۹۲۳ء
۳ر پھاگن ۱۹۸۰ بکرمی

ام کلثوم
ولادت دو شنبہ ۲۳ ربیع الاول ۱۳۴۴ھ
۱۲ر اکتوبر ۱۹۲۵ء ، ۲۰ر اسوج ۱۹۸۲ بکرمی
وفات
شب یک شنبہ ۲ر شعبان ۱۳۴۵ھ
فروری ۱۹۲۷ء

حمیدہ بیگم
ولادت
چہار شنبہ ۲۱ رمضان المبارک ۱۳۴۶ھ
۱۴ر مارچ ۱۹۲۸ء
۲ر چیت ۱۹۸۶ بکرمی

صاحبزادہ محمد صادق (ثانی)
ولادت
روز جمعہ ۵ر شعبان ۱۳۴۹ھ
۲۶ر دسمبر ۱۹۳۰ء
۱۲ر پوہ ۱۹۸۷ بکرمی

محمد سراج الدین
ولادت ۱۳ر جمادی الاولیٰ ۱۳۵۱ھ
۱۵ر ستمبر ۱۹۳۲ء
بوقت چاشت ، ۱۹۸۹ بکرمی
وفات
شب پنجشنبہ ۱۶ر شعبان ۱۳۵۱ھ

محمد ابو سعید نام تاریخی بشیر الخیر
ولادت
روز پنجشنبہ ۲۵ جمادی الاولیٰ ۱۳۵۲ھ
۶ر ستمبر ۱۹۳۴ء
۲۲ر بھادوں ۱۹۸۹ بکرمی

مقامات مظہری کے آخری صفحہ پر حضرت اعلیٰ کے دست مبارک کی تحریر کردہ الہامی عبارات

مَنْ جَآءَ كَ زَائِرًا فَهُوَ مَغْفُوْرٌ اَنْتَ مَغْفُوْرٌ وَّمَنْ يُّصَافِحْكَ مَغْفُوْرٌ۔ مَنْ دُفِنَ حَوْلَكَ مَغْفُوْرٌ اَنْتَ مُجَدِّدُ هٰذِهِ الْمِائَةِ اَنْتَ خَلِيْفَتُنَا فِي الْاَرْضِ

تو قطبِ جمیع دیار ہستی

خَلَقْتُ الْخَلْقَ لِاَجْلِكَ ۔ مَنْ اَهَانَكَ فَقَدْ اَهَانَ اللّٰهَ

ایں فقیر را بہ سیر مرادی مبشر ساختند و شرک از عبادت او بر داشتند و ندا در دادند کہ اَنْتَ مِنَ الْمُخْلَصِيْنَ بِفَتْحِ اللَّامِ۔ و از حضرت سرورِ کائنات (صلی اللہ علیہ وسلم) بایں بشارت مبشر شد اَنْتَ مِنِّيْ بِمَنْزِلَةِ هَارُوْنَ مِنْ مُّوْسٰى و ارشاد کردند کہ از نسبت خاصہ من ترا حظ وافرست ۔

ترجمہ :

جو تیری زیارت کے لیے آیا، بخشا گیا۔ تو بخشا ہوا ہے، جو تجھ سے مصافحہ کرے گا، بخشا جائیگا۔ جو تیرے پاس مدفون ہوا اسکی مغفرت ہوئی تو اس صدی کا مجدد ہے۔ تو زمین میں ہمارا خلیفہ ہے تو سارے عالم کا قطب ہے میں نے مخلوق کو تیرے لیے پیدا کیا۔ جس نے تیری توہین کی اس نے اللہ تعالیٰ کی توہین کی۔

اس فقیر کو سیر مرادی سے سرفراز فرمایا گیا اور شرک اس کی عبادت سے رفع کر دیا گیا اور غیب سے ندا آئی کہ تو مخلصین (بفتحِ لام) میں سے ہے اور حضرت سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی جانب سے یہ بشارت دی گئی کہ تیرا رابطہ مجھ سے ایسا ہے جیسا موسیٰ علیہ السلام سے ہارون علیہ السلام کا اور یہ فرمایا کہ تجھے میری نسبت خاص سے بہرۂ کامل نصیب ہے۔

لہ یہ ضمنیت کبریٰ کی طرف اشارہ ہے۔ چونکہ آپ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ضمنیت سے سرفراز تھے لہذا یہاں اسی خطاب سے ممتاز ہوئے، جس سے رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم کو نوازا گیا تھا۔

در شانِ حضرت ابوالسعد احمد خان قدس سرہٗ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم — برہمہ عالم زعنایت کریم
می چکد از خامۂ رمز آشنا — مدحتِ سرخیلِ ہمہ اولیاء
حضرت بوسعد احمد خانِ پیر — جانہا در قالب از وے مستنیر
ہر کہ شد از دیدارش بہرہ یاب — فائز گردید بہ حسن المآب
وآنکہ زیارت بہ مزارش نمود — منزلِ او جنتِ فردوس بود
مدفون شد در بہ جوارش کسے — یافتہ ز آلائے بہشتی بسے
کرد ہمہ عمر ز صدق و صفا — پیروئ سنتِ خیر الوریٰ
تاج سرافرازئ حق بر سرش — خلعتِ فیضِ ابدی در برش
در توحید آمد عالی مقام — عارف باللہ، مجدد، امام
مرشدِ کامل، قیومِ زماں — دینِ نبیؐ یافتہ زو عز و شاں

یارب! تا عالمِ امکاں بود
مہرِ سراجیہ درخشاں بود

○

حافظ محمد افضل فقیر عفی عنہ

حضرت سیدنا و مولانا ابوالسعد احمد خان صاحب قدس سرہٗ

احوالِ خاندان: حضرتِ والا کا اسمِ گرامی احمد خان اور کنیت ابوالسعد ہے۔ سلسلۂ نسب اس طرح ہے احمد خان بن ملک مستی خان بن ملک غلام محمد بن ملک فتح محمد، قوم راجپوت تلوکر، پیشہ زمینداری اور اپنے علاقہ کی سرداری۔

آپ کے والد ماجد ملک مستی خان رحمہ اللہ تین بھائی تھے، دوسرے دو بھائیوں کے نام ملک ہستی خان اور ملک مرزا خان تھے۔ تینوں بھائیوں کی اولاد اور نسل تین خیلوں کے نام سے مشہور ہوئی۔ مستی خیل، ہستی خیل اور مرزا خیل۔ مستی خیل کے اولین سردار، وارثِ علومِ نبوی حضرت اعلیٰ مولانا ابوالسعد احمد خان قدس سرہٗ ہیں جو سرخیلِ اولیائے وقت ہوئے اور مرزا خیل کی اولاد میں عہدِ حاضر کے سجادہ نشین، حضرت اعلیٰ کے فرزندِ نسبتی سیدنا و مولانا ابوالخلیل خان محمد صاحب مدظلہ العالی ہیں۔ گویا زمرۂ اولیاء کی تاجداری کے لیے مشیتِ الٰہی نے حضرت مستی خان صاحب رحمہ اللہ کے فرزند اور مرزا خان مرحوم کے نبیرہ کو منتخب فرما رکھا تھا۔

بشارتِ ظہور قبل از ولادت: موضع بگھڑ ملک مستی خان صاحب کا مسکن تھا۔ قریب ہی اس زمانہ کے ایک بزرگ مولانا غلام محمد صاحب رہتے تھے جو اسرار و معارفِ ولایت میں مہارتِ کاملہ اور بصیرتِ تامہ کے مالک تھے خاصے معمر ہو چکے تھے۔ وہ ملک مستی خان صاحب کا بڑا احترام کرتے تھے۔ اپنے خدام کو ہدایت کر رکھی تھی کہ جب ملک مستی خان صاحب ہمارے ڈیرے کے پاس سے گزرا کریں تو ہمیں پنگوڑے میں بٹھا کر ان کے استقبال کے لیے لے جایا کرو۔ چنانچہ جب ملک صاحب موصوف گھوڑے پر سوار ان کے ڈیرے کے پاس سے گزرتے تو دُور سے دیکھ کر مولانا کے خدام آپ کو پنگوڑے میں بٹھا کر گزرگاہ پر لے آیا کرتے تھے۔ ملاقات ہوتی اور تھوڑی دیر بعد ملک صاحب اپنے کام کاج کی غرض سے چلے جایا کرتے۔ پھر مولانا واپس اپنے مکان میں تشریف لے آتے۔ مولانا کے خدام حیران ہوتے تھے کہ حضرت مولانا ایک دنیادار زمیندار کا اتنا احترام کیوں کرتے ہیں کہ باوجود ضعف خود ان کے استقبال کے لیے تکلیف اٹھاتے ہیں۔ خدام سے جب نہ رہا گیا تو انھوں نے ایک روز جسارت کرکے

بسم الله الرحمن الرحیم

الحمد لله و سلام علی عباده الذین اصطفی

[illegible] صاحب

مخلصان اعزی حافظ مسعود محمود

السلام علیکم معلوم از همه وجوه قرین عافیت باشید

و ... خیریت ... عزیزان همواره مشغول و مطلوب

احمد [illegible] آن [illegible] دادکار روز [illegible] سرگرم [illegible]

و دیگر [illegible] خصوص [illegible] که [illegible] دیگر [illegible]

نمی گذاشت [illegible] نجات اخروی [illegible]

مبذول [illegible]

[illegible] کرامت الله [illegible]

فقیر بروز پنجشنبه ۲۵ ماه جمادی الاولی از بمبئی روانه

شده به شب شنبه ۲۷ ماه مذکور به اسٹیشن

[illegible] رسیده الحمد لله [illegible] و فقیر را

همیشه دعاگو دانند والسلام

راقم فقیر ابوالسعد احمد از [illegible] عفی عنه

۱۳ [illegible] سنه ۱۳۲۹

مکتوب گرامی اعلیحضرت قدس سره

پوچھ ہی لیا کہ آخر اس میں کیا راز ہے کہ آپ ایک دنیادار زمیندار کا اس قدر احترام کرتے ہیں اور اس کے لیے باوجود ضعف بہت اہتمام فرماتے ہیں۔ ایک دنیادار کا اس قدر احترام ہم خدام پر سخت گراں گزرتا ہے۔ حضرت مولانا نے فرمایا تمہیں خبر نہیں، درحقیقت میں اس ولی کا احترام کرتا ہوں جو ملک مستی خاں کی پشت میں موجود ہے۔ جب ملک صاحب یہاں سے گزرتے ہیں تو میں اس ولی کا نور اور اس کی خوشبو محسوس کرتا ہوں اور عالم امکان میں عنقریب ظاہر ہونے والی اس عظیم ہستی کے احترام پر مجبور ہو جاتا ہوں "۔

ولادت باسعادت : اللہ تعالیٰ کی رحمت سے اب وہ ساعت سعید آپہنچی کہ ہمارے حضرت اعلیٰ موضع بکھڑا تحصیل میانوالی[1] ضلع بنوں میں ملک مستی خان صاحبؒ کے گھر ۱۲۹۷ھ میں جلوہ افروز ہوئے۔ چونکہ ملک صاحب مرحوم مولانا غلام محمد صاحبؒ سے عقیدت مندانہ ربط وضبط رکھتے تھے اس لیے عالم صغرسنی ہی میں حضرت والا کو ان کے دوسرے بھائی ملک محمد خان صاحب کے ساتھ حضرت مولانا غلام محمد صاحب کی خدمت میں لے گئے اور دونو کے لیے دعا کی درخواست کی۔ حضرت مولانا نے صاحبزادہ احمد خان کے حق میں علوم ربانیہ کے حصول کی دعا کی اور ملک صاحب سے فرمایا، اس بچہ کو علم دین سکھانا، یہ دین کے قابل ہے اور دوسرے صاحبزادے محمد خان کے متعلق فرمایا یہ بچہ بڑا ہو کر عزو وقار کا مالک ہوگا۔ آغاز شان وشوکت کے ساتھ معلوم ہوتا ہے لیکن یہ وقار و تمکنت ایک دن زوال پذیر ہوگا۔

پیشگوئی کا ظہور : چنانچہ صاحبزادہ احمد خان صاحبؒ نے علوم دینیہ ظاہر و باطن دونو لحاظ سے حاصل کر کے حضرت قیوم زماں محبوب رب العالمین مولانا ابوالسعد احمد خانؒ کا نام پایا۔

دوسرے بھائی ملک محمد خان صاحب نے دنیوی تعلیم حاصل کر کے اولاً فوج کی ملازمت اختیار کی اور بعد ازاں کوئٹہ میں تحصیلدار متعین ہوئے۔ کچھ عرصہ بڑی شان وشوکت اور دبدبہ سے گزارا لیکن پھر مولانا غلام محمد کھڑوی کی پیشگوئی کے مطابق ستارۂ عروج زوال میں آگیا، حسابات مال میں تین روپیہ اور ایک روایت کے مطابق صرف ایک پیسہ کی غلطی پائی گئی جس کی پاداش میں معزول[2] ہو کر گھر آبیٹھے۔

تعلیم : آپ کا خاندان جیسا کہ سابقاً مذکور ہوا زمینداروں اور ملکوں کا خاندان تھا لیکن دنیاداری کے ساتھ ساتھ

---

[1] اس وقت میانوالی ضلع بنوں کی تحصیل تھی۔
[2] تفصیل واقعہ انشاء اللہ اپنے موزوں مقام پر آئے گی۔

دینداری کا بھی خرچا تھا۔ مولانا غلام محمد صاحبؒ بکھڑوی نے حضرت اعلیٰ کے والد ماجد کی توجہ آپ کو علوم دینیہ سکھانے کی طرف مبذول کرائی تھی۔ اس لیے سن شعور کو پہنچنے کے بعد تعلیم قرآن کا آغاز بکھڑے کی مسجد ہی میں ہوا جہاں ایک امام مسجد تعلیم دیا کرتے تھے۔ قرآن مجید انہی سے پڑھا۔

تعلیم قرآن سے فارغ ہونے کے بعد آپ کو عربی علوم کی تحصیل کا شوق دامنگیر ہوا۔ بکھڑے میں درس عربی کا انتظام نہ تھا۔ اس لیے کسی کو اطلاع دیے بغیر آپ موضع سیلوان میں حضرت مولانا عطا محمد قریشیؒ کی خدمت میں چلے گئے۔ ان اطراف میں مولانا موصوف کے درس کی شہرت تھی۔ استاد کی خدمت میں حاضر ہوئے تو انہوں نے صاحبزادہ کی ملکانہ ہیئت دیکھ کر خیال کیا کہ یہ بچہ ملکوں کا ہے جو زمینداری و سرداری کرنے والے لوگ ہیں، انہیں اپنے بچوں کو عربی پڑھانے کا خیال کہاں آسکتا ہے؟ پوچھا کیا نام ہے اور کس کے لڑکے ہو؟ عرض کیا احمد خان نام ہے اور ملک مستی خان کا لڑکا ہوں۔ استاد نے حضرت کے والد ماجد کا نام سُنا تو یقین ہو گیا کہ یہ بچہ گھر سے بھاگ کر آیا ہے اور محض ٹھہرنے کے لیے مدرسہ میں داخل ہونا چاہتا ہے۔ ملکوں کے ہاں سر پر پٹے رکھنے کا رواج تھا اور یہ حضرات سر منڈانا عیب تصور کرتے تھے۔ اس لیے استاد نے امتحان کے طور پر فرمایا: "اچھا! اگر تم یہاں رہ کر پڑھنا چاہتے ہو تو سر منڈا کر آؤ، یہاں پڑھنے کے لیے یہ اولیں شرط ہے"۔

استاد کا خیال تھا کہ ملکوں کے رسم و رواج کے مطابق یہ بچہ بھی سر نہیں منڈوائے گا اور یوں سر سے بلا ٹل جائے گی لیکن آپ استاد کا یہ ارشاد سن کر فوراً باہر چلے گئے اور ایک حجام سے سر منڈوا کر تھوڑی دیر بعد حاضر ہو گئے۔ اب تو استاد بھی قائل ہو گئے اور سمجھ گئے کہ واقعی یہ عزیز علم ہی کی خاطر آیا ہے، داخل کر لیا اور جو کھانا (نانِ جویں) طلباء کو دیا جاتا تھا وہ آپ کو بھی ملنے لگا۔ اور آپ ذوق و شوق سے پڑھنے لگے۔ گھر والوں کو کسی قسم کی اطلاع بہم نہ پہنچائی خیال تھا کہ اگر انہیں میری اقامت کا پتہ چل گیا تو یہاں سے گھر واپس لے جائیں گے اور سلسلہ تعلیم منقطع ہو جائیگا۔

غرض آپ نے عربی صرف و نحو کی ابتدائی کتابیں مولانا عطا محمد قریشیؒ کے درس میں پڑھیں۔ پھر بندھیال ضلع میانوالی چلے گئے۔ یہاں ایک مدرسہ میں داخل ہوئے جہاں حضرت مولانا نامیؒ درس دیا کرتے تھے۔ آپ بھی ان کے حلقۂ درس میں شریک ہو گئے۔ اب بھی گھر والوں کو نہ اطلاع دی، اور نہ ان سے خرچ مانگا۔ مولانا کے لنگر سے جو کچھ کھانے کو مل جاتا صبر و قناعت سے اسی پر اکتفا کرتے ہوئے بڑے انہماک سے درس و مطالعہ کتب میں مشغول

رہتے۔ خود حضرت اعلیٰ بیان فرمایا کرتے تھے کہ بندھیال میں تعلیم کے دوران کھانا اکثر و بیشتر ایک دن ناغہ کے بعد ملتا تھا اور وہ بھی جَو کی ایک روٹی ہے

نفر خیبر گیر با نانِ شعیر
بستۂ فتراکِ او سلطان و میر

لیکن تشنگیٔ علم ایسی چیز ہے کہ ظاہری اسباب اور دنیوی ساز و سامان کا فقدان اس کے سامنے کچھ حقیقت نہیں رکھتا صبر و شکر سے اسی تیسرے دن ملنے والی جَو کی ایک روٹی پر گزارہ کرتے۔ دینی علوم کے مطالعہ میں شب و روز ایسے منہمک رہتے کہ اشتہائے شکم کا دھیان تک نہ آتا۔ حضرتِ اعلیٰ فرماتے تھے کہ اس درجہ انہماک رہتا تھا کہ مجھے گرد و پیش کی چیزوں تک کا احساس نہ ہوتا تھا۔

انہماکِ مطالعہ کی ایک مثال: حضرتِ اعلیٰ نے فرمایا کہ جب والدین کو میرے بندھیال میں تعلیم حاصل کرنے کا علم ہوگیا تو والد صاحب نے بھائی ملک محمد خان صاحب کو خیریتِ احوال معلوم کرنے کے لیے وہاں بھیجا۔ وہ گھوڑے پر سوار بھکڑے سے بندھیال پہنچے۔ مدرسہ پہنچ کر استادِ گرامی سے دریافت کیا کہ احمد خان کہاں ہے؟ استادِ محترم نے فرمایا کہ باہر جنگل میں کسی درخت کے نیچے بیٹھا ہوا مطالعہ کر رہا ہوگا۔ چنانچہ بھائی صاحب گھوڑے پر سوار میرے قریب آکر دیر تک کھڑے رہے اور مجھے مطالعہ میں محو ہونے کی وجہ سے کچھ خبر نہ ہوئی۔ وہ آدھ گھنٹے تک اسی انتظار میں کھڑے رہے کہ میں کتاب سے نظر ہٹاؤں تو وہ مجھ سے بات کریں۔ بعد میں جب ان سے ملاقات ہوئی تو انہوں نے بتایا کہ آدھ گھنٹے سے تمہارے پاس کھڑا انتظار کرتا رہا کہ تمہیں اپنی طرف متوجہ پاؤں تو گفتگو کروں[1]۔

تحصیلِ علم کے لیے ہندوستان کا سفر: بندھیال میں آپ عربی کی متوسطات تقریباً پڑھنے کے بعد تکمیلِ علم کے لیے ہندوستان چلے گئے۔ پہلے مرادآباد پہنچے وہاں کچھ عرصہ مدرسۂ شاہی میں پڑھا۔ پھر وہاں سے کان پور تشریف لے گئے۔ یہاں مولانا احمد حسین صاحب کانپوری اور مولانا عبید اللہ صاحب بکھڑی تعلیم فقہ و حدیث دیتے تھے ان حضرات سے آپ نے تکمیل دورۂ حدیث فرمائی۔ صرف و نحو، منطق و فلسفہ، ادب و معانی اور فقہ و تفسیر کی

---

[1] تحصیلِ علم کے سلسلہ میں یہ تفصیلات ان روایات سے ماخوذ ہیں جو حضرت مولانا خان محمد صاحب مدظلہ العالی نے خود اعلیٰ حضرت سے روایت فرمائی ہیں۔ محمد محبوب الٰہی عفی عنہ

کتابیں بے حد ذوق و شوق اور محویت و انہماک سے پڑھیں جس کا تھوڑا سا اندازہ ناظرین نے بندھیال میں قیام کے دوران واقعہ مذکورہ سے لگالیا ہوگا کہ آپ کے بھائی صاحب آپ کی تلاش میں پہنچے اور آدھ گھنٹے تک اسپ سوار انتظار میں کھڑے رہے۔ مگر آپ کو کچھ خبر نہ ہوئی اور مطالعہ میں استغراق کے باعث اوپر نظر اٹھا کر بھی نہ دیکھا۔ ظاہر ہے کہ دورۂ حدیث اور تفسیر قرآن حکیم میں آپ کا انہماک اور ذوق و شوق اس سے بدرجہا زیادہ ہوگا۔ اس کا تصور کچھ وہی حضرات کر سکتے ہیں جو دینی علوم کا ذوق خداداد رکھتے ہیں۔

تکمیلِ سلوک: غرض حضرتِ والا عربی و فارسی علوم کے جامع اور قرآن و حدیث کے انوار سے مستنیر اپنے وطنِ مالوف بگھڑ اشریف مراجعت فرما ہوئے۔ معقول و منقول کی تکمیل کے بعد قلب و رُوح کا طائر بلند نظر عالمِ قدس کی فضا میں سیر کے لیے آمادۂ پرواز ہوا۔ گویا بقول حافظ شیرازی صورتِ حال اس طرح تھی ؎

کہ اے بلند نظر شاہبازِ سدرہ نشیں
نشیمنِ تو نہ ایں کنجِ محنت آباد است

آپ بندھیال کے زمانہ طالب علمی ہی میں حضرت سید پیر لعل شاہ قدس سرہٗ خلیفۂ مجاز حضرت خواجہ محمد عثمان نور اللہ مرقدہٗ کے دستِ حق پرست پر سلسلۂ عالیہ نقشبندیہ میں بیعت ہو کر ذکر و شغلِ قلبی سے بہرہ یاب ہو چکے تھے۔ چنانچہ تھوڑے عرصہ بعد جب حضرت پیر لعل شاہ رحمہ اللہ رحلت فرما گئے تو آپ نے حضرت خواجہ محمد عثمان قدس سرہٗ کی خدمت میں تجدیدِ بیعت کی درخواست کی۔ حضرت خواجہؒ نے تسلی و تشفی دیتے ہوئے یہ ارشاد فرمایا کہ سید لعل شاہؒ کے سب مُرید اُن کے شیخ ہی کے مرید ہیں اور آپ کو مشورہ دیا کہ فی الحال اسمِ ذات کے اسی ذکر و شغل پر عمل پیرا رہیں جس کی تلقین حضرت شاہ صاحبؒ سے حاصل کر چکے ہیں، اور کامل توجہ تحصیلِ علم کی طرف مبذول کریں۔ فارغ التحصیل ہونے کے بعد اگر تکمیلِ سلوک کا جذبۂ پختہ محسوس کریں تو اس وقت تجدیدِ بیعت کی ضرورت پیش آئے گی۔ یہ دونوں گرامی نامے حضرت خواجہ محمد عثمان قدس سرہٗ کے حالاتِ زندگی میں گزر چکے ہیں۔

حقیقت یہ ہے کہ حضرت خواجہ محمد عثمان قدس سرہٗ کی غائبانہ توجہ اور فیض رسانی ہی کا ثمرہ تھا کہ آپ والہانہ ذوق و شوق کے ساتھ علومِ ظاہری کی تحصیل میں مصروف رہے اور ان میں کمال پیدا کیا اور جب حضرت خواجہؒ کے ارشادِ سابق کی تعمیل فرما چکے، تو تکمیلِ سلوک کے لیے صدقِ دل سے تیار ہو کر حضرت خواجہ محمد عثمان قدس سرہٗ کی خدمت

میں موسیٰ زئی شریف حاضر ہوئے اور نہایت یکسوئی کے ساتھ روحانی کمالات حاصل کیے لیکن مشیت الٰہی میں آپ کی تکمیل حضرت خواجہ سراج الدین قدس سرہٗ سے استفادہ پر مقدر ہو چکی تھی۔ شغل ذکر قلبی جو حضرت پیر لعل شاہ صاحبؒ سے حاصل کر چکے تھے اس سے آگے ابھی ولایتِ صغریٰ کی نہایت تک ہی پہنچ سکے تھے کہ حضرت خواجہ محمد عثمان قدس سرہٗ نے اس خاکدانِ عالم فانی سے پردہ اختیار فرمالیا۔

حضرت خواجہ سراج الدین قدس سرہٗ سے تجدیدِ بیعت : شیخ کا وصال مریدانِ باصفا کے لیے سانحۂ عظیم ہوا کرتا ہے۔ اس صورت میں مقامِ ارادت و استقامت پر گامزن رہنا سالکانِ بلند نظر کے لیے بھی دشوار ہو جاتا ہے اور آپ تو اس قسم کے سانحہ سے بارِ دگر دوچار ہوئے تھے لیکن پہلا صدمہ بزمانۂ طالب علمی پیش آیا تھا اور دوسرا سانحہ تو اس وقت پیش آیا جب آپ خود کو اصلاحِ باطن اپنے عظیم مقصد کے لیے شیخِ وقت کے سپرد کر چکے تھے۔ اور تیزی و سرگرمی سے مدارج و مقاماتِ سلوک طے فرما رہے تھے۔ ایسے حالات میں سرپرستِ روحانی کی جدائی نہ پوچھیے کہ طالبِ صادق کے دل و دماغ پر کیا قیامت برپا کرتی ہے۔ فقیر بھی حضرت سیدنا و مولانا محمد عبداللہ قدس سرہٗ (نائب قیوم زمان حضرت مولانا ابوالسعد احمد خان قدس سرہٗ) کے وصال کے بعد یہ صدمہ دیکھ چکا ہے اور اس طوفانِ غم سے گزرا ہے۔ بلامبالغہ فضائے عالم تاریک نظر آتی تھی اور حسرت و یاس کی المناک پرچھائیاں قلب و نظر کو محیط تھیں۔ ایسے موقع پر اگر مربی حقیقی تعالیٰ شانہٗ کی رحمت دستگیری نہ فرمائے تو سالک اتھاہ ظلمتوں اور گھٹاٹوپ اندھیروں میں گھر کر رہ جاتا ہے جہاں اس کی قوتِ فیصلہ جواب دے دیتی ہے اور پائے استقامت میں لغزش پیدا ہو جاتی ہے۔

بہرحال یہ اللہ تعالیٰ کی خاص رحمت تھی کہ آپ نے بغیر کسی تذبذب اور تردد کے اپنے ہم عمر شیخ حضرت خواجہ سراج الدین قدس سرہٗ سے تجدیدِ بیعت فرمائی۔ اپنی سیر و سلوک کو جاری رکھا اور مدارج روحانیت طے فرماتے رہے۔

ایں سعادت بزورِ بازو نیست
تا نہ بخشد خدائے بخشندہ

رابطۂ شیخ : اعلیٰ حضرت رحمہ اللہ کو حضرت خواجہ محمد عثمان قدس سرہٗ کی خدمت میں آنے کے بعد اپنے شیخ کی محبت کا جو قوی رابطہ نصیب ہوا تھا وہ اب اسی شان سے حضرت خواجہ سراج الدین نوراللہ مرقدہٗ سے استوار تھا۔

خدا ار بہ حکمت بہ بندد درے
کشاید ز فضل و کرم دیگرے

غرض آپ نہایت گرم جوشی کے ساتھ صحبت شیخ میں مقامات عالیہ کا اکتساب کر رہے تھے اور حضرت خواجہؒ بھی بے حد دلنوازی و جانفشانی کے ساتھ کرم گستری اور فیض رسانی میں پیش پیش تھے۔ رابطۂ روحانی بلکہ اتحاد جانی کا یہ عالم تھا کہ آپ کا بار بار کھڑے سے موسیٰ زئی شریف پا پیادہ سفر کرنا حضرت خواجہ سراج الدین قدس سرہٗ کو شاق گزرتا تھا لہٰذا ایک روز فرمایا۔

"مولانا! آپ پیدل سفر نہ کیا کریں کیونکہ کھڑے سے یہاں تک جو قدم آپ زمین پر رکھتے ہیں مجھے یوں محسوس ہوتا ہے کہ وہ میرے قلب پر پڑتا ہے۔"

اس فرمان کے پیش نظر آپ ڈیرہ اسمٰعیل خان تک سواری پر جانے لگے لیکن وہاں سے موسیٰ زئی شریف کا سفر پھر بھی پا پیادہ ہی طے کرنا پڑتا تھا اور اس زمانہ میں وہاں اونٹ کے سوا کوئی دوسری سواری دستیاب نہ تھی۔

شیخ کی خصوصی توجہ: حضرت خواجہ سراج الدینؒ آپ کو سرگرم طلب دیکھ کر ہمیشہ کرم نوازی فرماتے اور آپ پر دامانِ رافت و رحمت کشادہ رکھتے تھے۔ جس قدر آپ کی طلب روز افزوں ہوتی جاتی تھی اسی قدر حضرت خواجہؒ کی طبیعت میں گرمی اور جوش بڑھتا تھا۔ چنانچہ اس خاص کیفیت کا اظہار حضرت خواجہؒ نے بر ملا طور پر ان الفاظ میں فرمایا:۔

"اس زمانہ میں طالبانِ صادق کے ناپید ہو جانے کی وجہ سے طبیعت سرد ہو گئی تھی۔ بسا اوقات خیال آتا تھا کہ کاروبار مشیخت ترک کر دیا جائے لیکن اب مولوی احمد خان کے آجانے سے طبیعت میں گرمی آگئی ہے۔" اس کے بعد آپ کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا "من پیری و مریدی برائے تو می کنم" یعنی یہ سلسلۂ مشیخت تمہارے لیے جاری کر رکھا ہے۔ سبحان اللہ کیا صداقت طلب تھی اور کیا بارش کرم ہے۔

قسمت بادہ باندازۂ جام است اینجا

ذکر و شغل میں سرگرمی: حضرت اعلیٰ مولانا ابوالسعد احمد خان قدس سرہٗ اپنے عالم درویشی میں حضرت خواجہ سراج الدین قدس سرہٗ کے الطاف و عنایات کے زیر اثر ذکر و شغل میں اس درجہ منہمک اور مشتغل رہتے تھے کہ ذکر الٰہی سے اندرونی حرارت بے حد بڑھ گئی تھی اور اس کے آثار جسم مبارک پر اس قدر نمودار تھے کہ موسم سرما میں اگر جمے ہوئے گھی کا پیالہ آپ نے سینہ مبارک پر رکھ دیا جاتا تو گھی پگھل جاتا تھا۔ ذکر کی کثرت سے تسبیح کا مضبوط سے مضبوط دھاگا دو چار روز ہی میں بوسیدہ ہو کر ٹوٹ جاتا تھا پھر نیا دھاگا ڈالنا پڑتا تھا۔

خدمتِ شیخ کا بے مثال ذوق : خدمتِ شیخ کی بجاآوری میں سرشاری وہمت کا یہ حال تھا کہ سردی کے موسم میں تمام رات صرف ایک ململ کا کُرتہ پہنے ہوئے شیخ کے دروازہ کے باہر کھڑے ذکر وشغل میں مصروف رہتے تھے اور اسی آرزو میں ایستادہ رہتے کہ شیخ جب حویلی سے باہر تشریف لائیں تو پہلی نگاہ مجھی پر پڑے اور اس دن کی پہلی خدمت بجالانے کا شرف بھی مجھی کو حاصل ہو۔

ازکرم شاید درے بروئے مسکیں واکنند
بیشتر شبہا دریں درگہ نظیریؔ سائل است

حیرت انگیز رُوحانی قوت اور جسمانی توانائی : حضرت خواجہ سراج الدینؒ نے سون سکیسر کے پہاڑی علاقہ میں بھی اپنی ایک اقامت گاہ (خانقاہ) تعمیر کرائی تھی۔ موسم گرما میں اکثر وہاں تشریف لے جاتے۔ درویشوں کا ایک بڑا قافلہ بھی ساتھ ہوتا تھا۔ حضرت خواجہؒ اس طویل راستے کو دیپ یا خوشاب سے اسپ سوار طے کرتے اور حضرت اعلیٰ پاپیادہ ہوتے تھے۔ مٹی کے چند ڈھیلے اور پانی کا کوزہ ہاتھ میں لیے حضرت خواجہ کے گھوڑے کے آگے آگے دوڑا کرتے تھے کہ نہ معلوم کس وقت حضرت کو حاجت پیش آجائے اور مٹی کے ڈھیلے اور پانی کی ضرورت پڑ جائے۔ درویشوں کا باقی قافلہ جو بار بردار اونٹوں اور پیادوں پر مشتمل ہوتا تھا بہت پیچھے رہ جاتا تھا۔ یہ فاصلہ بھی کوئی دو چار میل کا نہ تھا بلکہ ۳۵ یا ۴۰ میل کی مسافت تھی جسے آپ دوڑتے ہوئے قطع کرتے تھے۔

خدای را مددے اے دلیلِ راہِ حرم
پیادہ می روم و ہمرہاں سوار انند

خدمتِ آب کشی : فرماتے تھے کہ ان دنوں میری جسمانی قوت کا یہ عالم تھا کہ بھرا ہوا پانی کا گھڑا انگوٹھے اور انگلی سے پکڑ کر اٹھا لیتا اور اسے منہ سے لگا کر پانی پی لیا کرتا تھا۔ سون سکیسر میں قیام کے دوران پانی پہاڑی چشمہ سے لانا ہوتا تھا اور چشمہ اقامت گاہ سے دور اور کافی نیچے تھا' دو مشکیزے جن میں سے ہر ایک میں سات سات گھڑے پانی آتا تھا نیچے چشمہ سے بھر کر اپنے کندھوں پر اٹھاتا اور ننگے پاؤں دوڑتا ہوا اوپر خانقاہ میں لے آتا تھا اور اس طریق سے پورے لنگر کے لیے پانی کا ذخیرہ کر دیا کرتا تھا۔ دوسرے درویش دو مشکیزے تو درکنار ایک بھی اٹھانے کی طاقت نہ رکھتے تھے۔

دریاخاں میں قیام : حضرت خواجہ سراج الدینؒ دریاخاں والے بنگلے پر بھی اقامت اختیار کرتے تھے۔ بعض اوقات حضرت اعلیٰ مع اہل وعیال حضرت خواجہؒ کی خدمت میں حاضری دیتے تھے۔ بڑی بی بی صاحبہ فرماتی ہیں اس وقت میں پانچ چھ سال کی تھی اور مجھے والدِ محترم حضرت اعلیٰ کے ساتھ وہاں کا آنا جانا یاد ہے۔

اسباقِ کتبِ تصوّف : حضرت خواجہ سراج الدین قدس سرہٗ کی خدمت میں ہمارے حضرت اعلیٰ نے جس ذوق و شوق، ولولہ وجوش اور والہانہ انداز کے ساتھ مقاماتِ مجددیہ بہ سرعت طے فرمائے، اس دور میں اس کی نظیر نہیں ملتی۔ آپ نے تفصیل کے ساتھ سلوک نقشبندیہ مجددیہ کو پایۂ تکمیل تک پہنچایا اور ساتھ ہی تصوّف کے متعدد رسالے اور کتابیں بھی حضرت شیخ سے سبقاً سبقاً پڑھیں۔

مکتوباتِ امام ربّانیؒ کا درس خصوصی : ایک بار حضرت خواجہؒ نے آپ سے خصوصی شفقت وعنایت کے پیشِ نظر یہ ارشاد فرمایا :-

"مولوی صاحب ! ایک وعدہ میں آپ کے ساتھ کرتا ہوں اور ایک وعدہ آپ میرے ساتھ کریں"۔

آپ نے اس خیال سے قطعِ نظر کہ حضرت خواجہؒ کیا وعدہ فرمانا چاہتے ہیں اور مجھ سے کیا عہد لینا چاہتے ہیں، علی الفور جواب دیا :-

"حضرت ! میری طرف سے وعدہ ہے۔ جو آپ ارشاد فرمائیں گے مجھے منظور رہے"۔

حضرت خواجہؒ نے فرمایا : آپ مجھ سے یہ وعدہ کریں کہ جب تک مکتوباتِ امامؒ ربانی کا درس پورا نہ ہو جائے آپ گھر نہیں جائیں گے اور میں یہ وعدہ کرتا ہوں کہ ہر مکتوب کے سبق پر توجہ دوں گا۔

اعلیٰ حضرت یہ بشارت سُن کر بے حد مسرور و شادماں ہوئے۔ چنانچہ حضرت مجدد الف ثانی رحمہ اللہ کے مکتوبات کا درس اسی پاکیزہ التزام کے ساتھ شروع ہو گیا۔ آپ پڑھتے رہے اور حضرت خواجہؒ ہر سبق پر خصوصی توجہات مبذول فرماتے رہے۔

حضرتِ اعلیٰ فرمایا کرتے تھے کہ شروع شروع میں اسباق و توجہات کے دوران کوئی خاص عرفانی و وجدانی کیفیات اور مقاماتِ عالیہ کا ادراک وشعور نمایاں طور پر معلوم نہ ہوتا تھا۔ ایک روز حضرت خواجہؒ نے دریافت فرمایا،
"کیوں مولوی صاحب ! کچھ فائدہ معلوم ہوتا ہے ؟"

آپ نے اس خیال سے کہ عدمِ ادراک کا اظہار کرنے پر کہیں حضرت کی طبیعت سرد نہ ہو جائے، عرض کیا:

حضرت! بہت بہت فائدہ محسوس ہوتا ہے

مزید فرمایا کہ اس وقت حسبِ وعدہ مسلسل قیام کر کے درس مکمل کر لیا لیکن اس کے بعد سے اب تک کہ تقریباً تیس سال کا عرصہ گزر چکا ہے ان توجہات کے اثرات برابر منکشف ہو رہے ہیں اور بحمدہٖ تعالیٰ تمام مقاماتِ مجددیہ اور معارفِ خاصۂ امامِ ربانیؒ کا ادراک بدیہی طور پر ہوتا جا رہا ہے۔

عطائے خلافت: جب آپ کا سلوک ہر لحاظ سے مکمل ہو گیا تو حضرت خواجہؒ نے آپ کو سلسلۂ عالیہ نقشبندیہ اور دیگر تمام سلاسلِ ولایت میں مجازِ مطلق قرار دے دیا۔

ابھی تک آپ کا قیام اپنے آبائی مسکن موضع کھڑے ہی میں تھا کہ رجوعِ خلق عام ہو گیا اور اہلِ طلب آپ سے بیعت ہو کر فیوضاتِ طریقۂ پاک سے بہرہ ور ہونے لگے۔

اخلاصِ عقیدت کا ایک واقعہ: ایک دفعہ حضرت خواجہ سراج الدینؒ وابستگانِ سلسلہ کے ساتھ ایک کمرے میں تشریف فرما تھے۔ حضرتِ اعلیٰ مولانا ابوالسعد احمد خان قدس سرہٗ ایک خادم کی حیثیت سے اسبابِ ضیافت کی فراہمی میں مصروف تھے۔ آپ باورچی خانہ میں بیٹھے ہوئے حضرت خواجہؒ کے لیے چائے تیار کر رہے تھے اور دیگر عقیدت مند حضرت خواجہؒ کی مبارک صحبت سے مستفیض ہو رہے تھے۔ اتنے میں ایک عورت جو حضرتِ اعلیٰ سے بیعت تھی، آپ کی زیارت کے لیے آئی۔ دیکھا کہ ایک مجمع لگا ہوا ہے اور بڑے پیر صاحب بصد عزوشان تشریف فرما ہیں۔ اس کی نگاہیں اپنے شیخ کی متلاشی تھیں۔ یہ سمجھتے ہوئے کہ میرے پیر صاحب بھی اندر بیٹھے ہوں گے۔ باہر کھڑے ہو کر چادر اور دیوار کی آڑ لیتے ہوئے اندر جھانکتی اور پیچھے ہٹ جاتی۔ جب کئی بار ایسا ہوا تو حضرت خواجہؒ نے دریافت فرمایا کہ یہ عورت یہاں کس لیے آئی ہے؟ کسی خادم نے جواب دیا کہ وہ اپنے پیر حضرت احمد خان صاحبؒ کی زیارت کرنا چاہتی ہے۔ حضرت خواجہؒ نے بآوازِ بلند فرمایا: "جا تیرا پیر وہ بیٹھا چائے پکا رہا ہے" وہ عورت گئی اور حضرت اعلیٰ کو ایک نظر دیکھ کر واپس چلی گئی۔ اس پر حضرت خواجہ قدس سرہٗ نے فرمایا: سچی عقیدت اور ارادت اس عورت سے سیکھنی چاہیے کہ اپنے پیر کے سوا کسی کی طرف نگاہ اٹھا کر دیکھنا گوارا نہیں کرتی۔

طالبانِ حق کو حضرت خواجہؒ کا مشورہ: حضرت خواجہ قدس سرہٗ نے جب آپ کے کمالات، رسوخِ نسبت اور

شانِ افاضہ کو ملاحظہ فرمایا تو آپ نے ارادتمندانِ سلسلہ کو مشورہ دیا کہ جو لوگ دور دراز علاقوں میں رہائش پذیر ہوں اور مشکلات سفر برداشت نہ کر سکتے ہوں وہ موسیٰ زئی شریف آنے کی بجائے حضرت مولانا سے رجوع کریں اور ان سے کسبِ فیض کریں۔ انشاء اللہ انہیں میرے پاس آنے سے بھی زیادہ فائدہ پہنچے گا۔

بکھڑے سے کھولہ شریف نقل مکانی: موضع بکھڑا دریائے سندھ کے سیلابی علاقہ یعنی کھادر میں واقع تھا، جب کبھی دریا میں سیلاب آتا، وہ موضع کو بہالے جاتا اور طغیانی فرد ہونے کے بعد دوبارہ آباد کیا جاتا تھا۔ اس وقت بھی جب آپ نے تکمیلِ سلوک اور اجازتِ شیخ کے بعد یہاں مسندِ ارشاد بچھائی، ایک مرتبہ سیلاب آیا اور پورا موضع تباہ ہو گیا۔ لہٰذا حضرت اعلیٰ نے وہاں سے نقل مکانی فرما کر موضع کھولہ میں اقامت اختیار کر لی۔ چند سال آپ نے کھولہ شریف میں قیام کیا لیکن جب اس موضع کے بھی دریا بُرد ہونے کے باعث مستقل قیام کی صورت نہ بن سکی تو ایک نئی بستی آباد کرنے کا خیال پیدا ہوا جس نے بالآخر موجودہ خانقاہ سراجیہ مجددیہ کے نام سے شہرت پائی۔

بنائے خانقاہ سراجیہ مجددیہ: خانقاہ سراجیہ کی تعمیر کے بیان سے پہلے یہ مناسب معلوم ہوتا ہے کہ مختصر الفاظ میں ان روایات کے اس زندہ ماخذ کا تعارف کرا دیا جائے جو بفضلہ تعالیٰ بقیدِ حیات ہیں، قوتِ حافظہ اور یادداشتِ واقعات کے لحاظ سے سند کا درجہ رکھتے ہیں۔ ہماری مراد صوفی محمد نواز خان صاحب عرف میاں موآز خان[1] ساکن ساجری ضلع میانوالی ہیں۔ اس وقت جبکہ ان سے یہ روایات قلمبند کی جا رہی ہیں موصوف کی عمر تقریباً نوے پچانوے برس ہو چکی ہے اطال اللہ تعالیٰ حیاتہ وابقاہ مع الخیر والصحۃ والعافیۃ۔

موصوف متوسط درجہ کے زمیندار ہیں۔ بفضلہ تعالیٰ ان کے پانچ بیٹے ہیں۔ زندگی ہی میں زمین اولاد میں تقسیم کر دی ہے۔ ہر بیٹے کو چھ چھ ایکڑ زمین دے کر چھ ایکڑ اپنے لیے بھی مخصوص کر لی ہے تاکہ زندگی میں ان کے دست نگر نہ ہوں۔

آپ نے حضرت خواجہ سراج الدین قدس سرہٗ کو اچھی طرح دیکھا اور ان سے فیضِ صحبت اٹھایا ہے۔ مگر بیعت حضرت مولانا ابو السعد احمد خان رحمہ اللہ سے کی۔ بوقتِ بیعت آپ کی عمر تقریباً ۲۵-۲۶ برس تھی اور اس وقت اعلیٰ حضرت کا قیام کھولہ شریف میں تھا۔

---

[1] افسوس ہے کہ صوفی موآز خان صاحب کتاب کی اشاعت سے پیشتر ۲۲ جولائی ۱۹۷۲ء بمطابق ۱۰ جمادی الثانی ۱۳۹۲ھ کو وفات پا گئے۔ آپ خانقاہ سراجیہ کے احاطۂ قبرستان میں مدفون ہوئے، رحمہ اللہ تعالیٰ

بکھڑا میں قیام کے دوران آپ حضرت اعلیٰ کی خدمت میں آتے جاتے رہے ہیں۔ بکھڑے سے موضع کھولہ اڑھائی تین میل کے فاصلہ پر آباد تھا۔ ساحل دریا کے قریب ہونے کے باعث یہ علاقہ بھی ہمیشہ دریائی اثرات کی آماجگاہ بنا رہتا تھا۔

اپنی بیعت کا واقعہ یوں بیان کرتے ہیں کہ ان کے دوست حافظ احمد صاحب ایک دفعہ ماہ رمضان المبارک میں چاہ فتح محمد والی مسجد میں قرآن شریف سنا رہے تھے۔ حاجی مواز خان صاحب بھی تراویح میں شریک ہوتے تھے۔ حافظ صاحب نے ایک دن تراویح سے فارغ ہونے کے بعد اپنی چارپائی کھلے میدان میں سونے کے لیے بچھائی۔ صوفی موازخان صاحب بھی قریب ہی لیٹ گئے۔ دیکھتے ہیں کہ حافظ صاحب گہری نیند سو رہے ہیں مگر ان کے قلب سے اللہ اللہ کی آواز نکل رہی ہے۔ یوں معلوم ہوتا تھا جیسے کوئی بچہ بلند آواز سے اللہ اللہ پکار رہا ہو۔ یہ سمجھے کہ شاید کوئی بچہ آس پاس ہوگا۔ اِدھر اُدھر دیکھا مگر اتنی رات گئے کوئی بچہ کہاں نظر آتا۔ تلاش کرتے کرتے جب حافظ صاحب کے پلنگ کے پاس پہنچے تو دیکھا کہ ذکرِ الٰہی کی یہ آواز حافظ صاحب کے سانس کے ساتھ آ رہی ہے۔ بہت متاثر ہوئے اور صبح حافظ صاحب سے کہا کہ جہاں آپ مُرید ہیں مجھے بھی وہاں بیعت کرا دیں۔ میرے دل میں بھی اللہ اللہ کرنے کا جذبہ موجزن ہے۔

حافظ صاحب حضرت خواجہ سراج الدین قدس سرہٗ کے مرید تھے۔ صوفی مواز خان صاحب کی درخواست پر انہوں نے فرمایا کہ حضرت خواجہ صاحب نے اس علاقہ کے لوگوں کو دوریٔ مسافت اور درازیٔ راہ کی وجہ سے یہ ہدایت کر رکھی ہے کہ وہ کھولہ شریف جا کر مولانا احمد خان صاحب سے بیعت ہوں اور ان کی صحبت سے فیض اٹھائیں۔ انہیں انشاء اللہ میرے پاس آنے سے بھی زیادہ فائدہ ہوگا۔ حاجی مواز خان صاحب مدظلہ فرماتے ہیں کہ یہ سن کر مجھے حضرت اعلیٰ کی طرف کشش پیدا ہوگئی اور میں ملک فتح محمد صاحب[۱] کے ساتھ کھولہ شریف حاضر ہوا۔ اعلیٰ حضرت کی خدمت میں بیعت کی درخواست کی جو بحمد اللہ تعالیٰ منظور ہوگئی اور میں طریقۂ پاک میں داخل ہو گیا۔

بنائے خانقاہ شریف کے محرکات: جیسا کہ پہلے مذکور ہوا کھولہ شریف بھی دریا کے اثرات کی زد میں رہنے کی

---

[۱] ملک فتح محمد صاحب موجودہ حضرت صاحب قبلہ مولانا ابوالخلیل خان محمد صاحب مدظلہٗ کے چچا تھے۔ آپ کے باقی دو چچا ملک محمد امیر اور ملک احمد بفضلہٖ تعالیٰ بقید حیات ہیں۔ والد صاحب کا اسم گرامی خواجہ عمر تھا۔ آپ حضرت کی مسند نشینی سے چند سال بعد راہیٔ ملک بقا ہوئے رحمہ اللہ رحمۃ واسعۃ

وجہ سے ایک مستقل اقامت اور رہائش کے لیے کسی صورت موزوں نہ تھا۔ نیز حضرت اعلیٰ کی آبائی جائداد بھی کافی تھی جو بیشتر مزروعہ قطعاتِ اراضی پر مشتمل تھی مگر یہ جائداد سب بھائیوں کے ساتھ مشترکہ تھی۔ آپ کے چار بھائی اور تھے۔ پانچوں بھائیوں کے نام حسبِ ذیل ہیں :

۱۔ ملک غلام محمد خان ۲۔ ملک حاکم خان ۳۔ ملک خان محمد

۴۔ ملک محمد خان ۵۔ مولینا احمد خان صاحب یعنی اعلیٰ حضرت قدس سرہٗ

اعلیٰ حضرت کی شانِ فقر : تمام مشترکہ اراضی چاروں بھائیوں کے زیرِ انتظام و نگرانی تھی اور آپ کسی فصل پر بھی اپنے لیے حصۂ پیداوار کا مطالبہ نہ کرتے تھے۔ گویا آپ کھولہ شریف میں گنجِ فقر کے امین تھے اور دیگر برادران مالک و متصرف زمین تھے۔ بھائیوں کا خود ہی دل چاہتا تو فصل پر ایک گونی چنا پیداوارِ زمین کے سلسلہ میں بھیج دیا کرتے تھے۔ حالانکہ حضرۃ اعلیٰ کے والدِ بزرگوار کی مزروعہ اراضی تین ہزار کنال پر مشتمل تھی جس میں چاہی، بارانی اور سیلابی ہر قسم کے قطعاتِ زمین تھے اور آپ کا حصہ چھ سو کنال بحساب علاقہ تھل چھ مربع بنتا تھا مگر آپ اسی ایک گونی چنا پر اکتفا کرتے اور مزید مطالبہ نہ فرماتے۔ حالانکہ ایک گونی چنا حضرت کے لنگر کے لیے کیا کفایت کرتا، ایک گھوڑے کو مہینہ بھر کے لیے بھی دانہ مہیا نہ کر سکتا تھا۔

اس وقت افرادِ خانہ کی تعداد چار اور مستقل قیام کرنے والے مُریدوں اور درویشوں کی تعداد دس بارہ تھی، اس لیے پندرہ سولہ افراد کو فراہمی خوراک اور مویشیوں کے لیے چارہ کا خرچ مجموعی طور پر اس زمانۂ ارزانی کے مطابق ڈیڑھ سو روپیہ کے قریب بنتا تھا۔ یہ سب حضرتِ اعلیٰ کے ذمہ تھا اور کارسازِ حقیقی کرم نوازی اور میرسامانی فرماتا تھا ؎

کارسازِ ما بہ فکرِ کارِ ما
فکرِ ما در کارِ ما آزارِ ما

حضرتِ اعلیٰ نہایت خندہ پیشانی اور عالی حوصلگی کے ساتھ درویشوں کی خاطر داری اور تربیت فرماتے تھے اور کبھی بھائیوں سے خانگی ضروریات یا لنگر کے مصارف کے لیے پیداوارِ زمین کی تقسیم کا مطالبہ نہ فرماتے تھے اور نہ تقسیمِ جائداد کے خواہشمند تھے۔ بعض دردمند مُریدوں اور جاں نثاروں کو اس بات کا احساس ہوتا تھا کہ اگر پیداوار کا حصہ پورا ملنے لگے یا جائداد تقسیم ہو جائے تو حضرت اعلیٰ کے اہلِ خانہ اور درویش ذرا فراغت سے زندگی گزار سکیں گے۔ علاوہ ازیں

کھوڑہ شریف سے نقل مکانی کر کے کسی جگہ مستقل رہائش اختیار کرنا بھی ایک حل طلب مسئلہ تھا۔ اس لیے خدامِ بارگاہ میں سے دو جرأتمند بزرگوں نے جن میں حضرت کے ایک ارادت مند میاں اللہ یار تلوکر اور دوسرے صوفی موازخان صاحب تھے۔ ہمت کر کے اعلیٰ حضرت سے تقسیم جائداد کے سلسلہ میں تحریک کی اور عرض کیا کہ اگر جائداد تقسیم ہو کر حضور کا حصہ الگ ہو جائے تو خدامِ آستانہ خود اس کی آبادکاری اور زراعت کا انتظام کریں گے۔

لیکن آپ نے ان کی معروضات پر کوئی خاص توجہ نہ فرمائی۔ بلکہ ملک اللہ یار صاحب کو مخاطب کر کے فرمایا "میاں اللہ یار: گزارہ ہو ہی رہا ہے۔ کیوں پریشانی مول لیتے ہو۔ خواہ مخواہ اقارب کی دل شکنی ہو گی"۔

کچھ دنوں بعد پھر اللہ یار صاحب نے میاں موازخان صاحب کو اس کام پر آمادہ کیا۔ انہوں نے ہمت و جرأت کے ساتھ تقسیمِ جائداد پر گفتگو کرتے ہوئے بالآخر یہ عرض کیا کہ حضرت والا! جب جائیداد میں اپنا حصہ شرعی ہو پھر اسے طلب نہ کر کے اخراجات کی تنگی اٹھانا اپنی ہی کوتاہی تصور کی جائے گی۔ شریعتِ مطہرہ میں اس امر کی کیا اہمیت ہے آپ اس سے بخوبی آشنا ہیں۔ لہذا بندہ کے خیال میں اہلِ قرابت کے حقوق کی ادائیگی کے لیے شرعی طور پر جائداد کا حاصل کرنا عین صواب ہو گا۔ پھر اس کی آبادکاری کا سارا کام ہم خدام اپنے وسائل سے انجام دے لیں گے۔ نیز اہل و عیال اور خدام کے لیے ایک مستقل قیام گاہ اور خانقاہ کی تعمیر بھی اشد ضروری ہے۔ کافی بحث و تمحیص اور عرض و معروض کے بعد بالآخر حضرتِ اعلیٰ نے تقسیمِ جائداد کے مسئلہ پر بھائیوں سے گفتگو کرنے کی اجازت مرحمت فرما دی۔

اجازت ملتے ہی اگلے دن علی الصبح میاں اللہ یار اور میاں موازخان اعلیٰ حضرت کے برادرِ بزرگ ملک غلام محمد کے پاس پہنچے۔ غیر متوقع طور پر ان دونوں کے ایک ساتھ بیک وقت پہنچنے پر ملک صاحب نے حیرت و استعجاب کے ساتھ تشریف آوری کا سبب پوچھا۔

اعلیٰ حضرت کی کرامت: ہر دو حضرات کو یہ تشویش لاحق تھی کہ کہیں تقسیمِ جائداد کا نام سن کر ملک صاحب و دیگر برادران برہم نہ ہو جائیں مگر انہوں نے حضرتِ اعلیٰ کی طرف متوجہ رہتے ہوئے ادب و احترام کے ساتھ عرض کیا کہ حضرت صاحب کے لنگر اور اہلِ خانہ کا خرچ کافی بڑھ گیا ہے لہذا یہ قرار پایا ہے کہ اگر حضرت کی زمین کا حصہ الگ کر دیا جائے تو خدام اسے آباد کر لیں گے۔ یہ حضرت کے لیے موجبِ راحت ہو گا اور اخراجات کی تنگی بھی رفع ہو جائے گی۔ یہ سُن کر ملک غلام محمد صاحب حیران کن خندہ پیشانی کے ساتھ فوراً اٹھے اور کہا بہت اچھا، آپ دونوں میرے ساتھ چلیں! میں

ابھی زمین کی پیمائش کر کے نشان دہی کیے دیتا ہوں۔ چنانچہ تقریباً پانچسو کنال رقبہ تھل اور سو کنال سیلابی قطعات پیمائش کر کے زمین پر برجیاں نصب کر دیں۔[ا] بہرحال ملک غلام محمد صاحب نے حضرت اعلیٰ کے دونو خادموں کی بہت پذیرائی کی اور یہ کام نہایت خوش دلی سے انجام پا گیا۔ زمین کی تقسیم کے بعد فوراً ہی اللہ یار خاں اور موازخاں واپس کھولہ شریف حضرت کی خدمت اقدس میں پہنچ گئے۔

حضرت اعلیٰ نے صورت حال کے متعلق استفسار فرمایا تو انہوں نے عرض کیا" حضور! ہم نے آپ کی کرامت اور تصرف کا مشاہدہ کیا ہے۔ ملک غلام محمد صاحب سے بات ہوئی اور انہوں نے بلا چون و چرا رقبہ تقسیم کر دیا ہے اور ہم حد بندی کرنے کے بعد برجیاں قائم کر کے آرہے ہیں اور اب زمین کی آبادکاری کے لیے یہ سکیم بنائی ہے کہ میاں موازخان صاحب اپنے گاؤں سے بارہ جوڑے ہل بیل کے لاکر فصل ربیع کے لیے گندم اور چنا کاشت کر دیں گے"۔

مکان اور کنوئیں کی تعمیر: حضرت اعلیٰ قدس سرہٗ نے خدام کی اس کارگزاری پر اظہار مسرت کے ساتھ ارشاد فرمایا اب ہمیں سب سے پہلے کنوئیں، مسجد اور مکان کی تعمیر کا بندوبست کرنا چاہیے اور ان تعمیرات کے لیے محل وقوع تجویز کرنا چاہیے۔ جس وقت یہ گفتگو جاری تھی کوئی دس بجے دن کا عمل تھا۔ میاں موازخاں صاحب نے عرض کیا کہ حضور ظہر کے وقت تک مہلت عطا فرمائیں تو خادم غور و فکر کرنے کے بعد کچھ عرض کر سکے گا۔ حضرت اعلیٰ نے یہ سن کر فرمایا" میاں مواز! ایک مستقل قیام گاہ کی تعمیر خاص اہمیت رکھتی ہے اور تم نے ظہر کے وقت تک کی مختصر مہلت مانگی ہے"۔ عرض کیا" حضور! جو کچھ بندہ کی ناقص رائے ہوگی، عرض کر دے گا پھر حضرت والا کی منشائے مبارک کے مطابق اس میں ترمیم کر لی جائے گی"۔

آپ نے فرمایا: بہت اچھا۔

تجویز: میاں موازخان صاحب نے غور و خوض کرنے کے بعد بوقت ظہر اعلیٰ حضرت کی خدمت میں عرض کیا کہ تھل میں تین سو کنال کا رقبہ یکجا ہے، اس لیے میرے خیال میں کنواں، مسجد اور مکانات اس رقبہ میں تعمیر ہوں تو موزوں رہے گا۔ یہ تجویز سن کر حضرت اعلیٰ نے فرمایا" اچھا! پہلے مجھے چل کر وہ رقبہ دکھاؤ"۔ چنانچہ حضرت قبلہ

[ا] یہ حضرت اعلیٰ کا تصرف تھا کہ جو بھائی فصل پر صرف ایک گونی چنا بھی نہ معلوم کس مشکل سے دیتے تھے وہ بطیب خاطر چھ سو کنال کا رقبہ اپنے قبضہ سے دینے پر رضامند ہو گئے اور اس طرح یہ مرحلہ حسن و خوبی کے ساتھ طے پا گیا۔

گھوڑے پر سوار ہوئے۔ میاں اللہ یار صاحب اور موازخان صاحب کے ہمراہ تمام خدام پاپیادہ ظہر کی نماز کے بعد تھل وسئے رقبہ پر جہاں اب خانقاہ موجود ہے، پہنچ گئے۔

منظوری : رقبہ ملاحظہ کرنے کے بعد اعلیٰ حضرت نے اس تجویز سے اتفاق فرمایا کہ اسی رقبہ میں تعمیرات ہونی چاہییں اور میاں موازخان صاحب سے فرمایا کہ قدموں سے پیمائش کرکے حویلی کے لیے سات کنال کی جگہ بھی تم ہی تجویز کرد۔ چنانچہ موازخان صاحب نے قدموں سے پیمائش کرکے جگہ متعین کردی اور عرض کیا کہ حویلی کے لیے جگہ کی پیمائش کردی گئی ہے۔ دریافت فرمایا کہ مکانات کے لیے جو جگہ متعین کی ہے، وہ اپنی زمین کی آخری حد سے کچھ رقبہ چھوڑ کر مقرر کی گئی ہے یا بالکل حدِ اراضی کے کنارے ناپی گئی ہے۔ اس پر عرض کیا گیا کہ حدِ ملکیت کے کنارے متعین کی گئی ہے۔ فرمایا یہ درست نہیں۔ حد سے پچاس قدم زمین چھوڑ کر حویلی تعمیر ہونی چاہیے تاکہ اگر کسی وقت کوئی اپنا مویشی کھل جائے تو وہ اپنے ہی کھیتوں میں چلے پھرے، نقصان کرے تو اپنا کرے اور کسی ہمسایہ کے کھیت کو برباد نہ کرے۔ چنانچہ حضرتِ اعلیٰ کی مبارک منشا کے مطابق دوبارہ پیمائش کرنے کے بعد حویلی جات کے لیے اپنی حد سے پچاس قدم زمین چھوڑ کر جگہ متعین کردی گئی۔

کھولہ شریف سے نقل مکانی : میاں نامدار خان[ل] صاحب کا بیان ہے کہ ایک مرتبہ حضرت اعلیٰ نے کھولہ شریف سے گل میری ہمیں یہ پیغام بھیجا کہ ہم فوراً آپ کی خدمت میں حاضر ہو جائیں۔ چنانچہ ہم دس پندرہ افراد فوراً تعمیلِ ارشاد کے پیشِ نظر حضرت کی خدمتِ اقدس میں پہنچ گئے۔ اس وقت دریا کی روانی زوروں پر تھی اور آپ دریا کے کنارے ٹہل رہے تھے۔ حضرت نے اپنے رہائشی مکانات کو منہدم کرنے کا حکم دیا۔ چنانچہ ہم نے حضرت کے تمام مکانات کو گرا کر ضروری سامان، شہتیر اور کڑیاں ایک محفوظ مقام پر کھولہ شریف کی شرقی جانب منتقل کردیں۔ اس اثناء میں حضرت نے اہل وعیال، کتب خانہ اور دیگر سامانِ خانہ داری کو میاں غلام محمد

[ل] میاں نامدار خان صاحب اعلیٰ حضرت کے قدیم متوسلین میں سے ہیں۔ عمر مبارک ۸۰ سال سے متجاوز ہے۔ رہائش قصبہ گل میری ضلع میانوالی ہے۔ اعلیٰ حضرت کی ذاتِ اقدس سے بے حد محبت اور والہانہ عقیدت رکھتے ہیں۔ حضرت اعلیٰ کے بارے میں گفتگو کرتے وقت ان کے بیان سے سوز و گداز ٹپکتا ہے۔ خانقاہ شریف سے بدستور وابستہ ہیں۔ مولا کریم انہیں تادیر سلامت رکھے۔ آمین

7A

صاحبؒ قادری چشتی کی خانقاہ میں بھجوا دیا۔ چنانچہ ان حفاظتی اقدامات کے دو تین روز بعد دریا میں اس شدت کی طغیانی آئی کہ قصبہ کے تمام مکانات سیلاب کی نذر ہو گئے۔ سبحان اللہ حضرت کی عارفانہ بصیرت نے حیرت انگیز طور پر حادثات کا جائزہ لے لیا تھا اور علم و ادب کے جواہر پاروں کو محفوظ مقام پر منتقل کر دیا تھا۔ نیز دوسرے تمام مناسب انتظامات بھی فرما دیئے تھے جن کے باعث خدام اور دیگر اہل و عیال سلامت رہے۔

میاں غلام محمد صاحبؒ قادری چشتی کی خانقاہ جہاں آپ فروکش ہوئے، خانقاہ نور محمد کے متصل واقع تھی۔ یہاں پہنچ کر آپ نے اپنی خانقاہ کے مجوزہ مکانات، مسجد اور کنوئیں کی تعمیر کا ارادہ فرمایا۔ چنانچہ مذکورہ تعمیرات جونہی تکمیل کے قریب پہنچیں آپ وہاں سے اپنے مستقر پر تشریف لے آئے۔

تعمیرِ چاہ: اب سب سے پہلے کنوئیں کی کھدائی اور تعمیر کا مرحلہ پیش آیا۔ کیونکہ پانی کا حصول سب پر مقدم تھا اس علاقہ کی ایک قدیم رسم ہے کہ جو شخص اپنے رقبہ میں کنواں لگانا چاہتا ہے وہ آس پاس کے دیہات والوں کو اس کام کے لیے دعوت دیتا ہے۔ سب اپنی اپنی کدالیں لے کر آجاتے ہیں اور بلامعاوضہ کنوئیں کی کھدائی اور تعمیر میں حصہ لیتے ہیں بلکہ اپنے رواج کے مطابق کھانا بھی گھر ہی سے کھا کر آتے ہیں اور شام کو گھر واپس جا کر کھاتے ہیں۔

چنانچہ اس دستور کے مطابق یہ اطلاع کر دی گئی کہ مولوی احمد خان صاحب کے کھوہ[1] (کنوئیں) کی کھدائی کے لیے تمام اہلِ دیہات کو دعوت دی جاتی ہے۔ اعلان کی دیر تھی کہ اگلے دن صبح کو ایک سو بیس جوان کدالیں اور پھاوڑے وغیرہ لے کر پہنچ گئے اور صوفی موازخان صاحب تقسیمِ شیرینی کے لیے اپنے گاؤں سے تین بوری گڑ لے آئے۔

آغازِ کار: اعلیٰ حضرت نے میاں موازخان کو فرمایا کہ کنوئیں کی زمین پر پہلا پھاوڑا آپ ہی ماریں۔ اس کے بعد دوسرے لوگ کھودنا شروع کریں گے۔ حسبِ ارشاد صوفی موازخان صاحب نے بسم اللہ پڑھ کر پہلا پھاوڑا مارا۔ پھر دوسروں نے کھدائی شروع کر دی۔ چنانچہ اس روز شام تک تقریباً بارہ فٹ قطر کے کنوئیں کی دس فٹ گہری کھدائی ہو گئی۔ دوسرے دن اٹھارہ فٹ گہرائی پر پانی نکل آیا۔ پانی نہایت شیریں نکلا۔ سب حضرات نے یہ بابرکت پانی پیا اور شیرینی کے طور پر گڑ بھی خوب تقسیم کیا گیا۔

کنوئیں کی تیاری: پہلے روز تو ایک سو بیس آدمیوں نے کنواں کھودنے میں حصہ لیا۔ اس کے

---

[1] اس علاقہ میں چھوٹی چھوٹی بستیاں کھوہ (کنوئیں) کے نام سے موسوم کی جاتی ہیں البتہ ان کی نسبت مالک کے نام کی طرف ہوتی ہے۔ چنانچہ پہلے پہل اعلیٰ حضرت کی خانقاہ کا نام بھی "مولوی صاحب دا کھوہ" تھا

بعد آٹھ دس آدمی کام کرتے رہے اور یہ وسیع و عمیق کنواں کل تیرہ روز میں تیار ہو گیا۔ چار پانچ دن تک سب لوگ اپنے رواج کے مطابق گھر سے کھانا کھا کر آتے اور اپنے گھر ہی جا کر کھاتے رہے لیکن بعد ازاں حضرتِ اعلیٰ نے حکم دے دیا کہ سب کام کرنے والے دوپہر کا کھانا ہمارے ہاں کھایا کریں گے۔ میاں اللہ یار صاحب نے اِس کا اہتمام کیا اور وہ کھولہ شریف سے کھانا پکوا کر لایا کرتے۔ گویا تمام کام کرنے والے حضرتِ اعلیٰ کے خوانِ کرم سے کھانا کھاتے رہے اور کام کرتے رہے۔

<u>حویلی کی تعمیر خام</u> : کنوئیں کی تعمیر سے فارغ ہو کر اب مسجد اور حویلی کی باری آئی۔ پہلے مسجد اور پھر حویلی کی متعینہ چہار دیواری بنائی گئی۔ پھر مسجد اور مکانات کی تعمیر شروع ہوئی اور سات کمرے خام تعمیر کیے گئے۔

<u>تعمیرِ مسجد</u> : اعلیٰ حضرت کے مزاجِ گرامی میں اللہ تعالیٰ نے ایک خاص لطافت، پاکیزگی اور نفاست ودیعت فرمائی تھی۔ لہٰذا قیام کے بعد آپ نے ایک چھوٹی سی مگر بے حد خوبصورت اور حسین مسجد تعمیر کرائی۔ حویلی کے مکانات اور کمرے وغیرہ خام تعمیر ہوئے تھے لیکن مسجد کی تعمیر پختہ شروع کی گئی۔ کنوئیں کے شمال میں مسجد اور مسجد کے شمال میں حویلی واقع تھی۔ مستری جلال الدین ساکن بکھر بار ضلع شاہپور نے کنوئیں اور مسجد کی تعمیر کو پایۂ تکمیل تک پہنچایا۔ تقریباً پون کنال رقبہ میں مسجد تعمیر کی گئی۔ اندرونی حصہ اور برآمدہ میں دو دو صفوں اور ہر صف میں تقریباً چودہ، پندرہ نمازیوں کی گنجائش رکھی گئی، صحنِ مسجد میں پانچ چھ صفیں آجاتی تھیں۔

<u>مسجد کی ابتدائی صورت</u> : ابتدائی صورت یہ تھی کہ مسجد کے سامنے ایک ۲۰ ، ۲۵ فٹ لمبا بڑا دالان تھا۔ دالان کے عین شمال میں دو خام کمرے تھے۔ ایک تخمیناً ۱۶ ، ۱۷ فٹ لمبا تھا اور دوسرے کا طول ۲۵ ، ۳۰ فٹ کے قریب تھا اور اس بڑے کمرے کے متصل شرقی جانب غراس تھا۔ چھوٹے کمرے کے ساتھ غربی جانب میں اندر آنے جانے کا دروازہ تھا۔ دروازے اور مسجد کے درمیان خالی جگہ چھوڑ دی گئی تھی۔ اس کے بعد دو کمرے مسجد کی شمالی دیوار کے ساتھ ایک کتب خانہ کے نام سے اور ایک تسبیح خانہ کے نام سے تعمیر ہوئے۔ دو کمروں کے درمیان ۴ ، ۵ فٹ کی گلی کو مسقف کر دیا گیا تھا۔ بعض حضرات عقیدت و محبت کے پیشِ نظر اسے بہشتی گلی کہہ کر پکارا کرتے تھے۔ ان کے سامنے چھوٹا سا برآمدہ اور برآمدے کے آگے مسجد کے برابر صحن رکھا گیا تھا۔ موسمِ گرما میں اعلیٰ حضرت یہاں اکثر تشریف رکھتے تھے۔ مسجد کے جنوب میں ایک برآمدہ بنایا گیا تھا جس میں وضو خانہ اور دو غسل خانے تعمیر کیے

گئے تھے۔ اس برآمدے کے سامنے بھی ان دو کمروں کے مطابق صحن رکھا گیا تھا۔ اندر باہر پلاسٹر کرکے اوپر سفید چونے کی رگڑائی کی گئی جس سے سطح اتنی شفاف اور تابناک ہو گئی تھی کہ دیواریں آئینہ کی طرح چمکتی تھیں اور ان میں آنے جانے والے کا عکس نظر آتا تھا، چھت کڑیوں کی تھی مگر ان پر لوہے کی چادر کا سقف پوش چڑھایا گیا تھا اور اس پر مستری ظہورالدین اور ان کے ساتھیوں نے خوبصورت نقش نگاری اور رنگ و روغن کی صنعت کاری میں وہ جوہر دکھایا تھا کہ لوگ دور دور سے مسجد کو دیکھنے کے لیے آیا کرتے تھے۔

اِس کام کے پایۂ تکمیل تک پہنچنے کے بعد اعلیٰ حضرت، آپ کے اہلِ خانہ اور تمام خدام کو سکون و طمینان حاصل ہوا۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے خاص فضل و کرم سے ہر طرح کا سامانِ راحت عطا فرمایا اور تمام اسباب فراغت و جمعیت مہیا فرما دیے ؏

خدا خود میر سامان است اربابِ توکل را

تعمیرِ چاہ و خانقاہ ۱۳۳۸ھ مطابق ۱۹۲۰ء سے شروع ہو کر ۱۳۴۰ھ مطابق ۱۹۲۲ء میں مکمل ہو گئی۔

ازدواج و اولاد: حضرتِ اعلیٰ کا عقدِ اوّل کھولہ شریف میں قیام کے دوران حقیقی چچا مرزا خان کی صاحبزادی سے ہوا تھا۔ ان کے بطن سے فرزندِ اکبر مولانا محمد معصوم صاحبؒ پیدا ہوئے اور زوجہ محترمہ قضائے الٰہی سے ایک فرزند چھوڑ کر وفات پا گئیں۔ پھر عقدِ ثانی مرزا خان کی دوسری صاحبزادی سے ہوا۔ ان کے بطن سے دو صاحبزادے مولانا محمد صادق صاحب، مولانا محمد سعید صاحب اور چار صاحبزادیاں پیدا ہوئیں۔ صاحبزادہ محمد صادق صاحب بزمانِ طالب علمی وصال فرما گئے۔ صاحبزادہ محمد سعید صاحب جوان ہوئے اور علمِ دین حاصل کیا۔ شادیاں دو ہوئیں، ایک بیوی سے صاحبزادہ محمد عارف صاحب سلمہ اور ان کی بہن اور دوسری بیوی سے صاحبزادہ حافظ محمد زاہد صاحب سلمہ پیدا ہوئے۔ لیکن مولانا محمد سعید صاحب بھی اس دنیا میں کم عمر لے کر آئے تھے وہ بھی والدین کے سامنے ہی وفات پا گئے۔ اب آپ کے صاحبزادوں میں سے صرف بڑی زوجہ محترمہ کے بطن سے تولد ہونے والے صاحبزادہ محمد معصوم زندہ تھے۔ مگر وہ شادی کے بعد سسرال کے ہو کر رہ گئے تھے اور وہیں قیام پذیر ہو گئے تھے۔ اس لیے آپ کی زوجہ محترمہ والدہ محمد صادق و محمد سعید مرحومین نے خود تحریک فرمائی کہ آپ ایک عقد اور کر لیں۔ شاید ان سے اللہ تعالیٰ کوئی فرزند صالح عطا فرمائے جو آپ کی خدمت و صحبت میں رہ کر پایۂ کمال کو پہنچے اور ظاہری و باطنی

کمالات کا وارث ہو' دونو پوتے محمد عارف و محمد زاہد سلمہا اس وقت بہت ہی کم عمر تھے۔

غرض آپ نے اہلیہ محترمہ کی تحریک و رضا سے تیسرا عقد فرمالیا۔ اب آپ کے حبالۂ عقد میں بیک وقت دو زوجہ محترمہ ہوگئیں۔ پہلی بڑی مائی صاحبہ کہلائیں اور دوسری مائی صاحبہ کلاچی والی کے نام سے موسوم ہوئیں۔ لیکن مشیت ایزدی کو یہی منظور تھا کہ سلسلۂ توالد اب منتہی ہو جائے۔ چنانچہ کلاچی والی مائی صاحبہ کے بطن سے کوئی اولاد نہ ہوئی اور ۱۳۶۰ھ مطابق ۱۹۴۱ء میں حضرت اعلیٰ کا وصال ہو گیا۔ کلاچی والی مائی صاحبہ آپ کی وفات کے بعد کچھ مدت تک خانقاہ شریف میں قیام فرمانے کے بعد کلاچی اپنے میکے چلی گئیں۔ بحمداللہ تعالیٰ تعلقات خوشگوار ہیں۔ تقریبات میں خانقاہ شریف آنا جانا رہتا ہے۔ بڑی مائی صاحبہ کا وصال ۱۳۷۶ھ میں ہو چکا ہے آپ کی ازواج میں سے اس وقت کلاچی والی مائی صاحبہ بقید حیات ہیں۔ سلمہا اللہ تعالیٰ وابقاہا

ایک حیرت انگیز واقعہ: جس زمانہ میں اعلیٰ حضرت کا قیام کھولہ شریف میں تھا۔ اس زمانہ کا ایک عجیب و غریب واقعہ جس سے اعلیٰ حضرت کے مرتبہ و مقام کی رفعت کا کچھ اندازہ لگایا جا سکتا ہے، صوفی موازخان صاحب نے بیان فرمایا۔ جس طرح سابقاً مذکور ہوا میاں موازخان صاحب اپنی جاں نثارانہ خدمات اور اخلاص باطن کی وجہ سے اعلیٰ حضرت کے ساتھ خصوصی تقرب رکھتے تھے۔ بیعت کے بعد پندرہ سال تک کھولہ شریف میں اعلیٰ حضرت کی خدمت میں حاضری کی سعادت حاصل کرتے رہے۔ اس دوران انہوں نے یہ چشم دید واقعہ بیان فرمایا:

حضرت مولانا حسین علی صاحبؒ جو اعلیٰ حضرت سے عمر میں بڑے اور تمام سلاسل طریقت میں مجاز تھے، ایک روز علو والی اسٹیشن پر ریل گاڑی سے اتر کر پاپیادہ اعلیٰ حضرت کی خدمت میں کھولہ شریف پہنچے، جس وقت وہ کھولہ شریف میں داخل ہو رہے تھے، حضرت اعلیٰ برادر محترم حاکم خان صاحبؒ[1] کے پاس جانے کے لیے حویلی سے باہر تشریف لا رہے تھے۔ آپ نے مولانا کا پرتپاک خیر مقدم کیا اور فرمایا 'اچھا ہوتا آپ اطلاع فرما دیتے تو علو والی اسٹیشن پر سواری کے لیے گھوڑا بھیج دیا جاتا۔ آپ پاپیادہ تشریف لائے، بہت زحمت اٹھائی۔ مولانا نے فرمایا کہ میں اس وقت محض اس لیے حاضر ہوا ہوں کہ آپ کی زیارت میرے لیے موجب نجات ہو کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل خاص سے مجھے القاء فرمایا ہے کہ جو شخص مولانا احمد خان صاحب کی زیارت کرے گا وہ

---

[1] کھولہ شریف سے حاکم خان صاحب کا ڈیرہ کوئی ڈیڑھ دو میل کے فاصلہ پر تھا۔

نجات اُخروی سے سرفراز ہوگا اور آتشِ دوزخ اس پر حرام ہوگی۔ برائے تاکید آپ نے یہ جملے تین بار دُہرائے۔

حضرت اعلیٰ نے از روئے انکسار و تواضع فرمایا کہ مولانا آپ ہمارے بڑے ہیں فقیر کے لیے آپ کی زیارت کے واسطے جانا باعثِ عزّ و شرف ہے۔ اعلیٰ حضرت جس قدر تواضع کا اظہار فرماتے، مولانا اسی قدر قسم کھا کر اس بشارت کا ذکر کرتے اور بے حد محبت و عقیدت سے پیش آتے۔ اس واقعۂ بشارت کو سن کر تمام حاضرین پر ایک عجیب کیفیت طاری تھی اور دیر تک پوری مجلس ایک کیف و مستی کے عالم میں ڈوبی رہی۔

اعلیٰ حضرت نے مولانا کی تشریف آوری سے مسرور ہو کر خادم کو فرمایا کہ ہمیں برادرِ محترم حاکم خان صاحبؒ کے پاس ان کے فرزند کی تعزیت کے سلسلہ میں جانا تھا۔ آج حضرت مولانا تشریف لے آئے ہیں، لہٰذا گھوڑے کی زین اتار دو، اب ہم کل جائیں گے۔

مولانا حسین علی صاحبؒ نے یہ سنا تو فرمایا، نہیں حضرت! آپ اپنے سفر کو ملتوی نہ فرمائیں، بلکہ میں بھی ان کے فرزند کی تعزیت کے لیے آپ کے ہمراہ چلتا ہوں۔ حضرت اعلیٰ نے جب مولانا کو اپنے ساتھ چلنے کے لیے آمادہ پایا، تو خود بھی رضامند ہو گئے۔ چنانچہ حضرت اعلیٰ اور مولانا موصوف گھوڑوں پر سوار اور دوسرے خدام پیچھے پیچھے پاپیادہ روانہ ہوئے۔ ملک حاکم خان صاحبؒ کے ڈیرہ پر پہنچے۔ تعزیت اور فاتحہ خوانی فرمائی اس کے بعد مجلس میں کچھ اور تذکرے ہوتے رہے۔ فقر و درویشی کا ذکر بھی چل نکلا۔ حاکم خان صاحب اعلیٰ حضرۃ کے بڑے بھائی تھے مگر صرف ایک دنیادار زمیندار کی حیثیت رکھتے تھے۔ باتوں باتوں میں کہنے لگے کہ آپ لوگ خود کو پیر فقیر کہتے ہیں آج ہمیں بھی کوئی کرامت دکھائیں کہ ہم آپ کی فقیری کے قائل ہو جائیں۔

اس وقت اعلیٰ حضرت کی غیرتِ فقر میں جوش آگیا اور فرمایا بھائی صاحب! آپ کس قسم کی کرامت دیکھنا چاہتے ہیں؟ حاکم خان صاحب کو اور تو کچھ نہ سوجھی بس یہ کہہ بیٹھے کہ آپ ہمیں جنات دکھا دیں۔

حضرت اعلیٰ کے ساتھ آنے والے درویش جن میں مراز خان صاحبؒ راویٔ قصّہ بھی شامل تھے حاکم خان صاحب کی اس عجیب و غریب فرمائش پر ہاتھ پاؤں سے اشارے کرتے رہے جس کا منشا یہ تھا کہ یہ کیا مانگ رہے ہو؟ مانگنا ہے تو قربِ خداوندی اور دینداری مانگو۔ مگر وہ یہ نہ سمجھے اور اپنے اسی مطالبہ پر اصرار کرتے رہے۔ ادھر اعلیٰ حضرت کے عقیدت مند درویش آپ کے چہرۂ مبارک سے یہ اندازہ کر رہے تھے کہ آج جو کچھ آپ ارادہ فرمائیں

گے، انشاء اللہ ویسا ہی ہو کر رہے گا۔ چنانچہ جب ملک صاحب کا اصرار حد سے بڑھ گیا تو آپ نے فرمایا: اچھا اپنی آنکھیں بند کرلو۔ آنکھیں بند کرتے ہی کیا دیکھتے ہیں کہ سامنے والے درخت کی شاخوں کو پکڑے ہوئے بیشمار جنات زمین تک لٹک رہے ہیں اور وہ اپنے پاؤں کو ایک دوسرے کے ساتھ چمٹائے ہوئے ہیں۔ پھر آپ نے فرمایا کہ آنکھیں کھول دو۔ اب تمام حاضرین کو کھلی آنکھوں جنات نظر آنے لگے۔ بھیانک شکلیں، سر بڑے بڑے، قد درخت کی شاخوں سے زمین تک دراز۔ البتہ آنکھیں لمبی لمبی اور انسانی آنکھوں کے برعکس ان کا طول اوپر نیچے تھا۔ سب پر دہشت اور خوف طاری ہو گیا۔ فرمائش کرنے والے حاکم خان صاحب اور دیگر اہلِ قریہ کا یہ حال ہوا کہ تمام حواس باختہ ہو گئے۔ یہ نظارہ سب نے دیکھا۔ مولانا حسین علی صاحبؒ بھی ان میں شامل تھے۔

وَمَا ذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ بِعَزِيْزٍ ۔

خشک سالی اور بارانِ رحمت: ایک دفعہ سخت خشک سالی پیش آئی۔ بارش نہ ہونے سے خلقِ خدا بے حد پریشان تھی۔ لوگوں نے اعلیٰ حضرت سے بارش کے لیے دعا کی درخواست کی۔ پیر عبد اللہ[1] شاہ صاحب اس وقت مسجد میں سو رہے تھے۔ اعلیٰ حضرت نے میاں مراز خان اور ان کے دوسرے دو ساتھیوں کو جو اس وقت

۱۔ پیر عبد اللہ شاہ بن احمد شاہ بن سلطان شاہ حضرت جلال الدین بخاری رحمۃ اللہ علیہ (اچ شریف) کی اولاد سے تھے۔ احمد پور سیال وطن تھا۔ حضرت خواجہ سراج الدین قدس سرہٗ سے بیعت ہوئے۔ استعدادِ بلند اور رفتارِ سلوک تیز تھی۔ چنانچہ تقریباً ہر ہفتہ نیا سبق مل جاتا تھا۔ حضرت خواجہؒ نے اپنے وصال سے کچھ عرصہ پیشتر شاہ صاحب کو اعلیٰ حضرت کے سپرد فرما دیا تو آپ اعلیٰ حضرت کی خدمت میں کھولہ شریف آ کر کسبِ سلوک فرمانے لگے، تکمیلِ سلوک کے بعد جلد ہی خلافتِ مطلقہ سے سرفراز ہو گئے، پھر اعلیٰ حضرت کی طرف سے طالبانِ حق کی تربیت کے لیے اپنے وطن احمد پور سیال تشریف لے گئے۔ جب جانے لگے تو اعلیٰ حضرت نے میاں مراز خان صاحب سے فرمایا کہ شاہ صاحب کو علو والی اسٹیشن پر گاڑی میں بٹھا آؤ۔ حسب الحکم میاں مراز خان صاحب، شاہ صاحبؒ کے ساتھ علو والی اسٹیشن تک آئے اور سکون و اطمینان کے ساتھ گاڑی میں سوار کرانے کے بعد کھولہ شریف واپس چلے گئے۔ شاہ صاحب نے ملتان پہنچنے کے بعد اعلیٰ حضرت کی خدمت میں بدیں مضمون ایک عریضہ بھیجا: "علو والی اسٹیشن پر گاڑی میں بیٹھنے کے بعد راستہ ہی میں لوگ فقیر کی طرف رجوع کرنے لگے۔ حیرت ہے کہ یہ رجوع اس قدر بڑھا کہ ملتان پہنچتے پہنچتے تقریباً آٹھ سو آدمی بندہ کے ہاتھ پر حضورؒ کے مرید ہو گئے۔" لیکن افسوس کہ عمر زیادہ نہ پائی، اعلیٰ حضرت کی زندگی ہی میں وفات پا گئے۔ حضرت کو بہت صدمہ ہوا۔ جب کبھی شاہ صاحب کا خیال آتا تو اعلیٰ حضرت بڑے افسوس کے ساتھ فرمایا کرتے: "آہ! آج عبد اللہ شاہ صاحب

←

وہاں موجود تھے فرمایا: تم تینوں میں سے کوئی پانی کے گھڑے بھر بھر کر عبداللہ شاہ صاحب پر جو مسجد میں لیٹے ہوئے ہیں، ڈالے' انہیں ٹھنڈا کرنے سے امید ہے کہ ان شاء اللہ خوب بارش ہوگی۔ مواز خان صاحب نے عرض کیا حضرت! میں ابھی یہ خدمت انجام دیتا ہوں۔ اعلیٰ حضرت نے ارشاد فرمایا: یہ خیال رکھنا کہ اگر پانی سر کی طرف ڈالو' تو سر کی طرف ہی ڈالتے رہنا' اور پاؤں کی طرف ڈالو' تو پاؤں کی طرف ہی ڈالتے رہنا۔ حسب ہدایت مواز خان صاحب نے پانی کے بارہ گھڑے بھرے اور یکے بعد دیگرے شاہ صاحب کے پاؤں کی طرف ڈالنا شروع کر دیے۔ پہلی مرتبہ جب پانی ڈالا گیا تو شاہ صاحب نے رُخ سے چادر ہٹا کر دیکھا اور پھر منہ ڈھانک کر بڑے سکون کے ساتھ لیٹے رہے' نہ کروٹ بدلی اور نہ ہی کچھ استفسار کیا کہ کیا ہو رہا ہے؟ کون پانی ڈال رہا اور کیوں ڈال رہا ہے؟ غالباً اپنے کشف وجدانی سے اس امر کا مقصد سمجھ گئے اور لیٹے لیٹے بارش کی دعا کرتے رہے۔

تھوڑی دیر بعد شمالی جانب سے ایک زوردار آندھی آئی اور آناً فاناً بادلوں کی شکل اختیار کر گئی۔ چنانچہ اس قدر بارش ہوئی کہ تقریباً سوا میل کا علاقہ جل تھل ہو گیا اور بفضلِ خداوندی خشک سالی کا اثر جاتا رہا اور خلقِ خدا کی جان میں جان آئی۔ وما کان ھٰذا الا من فضل اللہ ببرکۃ دعاء اولیائہ

واقعہ سرہند شریف اور خلعتِ قیومیت سے سرفرازی: صوفی محمد مواز خان صاحب کا بیان ہے کہ حضرت اعلیٰ کھولہ شریف میں قیام کے دوران ایک مرتبہ بالہامِ خداوندی حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی قدس سرہٗ کے مزار اقدس پر بزمانِ عرس یکایک تشریف لے گئے۔ چند خادم بھی آپ کے ہمراہ چل دیے۔

آپ کے تشریف لے جانے کے بعد مولوی عبدالستار صاحب میانہ جو اعلیٰ حضرت کی طرف سے امامت پر مامور تھے' اتفاقاً کتب خانہ میں گئے تو وہاں چند منتشر کتابوں پر نظر پڑی' ایک کتاب کو اٹھا کر دیکھا تو اس پر اعلیٰ حضرت نے یہ تحریر فرمایا تھا۔

زندہ ہوتے تو مجھے اپنے مرنے کا غم نہ ہوتا"۔ اعلیٰ حضرت انہیں اپنی جانشینی کا اہل تصور فرماتے تھے۔ حق تعالیٰ شانہٗ نے اعلیٰ حضرت کے اس جوششِ غم کو فرو کرنے کے لیے پیر عبداللہ شاہ رحمہ اللہ کا نعم البدل حضرت ثانی مولانا محمد عبداللہ نور اللہ مرقدہٗ کی شکل میں عنایت فرما دیا۔ جن کی تکمیل کے بعد اعلیٰ حضرت اس بارِ غم سے اپنی طبیعت کو ہلکا پا کر اللہ تعالیٰ کا بے پایاں شکر ادا فرمایا کرتے تھے۔

"سرہند شریف کے اس سفر میں جو شخص ہمارے ساتھ حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہٗ کے مزار پر حاضر ہوگا، وہ اہل اللہ کے زمرہ میں شمار کیا جائے گا۔"

حضرتِ اعلیٰ کے دستِ مبارک کی یہ تحریری بشارت دیکھ کر مولانا عبدالستار صاحب مغلوب الحال ہوگئے اور عالمِ بے اختیاری میں کھولہ شریف سے سرہند شریف کے لیے عازمِ سفر ہوئے۔ ادھر ساجری سے میاں موازخان صاحب اعلیٰ حضرت کی خدمت میں حاضری کے قصد سے کھولہ شریف آرہے تھے۔ راستہ میں دونوں کی ملاقات ہوگئی۔ غلبۂ حال میں مولانا عبدالستار صاحب صوفی موازخان صاحب سے بغلگیر ہوکر رونے لگے اور بتایا کہ حضرت قبلہ سرہند شریف تشریف لے جاچکے ہیں۔ مولانا نے اعلیٰ حضرت کی تحریری بشارت بھی سنائی اور ساتھ ہی یہ بھی کہا کہ اس بشارت سے فیض یاب ہونے کے لیے میں سرہند شریف جارہا ہوں ؎

بشارتے سحراز پردہائے غیب رسید

کہ بابِ لطف و کرم بر شکستگاں باز است

اس پر صوفی موازخان صاحب نے کہا کہ پھر میں کیوں محروم رہوں، اس سفر میں آپ کے ساتھ میں بھی شرکت کروں گا۔ چنانچہ وہ اپنے گاؤں واپس گئے، رختِ سفر باندھا اور کندیاں سے ٹرین پر سوار ہوکر لاہور پہنچے۔ پھر یہ دونوں حضرات لاہور سے سرہند شریف کے لیے گاڑی پر سوار ہوئے اور خیر و عافیت کے ساتھ سرہند شریف پہنچ گئے۔ گاڑی سے اترے تو ظہر کا وقت ہوچکا تھا۔ نماز ظہر سرہند شہر میں پڑھی۔ نماز سے فراغت کے بعد پیدل چل پڑے۔ روضہ شریف شہر سے تقریباً ڈھائی میل کے فاصلہ پر بسی اور سرہند کے درمیان واقع ہے، آدھ گھنٹے میں وہاں پہنچ گئے۔ پہنچ کر دیکھا کہ اعلیٰ حضرت نمازِ ظہر سے فارغ ہوکر وابستگانِ سلسلہ کے ساتھ بیٹھے ہوئے ہیں۔ حضرت کا قیام مسجد کے بائیں جانب ایک کمرے میں تھا۔ اعلیٰ حضرت نے جب ان دونوں کو آتے ہوئے دیکھا تو فرطِ مسرت سے فرمایا: الحمد للہ دو ساتھی اور آگئے۔ تھوڑی دیر بعد اٹھے اور حضرت امام ربانی قدس سرہٗ کے مزارِ اقدس کی چار دیواری کے باہر دو مزاروں پر تشریف لے گئے۔ وہاں پہنچ کر چند منٹ مراقبہ فرمایا، وہاں سے اٹھ کر حضرت شیخ مخدوم عبدالاحد والدِ بزرگوار امامِ ربانی قدس اللہ تعالیٰ اسرارہما کے مزارِ پُرانوار پر تشریف لے گئے۔ حضرت مخدوم قدس سرہٗ کا مزار مبارک خانقاہ مجددیہ سے ڈیڑھ دو میل دور بسی کی جانب جھڑی میں واقع ہے، وہاں مراقبہ فرمایا اور نمازِ عصر بھی وہیں ادا

فرمائی۔ نمازِ عصر سے فارغ ہو کر واپس خانقاہ مجددیہ میں نمازِ مغرب سے پہلے پہنچ گئے اور خواجہ محمد معصوم فرزندِ امام ربانی رحمہما اللہ کے مزار پر چند منٹ مراقبہ فرما کر مسجدِ امام ربانیؒ میں نمازِ مغرب ادا کی۔ نمازِ مغرب سے فارغ ہو کر حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی قدس سرہٗ کے مزارِ اقدس پر خاصی دیر تک مراقبہ فرمایا۔ بارہ تیرہ ساتھی حضرتِ اعلیٰ کے ہمراہ تھے جو ان تمام مقامات پر آپؒ کے ساتھ شریکِ مراقبہ رہے۔

امام ربانی قدس سرہٗ کے مزارِ مبارک پر مراقبہ کے دوران صُوفی محمد موازخان صاحبؒ نے یہ خصوصی واقعہ دیکھا کہ کچھ کرسیاں اور تخت لا کر لگائے گئے اور ان پر زرنگار رنگ ریشمی کپڑے کے تخت پوش جن کے جھالر سبز تھے، بچھائے گئے۔ اس کے بعد امام ربانی قدس سرہٗ تشریف لائے۔ آپ ہاتھ میں ایک خوشنما اور اعلیٰ جبہ لیے ہوئے تھے۔ آپ نے وہ جبہ تخت پہ لا کر رکھ دیا اور اعلیٰ حضرت کو پاس بلا کر یہ ارشاد فرمایا کہ ہم نے آپ کو بہت تکلیف دی کہ یہاں بلایا۔ دراصل ہمارے پاس آپ کی یہ امانت تھی جسے آپ کے سپرد کرنا ضروری تھا۔ یہ فرما کر آپ کو کرسی پہ کھڑا کیا اور خود حضرت امام ربانی نے وہ خلعتِ خاصہ آپ کو پہنا دیا۔ جو آپ کے جسمِ مبارک پر راست آیا اور بے حد حسین و زیبا دکھائی دیا۔ جبہ مبارک کے ساتھ ایک مرصّع اور زرنگار تاج تھا جو حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہٗ نے آپ کے سرِ مبارک پر رکھ دیا۔ علاوہ ازیں یہ دیکھا کہ تختوں پر کنجیوں کے انبار لگے ہوئے تھے، وہ کنجیاں بھی سب کی سب آپ کے حوالے کر دی گئیں۔ صوفی موازخان صاحب نے یہ واقعہ دیکھ کر سمجھا کہ یہ خلعت نسبتِ خاصۂ مجددیہ اور منصبِ قیومیت کا ہے جو اعلیٰ حضرت کو پہنایا گیا ہے۔ اس کے بعد مراقبہ ختم ہو گیا اور حضرت اعلیٰ اپنی قیام گاہ پر تشریف لے آئے۔ صُوفی موازخان کو ارشاد فرمایا کہ پانی کا ایک کوزہ ساتھ لے لو، ہمیں باہر جانا ہے۔ چنانچہ موازخان صاحب پانی کا ایک کوزہ اُٹھا کر حضرت اقدس کے ساتھ ہو لیے۔ حدودِ خانقاہ پاک سے باہر تشریف لے گئے اور واپسی پر موازخان صاحب کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا: "میاں موازخان! کوئی بات دیکھی ہو تو بتاؤ۔" انہوں نے مراقبہ کے دوران جو مشاہدہ کیا اسے یُوں بیان کیا:۔

جب ہم سب خدام حضور والا کے ساتھ حضرت خواجہ محمد معصُوم قدس سرہٗ کے مزار پر مراقب تھے تو خادم کو یہ نظر آیا کہ نور کا ایک ستون ہے جس کا اوپر کا سرا آسمان میں پیوست ہے اور نیچے کا سرا حضرت خواجہ محمد معصوم رحمہ اللہ کے مزارِ اقدس میں اُترا ہوا ہے۔

فٹ نوٹ اگلے صفحہ پر ملاحظہ فرمائیں

پھر جب حضرت امام ربانی کے مزارِ مقدس پر مراقبہ ہو رہا تھا تو اعطائے خلعتِ خاصہ کا منظر دیکھا اور پورا واقعہ تمام جزئیات کے ساتھ عرض کر دیا۔ یہ سن کر اعلیٰ حضرتؒ نے ارشاد فرمایا :۔

"میاں مواز : تم نے بالکل درست دیکھا ہے۔ بالکل صحیح دیکھا ہے"۔

آپ نے یہ جملے تھوڑے وقفہ کے بعد چلتے چلتے تین بار دُہرائے۔

فَالْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ فَوَّضَ اِلٰی سَیِّدِنَا وَ شَیْخِنَا الْاَعْظَمِ هٰذَا الْمَقَامَ الْاَفْخَمَ وَ خَلَعَ عَلَیْهِ خِلْعَةَ الْقَیُّوْمِیَّةِ وَالنِّسْبَةِ الْخَاصَّةِ الْمُجَدِّدِیَّةِ وَمَا ذٰلِكَ عَلَی اللّٰهِ بِعَزِیْزٍ۔ ؎

__انتخابِ آرام گاہِ آخریں اور بنائے احاطۂ مزارات :__ حضرت اعلیٰ قدس سرہٗ کھولہ شریف سے خانقاہ سراجیہ تشریف لا چکے تھے اور بفضلہٖ تعالیٰ رشد و ہدایت کا سلسلہ جاری تھا، نزدیک و دُور سے اللہ تعالیٰ کی محبت کے متوالے اور اہل اللہ کی صحبت کے مشتاق اس شمعِ عرفان کے گرد پروانہ وار فدا ہو رہے تھے۔ حضرتِ والا کے ہر دو صاحبزادگان محمد صادق و محمد سعید انہی ضلع گجرات میں زیرِ تعلیم تھے۔ تائیدِ ربانی ہر لمحہ شاملِ حال تھی اور ایسا کوئی واقعہ پیش نہ آیا تھا کہ قبور کے لیے کسی جگہ کا انتخاب عمل میں آتا۔ دریں اثنا حضرت اعلیٰ نے سرہند شریف جانے کا عزم فرمایا۔ میاں موازخان صاحب کا قیام تقریباً مستقل طور پر خانقاہ شریف میں رہتا تھا۔ گھر کا کوئی کام ہوا تو چلے گئے اور فراغت کے بعد واپس آگئے۔ لنگر شریف کے لیے کندیاں سے ضروری اشیاء کا لانا ان کے سپرد تھا اس لیے حضرت انہیں سرہند شریف ساتھ نہیں لے جا رہے تھے۔ کندیاں اسٹیشن سے سوار ہونا تھا۔ چنانچہ میاں موازخان صاحب کو ارشاد فرمایا کہ سواری کا گھوڑا تیار کریں۔ گھوڑا ساز و زین کے ساتھ تیار کر کے حاضر کر دیا گیا اور آپ چند خدام کے ہمراہ تشریف لے گئے۔ جاتے ہوئے ایک نگاہ کتب خانہ پر ڈالی، دیکھا کہ مولوی محمد زمان صاحب مصروفِ مطالعہ ہیں، ایک نظر دیکھا اور یہ شعر پڑھ کر باہر تشریف لے آئے ؎

در حقیقت مالکِ ہر شے خداست   ایں امانت چند روزہ نزدِ ماست

لہ تعبیر واقعہ ظاہر ہے کہ وہ نُور جو آسمان سے زمین تک پھیلا ہوا تھا، وہ صاحبِ مزار کی نسبتِ عالیہ کا نُور تھا جس سے اس وقت مراقبہ کرنے والے اعلیٰ حضرت کی وساطت سے مستفیض ہو رہے تھے۔

گویا روانگی کے وقت اپنی عزیز کتابوں سے یہ ملاقات وداع تھی۔

حضرت اعلیٰ کے سرہند شریف جانے کے بعد صاحبزادہ محمد صادق صاحب بیمار ہو کر انچی ضلع گجرات سے پیر عبداللطیف کے ہمراہ گھر آ گئے اور بیماری شدت اختیار کر گئی۔ ایک کمرہ ان کی رہائش کے لیے مخصوص کر دیا گیا اور مائی صاحبہ نے میاں مواز خان کو ان کی تیمارداری پر مامور کیا کیونکہ گھر اور لنگر شریف کے انتظامات کے لیے بھی حضرت مائی صاحبہ کو کافی وقت دینا پڑتا تھا، چنانچہ میاں مواز خان صاحب شب و روز صاحبزادہ کی خدمت ہی میں گزارتے اور ہر طرح ان کی دیکھ بھال کرتے تھے، صرف نماز کے لیے مسجد چلے جایا کرتے تھے۔ ایک روز ایسا ہوا کہ صاحبزادہ صاحب سو رہے تھے اور نماز کا وقت ہو گیا۔ مواز خان صاحب مسجد میں نماز ادا کر کے فوراً صاحبزادہ صاحب کے پاس آ گئے۔ آپ نے آنکھ کھولی اور پوچھا کیا ابھی نماز کا وقت نہیں ہوا؟ میاں مواز خان نے عرض کیا کہ نماز کا وقت ہو چکا ہے۔ آپ سو رہے تھے لہٰذا اٹھانا اور جگانا مناسب نہ سمجھا، میں مسجد سے نماز پڑھ کر آ رہا ہوں۔ آپ نے افسوس کے ساتھ فرمایا کہ مجھے نماز کے لیے کیوں نہیں اٹھایا؟ مواز خان صاحب نے معذرت کی اور نماز پڑھوا دی۔

دوسرے روز جبکہ بخار شدید تھا، صاحبزادہ صاحب نے میاں مواز خان صاحب کو کہا کہ میں حضرت قبلہ کی ملاقات کے لیے بے تاب ہوں آپ انہیں تار دے کر جلدی بلائیں، یہ سمجھے کہ بخار کی گھبراہٹ میں حضرت صاحب کو یاد کر کے ایسا فرما رہے ہیں۔ بہر حال تار بھجوا دیا گیا۔ دوسرے روز پھر دریافت فرمایا کہ میں نے آپ سے حضرت صاحب کو بلانے کے لیے کہا تھا۔ مواز خان صاحب نے عرض کیا، حسب الحکم جوابی تار ارسال کر دیا تھا اور حضرت کی طرف سے جواب بھی آ گیا ہے کہ حضرت جلد پہنچ رہے ہیں۔ آپ مطمئن رہیں۔

اس کے بعد بخار کی شدت میں اضافہ ہوتا چلا گیا۔ بالآخر ساعت مقدر آ گئی۔ صوفی مواز خان صاحب نے مائی صاحبہ کو اطلاع دی کہ حضرت صاحبزادہ صاحب کی طبیعت زیادہ خراب ہو رہی ہے آپ جلد تشریف لائیں۔ مائی صاحبہ نے کہا کہ میں وضو کر کے ابھی آتی ہوں۔ چنانچہ جب تشریف لائیں تو صوفی مواز خان صاحب کو اجازت دے دی کہ وہ مسجد میں نماز ادا کریں۔ حضرۃ مائی صاحبہ نے صاحبزادہ صاحب کے پاس جا کر دیکھا کہ وہ ہمیشہ کے لیے داغِ مفارقت دے کر رفیقِ اعلیٰ سے جا ملے ہیں اور رُوحِ مبارک قفسِ عنصری سے پرواز کر چکی ہے۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ۔

اے ہمنفسانِ محفلِ ما   رفتید ولے نہ از دلِ ما

اِدھر سوءِ اتفاق سے ایسا ہوا کہ اعلیٰ حضرت صاحبزادہ کی علالت سے مطلع ہو کر سر ہند شریف سے روانہ ہوئے ہی تھے کہ دریائے راوی اور دیگر دریاؤں میں شدید طغیانی آگئی اور سیلاب ریلوے لائنوں کو بہالے گیا جس سے ریل گاڑیوں کی آمد و رفت کا سلسلہ معطل ہو گیا۔ چنانچہ اعلیٰ حضرت بر وقت خانقاہ شریف نہ پہنچ سکے۔

جہاں اس صدمۂ جانکاہ پر شدید رنج و غم کا عالم تھا، وہاں اب یہ فکر بھی دامنگیر تھا، کہ تجہیز و تکفین کا کام کیوں کر انجام دیا جائے۔ حضرت صاحب قبلہ ابھی تشریف نہ لائے تھے، گھر میں پردہ نشین مائی صاحبہ اور دیگر مستورات تھیں، باہر میاں موازخان صاحب اور چند دیگر درویش، اگرچہ اعزہ و اقارب بھی جمع ہو گئے تھے لیکن وہ سب برادری کے اہلِ دہ حضرات تھے۔ خانقاہ شریف کے آداب اور طور و طریق سے واقفیت نہ رکھتے تھے۔ مائی صاحبہ نے میاں موازخان کو کہلا بھیجا کہ میں پردہ نشین ہوں۔ حضرت صاحب ابھی تشریف نہیں لا سکے۔ لہٰذا تمہیں اجازت ہے کہ اپنی صوابدید کے مطابق تجہیز و تدفین کا انتظام کرو۔

میاں موازخان صاحب نے حضرت مائی صاحبہ سے عرض کیا کہ میں اس قابل نہیں کہ صاحبزادہ مرحوم کی تدفین کا معاملہ سلجھا سکوں۔ ممکن ہے حضرت اعلیٰ میری تجویز کردہ جگہ کو ناپسند فرمائیں اور بعد میں آپ بھی میری موافقت نہ فرمائیں جس کے نتیجہ میں میرا باطنی معاملہ خراب ہو جائے۔ مائی صاحبہ نے یقین دلایا کہ ایسا ہرگز نہیں ہوگا۔ اس سلسلہ میں تمہیں کلّی اختیار ہے۔ اس کے بعد میاں موازخان صاحب دیر تک سوچتے رہے۔ ہر قسم کے خیالات آتے رہے کہ خانقاہ نور محمد کے قبرستان میں دفن کیا جائے یا اپنی خانقاہ میں دفن کیا جائے۔ پھر وہ جگہ عمارات کے قریب ہو یا فاصلہ پر۔ الغرض مختلف قسم کے افکار و خیالات میں حیراں و سرگرداں تھے۔

ناگاہ ان کا دھیان صاحبزادہ مرحوم کی اس ہدایت کی طرف گیا جو انہوں نے غلبۂ مرض کے دوران فرمائی تھی۔ وہ یہ تھی کہ میں بیمار ہو گیا ہوں اور بیماری کے دوران میرے ہمدرس اسباق میں مجھ سے آگے نکل گئے ہوں گے۔ ضرورت پڑ جائے تو میرا ٹکٹ انہی والے ساتھیوں کے ہمراہ کٹوانا اور میانوالی کے حضرات کے ساتھ نہ کٹوانا۔ یہ اشارہ اس طرف تھا کہ مجھے صحیح العقیدہ اہلِ علم حضرات کے ساتھ دفن کیا جائے۔ اس لیے خانقاہ شریف ہی میں تدفین کا فیصلہ کیا گیا۔ بہت غور و خوض کے بعد موجودہ جگہ جو قدیم تسبیح خانہ کے بالمقابل اور حضرت اقدس کی راہ میں واقع تھی، تجویز کی۔ اس میں ایک خاص مصلحت بھی پیشِ نظر رکھی گئی تھی کہ آتے جاتے اور تسبیح خانہ میں بیٹھے ہوئے

حضرت اعلیٰ کی نظر صاحبزادہ مرحوم کی قبر مبارک پر پڑتی رہے گی جو ان کے درجات کی رفعت کا موجب ہوگی۔

غرض صاحبزادہ صاحب کو تجہیز و تکفین اور نمازِ جنازہ ادا کرنے کے بعد مقرر کردہ جگہ میں سپردِ خاک کر دیا گیا۔ حضرت اعلیٰ اس واقعۂ ہائلہ سے تین دن بعد تشریف لائے۔ صاحبزادہ مرحوم کی قبر مبارک پر فاتحہ پڑھی اور توجہات مبذول فرمائیں۔ اس کے بعد میاں مراز خان صاحب نے عرض کیا کہ حضرت میری ناقص رائے میں یہی جگہ صاحبزادہ مرحوم کے لیے مناسب معلوم ہوئی تھی۔ اعلیٰ حضرت نے میاں مراز خان صاحب کی تجویز کو بے حد پسند کرتے ہوئے ارشاد فرمایا:

"میاں مراز! مجھے بھی آخری جگہ کے انتخاب کا فکر رہتا تھا، جزاک اللہ تم نے میرے لیے جگہ بنا دی ہے"۔

<u>وقائع متفرقہ</u>: حضرتِ اعلیٰ قدس سرہ اپنے عہد میں سرخیل اولیاء و اتقیا اور سلف صالحین کا اعلیٰ نمونہ تھے۔ تمام مقاماتِ مجددیہ پر کامل عبور، ان کی تفصیلی سیر کے ساتھ رسوخِ تام اور سالکین کو ان پر فائز کرنے کی قدرت، یہ سب ایسے کمالات ہیں جن میں حضرتِ اعلیٰ کا کوئی ہمسر اس دور میں نظر نہیں آتا۔ وہ خوش قسمت حضرات جنھوں نے اپنے دیدہ و دل کو اعلیٰ حضرت کے دیدارِ حقیقت آثار سے روشن کیا ہے وہ اس حقیقت کا اعتراف کیے بغیر نہیں رہ سکتے کہ آپ کی زیارت سے اسلافِ کرام کی یاد تازہ ہو جاتی تھی۔ مقامِ قطب الارشاد و قطب المدار اور حسبِ اصطلاحِ طریقۂ مجددیہ مقامِ قیومِ زماں بارگاہِ ربانی سے آپ کو عطا ہوا تھا۔ تمام اولیائے زمانہ، خواہ انہیں اس امر کا ادراک ہو یا نہ ہو آپ کی ذاتِ والاصفات سے مستفید ہو رہے تھے۔ امورِ تکوینیہ کے کارپرداز جنھیں اصطلاحِ تصوف میں اصحابِ خدمت کہتے ہیں، وہ سب آپ کے زیرِ امارت و سیادت تھے۔ اس سلسلہ میں حضرت مولانا سید جمیل الدین احمد صاحب مدظلہ العالی نے فقیر کو ایک عجیب واقعہ سنایا۔ مولانا موصوف عالم و فاضل اور دارالعلوم دیوبند کے فارغ التحصیل ہونے کے علاوہ ریاست بہاولپور میں مدارس عربیہ کے انسپکٹر رہے ہیں۔ جس دور کا یہ واقعہ ہے اس وقت آپ مدرس عربی کی حیثیت سے ایک ثانوی مدرسہ میں درس و تدریس کے فرائض انجام دے رہے تھے۔

<u>امارتِ مجاذیب و اصحابِ خدمت</u>: مولانا فرماتے ہیں کہ میں دورانِ ملازمت ہی حضرتِ اعلیٰ کی بیعت سے مشرف ہو چکا تھا اور بہت سے فوائد و انعاماتِ خداوندی سے سرفراز تھا۔ اس سلسلہ میں جو عجیب و غریب معاملات مجھے پیش آرہے تھے، وہ خود میرے لیے بھی حیران کن تھے۔ میں اس عقیدہ میں راسخ تھا کہ اس وقت میرے شیخ تمام اولیائے عصر پر فضیلت رکھتے ہیں۔

غلبۂ حال کی وجہ سے اپنی کلاس کے طلبہ سے بھی معرفت و سلوک اور حضرتِ اعلیٰ کے کمالات و فضائل کا ذکر کرتا رہتا تھا۔ ایک روز میری کلاس کے چند طلباءؔ نے بتایا کہ یہاں کبھی کبھی ایک مجذوب نظر آیا کرتا ہے اور لوگ اسے بڑا باکمال اور صاحبِ تصرف بتاتے ہیں یہ سُن کر میں نے ان طلبا سے کہا کہ اگر وہ پھر کہیں تمھیں نظر پڑے تو مجھے اطلاع دینا یا بصُورتِ دیگر اسے میرے پاس لے آنا۔

قضارا چند روز بعد اس مجذوب کا گزر سکول کے قریب سے ہُوا تو مجھے طلبا نے اس کے بارے میں مطلع کیا میں اسکول سے باہر نکلا، ملاقات کی اور اسے گھر لاکر کھانا کھلایا۔ جب اس کی طبیعت کو مانوس پایا تو میں نے اپنی دھن میں سوال کیا کہ اس وقت سب سے بڑے بزرگ کون ہیں؟ وہ یہ سوال سن کر کچھ دیر مجذوبانہ طور پر بڑبڑاتا رہا لیکن اسی بڑبڑاہٹ میں 'ہن ہن' کرتے ہوئے اتنا کہہ گیا کہ جو بزرگ اس وقت سب سے بڑے ہیں تو انہیں جانتا ہے اور ان کے پاس تیری آمد و رفت بھی ہے۔ اس نے اعلیٰحضرت کا نام تو نہ لیا مگر حضرت قبلہ گاہی کی رفعت و شان کے بارے میں میرے خیال کی تصدیق ہوگئی اور اس سے مجھے بے حد مسرت ہوئی۔

اتفاق سے اس واقعہ کے بعد میں خانقاہ شریف گیا اور سارا واقعہ تفصیلات کے ساتھ حضرت اعلیٰ کی خدمت میں عرض کیا۔ آپ سن کر خاموش ہو گئے مزید کچھ نہ فرمایا اور بات آئی گئی ہوگئی۔

کافی دنوں کے بعد جب مجھے دوبارہ خانقاہ شریف حاضری نصیب ہوئی اور میں کسی کام کی غرض سے میانوالی گیا۔ وہاں میں نے اسی مجذوب کو دیکھا۔ دیکھ کر اس کی طرف تیزی سے گیا کہ کوئی بات کرسکوں، مگر جونہی اس کی نگاہ مجھ پر پڑی یہ کہتے ہوئے بھاگ گیا:

"ہن ہن! تو یہاں بھی میرے پیچھے آگیا۔ وہاں سے تو نے مجھے نکلوا دیا تھا، کیا اب یہاں سے بھی نکلوانا چاہتا ہے؟"

کام سے فارغ ہو کر جب واپس خانقاہ شریف پہنچا اور حضرت اقدس کی خدمت میں حاضر ہُوا تو کافی مدت کے بعد حضرت قبلہ نے از خود دریافت فرمایا: "شاہ صاحب! وہ مجذوب جو آپ کو بہاولپور میں ملا تھا اس سے پھر کبھی ملاقات ہوئی؟" میں نے حیرت زدہ ہو کر عرض کی کہ حضرت! آج وہ مجھے میانوالی میں نظر آیا تھا، میں اس سے

ا۵ موجود یاں، موجود ہیں۔

کوئی بات کرنا چاہتا تھا مگر وہ یہ کہتے ہوئے بھاگ گیا کہ تو یہاں بھی میرے پیچھے پڑ گیا ہے، تو نے مجھے بہاولپور سے نکلوایا تھا اب یہاں سے بھی نکلوانے آیا ہے۔

حضرت اعلیٰ یہ سن کر مسکرائے اور غالباً یہ فرمایا کہ ہاں اب اسے ہوش آگیا ہے[۱]۔

سیادت اہل خدمت کی ایک اور مثال: حضرت اعلیٰ نے ایک مرتبہ فرمایا کہ جب برادرِ محترم ملک محمد خان صاحب کوئٹہ میں تحصیلدار کے عہدہ پر فائز تھے۔ ان سے محکمۂ مال کے حسابات میں تین روپے اور بروایت بعضے ایک پیسے کی کمی پائی گئی۔ حکومتِ وقت نے اس جرم کو قابلِ تعزیر سمجھا اور آپ پر ایک مقدمہ بنا کر پانچ سال قید کا حکم سنا دیا۔

جب حضرت اعلیٰ کو اس کا علم ہوا تو آپ خانقاہ شریف سے کوئٹہ روانہ ہوئے۔ راستہ میں مولانا غلام محمد صاحب دین پوری کے ہاں قیام کیا۔ وہاں پہنچ کر آپ نے اپنی باطنی نسبت کو اس شدت کے ساتھ مستور کیا کہ مولانا باوجود کمالات حضرتِ اعلیٰ کے احوال سے آگاہ نہ ہو سکے۔ چنانچہ ایک عام زائر کی حیثیت سے جو کی روٹی اور سالن کھانے کے لیے دیا گیا۔ رات وہاں بسر کی اور صبح کوئٹہ کی جانب چل دیے۔

کوئٹہ پہنچ کر حضرت اعلیٰ کو روحانی طور پر معلوم ہوا کہ امورِ تکوینیہ کی انجام دہی کے لیے یہاں ایک عورت مامور ہے۔ چنانچہ آپ نے اُسے طلب فرمایا۔ جب وہ حاضرِ خدمت ہوئی تو حضرتِ اعلیٰ نے پوچھا کہ تم نے میرے بھائی کی قید کے احکامات کیوں جاری کیے؟ اس پر اس عورت نے معذرت کی کہ حضور! مجھے اس وقت خیال نہ آیا کہ وہ آپ کا بھائی ہے۔ اس کے کاغذات میرے سامنے پیش ہوئے تھے اور میں نے اس کے حکم نامۂ سزا پر دستخط کر دیے اب اس کی رہائی کے لیے کوشش کروں گی۔ چنانچہ اپیل دائر کی گئی اور ملک محمد خان صاحب کوئی آٹھ نو ماہ بعد رہا ہو گئے۔

مبیں حقیر گدایانِ عشق را کایں قوم
شہانِ بے کمر و خسروانِ بے کلہ اند

---

[۱] یہ اشارہ اس امر کی جانب تھا کہ اس نے پہلے اسرارِ الٰہیہ کو فاش کر دیا تھا جس کی وجہ سے معتوب ہو کر بہاولپور سے نکالا گیا، اب محتاط ہو گیا ہے ——— اس واقعہ سے یہ بھی معلوم ہوا کہ حضرت اعلیٰ اپنے آپ کو مستور و مخفی رکھنا پسند فرماتے تھے اسی بنا پر مجذوب کا اظہار ناگوار گزرا اور اسے تبدیل کر دیا۔

جنات کی ارادت : نیز مولانا جمیل الدین صاحب نے فرمایا کہ بعض واقعات سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ بہت سے مسلمان جن بھی آپ کے حلقۂ ارادت میں شامل تھے کیونکہ بارہا دیکھنے اور سننے میں آیا کہ اگر حضرت مائی صاحبہ سے کوئی ایسا امر سرزد ہوجاتا جو حضرت اعلیٰ کے خلاف مزاج ہوتا تو جنات حضرت مائی صاحبہ کو پریشان کرنا شروع کر دیتے تھے اور وہ اس طرح کہ مثلاً انھوں نے آلو کاٹنے کے لیے رکھے اور چھری لینے اندر چلی گئیں۔ چھری لائیں تو دیکھا کہ آلو غائب ہیں۔ پھر کسی کام سے کمرے میں گئیں اور کوئی بکس کھولا تو دیکھا کہ وہ آلو وہاں رکھے ہوئے ہیں۔ اسی طرح جنات بار بار چیزوں کو الٹ پلٹ کرنے لگ جاتے تھے پھر جب وہ بات رفع ہوجاتی تو جنات بھی اپنی حرکات سے باز آجاتے تھے۔

بعض مطائبات : مولانا موصوف نے ذکر کیا کہ ایک دفعہ اعلیٰ حضرت نے بعض وجوہ کی بنا پر یہ ارشاد فرمایا کہ کل سے درویشوں کی چائے بند رہے گی۔ اس پر حکیم عبدالمجید صاحب سیفیؒ جیسے مخصوص و مقرب اور بے تکلف درویشوں نے جو چائے کے عادی تھے، بطور ناز یہ عرض کر دیا کہ حضرت! اگر چائے نہیں ملے گی تو پھر ہم سے نہ ذکر ہوسکے گا، نہ مراقبہ۔ بایں ہمہ سابقہ حکم برقرار رہا۔ حضرت اعلیٰ نے مولانا محمد عبداللہ صاحبؒ کو جو آپ کے خادمِ خاص تھے، یہ ہدایت فرمادی کہ مولوی عبداللہ جی: خیال رکھنا کہ باہر چائے نہ آنے پائے۔

حضرت مائی صاحبہ کو معلوم ہوا تو انھوں نے فرمایا، یہ نہیں ہوسکتا کہ میرے درویش چائے بند ہونے سے تکلیف اٹھائیں۔ حضرت مائی صاحبہ درویشوں پر مادرِ مہربان سے بھی زیادہ شفیق تھیں۔ بے حد شفقت و مرحمت کے ساتھ درویشوں کی راحت و آرام کا خیال فرمایا کرتی تھیں۔ چنانچہ انھوں نے فرمایا کہ درویشوں کو چائے ضرور دی جائیگی۔

جب حضرت اعلیٰ اپنے معمولات و مراقبہ سے فارغ ہوئے تو مائی صاحبہ نے چائے باہر بھجوادی۔ جونہی خدام حویلی کے مغربی دروازے سے چائے لے کر باہر آئے، حضرت مولانا عبداللہ صاحبؒ نے انہیں ڈانٹ کر واپس کردیا۔ پھر مائی صاحبہ نے مشرقی سمت سے خدام کو چائے دے کر بھیجا تو مولانا عبداللہ صاحبؒ اس طرف بھاگتے ہوئے گئے اور ادھر سے بھی چائے واپس کرادی۔ غرض اس روز صبح کی چائے حضرت مولانا عبداللہ صاحبؒ نے باہر نہ آنے دی۔

اعلیٰ حضرت کو جب یہ صورت حال معلوم ہوئی تو خوش ہو کر مولانا عبداللہ صاحبؒ کو ان الفاظ میں داد دی کہ

"ساڈا کو توال تکڑا اے" یعنی ہمارا عاسب تعمیل ارشاد میں چاق وچوبند ہے۔ گھر میں تشریف لے گئے تو مائی صاحبہ نے اعلیٰ حضرت سے کہا سنا اور حکم منسوخ کرنے کی درخواست کی۔ چنانچہ دوسرے وقت اعلیٰ حضرت نے فرمایا:

"ڈاکٹرنی[۱] صاحبہ نہیں مانتیں اس لیے چائے آنے دی جائے۔"

تاثیرِ توجہ : ایک مرتبہ اعلیٰ حضرت نے بہ سلسلۂ مطائبات مولانا جمیل الدین صاحب سے فرمایا کہ جب ہمارا عقدِ ثانی ہوا تو ایک روز ہماری خوشدامن صاحبہ نے فرمائش کی کہ آپ اپنی خصوصی توجہ میری بیٹی پر بھی مبذول فرمائیں ہم نے جو توجہ کی، تو ذرا تیز پڑ گئی اور بیگم صاحبہ کی چیخ نکل گئی۔ یہ دیکھ کر خوشدامن صاحبہ ہمارے سر پر ہاتھ پھیرتے ہوئے کہنے لگیں کہ میرے کہنے کا مطلب یہ تو نہیں تھا کہ اسے آج ہی ولیہ بنا دو۔ رفتہ رفتہ بناؤ، کچھ آج بناؤ، کچھ کل بناؤ۔ ان کی یہ بات سن کر سب گھر والے ہنسنے لگے اور ہم بھی ہنس پڑے۔

علامہ شبیر احمد عثمانی کی نظر میں حضرت اعلیٰ کی قدر و منزلت : علامہ شبیر احمد عثمانیؒ نے قرآنِ عزیز کی تفسیر لکھی تھی جو مدینہ پریس بجنور سے طبع ہوئی۔ یہ تفسیر حضرت شیخ الہندؒ کے ترجمہ پر ہے البتہ اس میں سورۂ بقرہ کی تفسیر حضرت شیخ الہندؒ کی تحریر کردہ ہے۔ حضرت اعلیٰ نے اس تفسیر کے مطالعہ کے بعد علامہ عثمانیؒ کی خدمت میں ایک گرامی نامہ ارسال فرمایا۔ جس میں تحریر کیا کہ آپ نے یہ تفسیر لکھ کر اہلِ اسلام پر ایک احسانِ عظیم فرمایا ہے اور میں تہجد کی نماز پڑھ کر روزانہ آپ کی درازیٔ عمر کی دُعا کرتا ہوں کہ یہ علمی فیضان آپ کی ذات سے برابر جاری رہے۔

حضرت اعلیٰ کے وصال کے بعد مولانا محمد عبداللہ المعروف حضرت ثانی رحمہ اللہ، حضرت خان محمد صاحب قبلہ سجادہ نشین خانقاہ سراجیہ، حضرت جان محمد صاحب باگڑ والے اور ڈاکٹر محمد شریف صاحب ایک مرتبہ دیوبند تشریف لے گئے۔ ان ایام میں علامہ عثمانیؒ ذیابیطس امراض کے باعث صاحبِ فراش تھے، نیز حضرت ثانیؒ کو علامہ موصوف سے شرفِ تلمذ بھی حاصل تھا۔ لہٰذا ان کی زیارت کو باعثِ برکت سمجھتے ہوئے آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ علامہ عثمانیؒ نے ان نفوسِ قدسیہ کو گھر کے اندر بلوا لیا اور گفتگو کا آغاز اس طریق پر فرمایا کہ میرے خصوصی معالج مجھے زیادہ گفتگو سے منع کرتے ہیں لیکن میری لطافت اور فکری صلاحیتیں حالتِ مرض میں عام لوگوں کے برعکس زیادہ اُبھرتی

---

[۱] اعلیٰ حضرت مزاحاً اہلیہ محترمہ کو ڈاکٹرنی صاحبہ کے لقب سے یاد فرمایا کرتے تھے لیکن اس مزاح میں ایک حقیقت بھی تھی کہ حضرت مائی صاحبہ چھوٹے بچوں کا علاج معالجہ بعض یونانی مجربات سے خود ہی کر لیا کرتی تھیں۔

اور جلا پاتی ہیں۔ آپ نے سلسلۂ کلام جاری رکھتے ہوئے فرمایا :-

بعض لوگ ظاہری علوم پڑھتے ہیں اور کسی شیخ طریقت کی صحبت سے مستفید نہیں ہوتے جس کے باعث وہ خشک مُلا رہ جاتے ہیں، امورِ شرعیہ میں ایسے لوگوں کی تائید و توثیق کچھ حقیقت نہیں رکھتی۔ کچھ لوگ علم سے بے بہرہ ہوتے ہیں مگر کسی شیخ کی صحبت میں رہ کر ذکر و شغل کی کیفیات حاصل کر لیتے ہیں، ان کی تائید و تصدیق بھی درخورِ اعتنا نہیں

پھر آپ نے حضرت مولانا عبداللہ رحمہ اللہ کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا، آپ کے شیخ راسخ فی العلم تھے۔ اللہ تعالیٰ نے انہیں علوم شرعیہ سے کماحقہٗ نوازا تھا اور انھوں نے شیخِ کامل کی صحبت میں تمام منازلِ عرفان کو بھی طے کیا تھا میری تفسیر کے مطالعہ کے بعد جو گرامی نامہ انھوں نے مجھے لکھا ہے اسے میں نے حرزِ جاں سمجھ کر محفوظ رکھا ہے اور اپنے اعزہ و اقارب کو وصیت کی ہے کہ میری وفات کے بعد اسے میری قبر میں رکھ دیا جائے تاکہ میرے لیے نجاتِ اُخروی کا وسیلہ بن سکے۔ اہلِ طریقت کی ایمان افروزی کے لیے ہم علامہ عثمانیؒ کا جواب جو انھوں نے حضرت اعلیٰ کی خدمت میں بھیجا تھا، زیبِ قرطاس کرتے ہیں :-

از بندہ شبیر احمد عثمانی عفا اللہ عنہٗ

بخدمت گرامی مکرم و معظم جناب مولانا صاحب دامت برکاتہم

بعد سلامِ مسنون آنکہ۔ مدت ہوئی والا نامہ پہنچا تھا، میں مشغول بہت رہا۔ پھر علیل ہو گیا۔ آنکھوں میں تکلیف تھی، جس سے نوشت و خواند کا سلسلہ جاری نہ رہ سکا۔ اب الحمدللہ افاقہ ہے۔

آپ جیسے بزرگوں کی نظرِ عنایت اور دعواتِ صالحہ کا امیدوار ہوں۔ اگر میری کتاب اور فوائدِ قرآن سے جناب کو دلچسپی ہوئی اور آپ کی نگاہ میں پسندیدہ ٹھہری تو میں اس کو اپنے لیے اور کتاب کے حق میں فالِ نیک سمجھتا ہوں، شاید وہاں بھی حق تعالیٰ توشۂ آخرت بنا دے۔ حسنِ خاتمہ کے لیے دعا فرما کر بندے کو ممنون فرمائیں۔

از ڈابھیل ضلع سورت

یوم عاشورار ۱۳۵۶ھ مطابق دسمبر ۱۹۳۸ء

حضرت مولانا انور شاہؒ صاحب کشمیری کی خانقاہ سراجیہ میں تشریف آوری : حضرت انور شاہ صاحب کشمیری

مولانا حسین علی صاحبؒ کی دعوت پر میانوالی تشریف لائے۔ تشریف آوری کا مقصد بعض فروعی مسائل شرعیہ پر تصفیہ و تحقیق تھا۔ اس اجتماع میں مولانا بدر عالم، مولانا حبیب الرحمٰن صاحب لدھیانوی، مولانا مرتضیٰ حسن، سید عطاء اللہ شاہ صاحب بخاری رحمہم اللہ اور دیگر اکابر علماء شریک تھے۔ حضرت اعلیٰ مولانا انور شاہ صاحب کی ملاقات کے لیے میانوالی تشریف لے گئے اور خانقاہ سراجیہ آنے کی دعوت دی جسے حضرت انور شاہ صاحبؒ نے قبول فرمالیا۔ علامہ کشمیریؒ کی موجودگی میں مولانا حسین علی صاحبؒ نے فرمایا کہ حضرت احمد خان صاحب میرے پیر بھائی اور ہم مسلک ہیں مگر بدعات کی تردید میں شدت اختیار نہیں کرتے حالانکہ قرآنِ عزیز میں وَاغْلُظْ عَلَيْهِمْ کی نصِ قطعی موجود ہے۔ حضرت اعلیٰ نے فرمایا کہ یہ آیۂ مبارکہ جہاد سے متعلق ہے اور اس کا مصداق کفار ہیں جن پر شدت کا حکم دیا گیا ہے۔ مگر دین کی تبلیغ و اشاعت کے سلسلہ میں فَقُولَا لَهُ قَوْلًا لَّيِّنًا کا ارشاد ہے۔ علامہ کشمیری نے اعلیٰ حضرت کی رائے مبارک سے اتفاق فرمایا۔

حضرت اعلیٰ نے خضاب بالسواد کے جواز میں بہت تحقیق کی تھی۔ علامہ کشمیریؒ کی خانقاہ سراجیہ میں تشریف آوری کے بعد آپ نے اپنے تحقیقی مآخذ اور تفصیلات کو ان کی خدمت میں پیش کیا جس پر حضرت انور شاہ صاحبؒ نے فرمایا کہ اس مسئلہ میں ہر چند علمائے دیوبند کا اختلاف ہے تاہم اتنی گراں بہا تحقیق کے پیشِ نظر آپ کے لیے گنجائش کی صورت نکل سکتی ہے۔

حضرت اعلیٰ کی تحقیق کا ماحصل یہ ہے :۔

مسلم شریف کتاب اللباس والزینۃ میں حدیث جابرؓ غَيِّرُوا هٰذَا بِشَيْءٍ وَاجْتَنِبُوا السَّوَادَ (بالوں کی اس سفیدی کو کسی چیز سے بدل دو اور سیاہی سے پرہیز کرو) میں واجتنبوا السواد کی زیادتی تنقید رجال کے بعد ثابت نہیں۔ خلاصۂ بحث یہ ہے کہ اس حدیث کے چار راوی ہیں۔ جن میں دو ثقہ اور دو مدلس ہیں۔ مدلس راویوں کی روایت میں واجتنبوا السواد مروی ہے۔ جب دو ثقہ راویوں سے پوچھا گیا کہ هل روٰی جابرؓ واجتنبوا السواد تو انہوں نے کہا لا یعنی حضرت جابرؓ نے واجتنبوا السواد کا جملہ روایت نہیں کیا۔ پس غیّروا ھٰذا بشیءٍ کی روایت صحیحہ کہ سفید بالوں کا رنگ بدل لیا کرو ایک حکم عام ہے۔ خواہ سفیدی پر سیاہ رنگ کا خضاب کیا جائے یا اسے مہندی و وسمہ وغیرہ سے بدل دیا جائے۔

آپ امام نقشبندیہ ہیں : حضرت اعلیٰ کے علامہ سید انور شاہ صاحب کشمیریؒ سے بہت قریبی مراسم تھے۔

آپ ایک مرتبہ ان کی ملاقات کے لیے دیوبند تشریف لے گئے۔ دیوبند میں قیام کے دوران ایک روز حضرت علامہؒ نے اثنائے گفتگو حضرت اعلیٰ سے یہ فرمایا کہ مولانا! حدیث شریف کا درس دیتے ہوئے مجھے کبھی کبھی حلقۂ درس میں عفونت کا احساس ہوتا ہے جبکہ پیشتر درس کی فضا لطافت و پاکیزگی سے معمور ہوا کرتی تھی۔ حضرت اعلیٰ نے شاہ صاحب قبلہ سے اگلے روز فرمایا کہ آپ کے درس میں بعض طلبا کا بے وضو اور ناپاک حالت میں شریک ہونا آپ کے اس احساس اور ناگواری کا باعث ہے۔ تحقیق کرنے پر حضرت اعلیٰ کا ارشاد درست نکلا۔ چنانچہ حضرت علامہؒ نے حضرت اعلیٰ کے اس ارشاد کو اپنے ہم عصر علماء کے سامنے پیش کر کے بے حد تعریف کی اور فرمایا کہ حضرت مولٰنا احمد خان صاحب اس وقت سلسلۂ عالیہ نقشبندیہ کے امام اور عارف کامل ہیں۔

حضرت سید عطاء اللہ شاہ صاحب بخاریؒ کے لیے دُعا: حضرت خان محمد صاحب قبلہ سجادہ نشین خانقاہ سراجیہ نے بیان فرمایا کہ حضرت سید عطاء اللہ شاہ صاحب بخاریؒ راولپنڈی جیل میں اسیر تھے وہاں مولانا ظہور احمد صاحب بگوی بھیروی نے ان سے ملاقات کی۔ شاہ جی نے مولانا کے ہاتھ اعلیٰ حضرت کی خدمت میں یہ پیغام بھیجا کہ آپ زندہ ہوں اور میں جیل کی کال کوٹھڑیوں میں بند رہوں، یہ بات مناسب نظر نہیں آتی۔ مقصود رہائی کے لیے دُعا کی درخواست تھی حضرت سجادہ نشین نے فرمایا کہ میں ان ایام میں بھیرہ میں درسیات عربیہ کا طالب علم تھا۔ مولانا موصوف نے یہ پیغام مجھے پہنچایا۔ میں اعلیٰ حضرت کی خدمت میں حاضر ہوا اور شاہ جی کا پیغام دیا۔ حضرت اعلیٰ نے فرمایا اگر علالت طبعی حائل نہ ہوتی تو میں شاہ جی کو ایک دن بھی جیل میں نہ رہنے دیتا۔ اس کے بعد لدھارام والے مشہور کیس کی سماعت شروع ہوئی یہ اعلیٰ حضرت کی توجہ اور دُعا کی تاثیر تھی کہ شاہ صاحب نے اس اسیری اور بھیانک سازشوں پر مبنی مقدمہ سے نجات پائی۔

حضرت امام ربانیؒ سے والہانہ عقیدت: خانقاہ سراجیہ سے حضرت مولانا غلام محمد صاحب قادری چشتی کی خانقاہ قریب ہی واقع ہے۔ مولانا غلام محمد صاحب ایک مرتبہ سرہند شریف حضرت امام ربانی مجدد الف ثانیؒ کے روضۂ اقدس پر حاضر ہوئے، وہاں حاضر ہو کر یہ درخواست کی کہ مجھے کوئی ہدیہ عنایت فرمایا جائے۔ درخواست کے بعد اپنی قیام گاہ پر تشریف لے گئے۔ جب دوبارہ حضرت کے مزار پُر انوار پر حاضر ہوئے تو دیکھا کہ قبر مبارک پر بچھے ہوئے غلاف کی

← مفتی محمد شفیع صاحب بانی سراج العلوم سرگودھا نے یہ واقعہ مولانا شمس الحق افغانی مدظلہ شیخ التفسیر جامعہ بہاولپور سے بیان کیا اور مولانا موصوف سے حضرت خان محمد صاحب قبلہ سجادہ نشین خانقاہ سراجیہ نے سنا۔

درمیانی سطح اوپر اٹھی ہوئی ہے۔ مولانا سمجھ گئے کہ میری درخواست قبول ہو گئی ہے اور غلاف کے نیچے جو چیز بھی موجود ہے وہی میرے لیے ہدیہ ہے۔ غلاف کو اٹھا کر دیکھا تو اس کے نیچے مٹی کی ایک مدور ڈلی رکھی ہوئی تھی۔ اسے اٹھا لیا اور چند روز قیام کے بعد واپس اپنی خانقاہ میں تشریف لے آئے۔

جب مولانا کی وفات کا وقت قریب آیا تو انہوں نے حضرت اعلیٰ کو بلایا اور کہا کہ مجھے آپ پر کامل یقین ہے کہ آپ میری آخری آرزو کو پورا فرمائیں گے۔ یہ کہنے کے بعد انھوں نے حضرت مجدد الف ثانیؒ کے مزار مبارک سے ملنے والی مٹی کی ڈلی کا ذکر کیا جو انہیں ہدیہ کے طور پر عطا کی گئی تھی اور التماس کیا کہ اس مٹی کو باریک پیس کر ان کی وفات کے بعد تمام اعضائے سجدہ پر مل دیا جائے۔ حضرت اعلیٰ نے ان کی وصیت کے مطابق عمل کیا اور انگلیوں کے ساتھ تمام مٹی ان کے اعضائے سجدہ پر حسب وصیّت لگا دی۔ آپ نے اس کے بعد برتن میں پانی ڈالا اور باقی ماندہ مٹی کو گھول کر تبرکاً و تیمناً پی لیا۔

اصل فتنہ کی نشاندہی: جن ایام میں مسجد شہید گنج کی تحریک زوروں پر تھی اور اہلِ اسلام میں ہر فرد ولولہ و جوش کا مرقع تھا، حضرت اعلیٰ نے مجلس احرار کو ایک گرامی نامہ تحریر فرمایا جس میں لکھا کہ مسجد شہید گنج اگر مسلمانوں کے ہاتھ سے چلی جا رہی ہے تو اس کا غم نہ کریں، اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے مساجد پھر بھی تعمیر کی جا سکیں گی۔ ان کی حیثیت ہر حال میں ثانوی ہے۔ اسلام کے تحفظ و بقا کو اولیں اہمیت حاصل ہے اور اصل فتنہ موجودہ دور میں مرزائیت کا ہے جو وجودِ اسلام کو مٹانا چاہتا ہے، اس کے خلاف جہاد جاری رکھنا چاہیے۔ اگر اسلام محفوظ رہا تو مساجد کی کمی نہ رہے گی۔ لہٰذا بقائے اِسلام کی خاطر اپنی تمام کوشش و ہمت کو مبذول کرنا چاہیے۔

مولانا حبیب الرحمٰن صاحب لدھیانویؒ، حضرت عطاء اللہ شاہ صاحب بخاریؒ اور دیگر اکابر احرار فرمایا کرتے تھے کہ حضرت عبدالقادر رائے پوری اور حضرت اعلیٰ مولانا احمد خان صاحب وہ مبارک ہستیاں ہیں جنھوں نے مسجد شہید گنج کے سلسلہ میں ہمیں صحیح مشورے دیے اور ہمیشہ ہماری حوصلہ افزائی فرمائی۔

شفائے قاضی عیاضؒ: حضرت اعلیٰ فرمایا کرتے تھے کہ حضور رسالتمآب صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرتِ طیبہ کے سلسلہ میں قاضی عیاضؒ کی کتاب "شفا" کا مطالعہ ضروری ہے۔ یہ کتاب حضور ختمی مرتبتؐ کی حیاتِ مبارکہ کے تمام پہلوؤں پر روشنی ڈالتی ہے۔ علمائے کرام کو چاہیے کہ اس کتاب کو اکثر زیرِ مطالعہ رکھیں تاکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت

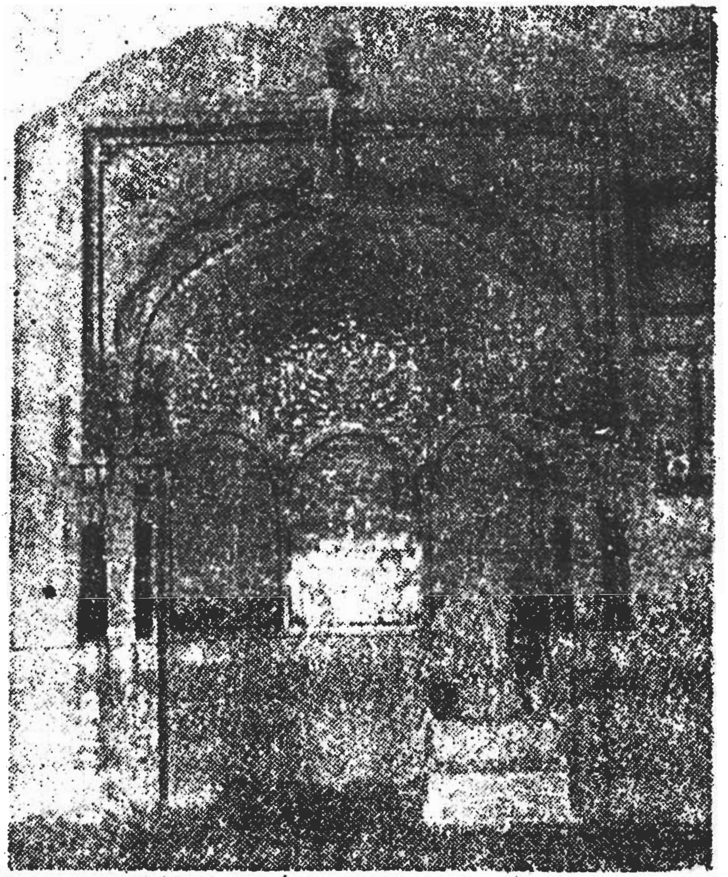

اندرونی محراب

مسجد خانقاہ سراجیہ

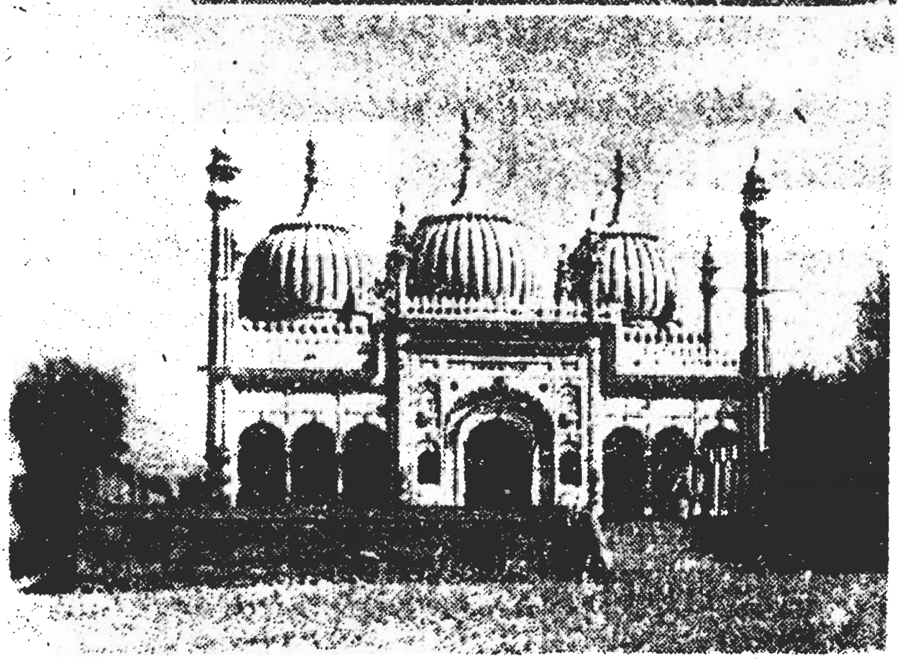

جیسے پاکیزہ موضوع پر تقریر کرتے وقت وہ مستند' جامع اور صحیح آثار و روایات کو افرادِ امت کے سامنے پیش کریں۔

مقبولیت مسجد کی پیشگوئی : میاں نامدار خان صاحب نے بیان کیا کہ خانقاہ سراجیہ کی موجودہ مسجد تعمیر کے آخری مراحل سے گزر رہی تھی اور ہم سب حضرت اعلیٰ کی خدمت میں بیٹھے ہوئے تھے۔ اہلِ مجلس میں سے کسی نے کہا کہ اگر یہ مسجد کسی شہر میں ہوتی تو کیا اچھا ہوتا۔ اس پر حضرت اعلیٰ نے جواب دیا کہ مسجد کسی شہر میں ہو یا جنگل میں' اس کی اصل زیب و زینت نمازیوں کے دم قدم سے ہے۔ انشاءاللہ ہماری مسجد قیامت تک آباد رہے گی۔ اور دور دراز علاقوں سے لوگ اسے دیکھنے کے لیے آیا کریں گے۔ ایک نشست میں حضرت اعلیٰ نے یہ جملہ بھی فرمایا تھا کہ یہاں نماز جمعہ بھی پڑھی جایا کرے گی۔

صبر و رضا کی تلقین : نیز میاں نامدار خان نے بیان کیا کہ حضرت اعلیٰ ایک دفعہ سرہند شریف حضرت مجدد الف ثانیؒ کے روضۂ اقدس پر تشریف لے گئے۔ ادھر صاحبزادہ محمد صادق صاحب علیل ہو کر گھر پہنچے اور چند روز میں ان کا وصال ہو گیا۔ حضرت اعلیٰ واپس تشریف لائے تو سب سے پہلے محمد صادق صاحبؒ کی قبر پر فاتحہ پڑھی۔ پھر گھر جا کر مبتلائے غم مستورات کو آہ و بکا سے روکا۔ جب آپ باہر آئے تو ہم سب عقیدت مند مولانا احمد دین صاحب کیلیے والے کے ساتھ الٹی چارپائیوں پر بیٹھے ہوئے تھے۔ حضرت اعلیٰ نے جب یہ صورتِ حال دیکھی تو مولانا احمد دین صاحب سے مخاطب ہوئے کہ حضرت! آپ نے عالم فاضل ہو کر اظہارِ غم کا یہ کون سا طریقہ اختیار فرمایا ہے۔ انہوں نے کہا' حضور! ان لوگوں کے رسم و رواج ہیں۔ آپ نے فرمایا' اللہ تعالیٰ کی رضاجوئی اور احکامِ دینیہ کی پیروی ہر حال میں مقدم ہونی چاہیے اور اس قسم کے رسم و رواج سے کامل اجتناب کرنا چاہیے۔ پھر سلسلۂ کلام جاری رکھتے ہوئے فرمایا: ہر شخص کو موت کا مزا چکھنا ہے' بقائے دوام اسی ذات برتر و اعلیٰ کو زیبا ہے۔ اس کی رضا کا اعتیاد کرنا عین عبادت ہے۔ اور اس کی عظمت کے سامنے کسی کو دم مارنے کی جرأت نہیں ؎

کسے زچون و چرا دم نمی تواند زد
کہ نقشبندِ حوادث ورائے چون و چراست

ایک مقروض کی قرضے سے نجات : یہ واقعہ بھی میاں نامدار خان ہی نے بیان کیا کہ ایک مرتبہ اعلیٰ حضرت میرے پھوپھی زاد بھائی محمد بخش کی دعوت پر گل میری تشریف لے گئے۔ محمد بخش ایک ساہوکار بھانو کا مقروض تھا

جو اسے قرضہ کی ادائیگی کے سلسلہ میں بار بار تنگ کیا کرتا تھا۔ وہ یہاں حضرت اعلیٰ کی موجودگی میں بھی آدھمکا۔ اور حساب بے باق کرنے کا مطالبہ کیا۔ حضرت اعلیٰ نے اسے اپنے بہی کھاتے لانے کے لیے کہا۔ جونہی وہ گھر پہنچا تو دردِ اعصاب میں مبتلا ہو گیا اور جب بہی کھاتے لایا تو ان میں محمد بخش کا حساب کتاب سرے سے مفقود تھا۔ وہ تمام حسابات جن کا اندراج اس نے اپنے ہاتھوں سے کیا تھا، صفحات سے یکسر محو ہو چکے تھے۔ حضرتِ اعلیٰ نے فرمایا کہ ایک اونٹ لے لو اور اس کا حساب بے باق کر دو۔ مگر وہ برابر یہی کہتا چلا جا رہا تھا کہ حضورؐ میری جاں بخشی فرمائی جائے۔ میں اس سے کسی قسم کا مطالبہ نہیں کرتا۔ آخرالامر محمد بخش نے اعلیٰ حضرت کی دعا و برکت سے مہاجن کے اس طویل سلسلۂ حسابات سے نجات پائی۔

فیضانِ نظر: سردار علی خاں صاحب[1] نے حضرتِ اعلیٰ کے ایک مُرید عبدالجلیل صاحبؒ سے یہ واقعہ سنا کہ آپ دورانِ سفر ایک جگہ قیام پذیر ہوئے۔ اس قصبہ میں ایک سید صاحب نے فرمایا کہ آجکل پیروں فقیروں نے دکانداری چلا رکھی ہے اور خلقِ خدا کو گمراہ کرتے پھرتے ہیں۔ ان کے یہ الفاظ اعلیٰ حضرت کے گوش گزار کیے گئے۔ آپ نے اگلے روز انہیں دس بجے ملاقات کی دعوت دی۔ شاہ صاحب جونہی حضرت اعلیٰ کے کمرے میں داخل ہوئے، آپ نے ان پر توجہ فرمائی اور وہ زمین پر گر کر تڑپنے لگے۔ کچھ دیر بعد جب ہوش آیا تو شاہ صاحب نے حضرتِ اعلیٰ کے قدموں پر سر رکھ دیا اور بیعت کی درخواست کی۔ آپ نے فرمایا ابھی تمہیں بیعت نہیں کریں گے۔ پہلے یہ دیکھو کہ کون سا سودا اس دکان میں موجود نہیں ہے۔ اس کے بعد ارشاد فرمایا کہ دورانِ سفر تمہیں بیعت نہیں کریں گے البتہ اگر خانقاہ سراجیہ آجاؤ تو وہاں داخل طریق کر لیں گے۔ چنانچہ وہ خانقاہ سراجیہ تشریف لا کر داخلِ طریقہ ہوئے۔ ایک ماہ قیام کیا اور ان مقاماتِ عالیہ پر فائز ہوئے جو سالہا سال کی ریاضت کے بعد نصیب ہوتے ہیں۔

حضورِ رسالت مآب ﷺ کا خطاب: حضرت سید مغیث الدین شاہ صاحبؒ نے فرمایا کہ حضرت اعلیٰ نے حج بیت اللہ شریف سے فارغ ہو کر رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کے روضۂ اطہر کی زیارت کی۔ مدینہ منورہ میں قیام کے دوران ایک روز حضورؐ کے روضۂ اقدس پر اس وقت حاضر ہوئے جب مواجہ شریف کے پاس کوئی فرد موجود نہ تھا۔ آپ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں سلام پیش کیا اور حضور رسالت مآبؐ کا جواب مبارک اپنے کانوں سے سُنا۔

---

[1] سردار علی خان صاحب بھٹی۔ ساکن کوٹلہ ضلع گجرات

انتہائے کرم: صوفی محمد عبداللہ صاحب نے جو نصف صدی سے خانقاہ سراجیہ کے ساتھ وابستہ ہیں، بیان کیا کہ اعلیٰ حضرت زندگی کے آخری ایام میں فرمایا کرتے تھے کہ میں نے کسی مُرید کو محروم نہیں رکھا۔ ہر شخص کو حسبِ استعداد سلسلۂ عالیہ نقشبندیہ مجددیہ کے فیوض و برکات سے بہرہ ور کیا ہے۔ تعلیم و تربیت کا یہ دور مکمل ہو چکا ہے اور اب آرزو ہے کہ اگر ذات باری تعالیٰ فرصت عطا فرمائے تو ایک نئے دور کا آغاز ہو۔ پہلے کی طرح طالبانِ حق کو داخلِ طریقہ کروں اور انہیں وصول الی اللہ کی تمام منازل طے کراؤں۔

جس مجلس میں حضرت اعلیٰ نے یہ ارشاد فرمایا اس میں جس قدر متوسلینِ سلسلہ موجود تھے تمام کو بیک وقت ترویج طریقہ کی اجازت مرحمت فرمائی۔ ڈاکٹر محمد شریف صاحب، میاں علی بہادر صاحب، میاں اللہ یار صاحب اور دیگر حضرات شریکِ مجلس تھے۔

درِ فیض است منشیں از اجابت نا امید اینجا
برنگِ دانہ از ہر قفل می روید کلید اینجا

جامع کمالات ہستی: میاں نامدار صاحب کا بیان ہے کہ ہم حضرتِ اعلیٰ کی زمین میں ہل چلا رہے تھے، سخت گرمی کا موسم تھا۔ اتنے میں آپ گھر سے باہر تشریف لائے اور مجھ سے مخاطب ہوئے کہ احمد لانگری کو اللہ تعالیٰ نے فرزند عطا کیا ہے اگر مولا کریم تمہیں بھی کوئی فرزند عطا فرمائے تو کس قدر مقامِ مسرت ہو۔ میاں صاحب موصوف نے جواب دیا کہ یہ حضور کی دعا اور کرم نوازی ہو گی۔ دریں اثنا حضرت اعلیٰ کا ایک مُرید لنگر کے لیے سر پر اچار کا ایک بڑا برتن رکھے کندیاں کی طرف سے آتا ہوا دکھائی دیا۔ آپ نے اسے دیکھ کر کہا ہمارے ساتھیوں کو سفر میں سخت تکلیف برداشت کرنا پڑتی ہے۔ اس کے بعد آپ نے مغرب کی جانب اشارہ کرتے ہوئے فرمایا:

"درویشو اور دوستو! دعا کرو یہاں کوئی ریلوے سٹیشن بن جائے جس سے آمد و رفت میں سہولت ہو۔"

پھر راوی کا بیان ہے کہ میں نے حضرت اعلیٰ کی تین کرامتوں کا بچشم خود مشاہدہ کیا:

ا: جس سمت آپ نے اشارہ کیا تھا، خانقاہ سراجیہ ریلوے سٹیشن وہیں بنا۔

ب: اللہ تعالیٰ نے مجھے فرزند عطا کیا۔

ج : فرزند مسعود ولادت کے چند روز بعد سخت بیمار ہوا اور اس نے آپ کی دعا سے صحت کاملہ پائی۔

بحمد اللہ حیات ہے اور صاحبِ اہل وعیال ہے۔

میاں نامدار صاحب کا کہنا ہے کہ ہم سالہا سال حضرت اعلیٰ کی خدمت میں رہے، آپ نے کسی معاملے میں کبھی تعلی یا تمکنت کا اظہار نہیں فرمایا۔ ہمیشہ تواضع وانکساری کو شعار بنایا۔ البتہ جب کسی کام کے بارے میں حضرتِ اعلیٰ یہ فرما دیتے تھے کہ اگر اس طرح ہو جائے تو بہت اچھا ہے۔ اس وقت ہمارا دل گواہی دیتا تھا کہ آپ کا یہ ارشاد اب تقدیرِ الٰہی کی صورت وارد ہونے والا ہے اور کائنات کی کوئی چیز اسے رد نہ کر سکے گی۔

چند ایمان افروز مشاہدات

اس عنوان کے تحت ہم قارئین کرام کو مولانا عبدالستار صاحب سے متعارف کراتے ہیں۔ وہ اعلیٰ حضرت کے خلیفۂ مجاز ہیں اور اس دور کے خدام میں سے ہیں جب حضرتِ اعلیٰ کا قیام بکھڑا شریف میں تھا۔ عمر مبارک ۱۰۲ سال ہے بڑے فاضل اور صاحبِ کمالات بزرگ ہیں۔ درجِ ذیل واقعات انھوں نے بیان کیے۔

<u>سیدنا مجدد الف ثانیؒ اور خواجگان سرہند کی روحانی زیارت</u> : ایک مرتبہ اعلیٰ حضرت سرہند شریف حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی قدس سرہٗ کے روضۂ اقدس پر تشریف لے گئے۔ آپ کے ہمراہ درویشوں کی ایک خاصی جماعت تھی جن میں مولانا عبدالستار صاحب بھی شامل تھے۔ حضرت اعلیٰ نے شبانہ روز خدمات کی بجا آوری پر مولانا موصوف کو مامور فرمایا تھا۔ قیام کے دوران ایک روز علی الصبح آپ حضرت مجدد الف ثانیؒ کے مزار مبارک پر تشریف لے گئے۔ کچھ دیر وہاں مراقبہ کرنے کے بعد اپنے حجرے میں واپس آ گئے، جہاں دیگر عقیدت مند آپ کے منتظر تھے۔ چائے تیار تھی جو خدمت میں پیش کر دی گئی۔ جونہی مولانا نے چائے کی پیالی کو ہاتھ لگایا دیکھا کہ حضرت مجدد الف ثانی، خواجہ محمد معصوم، حجۃ اللہ نقشبند ثانی، خواجہ سیف الدین اور خواجہ محمد زبیر قدس اللہ تعالیٰ اسرارہم روحانی طور پر تشریف لے آئے ہیں۔ البتہ خواجہ محمد زبیر صاحبؒ ذرا پیچھے ہٹ کر کھڑے تھے۔ مولانا یہ منظر دیکھ کر یکایک احتراماً اٹھ کھڑے ہوئے۔ چائے کی پیالی ہاتھ سے گری اور چائے قالین پر بہہ گئی۔ حضرت اعلیٰ اور دیگر متوسلین بھی فوراً تعظیم کے لیے اٹھ کھڑے ہوئے۔ کچھ دیر بعد جب یہ نفوسِ قدسیہ تشریف لے جا چکے تو مولانا موصوف نے حضرت اعلیٰ سے کہا "حضور! معافی کا خواستگار ہوں کہ میں

نے اکابرِ مجددیہ کے احترام کی بجاآوری میں آپ پر سبقت کی" اس پر آپ نے فرمایا: "بھولے فقیر! تو نے بالکل درست کیا ہے، اس میں ناراضی کی کوئی بات نہیں۔"

عذابِ قبر کا ازالہ: مولانا موصوف نے بیان کیا کہ ہم حضرت غلام محمد صاحب قادری چشتی رحمہ اللہ کا جنازہ لے کر ان کی ذاتی زمین میں تدفین کے لیے پہنچے، قبرستان بھی پاس ہی تھا۔ قبر ابھی کھودی جا رہی تھی، لہذا جنازہ وہاں رکھ کر ہم سب بیٹھ گئے۔ مولانا موصوف نے ایک قبر کے پاس بیٹھ کر مراقبہ کیا اور دیکھا کہ قبر میں مدفون شخص آگ میں جل رہا ہے۔ یہ دیکھ کر مولانا کو پسینہ آگیا اور چہرے کا رنگ متغیر ہو گیا۔ اعلیٰ حضرت قریب ہی تشریف فرما تھے، چنانچہ کسی نے مولانا کے اس مشاہدے کو آپ تک پہنچا دیا۔ حضرت اعلیٰ نے بنفسِ نفیس وہاں مراقبہ کیا، خصوصی توجہ مبذول فرمائی اور یوں لب کشا ہوئے کہ اللہ تعالیٰ نے اس شخص کا نصف عذاب دُور کر دیا ہے، اب اس کے پسماندگان سے کہو کہ وہ اسے ختمِ قرآن شریف کا ایصالِ ثواب کریں جس سے باقی عذاب بھی ٹل جائے گا۔ چنانچہ انھوں نے حضرت اعلیٰ کے ارشاد کے مطابق عمل کیا۔ اس کے بعد مولانا دوبارہ اس شخص کی قبر پر گئے اور مراقبہ کیا، دیکھا کہ اس سے عذابِ الٰہی دور ہو گیا اور وہ جنت میں مقیم ہے۔

نسبتِ شیخ کا صحیح مقام: کھولہ شریف میں قیام کے دوران ایک مرتبہ اعلیٰ حضرت نے مولانا کو گل میری اور نانگنی سے مرغیاں لانے کے لیے بھیجا۔ ان ہر دو مقامات کا فاصلہ کھولہ شریف سے بارہ تیرہ میل تھا۔ چنانچہ مولانا کمربستہ ہو گئے اور منزلِ مقصود کی طرف روانہ ہوئے۔ اس ریگ زار کو آپ دوڑتے ہوئے طے کر رہے تھے۔ اثنائے سفر ایک نورانی چہرہ والے سفید ریش بزرگ ملے۔ انھوں نے سلام مسنون کے بعد مولانا سے مصافحہ کیا اور فرمایا کہ میں خضرؑ ہوں کچھ دیر میرے پاس ٹھہر جاؤ۔ مولانا نے جواب دیا۔

"میرا خضر کھولہ شریف میں پیچھے بیٹھا ہوا ہے۔ اس نے مجھے گل میری اور نانگنی سے مرغیاں لانے کا حکم دیا ہے۔ لہذا اجازت دیجیے میں ٹھہر نہیں سکتا۔"

اس پر سیدنا خضر علیہ السلام نے فرمایا: مبارک ہو، مبارک ہو۔

مولانا نے ہر دو قصبوں سے مرغیاں لے کر ایک ٹوکرے میں ڈالیں جسے وہ اپنے ساتھ لے گئے تھے اور تیز رفتاری سے واپسی کا سفر شروع کیا۔ نمازِ مغرب موضع ٹبی کی مسجد میں ادا کی مگر مرغیوں کا ٹوکرا ذہن سے اتر گیا۔ جب اعلیٰ حضرت

کی خدمت میں حاضر ہوئے تو آپ نے فرمایا' عبدالستار! تم آگئے۔ ہماری مرغیاں کہاں ہیں؟ اس پر مولانا موصوف کو یاد آیا کہ مرغیوں کا ٹوکرا مسجد میں چھوڑ آئے ہیں۔ چنانچہ اسی وقت دوڑتے ہوئے وہاں پہنچے۔ ٹوکرے کو اٹھایا اور حضرت اعلیٰ کی خدمت میں لے آئے۔ اعلیٰ حضرت نے مولانا سے فرمایا کہ اپنے سفر کی کیفیت بیان کرو۔ چنانچہ انھوں نے سیدنا خضر علیہ السلام سے ملاقات کا واقعہ من وعن بیان کر دیا۔ اعلیٰ حضرت نے فرمایا تمھیں خضر علیہ السلام کو اس انداز سے جواب دینے کا طریقہ کس نے سکھایا؟ مولانا نے آسمان کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا" اللہ تعالیٰ نے آپ کی بدولت" اس پر حضرتِ اعلیٰ نے آپ کو گلے لگا لیا اور فرمایا" مرحبا۔ مرحبا"

انوارِ الٰہیہ کا نزول: مولانا موصوف کو اعلیٰ حضرت کے سوانح حیات مرتب کرنے کے سلسلہ میں ۶ جولائی ۱۹۷۲ء کو خانقاہ سراجیہ بلایا گیا۔ آپ نے رات خانقاہ میں قیام کیا۔ سحری کے وقت اٹھے اور حضرت اعلیٰ کے مزار کی جانب چل دیے۔ جب احاطۂ مزارات میں داخل ہوئے تو مدت مدید کے بعد حاضر ہونے کا احساس دامنگیر ہوا جس کی ندامت کے باعث وہیں ٹھہر گئے۔ چنانچہ حضرتِ اعلیٰ کی قبر مبارک سے یہ ندا آئی ؂

اے دوست بیا کہ ما ترائیم بیگانہ مشو کہ آشنائیم

(اے دوست! آجا کہ ہم تیرے ہیں۔ بیگانگی اختیار نہ کر کہ ہم تیرے آشنا ہیں)

اس ارشاد سے انہیں تسلی ہوئی۔ مزار کے قریب بیٹھ کر سوا گھنٹہ مراقبہ کیا۔ مولانا نے فرمایا کہ آج حضرت اعلیٰ کے مزار پر میں نے اللہ تعالیٰ کے ان انوار وتجلیات کا بعینہٖ مشاہدہ کیا ہے جو حرمین شریفین میں قیام کے دوران دیکھے تھے۔

حضرتِ اعلیٰ کا ذوقِ سخن

اللہ رب العزت نے حضرت اعلیٰ کو جہاں عرفانِ ذات کے بلند و بالا مقامات پر فائز کیا تھا' وہاں آپ کو ذوقِ سخن کی تمام صلاحیتوں سے بھی بدرجۂ اتم نوازا تھا۔ اس متاعِ گراں بہا کو آپ روزِ ازل سے اپنے ساتھ سمیٹ لائے تھے۔ ذوقِ سخن دراصل اس پاکیزہ کیفیت کا نام ہے جو دردمند' صاحب دل اور سوز و گداز سے معمور حضرات کو نصیب ہوتی ہے۔ جس دل میں دردمندی کا جوہر نہ ہو' وہ شعری لطافتوں سے بہرہ ور نہیں ہو سکتا پھر یہ کیفیت ہمیشہ صاحبِ طرز ادیب کی پشت پناہی کرتی ہے۔ بسا اوقات کوئی مفہوم مبہم ہوتا ہے تو کسی عمدہ

شعر کا پیوند اسے واضح کر دیتا ہے۔ کوئی سادہ اور سلیس بیان ہو تو شعر اس میں حسن اور رنگینی پیدا کر دیتا ہے، نیز بیان کے اس تنوع کے باعث قاری مسلسل آگے بڑھتا چلا جاتا ہے اور یکسوئی کا تار ٹوٹنے نہیں پاتا۔ مزید یہ کہ انشاپرداز بھی تحریر کرتے وقت نظم کے جواہر ریزوں سے متکیف ہوتا ہے اور انہیں سلک آبدار کی صورت میں پروتا ہوا چلا جاتا ہے۔

حضرت حسان بن ثابتؓ عظیم شاعر اور مداحِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم تھے۔ حضور رسالت مآبؐ نے ان کے حق میں یہ دُعا فرمائی تھی کہ اے اللہ! رُوح القدس سے حسان بن ثابتؓ کی مدد فرما۔ چنانچہ آپ ارتجالاً قصائد لکھ دیتے تھے جن میں حضورؐ کی شان اور محاسنِ اسلام کا بیان ہوتا تھا۔

حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہٗ نے اپنے مکتوبات میں متعدد مقامات پر عربی و فارسی اشعار کے حوالے سے اپنے موضوعِ بحث اور مطالب کو روشن تر اور مزین فرمایا ہے۔ مثلاً مقامات سلوک کی مشکلات و موانع کے بیان میں آپ نے اکثر یہ شعر تحریر کیا ہے ؎

كَيْفَ الْوُصُوْلُ إِلٰى سُعَادَ وَ دُوْنَهَا
قُلَلُ الْجِبَالِ وَ دُوْنَهُنَّ خُيُوْفُ[1]

اسی طرح حضرت امام ربانی قدس سرہٗ نے اہلِ طلب کا انوارِ الٰہیہ سے سیراب ہونے کے باوجود تشنگی کا اظہار کرنا اور لمحہ بھر کی مہجوری کو ایک عمر کی جدائی محسوس کرنا اور اس قسم کے دیگر احساسات کو اس شعر سے واضح کیا ہے ؎

وصال گر ہمہ عمر است، عمر یک نفس است　　فراق گر سر موئے است، کوہِ الوند است

گویا سخن فہمی کا یہ پاکیزہ سرمایہ بھی فیضانِ مجددیہ میں شامل ہے۔ چنانچہ حضرت اعلیٰ کے فارسی انشاء کا انداز بالکل حضرت امام ربانیؒ کا ہے۔ اور اردو و فارسی کے وہ اشعار جو آپ نے اپنے مکتوبات میں تحریر فرمائے یا آپ کے ارادتمندوں نے حضرت اعلیٰ کی زبانِ فیض ترجمان سے سُنے، آپ کے ذوق کی لطافت و نفاست پر شاہد ہیں۔ اعلیٰ حضرت کا ذوقِ سخن بہت بلند تھا۔ محفل میں بیٹھے ہوئے کبھی کوئی شعر پڑھتے، تو سامعین پر وجد طاری ہو جاتا تھا۔

ماسٹر خوشی محمد صاحب ساکنہ میاں چنوں نے، جو حضرتِ اعلیٰ کے دیرینہ متوسلین میں سے ہیں، راقم الحروف

---

[1] محبوبہ سعاد کی طرف رسائی کیسے ممکن ہے جبکہ اس سے پہلے بلند پہاڑ ہیں اور ان سے آگے ریگ زار ہیں۔

سے بیان کیا کہ حضرت اعلیٰ ایک مرتبہ جالندھر تشریف لے گئے۔ وہاں قیام کے دوران ایک ادبی محفل میں ماسٹر صاحب موصوف بھی شریک تھے۔ اعلیٰ پایہ کے علمی موضوعات پر بحث جاری تھی، اسی اثناء میں اعلیٰ حضرت حالتِ استغراق میں چلے گئے۔ تھوڑی دیر بعد اس کیفیت کے ختم ہونے پر فرمایا:

"صاحب! وحدت الوجود کا تعلق دل سے ہے، کتنا ہی بڑا مولوی کیوں نہ ہو، مسئلے کی تہ تک نہیں پہنچ سکتا ائمہ دین تمام اہلِ کشف تھے۔ اپنی قوتِ مکاشفہ سے دریافتِ مسئلہ کر لیتے تھے"۔

مجلس کے برخاست ہونے کے بعد تمام احباب اجازت لے کر چلے گئے۔ اعلیٰ حضرت چارپائی پر لیٹے ہوئے یہ رباعی دلآویز لہجے میں پڑھ رہے تھے:۔

سرِ غمِ عشق بوالہوس را ندہند   سوزِ دلِ پروانہ مگس را ندہند
عمرے باید کہ یار آید بہ کنار   ایں دولتِ سرمد ہمہ کس را ندہند

ٹوبہ میں قیام کے دوران ایک مرتبہ حضرت اعلیٰ نے ماسٹر خوشی محمد صاحب ناؔظر سے کوئی نظم سنانے کے لیے فرمایا چنانچہ ماسٹر صاحب موصوف نے جلیؔل دکنی کی ایک غزل مترنم آواز کے ساتھ سُنائی۔ اس غزل کا مقطع یہ تھا۔

صُحبتِ پیرِ مُغاں سے یہ کھُلا رازِ جلیؔل   خلد کہتے ہیں جسے، نام ہے میخانے کا

آپ نے یہ اشعار سُن کر فرمایا جلیؔل دکنی عمدہ شاعر ہے۔ جب ماسٹر صاحب نے یہ اشعار سُنا دیے تو حضرت اعلیٰ نے فرمایا:۔ تم میرا تصور کر لیا کرو۔ ماسٹر صاحب موصُوف کا بیان ہے کہ حضرت اعلیٰ کی عنایت سے آپ کا تصور دل میں اس قدر راسخ ہو چکا ہے کہ اب مرتے دم تک نکل نہیں سکتا۔

ماسٹر صاحب موصُوف نے ایک مراسلہ میں مقاماتِ سلوک کے حصُول کا اظہار فرمایا تو حضرت اعلیٰ نے جواباً میں سیر و سلوک کی دشواریوں اور موانع کو حضرت امیر خسروؒ کے اس شعر سے واضح فرمایا۔

ایں شربتِ عاشقی است خسروؔ   بے خونِ جگر چشید نتواں

ایک مرتبہ حضرت اعلیٰ کسی سفر پر جا رہے تھے۔ گاڑی میں ابھی دیر تھی۔ لہٰذا ویٹنگ روم میں تشریف فرما ہُوئے۔ تمام ارادتمند اور وابستگانِ سلسلہ بھی آپ کے پاس بیٹھ گئے۔ اسی اثناء میں ایک عورت جو کردار کے اعتبار سے ناپسندیدہ تھی، اعلیٰ حضرت کی زیارت کے لیے آگے بڑھی، خدام نے اس کی ہئیت کذائی دیکھ کر سختی

سے روکا مگر آپ نے تمام حضرات کو منع فرمایا اور اسے آنے کی اجازت دے دی۔ اس نے پاس آکر درد انگیز لہجے میں اپنے حسبِ حال یہ شعر پڑھا ؎

ما ز نو از یک گلستانیم از ما رو متاب　　　آنکہ از قدرت ترا گل کرد ما را خار ساخت

یہ شعر سُن کر حضرت اعلیٰ پر رقت آگئی اور گریہ طاری ہو گیا۔ گاڑی میں سوار ہونے کے بعد بھی اشک باری کا یہ سیلاب مسلسل جاری رہا۔

صاحبزادہ محمد سعید رحمہ اللہ سے خاص قلبی لگاؤ تھا۔ ان کے وصال کا سخت صدمہ ہوا۔ چنانچہ حضرت اعلیٰ ان کے وصال کے بعد یہ شعر اکثر پڑھا کرتے تھے ؎

توڑ بیٹھے جبکہ ہم جام و سبو، پھر ہم کو کیا　　　آسماں سے بادۂ گلگوں اگر برسا کرے

حضرت اعلیٰ کے پسندیدہ پنجابی اشعار: حضرت اعلیٰ کی بارگاہ میں طالبانِ حق کی کمی نہ تھی جو اطراف و جوانب سے تہذیبِ نفس اور اصلاحِ باطن کے لیے آتے تھے، ان پر علمائے کرام کا اجتماع مستزاد تھا۔ لہٰذا اہلِ علم حضرات کی مجالس بڑی معلومات افزا ہوتی تھیں۔ فقہ، تفسیر، حدیث اور عرفانِ الٰہی ایسے عظیم الشان موضوعات اکثر زیرِ بحث رہتے تھے لیکن ان کے علاوہ ایک دوسرا طبقہ بھی حضرتِ اعلیٰ کے ارادتمندوں میں شامل تھا جو معمولی پڑھا لکھا تھا یا ناخواندہ تھا۔ مگر یہ افراد آپ کی ذاتِ گرامی سے بے مثال نیازمندی اور لازوال عقیدت رکھتے تھے۔ ظاہر ہے کہ فارسی و عربی عبارات اور ان کے دقیق مسائل ان حضرات کی تشنہ لبی کا مداوا نہ کر سکتے تھے۔ لہٰذا دنیا کی بے ثباتی، باطن کی صفائی، ذاتِ باری تعالیٰ کا عرفان اور منازلِ فقر ایسے مقامات انہیں پنجابی زبان ہی میں سمجھائے جا سکتے تھے۔ چنانچہ صاحبِ دل اور باکمال پنجابی شعراء کا کلام تسہیلِ مطالب کا کام دیتا تھا۔ یہاں یہ کہنا بھی بے محل نہ ہوگا کہ متداولہ علوم میں مہارت کے ساتھ حضرت اعلیٰ کو پنجابی زبان اور اس کے ادبیات پر کامل عبور تھا۔ پنجابی شعراء پر آپ کا تبصرہ خصوصی اہمیت کا حامل ہوتا تھا۔ کھولہ شریف میں آپ کی سکونت کے دوران بچوں اور بچیوں میں یہ کامن خاص طور پر مشہور تھے:

پانی بھر دی آں ڈولاں دے

اوہ غم کیوں کرے جیندا مرشد کھولاں تے

خانقاہ سراجیہ کے مضافات میں بسنے والے یہ عقیدت مند جب حضرت اعلیٰ کی زیارت کے لیے آتے تو ایک وارفتگی و سرشاری کے عالم میں مختلف دلآویز پنجابی اشعار پڑھتے ہوئے سفر کرتے تھے۔ بعض مُرید بڑی دردناک لَے میں یہ شعر پڑھتے تھے ؎

گڈی چلی اے مُلتان کولوں

منگاواں دُعائیں ہمیشہ حاجی احمد خان کولوں

میاں نامدار صاحب کا بیان ہے کہ حضرت اعلیٰ اکثر ہمیں مشہور پنجابی متصوف شاعر علی حیدر کا کلام سنایا کرتے تھے اور ہم سے سُنا بھی کرتے تھے۔ بارہا یہ فرمایا کہ علی حیدر کامل بزرگ بھی تھے اور بلند پایہ صوفی شاعر بھی۔

علی حیدر مرحوم کا ایک دل نشیں بند جو آپ زبانِ فیض ترجمان سے اکثر ادا فرماتے :۔

اس پردیس نوں اساں کر وطن بنایا، تیں دلبر دے سانگے

وسن مینہ تے اچھلن ندیاں، تار ہوئے سارے لانگے

تارے سارے ترز وہندے، پیئے غافل غوطے کھاندے

آ علی حیدر اساں گل لگ ملیے، متاں مرونجاں ترساندے

حضرت خواجہ غریبؒ نواز کا ارشادِ مبارک : حضرت مولانا قاضی صدرالدین صاحب مدظلہ نے فرمایا کہ میں حیدرآباد دکن میں تھا۔ وہاں ایک صاحب سے مُلاقات ہوئی جو حضرت مسکین شاہ صاحبؒ کے مُریدوں میں سے تھے۔ وہ اپنے شیخ کے وصال کے بعد سخت حیران و سرگرداں رہے۔ اسی حالت میں انھوں نے اِرادہ کیا کہ حرمین شریفین کا سفر کریں اور رسالتمآب صلی اللہ علیہ وسلم کے روضۂ پاک کی زیارت سے کشائشِ باطن حاصل کریں لیکن یہ خیال مانع ہُوا کہ آلودہ دامنی کے ساتھ اس مبارک و مقدس بارگاہ میں جانا مناسب نہیں۔ متعدد بزرگوں کی خدمت میں حاضر ہوئے لیکن سکون و جمعیت کی دولت کہیں سے میسّر نہ آسکی۔ آخر کار اجمیر شریف گئے اور حضرت خواجہ معین الدین چشتی اجمیری قدس سرہ العزیز کے مزارِ مبارک پر حاضر ہوئے۔ رُوحانیت خواجہؒ نے خطاب فرمایا کہ فلاں دریا کے کنارے موضع کھولہ میں فلاں بزرگ ہیں۔ تمہارا حصّہ ان کے پاس ہے اور راستہ کی نشاندہی بھی فرما دی۔ وہاں حاضر ہوئے تو اعلیٰ حضرت ابو السعد احمد خان رحمہ اللہ کو مسندِ ارشاد پر متمکن پایا اور حضرت

خواجہ غریب نوازؒ کے ارشاد کے بموجب شرفِ بیعت حاصل کر کے وہ کمالات و مقامات مشاہدہ کیے جو حیطۂ تحریر میں نہیں آسکتے۔

حضرت قاضی صاحب موصوف فرماتے ہیں کہ جب میں نے ان سے یہ واقعہ سُنا تو میرے دل میں بھی حضرت اعلیٰ کی خدمت میں حاضری کا ایک جذبۂ قوی پیدا ہُوا۔ وہاں سے واپس آکر خدمتِ اقدس میں حاضر ہُوا اور آپ کی بیعت سے سرفراز ہُوا۔

حضرت اعلیٰ کے وجُودِ رُوحانی کی وُسعت : حضرت قاضی صدرُالدین صاحب مدظلہٗ نے فرمایا کہ اللہ تعالےٰ نے انسان کو روحانیت کے لحاظ سے اعلیٰ قوت عطا فرمائی اور مادیت کے اعتبار سے بھی بلند مقام عطا کیا ہے۔ چنانچہ رُوحانیت و مادیت کے معتدل امتزاج سے انسان احسن التقویم کی خلعت سے سرفراز ہوا ہے۔ تصفیہ و تزکیہ کے بعد جب روحانیت، مادیت پر غلبہ حاصل کر لیتی ہے تو وجُودِ روحانی کو وہ عظمت و وسعت نصیب ہوتی ہے کہ عقلِ انسانی اس کے ادراک سے قاصر ہے۔ اعمال بلند ہوں گے تو وجُودِ روحانی وسیع ہوگا اور اگر اعمال پست ہوں گے تو وجودِ رُوحانی اسی مناسبت سے فروتر ہوگا۔ ایک مرتبہ قاضی صاحب موصوف نے اعلیٰ حضرت کے وجودِ روحانی کا مشاہدہ کیا۔ یہ بیان انھی کی زبانی سنیے :

"مجھے اوائلِ سلوک میں بعض اوقات دنیا کی طرف رغبت ہوتی تھی مگر چاہتا تھا کہ یہ بھی زائل ہو جائے اور اپنے خیالِ ناقص میں یہ سمجھتا تھا کہ اعلیٰ حضرت کی خانقاہ شریف میں عمدہ قسم کی زیب و زینت اور بیش قیمت ساز و سامان موجُود ہے۔ لہٰذا شیخ کو اسبابِ دنیوی کی طرف کسی مصلحت سے رغبت ہے۔ اور میری یہ رغبت اسی کا عکس ہے۔ چنانچہ رغبتِ دنیوی کے ازالہ کی نیت سے ایک مجذوب کے پاس گیا جو پہاڑ کی ڈھلوان چوٹی پر بیٹھا رہتا تھا۔ ہر چند وہ ایک مجذوب تھا اور علم سے ناآشنا بھی مگر اس نے نہایت عارفانہ گفتگو کی۔ دریں اثنا حضرۃ اعلیٰ روحانی طور پر ایسے عظیم و وسیع وجُود کے ساتھ جلوہ گر ہوئے کہ سر آسمان تک پہنچا ہُوا تھا۔ ایک ہاتھ جنوب اور دوسرا شمال کو محیط تھا جس کے آگے اس مجذوب کی ہستی لاشے ہوگئی۔ میں وہاں سے واپس آیا اور اپنے خیال سے تائب ہُوا۔ پھر مولا کریم نے مجھے رابطہ و محبتِ شیخ میں رسُوخِ کامل عطا کیا۔"

اعلیٰ حضرت کی خصوصی توجہات : قاضی صاحب موصوف نے ایک دفعہ موسم گرما میں خانقاہ شریف قیام فرمایا

اور بیمار ہو گئے۔ ان ایام میں اعلیٰ حضرت بھی علیل تھے اور حکیم چن پیر صاحب اور حکیم عبدالجبار صاحب کے زیرِ علاج تھے حضرت اعلیٰ نے اپنے اطباء سے فرمایا کہ وہ قاضی صاحب موصوف کے علاج کی طرف توجہ دیں۔ اطبا نے ان کی نبض وغیرہ دیکھ کر عرض کیا کہ یہاں کی گرمی کی وجہ سے ان کے ارواحِ طبعی جل چکے ہیں لہٰذا یہ ایبٹ آباد رہ کر اپنا علاج معالجہ کرائیں۔ حضرت اعلیٰ نے فرمایا کہ نسخہ تجویز کر دیں اور دوائیں بنا دیں، یہ ایبٹ آباد جا کر انھیں استعمال کریں گے۔ قاضی صاحب موصوف کو یہ خیال گزرا کہ اب خانقاہ شریف میں مزید قیام ممکن نہیں نیز یہاں کی حاضری اور تحصیلِ کمالات سے بھی محروم رہ جائیں گے۔ چنانچہ طبیعت میں سخت افسردگی پیدا ہوئی۔ اعلیٰ حضرت نے قاضی صاحب موصوف کے چہرے کے تاثرات کو پڑھنے کے بعد ان پر ایک نگاہِ التفات ڈالی جس سے تمام امراض کا ازالہ ہو گیا۔ اطبا نے دیکھا تو حیران رہ گئے کہ چشم زدن میں تمام امراض کیسے زائل ہو گئے؟

قاضی صاحب موصوف کو دردِ سر کی مسلسل تکلیف رہتی تھی جو کسی طرح دُور نہ ہوتی تھی۔ اسی دوران اعلیٰ حضرت نے کرم فرما کر آپ کو طریقۂ پاک کی اجازت ان الفاظ کے ساتھ عطا کی کہ جس طرح میرے شیخ نے مجھے اجازت دی ہے، اسی طرح میں آپ کو اجازت دیتا ہوں۔ قاضی صاحب موصوف نے معذرت کے ساتھ کہا کہ حضور! میں مختلف عوارضِ جسمانی دردِ سر وغیرہ میں مدتِ مدید سے مبتلا ہوں لہٰذا اس بارِ امانت کے اٹھانے کی تاب نہ لا سکوں گا۔ حضرت اعلیٰ نے یہ سن کر فرمایا: فکر نہ کریں، اللہ تعالیٰ آپ کو مکمل صحت و توانائی عطا فرمائے گا۔ چنانچہ آپ کے اس فرمان کے بعد تمام عوارضِ جسمانی دردِ سر وغیرہ کافور ہو گئے۔ اور بحمدہٖ تعالیٰ طاقت و صحت بھی بحال ہو گئی۔

درجِ ذیل روایات ماسٹر خوشی محمد صاحب زار کی وساطت سے جو حضرت اعلیٰ کے قدیم متوسلین میں سے ہیں، ہم تک پہنچی ہیں۔ افسوس کہ اعلیٰ حضرت کے مبارک ارشادات جو فقہ، تفسیر، حدیث اور دیگر امورِ دینیہ سے متعلق تھے، آپ کے ارادتمندانِ باصفا کے سینوں میں محفوظ رہے اور کسی تحریری شکل میں نہ آ سکے۔ اگر انہیں جمع کیا جاتا، تو ایک ضخیم کتاب تیار ہو جاتی اور اب تو ان اسرار و رموز کے امین بھی بہت کم باقی رہ گئے ہیں۔ بہرحال اس سلسلہ میں جو کچھ دستیاب ہو سکا، قارئین کرام کے پیشِ خدمت ہے ؎

جاں پرور است قصۂ اربابِ معرفت
رمزے برو، بپرس و حدیثے بیا بگو

ایک تفسیری نکتہ : ماسٹر خوشی محمد صاحب نے آپ کا بیان ہے کہ خانقاہ شریف میں مجلس منعقد تھی اور مختلف مسائل پر بحث ہو رہی تھی کہ حضرت اعلیٰ نے یَعْرِفُوْنَهٗ كَمَا يَعْرِفُوْنَ اَبْنَآءَهُمْ کی آیت مبارکہ پڑھی اور فرمایا کہ اس جگہ ھو کا مرجع رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں اور اسی اثناء میں یہ بھی فرمایا کہ یہ توجہ اور عدم توجہ کا مسئلہ ہے۔

ناموس اسلام کی پاسداری : عربی میں ایک بہت بڑی کتاب کئی جلدوں میں چھپ رہی تھی، حضرت اعلیٰ نے ان جلدوں کی خرید کے لیے مطلوبہ رقم ارسال کر دی۔ ہر جلد چھپنے کے بعد آپ کی خدمت میں پہنچ جاتی، تو آپ اس کا مطالعہ فرما لیتے۔ ایک ایسی جلد موصول ہوئی کہ اس میں اسلام کے کچھ خلاف تھا۔ حضرت اعلیٰ نے تمام جلدیں واپس کر دیں اور یہ تحریر کیا کہ آپ ساری جلدیں واپس لے لیں اور میں رقم کا مطالبہ بھی نہیں کرتا۔

تلاوتِ کلام پاک کا معمول : حضرت اعلیٰ اکثر ظہر کے بعد قرآنِ عزیز کی تلاوت کرتے۔ آپ کی تلاوت خاموش ہوتی تھی۔ کلامِ پاک کی ایک منزل چالیس منٹ میں پڑھ لیتے تھے۔ اور جہاں فکر کی ضرورت ہوتی، وہاں توقف بھی فرماتے تھے۔ تلاوت میں ورق گردانی کرتے جاتے تھے۔ ایسا معلوم ہوتا کہ ابھی تلاوت کا آغاز کیا تھا اور ابھی ختم ہو گئی۔

نوافلِ تہجد میں چالیس مرتبہ سورۂ یٰسین پڑھنے کا معمول اکثر و بیشتر برقرار رہا۔

معارفِ مجددیہ : ایک مدت تک یہ معمول رہا کہ عصر کے بعد حضرت مولانا عبداللہ رحمہ اللہ مکتوبات شریف سبقاً سبقاً پڑھتے اور دیگر مرید پیچھے بیٹھے ہوئے سنتے۔ حضرت ثانیؒ تبرکاً پڑھتے تھے اور حضرت اعلیٰ خموش بیٹھے رہتے شاید ہی کہیں بولتے ہوں گے۔

ایک مرتبہ اثنائے سبق فرمایا، صاحب! تجربہ کر دیکھو۔ مکتوبات امام ربانی پر کسی شخص کو کامل عبور اور دسترس حاصل نہیں۔

ذکرِ الٰہی کی خاص نوعیت : ماسٹر صاحب موصوف کا بیان ہے کہ مولانا ظہور احمد صاحب بگوی اپنے بھائی مولانا نصیر الدین صاحبؒ کو لے کر حضرت اعلیٰ کی خدمت میں خانقاہ شریف حاضر ہوئے۔ اعلیٰ حضرت اس وقت تسبیح خانہ میں تشریف فرما تھے اور آپ کے دستِ مبارک میں ایک تسبیح تھی۔ مولانا نصیر الدین صاحبؒ کے دل میں یہ خیال پیدا ہوا کہ اگر یہ بزرگ ہیں تو انھیں تسبیح کی کیا حاجت ہے؟ آپ نے اپنی تسبیح کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا "مولانا! یہ تو یاری لگانے کی نشانی ہے" پھر مولانا موصوف نے خیال کیا کہ اگر یاری لگانا مقصود ہے تو پھر

تعداد کی کیا ضرورت؛ حضرت اعلیٰ نے ایک دانہ پکڑا اور اسے نیچے گرا کر فرمایا "حضرت! چوبیس ہزار ہو گیا۔ یہاں تعداد اور گنتی نہیں ہے۔" مولانا موصوف نے انوارِ الٰہیہ کی اس بارش کو جو حضرتِ اعلیٰ پر ہو رہی تھی، مشاہدہ کیا اور طریقہ پاک میں داخل ہو گئے۔

سجدے کی حالت میں ایڑیوں کا جوڑنا: مولانا غلام محی الدین صاحب ساکن مجوکہ مضافاتِ سرگودھا مشہور اہلِ حدیث عالم تھے۔ ان کا ایک کتب خانہ بھی تھا۔ ہمیشہ تقویٰ اور اعتدال کی راہ پر گامزن رہتے۔ حضرت اعلیٰ کی خدمت میں خانقاہ سراجیہ تشریف لائے اور چار پانچ روزہ قیام کے دوران اپنا تعارف تک نہ کروایا۔ رخصت ہوتے وقت اتنا کہا کہ آپ کا باطنی معاملہ جو اللہ تعالیٰ کے ساتھ ہے اسے تو آپ ہی بہتر جانتے ہوں گے، میں نے تو یہ دیکھا ہے کہ نماز اور اس کے واجبات کی ادائیگی میں آپ کا عمل کامل طور پر سنتِ مطہرہ کے مطابق ہے اور اس سلسلہ میں آپ کی ذات مجدد کی حیثیت رکھتی ہے البتہ آپ کا سجدے کی حالت میں ایڑیوں کا جوڑنا کتبِ احادیث سے ثابت نہیں۔ حضرت اعلیٰ نے فوراً بیہقی منگوا کر درج ذیل حدیث پیش کی جس سے وہ مطمئن ہو گئے:

عَنْ عُرْوَةَ بْنِ الزُّبَيْرِ يَقُوْلُ قَالَتْ عَائِشَةُ زَوْجُ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَدْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَكَانَ مَعِيَ عَلٰى فِرَاشِيْ فَوَجَدْتُهٗ سَاجِدًا رَاصًّا عَقِبَيْهِ مُسْتَقْبِلًا بِاَطْرَافِ اَصَابِعِهِ الْقِبْلَةَ فَسَمِعْتُهٗ يَقُوْلُ اَعُوْذُ بِرِضَاكَ مِنْ سَخَطِكَ وَ بِعَفْوِكَ مِنْ عُقُوْبَتِكَ وَبِكَ مِنْكَ اُثْنِيْ عَلَيْكَ لَا اَبْلُغُ كُلَّ مَا فِيْكَ اِلٰى اٰخِرِ الْحَدِيْثِ۔

(السنن الکبریٰ مع الجوہر النقی للامام البیہقی رحمہ اللہ تعالیٰ مطبوعہ حیدر آباد دکن کتاب الصلوٰۃ جلد نمبر ۲ صفحہ نمبر ۱۱۶ باب ما جاء فی ضم العقبین فی السجود)

ترجمہ: حضرت عروہ بن زبیرؓ سے روایت ہے کہ ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا کہ میں نے (ایک رات) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بستر پر نہ پایا حالانکہ آپ پاس ہی لیٹے ہوئے تھے۔ پس میں نے آپؐ کو اس حالت میں پایا کہ آپؐ سجدے میں تھے اور آپ کے دونوں پاؤں کی ایڑیاں ایک دوسری کے ساتھ مضبوطی سے ملی ہوئی تھیں اور پاؤں کی انگلیوں کا رخ قبلہ کی جانب تھا۔ پس میں نے سنا کہ آپ یہ فرما رہے تھے (اے اللہ!) میں تیری ناراضی سے تیری رضا کی، تیرے عذاب سے تیرے عفو کی اور تجھ سے تیری پناہ

کا طلبگار ہوں۔ تیری حمد و ثنا کرتا ہوں اور تیرے اوصاف کا احاطہ نہیں کرسکتا تا آخر حدیث۔

خطبۂ جمعہ میں خلفائے راشدین کا ذکر: حضرت اعلیٰ باگڑ میں قیام فرماتھے۔ وہاں جامع مسجد میں مولانا نورالحق خطیب تھے۔ اس روز جمعۃ المبارک تھا۔ اعلیٰ حضرت نے مولانا نورالحق صاحب کو خطبہ جمعہ کے اختصار کے لیے فرمایا۔ مگر مولانا موصوف نے اسمائی خلفائے راشدینؓ کو بھی حذف کردیا۔ اعلیٰ حضرت نے اسے بہت ناپسند کیا اور اس سے آپ کے مزاج مبارک میں جلال آگیا۔ فرمایا کہ خلفائے راشدینؓ کا ذکر شعائر اہل السنّت والجماعت میں سے ہے[1] اور اسے خطبۂ جمعہ کے دوران کسی صورت بھی چھوڑنا نہیں چاہیے۔

اختتام: اعلیٰ حضرت کے کمالات و فضائل، حسنِ تلقین و موعظت، تربیتِ سالکین میں کمال دل سوزی، اتباعِ شریعت میں کامل رسوخ، بدعات سے اجتناب کی ترغیب، فرقہ بندی سے بیزاری، علومِ دینیہ خصوصاً تفسیرِ قرآن سے انتہائی شغف، تحقیق و تدقیقِ مسائل میں بغایت جانفشانی، درویشوں کی ہمہ جہت نگرانی۔ ان کی ظاہری و باطنی اصلاح میں پوری تندہی، کتابوں سے عشق، ان کی آرائش کا شوق، استغنائے تام اور اخفائے کمال، یہ اور دوسرے بے شمار اوصافِ حسنہ اور ان سے متعلق واقعات اس قدر ہیں کہ انھیں حیطۂ تحریر میں لانا زبانِ قلم کے بس کی بات نہیں۔ اس لیے اب فقیر حیاتِ مبارک کے آخری ایام کے بارے میں چند کلمات عرض کرتا ہے:

ہجومِ امراض: اعلیٰ حضرت کو آخری عمر میں متعدد عوارضِ بدنی لاحق ہو گئے تھے جن میں ضیق النفس کا مرض

---

[1] دفتر دوم مکتوباتِ امام ربانی کے پندرہویں مکتوب میں وارد ہے کہ بلدۂ سامانہ کے خطیب نے عید قربان کے موقع پر خطبہ دیتے ہوئے خلفائے راشدینؓ کا ذکر عمداً ترک کردیا اور جب اس سے اس بارے میں پوچھا گیا تو اس نے دریدہ دہنی کے ساتھ جواب دیا کہ اگر خلفائے راشدین کا ذکر نہیں ہوا تو اس میں کیا حرج ہے؟ اس پر حضرت امام ربانیؒ نے سادات سامانہ کے نام اس گستاخ خطیب کی فہمائش کے لیے یہ الفاظ تحریر فرمائے۔

"ذکرِ خلفائے راشدین رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین گرچہ از شرائطِ خطبہ نیست ولیکن از شعائرِ اہلِ سنّت است شکر اللہ تعالیٰ سعیھم۔ ترک نکند آں را بہ عمد و تمرد مگر کسیکہ دلش مریض است و باطنش خبیث"

ترجمہ: خلفائے راشدین رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین کا ذکر اگرچہ خطبہ کی شرائط سے نہیں لیکن اہل السنۃ والجماعت (اللہ تعالیٰ ان کی مساعی کو قبول فرمائے) کا امتیازی نشان ہے۔ اسے ارادے اور سرکشی کے ساتھ وہی ترک کرتا ہے جس کا دل مریض ہے اور اس کا باطن خبیث ہے۔

سب سے زیادہ تشویشناک اور اذیت رساں تھا۔ آپ کے خدام میں متعدد کامل، ماہر اور حاذق اطباء موجود تھے۔ مولانا حکیم عبدالرسول صاحب تو استادِ طب اور حاذق الملک سمجھے جاتے تھے۔ ان کے علاوہ متعدد اطباء نے علاج کیا جس کا سلسلہ کافی عرصہ تک جاری رہا مگر مرض میں کبھی افاقہ ہو گیا تو کبھی شدت پیدا ہو گئی مگر کامل طور پر ازالۂ مرض نہ ہوا۔

حکیم عبدالوہاب صاحب نابینا کا علاج : اپریل ۱۹۴۰ء میں اعلیٰ حضرت بعض مخلصین کے اصرار پر بغرضِ علاج دہلی تشریف لے گئے۔ حضرت مولانا محمد عبداللہ صاحب، مولانا سید جمیل الدین احمد صاحب اور دیگر خدام بھی ہمراہ تھے۔ وہاں پہنچ کر یہ طے پایا کہ حکیم عبدالوہاب صاحب نابینا کا علاج شروع کیا جائے۔ چونکہ اعلیٰ حضرت کی طبیعت میں اخفا بہت تھا اس لیے ساتھیوں کو یہ فرما دیا کہ کوئی شخص آپ کے بارے میں کسی قسم کا تذکرہ نہ کرے۔

چنانچہ مطب میں آ کر بیٹھ گئے۔ ابھی تک حکیم صاحب مطب میں نہ آئے تھے۔ تھوڑی دیر بعد حکیم صاحب تشریف لائے اور اپنی مسند پر بیٹھ کر مریضوں کو دیکھنا شروع کیا۔ دائیں بائیں دو خانے دار صندوقچے تھے جن میں مختلف ادویہ گولیوں کی شکل میں رکھی رہتی تھیں۔ نبض دیکھ کر مریض کے حالات پوچھا کرتے تھے۔ ان میں عموماً ایک سوال یہ بھی ہوا کرتا تھا کہ کیا کام کرتے ہو؟ اس سے مریض کی حالت اور حیثیت کا پتہ چل جاتا۔ پھر صندوقچے میں سے خود گولیاں نکالتے اور پیش کار سے نسخہ لکھوا کر دے دیا کرتے تھے۔ بطورِ رمز نسخہ پر دوا کی قیمت لکھوا دیتے جو دواساز وصول کر لیتا تھا۔ چنانچہ اعلیٰ حضرت کی نبض دیکھ کر حال پوچھا اور یہ بھی دریافت کیا کہ آپ کیا کام کرتے ہیں؟ آپ نے اپنے منصب کو چھپاتے ہوئے مبنی بر حقیقت جواب ارشاد فرمایا کہ کھیتی باڑی کا کام کرتا ہوں۔ حکیم صاحب نے کہا، ہاں تو ہل چلاتے وقت سانس پھول جاتا ہوگا۔ فرمایا: ہل چلانے کی نوبت مجھے تو نہیں آتی، میرے پاس اور لوگ موجود ہیں جو ہل چلاتے ہیں۔ غرض حکیم صاحب نے دوا تجویز کر دی اور آپ دوا لے کر اپنے خدام کے ہمراہ مطب سے روانہ ہو گئے۔

حکیم صاحب کا ادراک : جب آپ مطب سے باہر نکل کر چل پڑے تو حکیم صاحب کو احساس ہوا کہ یہ کوئی بزرگ شخصیت تھی۔ اپنے آدمی کو بھیجا کہ ان کے پیچھے جاؤ اور معلوم کرو کہ کہاں ٹھہرے ہوئے ہیں۔ حضرت اعلیٰ کا قیام جامع مسجد دہلی کے قریب حکیم دلبر حسن بھٹی کے ہاں تھا۔ حکیم صاحب کا آدمی قیام گاہ معلوم کر کے چلا گیا۔

دوا استعمال کرنے کے بعد جب حضرت اعلیٰ دوبارہ مشورہ کے لیے مطب تشریف لے گئے تو اس وقت حکیم صاحب نے فرمایا:۔

"میں ویسے تو اندھا ہوں مگر حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی قدس سرہٗ کی صحبت سے فیض حاصل کیا ہے جس کی برکت سے دل میں کچھ روشنی ہے۔ جب آپ پہلی دفعہ آئے تو مجھے مطب میں آتے ہی انوار و برکات کا احساس ہوا تھا مگر وجہ سمجھ میں نہ آئی تھی۔ آپ نے اپنے آپ کو ایسا چھپایا تھا کہ قطعاً ظاہر نہ ہونے دیا۔ چنانچہ جب آپ مطب سے باہر تشریف لے گئے تو وہ انوار و برکات بھی ساتھ چلے گئے۔ اس وقت مجھے احساس ہوا کہ یہ صاحب کوئی باکمال بزرگ اور مرشدِ طریقت تھے"۔

حکیم صاحب کا داخلِ طریقہ ہونا: اعلیٰ حضرت نے عجز و انکسار کے پیشِ نظر ارشاد فرمایا کہ میں دیہات کا رہنے والا ہوں۔ ضلع میانوالی میں کندیاں کے قریب رہائش ہے۔ بزرگانِ مجددیہ سے عقیدت ہے۔ حضرت خواجہ سراج الدین نقشبندی مجددی قدس سرہٗ کا خادم ہوں۔ انھوں نے جو کچھ بتایا ہے، کوئی پوچھنے والا آجائے تو بتا دیتا ہوں۔ حکیم صاحب آپ کی اس گفتگو سے بہت متاثر ہوئے۔ توجہ و دعا کی درخواست کی اور بعد میں داخلِ طریقہ ہوگئے۔

اعلیٰ حضرت کچھ دن دہلی ٹھہر کر جب خانقاہ سراجیہ واپس تشریف لائے تو حکیم صاحب نے بے حد گرویدگی اور محبت کا اظہار فرماتے ہوئے ایک مراسلہ میں تحریر کیا کہ آپ کی ایک صحبت میں جو فائدہ مجھے پہنچا ہے، وہ چالیس سال کی ریاضت سے حاصل نہ ہو سکا تھا۔ فالحمد للہ علیٰ ذٰلک

۱۔ حکیم عبدالوہاب صاحب آنکھ کے نابینا مگر دل کے بینا ڈاکٹر مختار احمد انصاری کے بڑے بھائی تھے۔ آنکھوں سے محروم ہونے کے باوجود علومِ عربیہ حاصل کیے، طب پڑھی، ترکیبِ ادویہ اور دواسازی میں کمال پیدا کیا، حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی قدس سرہٗ کی خدمت میں رہ کر حدیث سنی اور بیعت کی۔ اوراد و وظائف اور عبادات و ریاضات کے بڑے پابند تھے۔ صاحبِ کشف تھے۔ اکثر ایسی باتیں بتا دیا کرتے تھے جن کا تعلق نبض سے نہ ہوتا تھا۔ عرصۂ دراز تک حیدرآباد دکن میں شاہی طبیب رہے۔ پھر دہلی تشریف لا کر جامع مسجد کے قریب مطب جاری کیا۔ اس کے بعد نئی دہلی میں ایک وسیع عمارت تعمیر کرائی اور مطب وہاں منتقل کر لیا۔ قیمتی اور زود اثر دوائیں تیار کرتے تھے۔ آپ کا معمول علاج بالمرکبات تھا جو گولیوں کی صورت میں ہوتے تھے۔ بڑے مخیر تھے۔ غریبوں کو مفت دوا دیا کرتے تھے۔ اگر کوئی مریض گنگوہ یا دیوبند سے تعلق رکھنے والا آتا، تو اس سے ہرگز قیمت نہ لیتے۔ خواہ صاحبِ حیثیت ہی کیوں نہ ہو بلکہ وہ ادویہ جن کی قیمت دوسروں سے دو تین سو روپیہ لیتے تھے، اسے مفت دے دیا کرتے تھے۔ وصیت کر رکھی تھی کہ وفات کے بعد انھیں حضرت گنگوہی قدس سرہٗ کے قدموں میں دفن کیا جائے۔ چنانچہ اس وصیت کے مطابق وفات کے بعد آپ کی میت گنگوہ شریف پہنچائی گئی اور حضرت گنگوہیؒ کے مزار کے قریب مدفون ہوئے۔ رحمہ اللہ رحمۃً واسعۃ

آخری علاج اور رحلت: حکیم نابینا صاحب کے علاج سے بھی مرض کا ازالہ نہ ہو سکا۔ چنانچہ اس کے بعد متعدد ڈاکٹروں اور اطبا کا علاج جاری رہا۔ بالآخر کانپور کے احباب کی استدعا پر ۲ر مارچ ۱۹۴۱ء کو اعلیٰ حضرت علاج کے لیے وہاں تشریف لے گئے۔ ڈاکٹر عبدالصمد صاحب کانپور میں مشہور و معروف تھے اور حضرت اعلیٰ سے عقیدت و محبت کا رابطہ بھی رکھتے تھے۔ ڈاکٹر صاحب موصوف کے علاج سے مرض میں افاقہ ہوا۔ اعلیٰ حضرت کافی حد تک صحت یاب ہو گئے اور کلکتہ جانے کا پروگرام بنایا۔ سید عبدالسلام شاہ صاحب جو آپ کے خلیفۂ مجاز تھے، کلکتہ میں آپ کے قیام کے انتظامات مکمل کرنے کے لیے آپ سے پہلے تشریف لے گئے۔ حضرت اعلیٰ روانگی سے ایک روز قبل سحری کے وقت بیدار ہوئے۔ اہلیہ محترمہ وضو کے لیے پانی لینے گئیں۔ آپ نے بحالتِ مراقبہ تکیہ پر سر رکھا اور تھوڑی دیر بعد اسی حالت میں رفیقِ اعلیٰ سے جا ملے۔

افسوس صد افسوس کہ ۱۲ر صفر ۱۳۶۰ھ مطابق ۱۴ر مارچ ۱۹۴۱ء کو یہ آفتاب علم و عرفان جس نے فلکِ رشد و ہدایت پر طلوع ہو کر تقریباً تیس سال تک عالمِ ہست و بود کو اپنی ضیاپاش شعاعوں سے منور کیا تھا، عمر کی ۶۳ منزلیں طے کر کے کانپور کے افق میں غروب ہو گیا۔ اناللہ وانا الیہ راجعون

حضرت اعلیٰ کے خادمِ خاص اور نامزد جانشین مولانا محمد عبداللہ صاحب آپ کی وفات سے پہلے کانپور پہنچ چکے تھے۔ جب تقدیرِ الٰہی سے یہ عظیم سانحہ پیش آیا، تو فوراً آپ کا جنازہ تیار کیا گیا اور ریل گاڑی کا ایک ڈبہ ریزرو کرا کر آپ کے جسدِ مبارک کو کندیاں لایا گیا۔ اعلیٰ حضرت کی وفات کی خبر مختلف ذرائع سے پھیل چکی تھی۔ راستہ میں متعدد اسٹیشنوں پر وابستگانِ سلسلہ گاڑی میں سوار ہوتے رہے۔ غرض ۱۴ر صفر ۱۳۶۰ھ کو آپ کا جنازہ خانقاہ شریف پہنچا۔ ہر طرف سے لوگ جوق در جوق نمازِ جنازہ میں شرکت کے لیے آ رہے تھے اور بہت سے پہنچ چکے تھے۔ نامزد جانشین مولانا محمد عبداللہ صاحب کی امامت میں ایک کثیر جماعت نے نمازِ جنازہ ادا کی اور خدام نے بصد حسرت و یاس اپنے ہادیٔ محبوب اور پیشوائے کامل کو جس پر ہر خادم سو جان سے فدا تھا، مشیتِ الٰہی پر راضی رہتے ہوئے آغوشِ لحد میں رکھ دیا۔ ؎ ہر چشم اشک بار تھی، ہر دل فگار تھا

آپ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حیاتِ مبارک کے مطابق ۶۳ سال عمر پائی۔ اس لحاظ سے فطرتِ الٰہی نے اعلیٰ حضرت کے اتباعِ سرورِ کائنات پر مہرِ تصدیق ثبت کر دی۔

عطر اللہ مضجعہ ونور اللہ مرقدہ وامطر علیہ شآبیب الرضوان بفضلہ العمیم والاحسان

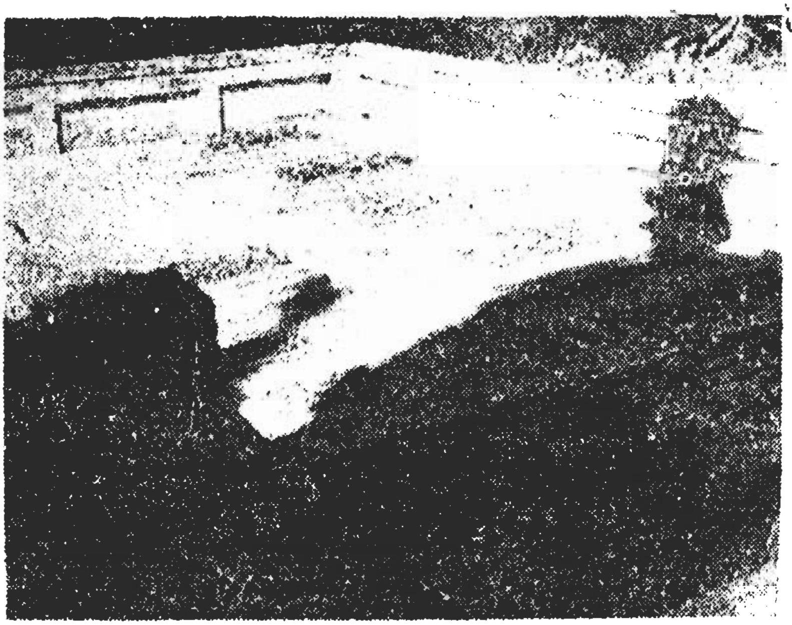

بائیں سے دائیں : ۱۔ مزار مقدس حضرت ثانی رحمہ اللہ ۲۔ مزار اقدس اعلیٰ حضرت قدس سرہ
۳۔ مزار مبارک حضرت ثالث ثانی رحمہ اللہ

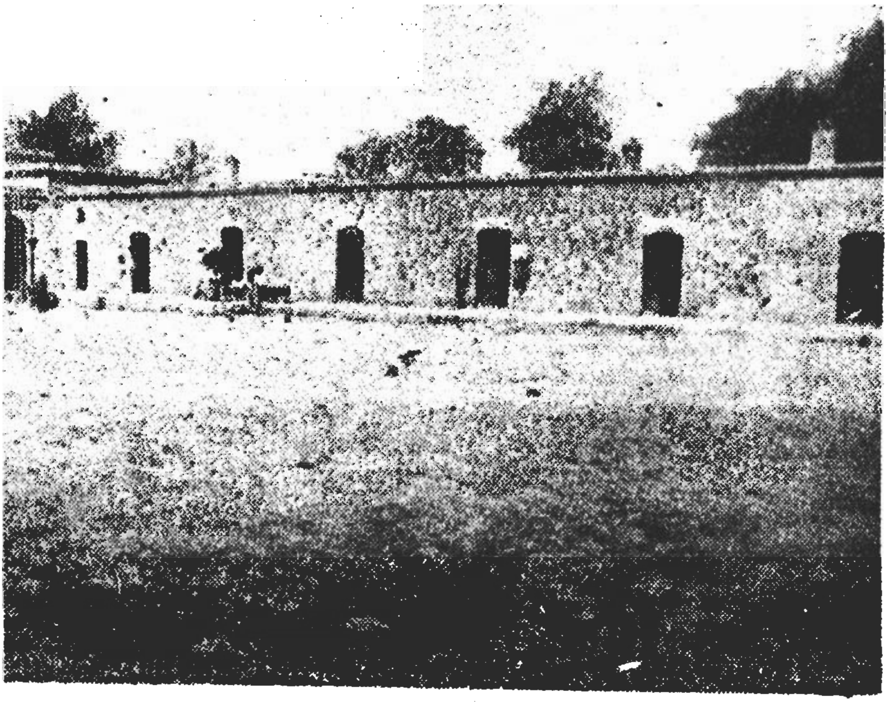

درویش خانہ

قطعاتِ تاریخ

جو خلیفۂ مجاز حکیم مولانا عبدالرسول صاحبؒ ساکن بکھر بار ضلع سرگودھا نے اعلیٰ حضرت کی وفات حسرت آیات پر پنجابی، اردو، فارسی اور عربی میں نظم کیے۔

قطعۂ تاریخ بزبانِ عربی

رَاحَ مِنْ دَارِ الْبَلَایَا شَیْخُنَا　　زِیْنَۃُ الْاَسْلَافِ قَیُّوْمُ الْوَرٰی
سَیِّدِیْ بُوالسَّعْدِ اَحْمَدُ اَنْوَرُ　　بَحْرُ عِرْفَانٍ وَّ عِلْمٍ وَّ التُّقٰی
اَظْلَمَ الْاٰفَاقُ فِیْ اَبْصَارِنَا　　فَاتَ شَیْخٌ کَامِلٌ شَمْسُ الْھُدٰی

فِیْ نَعِیْمِ جَنَّۃٍ ھُوَ دَاخِلٌ
۱۳۵۹۰
قَالَ لِلتَّارِیْخِ عَبْدٌ بِالْاَسٰی

قطعۂ تاریخ بزبانِ فارسی

حضرتِ ما بہ حکمِ خالقِ خود　　چوں ز دنیائے دارِ محنت رفت
قبلہ بوسعد احمدِ اکمل　　قربِ حق یافتہ بہ مکنت رفت
عبد تاریخِ فوت با غمِ دل
گفت۔ ہادی بدارِ جنت رفت
۱۳۵۹۰

تاریخ وفات حضرت ممدوح

جو مصنف مدظلہ نے فی البدیہہ کہہ کر بعد دفن حضرت اعلیٰ مزار شریف کے پاس سوز و گداز سے پڑھی:

ہزار حیف کہ بگزشت از بسیطِ جہاں — جناب قبلۂ عالم، مجددِ دوراں
جناب حضرت **بوسعد** احمدِ اکرم — بہ دہر سینۂ او بود مصدرِ عرفاں
طریقہ اش ہمہ ترویجِ سنتِ نبوی — نواخت اہلِ جہاں را ز فیضِ بے پایاں
بہ بست رخت ز دارِ فنا بہ حق پیوست — نمود چہرۂ انور ز چشمِ خلق نہاں
ز ماہِ صفر چو آمد شبِ دوازدہم — چہا رسید زغم بر سرِ شکستہ دلاں
بگشت روئے زمیں جملہ تیرہ و تاریک — بہ جن و انس و ملائک فتادہ شور و فغاں
سزد کہ گریہ نمایند انجم و افلاک — شوند جملہ موالید و اسقطس نالاں
وفاتِ شاہ مصیبت بود پئے ملکش — خراب حال شوندش ملازم و ارکاں
بود مماتِ امیر آفتِ رعیتِ او — شوند خستہ و غمگیں اعزہ و اعیاں
وفاتِ عالمِ عامل، مماتِ عالم ہست — خصوصاً آنکہ بود ز اہلِ تقوٰے و احساں
وفاتِ عارف باللہ ظلمتِ آفاق — کہ نورِ رشد و ہدایت شود ز دیدہ نہاں
وفاتِ شیخِ مشائخ کہ او بود قیوم — فضائے ارض ز انوار او بود تاباں
مصیبتے است عجیب اینکہ از شنیدنِ او — رود ز جسم روان و ز روح تاب و تواں
بحیرتم کہ چساں وصفِ حضرت اعلیٰ — بیاں کنم کہ بیاں راست تنگ ترمیداں
شدہ است عافیت امروز تنگ تر برما — کہ نیست ہیچ کس از حالِ زارِ ما پرساں

چراغِ دینِ محمد بگفت عبدِ حزیں
۱۳۶۰ھ
برائے سالِ وصالش بہ دیدۂ گریاں

قطعۂ تاریخ بزبانِ اردو

حیف آج آنکھوں سے پنہاں ہوگیا وہ آفتاب — قطبِ اقطابِ جہاں، قیومِ حق، عالی جناب

حضرتِ بوسعد احمدؒ قبلۂ اہلِ کمال | ہر لبشران کی جُدائی میں ہے یاں غم نئے حال
ہے ازل سے شیوۂ تسلیم کارِ اہلِ دیں | صبر کرائے عبدؔ، غیر از صبر کچھ چارہ نہیں
فکرِ تاریخِ وفات قبلۂ عالم جب کیا | کہہ دیا یہ ہاتفِ غیبی نے مجھ سے برملا

فقدِ حضرت سے ہُوئے ہیں بے سر و پا، پُر خلل
فضل و رشد و دیں ورع اور ساتھ ہی فیض و عمل

شانِ حضرتِ قیومِ زماں مولٰنا ابوسعد احمد خانؒ

پنجابی زبان میں

بے حد صفتاں پاک اللہ نوں جو خلقت دا والی | بہت درود رسُول اللہ نوں جس دا رتبہ عالی
آیا حکم خدا دا غالب جگ وچ پیا انھیرا | نور خدا دا چھپیا جگ تھیں جنت لایا ڈیرا
نوری پیر اساڈا حضرت عالم فاضل عالی | مثل نہ اودی جگ وچ کوئی سب علماں وچ کامل
فقر سلوک مجدد اندر شاہ سردار ولیاں | خلق اخلاق تے حلم سخاوت سب کچھ مثل نبیاں
شرق غرب دی خلقت درتے آکے فیض اٹھاوے | کرے زیارت جو کوئی آکے نور سینے وچ پاوے
ابوسعد احمد نورانی نام مبارک جانی | وارث سرورِ عالم دا وچ فضل کرم لاثانی
کُلُّ نَفْسٍ ذَائِقَةُ الْمَوْتِ امر الٰہی آیا | دُنیا تھیں کر رحلت حضرت نوری رُخ چھپایا
خادم تے درویش حضوری غمدے اندر ہڈے | سب بیتاب وچھوڑیوں ہوئے ہوش عقل سب اُڈے
مایاں بھیناں بے خود ہویاں رہ گئے بال ایانے | دھندکار ہویا اکھیاں وچ بیدل ہوئے سیانے
ایہہ خبر کلیجہ چیرن والی کھنڈی وچ جہانے | عاشق اتے مُرید تمامی جو آہے پروانے
ایرانوں کلکتے تائیں خلقت ٹُرلے آوے | رو رو تے کرلاون آکے پیر نہ نظری آوے
قبر مبارک اگے جاکے فاتحہ ختم پہونچاون | روحانیت حضرت دی نوں دل دا حال سناون
پر کن سکن جے حضرت صاحب کردے گل زبانی | اکھیاں سکن نظری آوے او چہرہ نورانی

پھر عارف گل تے زاہد صاحب چمکے ہاں ہلاون — پاس خلیفہ صاحب دنج کجھ دِل تسلی پاون

مولوی عبداللہ گھر چھڈیا تاج خلافت پایا — حضرت صاحب آپ خلیفہ کامل اوہ بنایا

روناں ختم نہ ہووے ہیں کجھ پتہ تے نسب بتاواں — غیراں نوں بھی واضح ہووے حال احوال سناواں

وطن مبارک دساں تینوں بھکھڑا شہر نورانی — جتھے پیدا ہوئے حضرت کھنڈیا فیض جہانی

وچ دریا اٹک دے وستی ضلع میانوالی — اولیاواندی جاہ قدیمی کدیں نہ رہیا خالی

ملک تلوکر خویش قبیلہ تمن وڈا بھارا — سرداری تے زمینداری کم اُنہاندا سارا

شوق علم دا لگا حضرت چھوٹیاں گھروں سدھانے — ہندوستان رہے پھر پڑھدے جتھے درس ربانے

کر تحصیل علم دی پوری لگا عشق الٰہی — مُوسیٰ زئی دنج حاضر ہوئے اللہ دے ہمراہی

غوث زمانے دے اتھے حضرت دنیا دے وِچ نامی — جگ مشہور بزرگی جیندی نام عُثمانؓ گرامی

پیر جنہاندا کامل اکمل دوست محمّد قندھاری — سندھ خراساں تے ہند اندر اوہ گدی وڈی بھاری

بیعت حضرت دی دنج کیتی کیتا اُتھے ٹکاناں — شروع سلوک کرایا حضرت رب صاحبنوں بھاناں

پیر عثمان گرامی جاں دت جگ تھیں رخصت ہوئے — پیر سراج الدینؒ خلیفے اہر کرامت ہوئے

پنجی سال (۲۵) رہے وچ خدمت فیض ربانی پایا — پیر منیر خلافت بخشی حکم الٰہی آیا

حج بیت اللہ کیتا حضرت مُرشد دی ہمراہی — پاک مدینے حاضر ہوئے پایا فضل الٰہی

آئے وطن مُبارک اندر کھنڈیا فیض چودھارے — نور کرامت علم ولایت جگ وِچ لاٹاں مارے

زندہ کیتا دین رسولیؐ دینی علم پڑھاون — نور ولایت لوکاں دے دِل سینے اندر پاون

خلق جنوب شمالوں آدے نالے شرقوں غربوں — ہر ملکے تھیں آون طالب عجموں نالے عربوں

لنگر جاری کیتا حضرت عام مثل سلطاناں — کھاناں حسب حیثیت دیون فقراواں تے خاناں

بعد نماز فجر دے حلقہ ختموں پچھے ہووے — ہر اک شاغل حلقے ہو کے دِل سیاہی دھووے

بعضیاں جذبہ ہووے بعضے مُستغرق ہو جاون — صاحب صحو جو ہوون بے حد لذت فیض اٹھاون

کجھ دن بھکڑے ٹھیرے حضرت کھولیا نوچ پھر آئے — بحر کنارے وستی چھوٹی اتھے ڈیرے لائے

آئی جد نزدیک ندی پھر اتھوں ڈیرا چایا — نام سراجیہ خانقاہ رکھ اپنا کھوہ بنایا

اتھے آکے جمعیت کر بے حد فیض کھنڈایا — کارخانہ حضرت دا اللہ اتھے بُہت ودہایا

مسجد عالی شان بنی تے کمرے بہت شہانے — دولت خانے، بادشاہانے، پردے دار زنانے

مدرسہ علم تے قرأت دا پھر اعلےٰ ہویا جاری — ہندوستانوں آئے پڑھاون عالم فاضل قاری

بحرِ شریعت اتے طریقت موجاں ٹھاٹھاں مارے — عالم آکے فیض اٹھاون جاون پھر چودہارے

نقشبندی تے فیض مجدد کھنڈیا وِچ آفاقاں — چمکیا آن طریقہ جگ وِچ جیوں سُورج دیاں لاٹاں

لکھ روپیہ حضرت صاحب کتب خانے تے لایا — پڑھ تے ویکھ ہویا متحیر اہلِ عقل جو آیا

صفتاں حضرت قبلہ عالم کی کجھ میتھوں ہوون — اتھے قلم زبان عقل سب عاجز ہو کھلوون

عمر اخیر آزمایشاں آیاں وڈیاں مثل نبیاں — امثل نبیاں نوں جیوں آون نیکاں اتے ولیاں

وَلَنَبْلُوَنَّكُمْ بِشَيْءٍ مِّنَ الْخَوْفِ وَالْجُوعِ خود اللہ فرمایا — صبر تے استقلال دلی دا خُود اللہ آزمایا

بیٹا نیک محمد صادق اندر عمر جوانی — رخصت ہویا دنیا وچوں لائق شکل نُورانی

صبر تے استقلال دلی دا ویکھیاں حیرت آوے — جیہڑا آوے ماتم اتے اوہ حیران ہو جاوے

کجھ دن پچھوں دُوجا بیٹا عالم نالے فاضل — محمد سعید اوہ یوسف ثانی سب صفتاں وِچ کامل

دنیا چھوڑ سدھانا رب دل پائے وڈے وچھوڑے — بیبیاں عاجز بال ایانے ماپیو غم وِچ چھوڑے

پر بے حد صبر کیتا حضرت نے استقلال دکھایا — ذات مبارک وِچ کجھ غم دا وڈا اثر نہ آیا

تھوڑی ہی کجھ مدت گزری وڈی بیماری آئی — دمہ تے نزلہ ہور عوارض پکڑی بہت لمبائی

تکلیفاں دی بدن اقدس تے حد نہ رہندی کائی — کیتا شکر الٰہی ہردم، شان حضوروں پائی

نال جماعت ادا کرن سب تنگی وِچ نمازاں — رابطہ نال جناب الٰہی دائم وِچ نیازاں

کراں بیاں جے حال تمامی دل نوں لگے دھکا — بے خُود ہو دے سخت طبیعت کتھوں لئے دل پکا

القصہ وِچ صفر مہینے جدوں گزرے دن باراں — سفر کیتا دنیا تھیں حضرت وداع کیتا سب یاراں

کانپور دیے شہر اندر وِچ سفر شہادت پائی — چمکے چہرہ چن دے وانگن کرے دیدار لوکائی...

وِچ خانقاہ مبارک دے پھر خادماں آ دفنایا   پہلوں تینوں مجمل میں کجھ حال احوال سنایا

تیراں ۱۳۶۰ سَو تے سٹھ ہجری وِچ حضرت رُخ چھپایا

بھار دچھوڑے پِیر اپنے دا سب نے سر تے چایا

مسئلہ جانشینی

اعلیٰ حضرت قدس سرہٗ نے اپنی حیاتِ مبارک کے آخری ایام میں جانشینی کا مسئلہ بھی طے فرما دیا تھا۔ جب آپ نے قربِ رحلت کے آثار محسوس فرمائے تو اس خیال سے کہ بعد میں اس مسئلہ پر قرابت داروں یا خلفاء و متوسلین کے درمیان نزاع پیدا نہ ہو، نائبِ قیوم زمان، صدیقِ دوراں حضرت سیدنا و مولانا محمد عبداللہ صاحب لدھیانوی، فاضل دارالعلوم دیوبند کو اپنا جانشین نامزد فرما دیا تھا اور اس سلسلہ میں وصیت نامہ تحریر فرما کر رکھ دیا تھا، اہلِ قرابت نیز خدام و متوسلین کو اس سے آگاہ بھی فرما دیا تھا۔

حضرت مولانا محمد عبداللہ قدس سرہٗ جامعِ معقول و منقول اور فاضلِ دارالعلوم دیوبند تھے۔ آپ سلوکِ نقشبندیہ مجددیہ کے منتہی اور تمام سلاسل میں اعلیٰ حضرت کی طرف سے مجازِ مطلق تھے۔ اہتمام شرع میں نہایت سرگرم تھے۔ بعض اوقات مزاج مبارک میں شانِ جلالی کے آثار نمایاں ہو جاتے تھے، اس لیے بعض خدام خاص نے مؤدبانہ عرض کیا کہ آپ مولانا عبداللہ صاحب کو جانشین نامزد فرما رہے ہیں، بے شک وہ اس منصبِ جلیل کے اہل ہیں اور خود حضورِ والا کی تجویز بھی یقیناً صائب اور درست ہے لیکن ہمیں بعض اوقات یہ خدشہ ہوتا ہے کہ غلبۂ جلال کے باعث وہ اس بار کو آپ کے اندازے کے مطابق اٹھا بھی سکیں گے یا نہیں؟

اعلیٰ حضرت نے یہ سُن کر فرمایا:۔

"اس کی فکر نہ کریں، جب وہ اس منصب کا بار اٹھائیں گے تو ان کی طبیعت خود بخود سنبھل جائے گی اور انشاء اللہ تعالیٰ سراپا حلم و بردباری اور دل سوزی و جانفشانی سے تربیتِ سالکین فرمایا کریں گے"۔

ایک بار اس مسئلہ پر حضرت مائی صاحبہ قدس اللہ تعالیٰ سرہا نے بھی اظہارِ خیال کرتے ہوئے عرض کیا کہ

خلیفہ صاحب مولانا محمد عبداللہ اپنے خاندان کے فرد نہیں، اس اعتبار سے آپ ہمیں ایک غیر شخص کے حوالے فرما رہے ہیں۔ اعلیٰ حضرت نے ارشاد فرمایا: آپ کوئی خیال نہ کریں، میں یہ ذمہ داری ایسے شخص کو سونپ رہا ہوں جو انشاء اللہ آپ کی خدمت آپ کی اولاد سے بھی زیادہ کرے گا۔

غرض حضرت اعلیٰ نے سب کو مطمئن فرما کر وصیت نامہ تحریر فرمایا اور اس کا اعلان بھی کر دیا گیا۔ اب ہم وصیت نامہ کے اجزاء حرف بہ حرف نقل کرتے ہیں۔

نقل وصیت نامہ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

بعد حمد و صلوٰۃ تمام اقارب و احباب کی خدمت میں التماس ہے کہ بمضمون حدیث متفق علیہ مَا حَقُّ امْرِءٍ مُّسْلِمٍ لَهٗ شَيْءٌ يُوْصٰى فِيْهِ يَبِيْتُ لَيْلَتَيْنِ اِلَّا وَوَصِيَّتُهٗ مَكْتُوْبَةٌ عِنْدَهٗ [1] ہر مسلمان پر لازم ہے کہ بنظر احتیاط اپنے تمام امور قابلِ وصیت کو حیطۂ تحریر میں رکھے فقیر ابو السعد احمد ایسی حالت میں جبکہ اس کے ہوش و حواس بجا اور قوائے عقلیہ و ادراکیہ سلامت ہیں اور جبکہ بحکم شرع شریف اقرارِ مقر صحیح و معتبر ہے، چند وصایا اپنے اقارب و متعلقین اور احباب و متوسلین کی اطلاع کے لیے تحریر میں لاتا ہے تاکہ فقیر کے بعد کوئی امر موجب اختلاف اور باعثِ نزاع باقی نہ رہے۔

تمام اصحاب سے استدعا ہے کہ وہ ان تمام وصایا کے حق بجانب ہونے کے متعلق اپنا اطمینان تام کرتے ہوئے کسی امر کو باعثِ اختلاف و خصومت نہ ہونے دیں۔ اِنْ اُرِيْدُ اِلَّا الْاِصْلَاحَ مَا اسْتَطَعْتُ وَمَا تَوْفِيْقِيْٓ اِلَّا بِاللّٰهِ عَلَيْهِ تَوَكَّلْتُ وَاِلَيْهِ اُنِيْبُ [2]

---

[1] کسی مسلمان کو جس کے پاس قابلِ وصیت کوئی چیز ہو، یہ حق نہیں پہنچتا کہ وہ دو راتیں اس حالت میں گزارے کہ اس کا تحریر شدہ وصیت نامہ اس کے پاس موجود نہ ہو۔

[2] میں مقدور بھر صرف اصلاح و بہتری کا قصد کر رہا ہوں اور مجھے اس امر کی توفیق صرف اللہ تعالیٰ نے عنایت کی ہے، اسی پر میرا بھروسہ ہے اور میں اسی کی طرف رجوع کرتا ہوں۔

۱۔ فقیر اپنا خلیفۂ مجاز اور سجادہ نشین مولوی عبداللہ صاحب لدھیانوی کو مقرر کرتا ہے جن کو فقیر نے پوری توجہ اور دلسوزی سے نقشبندی سلوک طے کرا دیا ہے، وہ اس خانقاہ میں جس کا نام خانقاہ سراجیہ مجددیہ ہے، مقیم رہ کر ترویج سلوک اور توسیعِ سلسلہ میں ساعی رہیں گے۔ اُن کی موجودگی میں کوئی دوسرا شخص خانقاہ ہذا میں سجادہ نشینی کا مدعی نہیں ہو سکتا اور نہ اس کا دعویٰ مسموع ہوگا۔ خانقاہ کے ملحقہ مکانات جن میں کتب خانہ، تسبیح خانہ، مہمان خانہ، غسل خانہ اور باقی پانچ کمرے درویشوں کے قیام کے لیے ہیں، سب مولوی صاحب کی تفویض و تولیت میں رہیں گے۔ وہ حسبِ ضرورت و مصلحت ان کو زیرِ استعمال رکھیں گے۔ کوئی دوسرا شخص ان کے تصرف و استعمال میں مزاحم ہونے کا مجاز نہ ہوگا۔

۲۔ فقیر کی وفات کے بعد تجہیز و تکفین اور غسل و دفن میں سنتِ نبویہ علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کی رعایت لازم سمجھیں۔ نمازِ جنازہ جماعتِ کثیر کے ساتھ مولوی محمد عبداللہ کی اقتداء میں ادا کی جائے۔ کوئی رسم دنیوی مثل دہم، چہلم وغیرہ اختیار نہ کی جائے۔ ماتم، رونا چلانا، نوحہ کرنا حرام ہیں، اس سے قطعی پرہیز رہے۔ ورنہ فقیر بری الذمہ اور اس قسم کی رسوم کے مرتکب مؤاخذ ہوں گے۔ اور ایک ہفتہ تک فقیر کی قبر پر کلمہ طیبہ، درود شریف استغفار اور ختم قرآن کے ساتھ ثواب بخشا جائے، اس کے علاوہ وقتاً فوقتاً خیرات و مبرات کے ساتھ بھی، جس میں نمائش و تفاخر کا شائبہ تک نہ ہو، ایصالِ ثواب کیا جائے۔

۳۔ خانقاہ کی فتوحات لنگر شریف کے سرمایہ میں داخل کی جائیں گی اور لنگر کا تمام سرمایہ والدہ محمد سعید مرحوم کی تفویض میں رہے گا۔ وہی اپنی صوابدید سے اس کو مصارفِ متعلقہ میں خرچ کریں گی۔

۴۔ مسجد کے امام مولوی عبداللہ سجادہ نشین ہوں گے، وہی خانقاہ کے متولی ہوں گے، دونوں کی حفاظت و عمارت ان کی سپردگی میں ہوگی۔

۵۔ خانقاہ کا کتب خانہ بفضلہٖ تعالیٰ اپنی وسعت اور کتابوں کی کثرت و نفاست کے لحاظ سے پنجاب کا ایک بے مثال معہد علمی بن گیا ہے۔ اس کی شانِ رفعت کو برقرار رکھنے کے لیے اس کو اس کی تمام الماریوں اور کمرے سمیت وقف کیا جاتا ہے۔ اس کے متولی بھی مولوی محمد عبداللہ صاحب مذکور ہوں گے۔ اب اس کتب خانہ اور اس کے متعلقہ سامان اور کتابوں میں توریث اور تملیک اور تقسیم جاری نہ ہوگی۔

۶۔ مولوی محمد عبداللہ خانقاہ شریف کے متعلقہ حجروں میں سے کسی حجرہ میں قیام رکھیں گے اگر ان کو عیال سمیت پردہ دار مکان میں قیام کرنا منظور ہو تو خانقاہ کی سفید زمین پر جہاں چاہیں لنگر کے خرچ سے اپنے رہنے کے لیے حسبِ ضرورت مکان تعمیر کر سکتے ہیں۔

۷۔ مولوی محمد عبداللہ صاحب اپنے دیگر مشاغلِ مفوضہ کے علاوہ ہر دو عزیزان محمد عارف و محمد زاہد پسران محمد سعید مرحوم کی تعلیم و تربیت کی نگرانی بھی اپنا فرض سمجھیں۔ اوّل تو تعلیم دینے کا بار خود اٹھائیں ورنہ اگر ان کی تعلیم کا کوئی اور انتظام کیا جائے تو اس میں مولوی محمد عبداللہ صاحب کا مشورہ اور استصواب ضروری سمجھا جائے، عزیزان کے تمام اولیا اور مربّیین پر لازم ہے کہ وہ عزیزان کی تعلیم و تربیت کے معاملہ میں مولوی صاحب کے مشورہ اور استصواب کو مقدم سمجھیں۔

۸۔ مدرسہ تعلیم القرآن جو خانقاہ شریف میں قائم ہے اور اس کے مصارف بعض مخیر اصحاب کی ہمت سے چل رہے ہیں، اس کے متولی اور مہتمم بھی مولوی محمد عبداللہ ہوں گے۔ حتی الوسع اس مدرسہ کے قیام و بقا بلکہ توسیع و ترقی کی کوشش کی جائے۔

۹۔ تمام برادرانِ سلسلہ سے استدعا ہے کہ وہ اشاعتِ سلسلہ اور ترویجِ سلوک میں سعیِ بلیغ کرنا لازم سمجھیں اتباعِ سنّت کی شاہراہ سے سرِ مُو انحراف نہ کریں اور بدعات سے محترز رہنا اہم واجبات سے تصور کریں۔

۱۰۔ آخر میں خاص مولوی محمد عبداللہ کے لیے یہ وصیت ہے کہ :۔

اوّل : وہ بہ حیثیتِ سجادہ نشین توسیعِ سلسلہ اور ترویجِ سلوک میں پوری توجہ اور انہماک کے ساتھ ساعی رہیں۔

دوم : طریقت کے آداب و شرائط کا پُورا لحاظ رکھیں۔

سوم : اتباعِ سنّت اور اجتناب عن البدعۃ کو اپنا فرض سمجھیں۔

چہارم : دنیادار امراء و رؤسا کے دروازے پر جانے سے پرہیز لازم سمجھیں۔

پنجم : اپنے برادرانِ سلسلہ کے ساتھ خلق و مروّت، تواضع و انکسار اور اخوت و مساوات کا سلوک رکھیں۔ ترفّع و تعلّی کے خیال سے مجتنب رہیں۔

ششم: اپنے شیخ کی اولاد کی خدمت وخیر خواہی لازم سمجھیں۔ فقط

(الموصی) فقیر حقیر لاشئ ابوالسعد احمد المشتہر بہ

مولوی احمد خان کان اللہ لہٗ عوضاً عن کل شئ

اعلیٰ حضرت کے پسماندگان اور خلفاءؒ

پس ماندگان:

ا۔ دو زوجہ مطہرہ۔ ایک بڑی مائی صاحبہ والدہ مولانا محمد صادق و مولانا محمد سعید رحمۃ اللہ علیہما اور دوسری چھوٹی مائی صاحبہ کلاچی والی۔

ب۔ صاحبزادہ مولانا محمد معصوم صاحب مع اولاد

ج۔ چار صاحبزادیاں

د۔ دو پوتے، صاحبزادہ محمد عارف و محمد زاہد سلمہما پسران مولانا محمد سعید مرحوم

ھ۔ ایک پوتی ہمشیرہ محمد عارف صاحب

ان کے علاوہ بہت سے خلفاء اور ارادت مندانِ باکمال چھوڑے۔ خلفاء کے اسمائے گرامی بتیس [۳۲] تک معلوم ہو سکے، جن کی تفصیل حسبِ ذیل ہے:۔

۱۔ جانشینِ حضرت اعلیٰ، نائبِ قیومِ زماں حضرت مولانا محمد عبد اللہ صاحبؒ لدھیانوی فاضلِ دار العلوم دیوبند جو آپ کے وصال کے بعد حسبِ وصیتِ مذکورہ ۱۴ صفر المظفر ۱۳۶۰ھ کو مسندِ ارشاد پر متمکن ہو کر غم زدگانِ فرقت اور برادرانِ طریقت کے مونس و چارہ گر بنے۔ تحفۂ سعدیہ کے آخر میں آپ کے حالات تفصیل سے بیان ہوں گے

۲۔ حضرت مولانا سید عبد اللہ شاہ صاحبؒ۔ آپ احمد پور سیال کے رہنے والے تھے۔ اولاً حضرت خواجہ سراج الدین قدس سرہٗ سے بیعت ہوئے پھر حضرت خواجہؒ نے آپ کو اعلیٰ حضرت قدس سرہٗ کی خدمت میں تربیت کے لیے بھیج دیا۔ نہایت قوی الاستعداد اور پاکیزہ فطرت تھے۔ خلافت سے نوازے گئے اور بہت باکمال ہوئے۔ چالیس سال کی عمر میں حضرت اعلیٰ کی زندگی ہی میں فوت ہو گئے۔ آپ کو ان کی وفات کا بہت غم تھا اور یہ غم اس وقت تک دور نہ ہوا جب تک اعلیٰ حضرت کی منشائے مبارک کے مطابق مولانا محمد عبد اللہ

صاحب کی تکمیلِ سلوک نہ ہو گئی۔

۳۔ حضرت مولانا قاضی صدرُ الدین صاحب مدظلہ۔ آپ نے اعلیٰ حضرت کی خدمت میں سلوک نقشبندیہ مجددیہ کی منازل طے کیں۔ مجاز ہو کر اپنے وطنِ مالوف ہری پُور تشریف لے گئے۔ ہری پور کے قریب موضع دریش آپ کا آبائی مسکن ہے۔ آپ نے کچھ عرصہ بعد ہری پور میں ریلوے اسٹیشن کے قریب خانقاہ نقشبندیہ تعمیر فرمائی جس میں مختلف عمارات کے علاوہ ایک خوبصورت مسجد اور مدرسہ ربانیہ عربیہ قائم ہے۔ آپ محترم قاضی شمسُ الدین صاحب مدظلہ کے برادرِ بزرگ ہیں۔ آپ کا حلقۂ ارادت بڑا وسیع ہے اور طالبانِ معرفت کو اپنے فیضان سے نواز رہے ہیں۔

۴۔ حضرت حاجی میاں جان محمدؒ صاحب قدس سرہٗ۔ ساکن باگڑ سرگانہ ضلع ملتان۔ آپ ایک متمول زمیندار گھرانے کے چشم و چراغ تھے۔ اعلیٰ حضرت کی بارگاہ میں حاضر ہو کر داخلِ طریقہ ہوئے اور نہایت مخلص اصحاب کے زمرہ میں شامل ہُوئے۔ کامل توجہ اور عالی ہمتی کے ساتھ صُحبتِ شیخ سے استفادہ کیا۔ حضرت اعلیٰ بھی نہایت شفقت و دلسوزی سے آپ کی تربیت اور نگرانی فرماتے رہے۔ مقاماتِ ولایت طے کر لینے کے بعد اجازتِ طریقۂ نقشبندیہ سے سرفراز ہوئے اور باگڑ و ملتان کے علاقہ میں فیض رسانی کا سلسلہ جاری فرمایا۔ باگڑ کا تمام علاقہ اعلیٰ حضرت کے متعدد بار تشریف لے جانے سے فیوض و برکات سے منور ہو گیا۔ آپ باگڑ کو اپنا گھر فرمایا کرتے تھے۔ حضرت میاں جان محمدؒ صاحب کا حلقۂ ارادت ملتان، ساہیوال اور لائل پُور میں خاصا وسیع ہے۔

اعلیٰ حضرت کی وفات کے بعد بھی آپ نے تحصیلِ سیر و سلوک کا سلسلہ قائم رکھا۔ جانشین حضرت اعلیٰ مولانا محمد عبداللہ صاحب کے ہاتھ پر تجدیدِ بیعت فرما کر از سرِ نو سلوکِ نقشبندیہ طے کیا اور حضرت ثانی رحمہ اللہ سے ہر چہار سلاسلِ طریقت میں خلافت پائی۔ آپ کا حضرت ثانیؒ سے محبت و الفت کا رابطہ نہایت مستحکم تھا۔

حضرت ثانیؒ کے بعد موجودہ حضرت کے حلقۂ ارادت میں شامل ہوئے تو لوگوں نے پوچھا کہ اب آپ نے کس لیے تجدیدِ بیعت فرمائی ہے؟ میاں صاحب نے جواب دیا کہ میں اپنے نفس کو آزاد چھوڑنے کی بجائے اسے پابند رکھنا چاہتا ہوں۔ چنانچہ حضرت قبلہ مولانا ابُو الخلیل خان محمد صاحب سے مُریدانہ انداز میں ادب و احترام کے ساتھ پیش آتے اور حلقۂ ذکر و مراقبہ میں شریک ہُوا کرتے تھے۔ حضرت میاں جان محمد صاحب کے پس ماندگان

میں دو بیوگان اور ایک صاحبزادہ میاں بخان محمد صاحب ہیں۔ صاحبزادہ موصوف نہایت شریف اور نیک نفس ہیں والد مرحوم کی اقتدا میں خانقاہ شریف سے وابستہ ہیں۔

۵۔ مولانا سید عبدالسلام احمد شاہ صاحبؒ۔ آپ کے والد ماجد سید برکت علی شاہ رحمہ اللہ حضرت خواجہ محمد عثمان و حضرت خواجہ سراج الدین قدس سرہما کی طرف سے تمام سلاسل طریقت میں مجاز تھے۔ آپ کی ولادت باسعادت ماہ شعبان ۱۳۲۰ھ میں کلکتہ میں ہوئی۔ اردو، فارسی اور عربی تعلیم خانقاہ برکتیہ، کالج اسکوائر کلکتہ میں حاصل کی۔ سلوک کے ابتدائی اسباق تھے کہ ۱۳۳۵ھ میں والد ماجد کا انتقال ہو گیا اس کے بعد آپ نے تعلیم و سلوک کی تکمیل کے لیے علی گڑھ اور دیگر مقامات کا سفر کیا۔ بالآخر حضرت اعلیٰ کی خدمت میں خانقاہ سراجیہ حاضر ہوئے۔ آپ کے دستِ مبارک پر بیعت کر کے سلوکِ مجددیہ کی تحصیل میں مشغول ہو گئے۔

کچھ عرصہ دہلی میں قیام کیا۔ مدرسہ عبدالرب کشمیری گیٹ میں تحصیلِ علم کا سلسلہ جاری رکھا اور فنِ کتابت میں بھی مہارتِ تامہ پیدا کی۔ دوبارہ خانقاہ سراجیہ آ کر کئی سال قیام فرمایا۔ خلافت سے سرفراز ہونے کے بعد ۱۹۳۲ء سے ۱۹۵۰ء تک ۱۸ سال کلکتہ میں ترویجِ طریقہ فرمائی۔ اس کے بعد ڈھاکہ منتقل ہو گئے۔ کولوٹولہ میں چند روز قیام کے بعد محلہ نارندہ میں اپنی خانقاہ تعمیر کرائی۔ کلکتہ، جیسور، ڈھاکہ اور اس کے مضافات میں آپ کے ارادتمندوں کی تعداد بکثرت ہے۔

فرمایا کرتے تھے کہ زندگی میں کوئی مشکل ایسی پیش نہیں آئی کہ اعلیٰ حضرت کی روحِ مبارک کو گیارہ مرتبہ سورۃ الفاتحہ کے ایصالِ ثواب کے بعد حل نہ ہو گئی ہو۔ فقیر محمد یونس صاحب کی تالیف سبل السلام میں آپ کے حالات تفصیل کے ساتھ مذکور ہیں۔ آخر کار سترہ سال مشرقی پاکستان کو اپنے فیوض و برکات سے مالامال کرنے کے بعد ۱۸ شوال ۱۳۸۶ھ / ۱۹۶۶ء میں خاکدانِ عالم فانی کو خیرباد کہا۔ رحمہ اللہ تعالیٰ رحمۃ واسعۃ

۶۔ حضرت مولانا مفتی عبدالغنی صاحبؒ۔ ساکن ریاست مالیر کوٹلہ۔ آپ اعلیٰ حضرت کے خلفائے اجلہ میں سے تھے۔ درسِ نظامیہ کے فارغ التحصیل ہونے کے علاوہ فقہ و حدیث میں خاص ملکہ رکھتے تھے۔ مولانا خلیل احمد صاحب مفتی ریاست مالیر کوٹلہ کے ارشد تلامذہ میں سے تھے۔ شروع میں مسجد محلہ کھٹیکاں میں امام و خطیب مقرر ہوئے۔ بعد ازاں انٹر کالج مالیر کوٹلہ میں عربی کے پروفیسر متعین ہوئے۔ مفتی خلیل احمد صاحب کے انتقال پر منصبِ افتاء

بھی آپ کے سپرد کر دیا گیا۔

اسی دوران آپ کسی چشتی بزرگ سے بیعت ہوئے اور سلوک چشتیہ کے کچھ مراحل طے کرنے کے بعد اجازت حاصل کر چکے تھے کہ شیخ کا انتقال ہو گیا۔

مستری ظہور الدین صاحب مفتی صاحب کے قریب ہی رہائش پذیر تھے۔ حضرت اعلیٰ محلہ معماراں میں مستری صاحب موصوف کے مکان پر تشریف لائے تو مفتی صاحب نے وہاں آپ کی زیارت کی، حلقۂ ارادت میں شامل ہوئے اور پہلی توجہ ہی میں مغلوب الحال ہو گئے۔

پھر خانقاہ سراجیہ حاضر ہو کر اعلیٰ حضرت کی خصوصی توجہات کے باعث ایک ہفتہ میں ولایتِ علیا تک مدارجِ سلوک طے فرمائے۔ مجازِ طریقت ہو کر مالیر کوٹلہ واپس تشریف لے گئے۔ وہاں حسبِ ارشادِ شیخ ذکر و فکر کے ساتھ درسِ حدیث کا شغل بھی جاری رکھا۔

احمد علی خان نواب ریاست مالیر کوٹلہ کا ایک چچازاد بھائی مرزائی ہو گیا۔ نواب اپنی لڑکی کا نکاح مرزائی بھائی کے لڑکے سے کرنا چاہتا تھا۔ جب اس نے اس سلسلہ میں حضرت مولانا[1] سے استفتا کیا تو آپ نے فرمایا:

"مرزائی کافر و مرتد ہیں ان کے ساتھ کسی مسلمان لڑکی کا نکاح باطل ہے"۔

چنانچہ اعلائے کلمۃ الحق کے باعث پروفیسری اور افتاء ہر دو عہدوں سے دست بردار ہونا پڑا۔ سبحان اللہ! یہ حضرت اعلیٰ کی تربیت کا فیض تھا کہ آپ کا کوئی خادم کسی طاغوتی قوت کے سامنے ہتھیار نہ ڈال سکتا تھا۔

مسلمانانِ پٹیالہ کے ایک وفد کی دعوت پر وہاں تشریف لے گئے۔ خطابت و افتاء کا منصب سنبھالا اور درس و تدریسِ حدیث کے لیے ایک مدرسہ قائم کیا۔ پھر مسجد ترکی میں ایک مدرسہ عربیہ جاری کیا۔ امامت و خطابت کے فرائض انجام دینے کے ساتھ مسجد و مدرسہ کی توسیع فرمائی۔

۱۹۴۱ء میں موسمِ گرما کے آغاز میں بیمار ہو کر پٹیالہ سے مالیر کوٹلہ چلے آئے اور یہاں چند روزہ علالت کے بعد مالکِ حقیقی سے جا ملے۔ رحمہ اللہ تعالیٰ ابداً سرمداً

۷۔ مولانا مفتی محمد شفیع صاحبؒ بانی سراج العلوم سرگودھا۔ آپ بھی حضرت اعلیٰ کے جلیل القدر خلفاء

---

[1] حضرت مولانا مفتی عبدالغنی صاحبؒ کے یہ حالات حالی جناب ہیڈ ماسٹر شادی خان مدظلہ نے قلم بند کرائے ہیں۔

میں سے تھے۔ فقہ و حدیث میں بلند پایہ شخصیت تھے۔ اعلیٰ حضرت کے حسب ارشاد ظاہری علوم کی تکمیل کی اور پھر آپ کی خدمت میں کامل سلوک طے کیا۔ ان کے متعلق یہ واقعہ مشہور ہے کہ حافظہ کمزور تھا۔ ایک دفعہ اعلیٰ حضرت کا بنیان دھویا اور جوشِ عقیدت و فرطِ محبت میں اس کا میل پی گئے۔ اس عمل کی برکت سے قوتِ حافظہ تیز ہوئی اور ذہن نے جلا پائی اپنے لباس، وضع قطع اور نشست و برخاست میں حضرت اعلیٰ کی پیروی باعثِ شرف سمجھتے تھے۔ اعلیٰ حضرت کے صاحبزادے محمد سعید مرحوم نے آپ سے استفادہ کیا۔ بعد میں محمد سعید مرحوم کے صاحبزادے محمد عارف صاحب سلمہ نے آپ سے دورۂ حدیث کی تکمیل کی۔

مجازِ طریقت ہونے کے بعد درس و تدریس، وعظ و افتاء اور ترویجِ طریقہ میں مصروف رہے۔ بہت سے طالبانِ حق کی رہنمائی فرمائی۔ آپ کے تلامذہ و متوسلین کا سلسلہ پاکستان بھر میں پھیلا ہوا ہے۔

امورِ دینیہ میں شبانہ روز مشتغل رہتے ہوئے رفیقِ اعلیٰ سے جاملے۔ رحمہ اللہ تعالیٰ

۸۔ **حکیم مولانا عبدالرسول صاحب ابن حکیم قمرالدین صاحب رحمہما اللہ۔ ساکن بھکھر ضلع سرگودھا۔** آپ حضرت اعلیٰ کے قدیم متوسلین میں سے تھے۔ پنجابی، اردو، فارسی اور عربی چاروں زبانوں کے شاعر تھے۔ صاحب کمالات و فضائل تھے۔ فنِ طب و دواسازی میں ماہر تھے۔ بے شمار اطباء نے آپ سے استفادہ کیا، جن میں حکیم عبدالمجید سیفی سرفہرست تھے۔ فنِ طب پر متعدد رسائل تصنیف کیے۔ پہلے مولانا غلام مرتضیٰ صاحبؒ سے بیعت ہوئے اور ان کے حالات پر ایک کتاب 'انوارِ مرتضویہ' تصنیف فرمائی۔ ان کے وصال کے بعد اعلیٰ حضرت کے دامن سے وابستہ ہوئے اور خلافت پائی۔ حضرت اعلیٰ کے وصال پر درد انگیز اشعار اور متعدد قطعاتِ تاریخ نظم فرمائے۔ حضرت خواجہ سراج الدین رحمہ اللہ کی تاریخِ وصال بھی کہی۔ فارسی میں اعلیٰ حضرت کے سوانح حیات ایک ضخیم کتاب کی شکل میں مرتب فرمائے جو ہنوز طبع نہیں ہوئی۔ آپ کو یہ شرف بھی حاصل تھا کہ آپ کی صاحبزادی حضرت اعلیٰ کے صاحبزادے محمد سعید صاحب رحمہ اللہ کے عقد میں تھی۔ مزار مبارک بھکھر میں مسجد کے احاطہ میں واقع ہے۔ رحمۃ اللہ علیہ

۹۔ **حضرت مولانا سید مغیث الدین شاہ صاحب فاضل دارالعلوم دیوبند۔ ساکن چاندپور ضلع بجنور، یوپی** آپ حضرت اعلیٰ کے ممتاز خلفاء میں سے تھے۔ دورۂ حدیث تک تعلیم دیوبند میں حاصل کی۔ فقہ و ادب حضرت مولانا اعزاز علی صاحبؒ سے، تفسیر حضرت مولانا مفتی عزیزالرحمٰن نقشبندی مجددیؒ سے، دورۂ حدیث صدرالمدرسین

حضرت علامہ سید انور شاہ صاحب کشمیریؒ، حضرت مولانا شبیر احمد عثمانی اور حضرت مولانا اصغر حسین صاحب سے اور فنونِ عقلیہ فلسفہ و منطق وغیرہ حضرت مولانا رسُول خان اور مولانا محمد ابراہیم بلیاوی رحمہم اللہ سے پڑھے۔

طالب علمی کے زمانہ میں حضرت اعلیٰ سے بیعت ہو چکے تھے۔ اب فارغ التحصیل ہونے کے بعد آپ کی خدمت میں حاضر ہو کر تمام مقاماتِ سلوک طے کیے اور مجازِ طریقت ہوئے۔ بہ سلسلۂ ملازمت ایران چلے گئے اور وہاں کچھ مدت قیام کرنے کے بعد مدینہ منورہ ہجرت کر گئے۔ حج بیت اللہ سے فارغ ہو کر مدینہ منورہ میں مستقل قیام اختیار کر لیا اور پھر مدینہ منورہ کی حدود سے باہر قدم نہ نکالا مبادا شہرِ نبیؐ پاک میں مدفون ہونے کی سعادت سے محرُوم ہو جائیں۔ کسبِ معاش کے پیشِ نظر چند روز 'المطعم الہندی' کے نام سے ایک ہوٹل بھی کھولا تھا۔ رہائش گاہ مسجدِ سیدنا علی کرم اللہ تعالیٰ وجہہ کے متصل تھی اور تا دمِ واپسیں یہاں مقیم رہے۔

نہایت سادگی پسند، قناعت گزیں اور متواضع بزرگ تھے۔ حبِ جاہ و مال سے یکسر کنارہ کش رہے۔ مدینہ منورہ میں کوئی زائر خانقاہ سراجیہ سے تعلق رکھنے والا مل جاتا تو اس کے لیے فرشِ راہ بن جاتے۔ حضرت ثانیؒ اور موجودہ حضرت جب کبھی حج کے لیے گئے تو آپ نے ہمیشہ انہیں مدعو کیا اور عقیدت و محبت کے ساتھ اپنے ہاں ٹھہرایا۔

عصر سے مغرب تک مسجدِ نبویؐ میں تلاوتِ کلام پاک کا معمول تھا جس پر عمر بھر کاربند رہے۔

ادارہ سعدیہ مجددیہ سے ہمیشہ تعاون کرتے رہے۔ کتاب ہٰذا کی طباعت کے لیے زرِ کثیر عطا فرمایا مگر افسوس کہ اس کی طباعت سے پیشتر ۲۹ شعبان ۱۳۹۱ھ میں اپنے مالکِ حقیقی سے جا ملے اور حسبِ دلخواہ جنت البقیع میں مدفون ہوئے۔ غفرہ اللہ تعالیٰ مغفرۃ واسعۃ

۱۰۔ مولانا محمد زمان صاحبؒ۔ اعلیٰ حضرت کے خلیفۂ مجاز اور علمِ ظاہر و باطن کے جامع تھے۔ درسِ فقہ و حدیث آپ کے خصوصی مشاغل میں شامل تھا۔ موضع جاگل، تحصیل ہری پور ضلع ہزارہ کے رہنے والے تھے۔ حضرت اعلیٰ کی خدمت میں رہ کر سلوکِ نقشبندیہ اور مقاماتِ مجددیہ کا اکتساب کیا اور اجازتِ مطلقہ سے سرفراز ہوئے۔ کھوہ ترکھاں والا تحصیل بھکر ضلع میانوالی میں اقامت گزیں تھے۔ مجازِ طریقت ہونے کے بعد سال ڈیڑھ زندہ رہے۔ اس قلیل مدت میں اشاعت و توسیع سلسلہ کے لیے سعیِ بلیغ فرمائی۔ صوفی محمد یار صاحب ساکن خانپور تحصیل بھکر ضلع میانوالی اور مولوی خدا بخش کلال نے اولاً آپ ہی سے بیعت کی تھی۔ رمضان شریف اعلیٰ حضرت کی خدمت میں گزارا کرتے تھے ...

ایک مرتبہ رمضان المبارک کے مہینہ میں حاضر ہوئے، سخت سردی کا موسم تھا۔ بیمار ہوئے اور چند روز کے بعد واصل بحق ہو گئے۔ خانقاہ شریف کے احاطۂ مزارات میں مدفون ہوئے۔[1]

۱۱۔ حضرت شیخ محمد مکرانی قدس سرہٗ۔ مکران سے کسبِ فیض کے لیے حضرت اعلیٰ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ بڑے خوش الحان اور بلند آواز تھے۔ خانقاہ شریف میں قیام کے دوران آپ ہی اذان دیا کرتے تھے۔ آواز میں بلا کا سوز و گداز تھا۔ جب اذان دیتے خانقاہ شریف کی فضا وجد میں آجاتی تھی۔ کسبِ سلوک کر کے حضرت اعلیٰ سے طریقۂ نقشبندیہ کی اجازت پائی۔ آپ کے وصال کے بعد حضرت ثانیؒ کی خدمت میں رہ کر تمام مقاماتِ مجددیہ طے کیے اور سلاسلِ اربعہ میں مجاز ہوئے۔ پھر وطن چلے گئے۔ وہاں سے ایران اور ایران کے بعد کویت میں محلہ فحیحیل کی مسجد میں حکومت کی طرف سے خطیب مقرر ہوئے اور یہیں وصال فرمایا۔

۱۲۔ مولٰنا نذیر احمد عرشیؒ دھنولوی۔ آپ حضرت اعلیٰ سے مجاز تھے۔ رسالہ تحفۂ سعدیہ اعلیٰ حضرت کے حالات پر مرتب فرمایا۔ بلند پایہ شاعر تھے۔ مفتاح العلوم شرح مثنوی مولانا رومؒ بیس جلدوں میں مدون فرمائی۔ تفصیلی ذکر آغاز کتاب میں درج ہے۔ رحمہ اللہ تعالیٰ

۱۳۔ حضرت مولانا محمد یوسف صاحب مدظلہ، سجادہ نشین خانقاہ حسینیہ کانپور۔ آپ نے حضرت اعلیٰ قدس سرہٗ کے زیرِ سرپرستی خانقاہ سراجیہ میں ظاہری و باطنی علوم کی تکمیل کی۔ حضرت ثانیؒ کے رفقائے سلوک میں سے ہیں۔ مجازِ طریقت ہوئے۔ اعلیٰ حضرت کے وصال کے بعد حضرت ثانیؒ کے حلقۂ ارادت میں شامل ہوئے۔ مراتبِ عالیہ پر فائز ہیں۔ مسندِ ارشاد پر متمکن ہونے کے بعد فیض رسانیٔ خلق میں مشغول ہیں۔ راقم الحروف کو متعدد بار ان سے سرہند شریف میں ملاقات کا شرف حاصل ہوا۔ عمرہ اللہ تعالیٰ وابقاہ

۱۴۔ حضرت سید مختار احمد شاہ صاحب، ساکن اترولی ضلع علی گڑھ۔ تحصیلِ سلوک کے بعد مجازِ طریقت ہوئے مقاماتِ عالیہ کے حصول میں سرگرم رہے۔ زمانۂ درویشی میں نہایت متوکل اور صاحبِ تمکین تھے۔ کپڑوں کے ایک دو جوڑے ساتھ لاتے اور طویل مدت تک خانقاہ شریف میں قیام کرتے۔ انوار و برکاتِ طریقہ سے معمور اور صاحبِ حضور تھے۔ عنفوانِ شباب میں رحلت فرما گئے۔ رحمہ اللہ رحمۃً واسعۃً

---

[1] یہ حالات صوفی محمد یار صاحب نے قلمبند کرائے۔ تاریخیں انھیں یاد نہ تھیں اس لیے ان کا اندراج نہ ہو سکا۔

۱۵- حضرت مولٰنا سید جمیل الدین احمد صاحب میرٹھی ثم بہاولپوری - فاضل دارالعلوم دیوبند - آپ عالی جناب میر محمد یامین صاحب وزیرِ اعظم ریاست مالیر کوٹلہ کے فرزند ارجمند ہیں - فارغ التحصیل ہونے کے بعد بہاولپور آ گئے - اولاً مدرسہ ثانویہ میں معلّم عربی کے عہدہ پر فائز ہوئے پھر مدارسِ عربیہ کے انسپکٹر مقرر ہوئے - ابھی معلّم عربی کی حیثیت سے کام کر رہے تھے کہ حسنِ اتفاق اور توفیقِ خداداد سے اعلیٰ حضرت کی بیعت سے مشرف ہوئے اور چند روز ہی میں بیحد متاثر اور مغلوبُ الحال ہو گئے - اپنے اقارب اور متعارفین کی کثیر تعداد کو داخلِ طریقہ کرایا - مجازِ طریقت ہوئے مگر اپنی افتادِ طبع اور دیدِ قصور کی وجہ سے سلسلۂ بیعت جاری نہیں کیا - فرمایا کرتے ہیں کہ اعلیٰ حضرت نے مجھے طریقۂ پاک کے مبلغ کا خطاب دیا تھا - حضرت اعلیٰ کے فضائل و کمالات بیان کرنے میں نہایت شگفتہ گفتار اور خوب باغ و بہار انسان ہیں - رسائل و مکتوباتِ امام ربانی پر کامل عبور رہے - اکابرِ نقشبندیہ کے اسرار و معارف اور علمائے دیوبند کے احوال و آثار کے گویا حافظ ہیں - محکمۂ تعلیم سے پنشن پا رہے ہیں - آج کل بعض عوارضِ جسمانیہ کے باعث کمزور و نحیف ہو گئے ہیں - اللہ تعالیٰ انہیں سلامت رکھے - بڑی خوبیوں کے بزرگ ہیں - یہ ناچیز بھی آپ ہی کی وساطت سے حضرت ثانیؒ کے دستِ مبارک پر بیعت ہوا -

۱۶- حضرت مولٰنا پیر سید لعل شاہ صاحبؒ، جنڈیر نیازی والا ضلع جھنگ - اعلیٰ حضرت سے مجازِ طریقت ہونے کے بعد فیوضاتِ سلسلہ سے اپنے خطہ کو سیراب کیا - عالم ظاہر و باطن تھے - رحمہ اللہ تعالیٰ

۱۷- مولانا احمد دین صاحب کیلوی (ضلع سرگودھا) آپ بہت بڑے فقیہ تھے اور معروف عالم دین حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب کے چچا تھے - معقول و منقول کے جامع اور حضرت اعلیٰ کے ممتاز خلفاء میں سے تھے -

۱۸- حکیم حافظ حسن پیر صاحبؒ (خوشاب ضلع سرگودھا) - ماہرِ فن حکیم اور صاحبِ دل درویش تھے - نہایت وجیہ، خوش گفتار و خوش کردار - حضرت اعلیٰ سے مجازِ طریقت ہوئے اور مقاماتِ عالیہ حاصل کیے - حضرت ثانیؒ اور موجودہ حضرت سے بھی رابطۂ روحانی برقرار رکھا - حکمتِ ظاہری و باطنی سے خلقِ خدا کو فیض یاب کر کے رہسپارِ عالمِ بقا ہوئے - رحمہ اللہ تعالیٰ

۱۹- حضرت مولٰنا عبدالستار صاحب مدظلہ - آپ اعلیٰ حضرت کے قدیم ترین خدام میں سے ہیں - ۱۸ سال خدمتِ اقدس میں رہے اور دو مرتبہ کامل سلوک طے کیا - حضرت اعلیٰ سے بیعت ہوتے ہی طلاء اعلیٰ، بہشت اور

حُور و غلمان کا مشاہدہ کیا، اس کے بعد روح میں اس قدر لطافت آگئی کہ مشتبہ کھانا کھا لیتے تو وہ شکم میں نہ ٹھہرتا تھا۔
حضرت اعلیٰ نے جب انھیں اس حال میں دیکھا تو اپنی توجہ سے اس کیفیت کو قدرے کم کر دیا۔
عالمِ شباب میں چیچک کے مرض میں مبتلا ہوئے، جب تمام اطباء علاج معالجہ سے عاجز آگئے تو مولانا کی والدہ آپ کو اعلیٰ حضرت کی خدمت میں لے آئیں اور دُعا کی درخواست کی۔ حضرت اعلیٰ نے ان کی والدہ سے فرمایا:۔

"مت گھبراؤ! عبدالستار ابھی نہیں مرے گا۔ میرے پاس اس کی امانت ہے جو اس کے سپُرد کرنا ہے اور اسے ولایت کے مقامات طے کرانے کے بعد مجازِ طریقت بنانا ہے۔"

مولانا میں ذوق و شوق، صداقتِ طلب اور جذبۂ خدمت سب بدرجۂ اتم موجود تھے۔ ایک مرتبہ کھولہ شریف میں قیام کے دوران حضرت اعلیٰ نے مولانا سے عشاء کی نماز کے بعد فرمایا "عبدالستار! ذرا میانوالی جانا ہے۔" اس کے بعد آپ خاموش ہو گئے۔ ارشاد کا مفہوم یہ تھا کہ کل تمھیں میانوالی کسی کام کے لیے بھیجیں گے۔ آپ موسم سرما کی شدت سے بے نیاز ہو کر رات کی تاریکی میں کھولہ سے میانوالی گئے۔ وہاں ایک مسجد میں نوافل پڑھے اور واپس تشریف لے آئے۔ صبح حضرت اعلیٰ سے فرمایا کہ میں آج رات میانوالی ہو کر آگیا ہوں۔ حضرت اعلیٰ روئے مبارک کو رومال سے ڈھانپ کر کافی دیر تک ہنستے رہے۔ اس کے بعد فرمایا: بھولے فقیر! کچھ پوچھ تو لیا ہوتا کہ آخر وہاں کیا کام ہے ؎

جذبۂ بے اختیارِ شوق دیکھا چاہیے
سینۂ شمشیر سے باہر ہے دم شمشیر کا

مجازِ طریقت ہونے کے بعد موضع کچھی والا ضلع میانوالی تشریف لے گئے اور وہیں رہائش اختیار کی۔ چند سال پیشتر حج بیت اللہ کے لیے گئے۔ ان ایام کا ایک واقعہ قارئین کی ایمان افروزی کا موجب ہوگا۔
مولانا بیت اللہ شریف کا طواف کر رہے تھے۔ حجرِ اسود کا بوسہ لینے میں عالم پیری کی ناتوانی حائل تھی۔ اسی کشمکش میں آپ کا ایک خوبصورت رومال بھی گر گیا۔ یکایک ایک دراز قد وجیہ بزرگ تشریف لائے اور حجرِ اسود کو بوسہ دینے میں مولانا کی مدد فرمائی۔ استفسار پر جواب دیا کہ میں ابراہیم خلیل اللہ ہوں اور رخصت ہو گئے۔
اس رات سیدنا ابراہیم علیہ السلام نے مولانا کو اپنی زیارت سے مشرف کرنے کے بعد فرمایا، آپ کا وہ رُومال جو طواف کرتے بوقت گر گیا تھا، اس وقت حطیم پر رکھا ہوا ہے۔ چنانچہ مولانا نے اپنے معلم کے ایک خادم کو بھیج کر حطیم

سے اُس رُومال کو منگوالیا۔

اللہ تعالیٰ انھیں درازیٔ عمر بخشے اور ان کے فیوض و برکات سے خلق کو بہرہ ور فرمائے۔ آمین

۲۰۔ مولانا سراج الدین صاحبؒ رانجھا (چاوہ ضلع سرگودھا)۔ علم ظاہر و باطن میں ممتاز اور حضرت اعلیٰ کی طرف سے اجازتِ طریقہ سے سرفراز ہوئے۔ اخلاقِ عظیمہ اور مراتبِ عالیہ کے مالک تھے۔ آپ کے صاحبزادے مولانا حکیم عبیداللہ صاحب خانقاہ شریف سے اخلاص و محبت کے ساتھ وابستہ ہیں۔

۲۱۔ حضرت مولانا نصیرالدین صاحب بگویؒ (بھیرہ ضلع سرگودھا)۔ نہایت جید عالم تھے۔ شغل درس و تدریس تھا اللہ تعالیٰ نے انھیں باطنی معارف سے بھی حظِ وافر عطا فرمایا تھا۔ اعلیٰ حضرت کی طرف سے مجازِ طریقت ہوئے۔ موٹر کے حادثہ میں اہلیہ اور چھوٹے بچوں سمیت شہید ہوئے۔ اعلیٰ حضرت کو ان کے انتقال کا سخت صدمہ ہوا تھا۔ پسماندگان میں حاجی افتخار احمد صاحب بگوی اور حکیم برکات احمد صاحب ہیں۔

۲۲۔ حضرت میاں اللہ دتہ صاحبؒ سرگانہ (باگڑ سرگانہ ضلع ملتان) بہت نیک نفس اور صاحبِ کمالاتِ روحانیہ تھے۔ اعلیٰ حضرت سے بیعت ہوئے اور تحصیلِ سلوکِ نقشبندیہ میں سرگرم رہے۔ اجازتِ طریقہ سے ممتاز ہوئے۔

۲۳۔ حضرت فقیر سلطان صاحبؒ سرگانہ (باگڑ ضلع ملتان)۔ آپ حضرتِ اعلیٰ کے باخلاص متوسلین میں سے تھے۔ کسبِ سلوک اور ذکر و فکر میں ہمیشہ مشغول رہتے۔ حضرت اعلیٰ کی طرف سے اجازتِ طریقہ کی نعمتِ غیر مترقبہ نصیب ہوئی۔ ہمہ عمر استقامت کی راہ پر گامزن رہے۔

۲۴۔ حضرت مولانا مفتی عمیم الاحسان صاحب مدظلہ العالی (ڈھاکہ مشرقی پاکستان) آپ بحمداللہ صوری و معنوی کمالات کے جامع اور مراتبِ عالیہ پر فائز ہیں۔ اولاً حضرت برکت علی شاہ صاحبؒ (کلکتہ) سے بیعت ہوئے، مگر تھوڑے عرصہ بعد ہی شیخ کا وصال ہوگیا۔ اس کے بعد اعلیٰ حضرت سے رابطۂ باطن استوار کیا اور سلسلۂ عالیہ نقشبندیہ مجددیہ کی خلافت سے بہرہ یاب ہوئے۔ مدرسہ عالیہ ڈھاکہ کے پرنسپل اور بیت المکرم کے خطیب ہیں۔ عمرہ اللہ تعالیٰ و ابقاہ

۲۵۔ حضرت مولانا مہر دین احمد صاحبؒ ڈھاکہ مشرقی پاکستان) آپ بھی مرتبہ کمال و تکمیل کو پہنچ کر مجازِ طریقت ہوئے اور اپنے حلقۂ اثر میں ترویجِ طریقہ فرما کر فیض اکابر جاری فرمایا۔

۲۶۔ حضرت علی بہادر صاحب۔ آپ بھنگ بالا متصل مانسہرہ کے رہنے والے تھے۔ ابتدائی ایام رہزنوں کے

ساتھ بسر ہوئے، مگر وہ جوہرِ فطرت جو قاسمِ ازل نے انھیں ودیعت کیا تھا آخر کار چمکا اور اعلیٰ حضرت کے دست حق پرست پر سابقہ زندگی کے رذائل سے تائب ہوئے اور بیعت کی۔ قدیم ترین ارادتمندوں میں سے تھے جس کے باعث آپ ان سے بہت زیادہ مانوس تھے۔ اجازتِ طریقہ سے مشرف ہوئے۔

۲۷۔ عالیجناب ڈاکٹر محمد شریف صاحب قدس سرہٗ (ضلع بنوں) آپ اعلیٰ حضرت کے ممتاز متوسلین اور خلفاء میں سے تھے۔ محکمۂ صحت میں ملازم رہے۔ پھر ملازمت چھوڑ کر خاکسار تحریک میں شامل ہوئے۔ اس کے بالمقابل پھر میں علماء کی تحریک فوجِ محمدی شروع ہوئی تو وہاں معلومات حاصل کرنے کی غرض سے پہنچے۔ مولانا ظہور احمد صاحب بگوی سے ملاقات ہوئی، ان کی وساطت سے داخلِ طریقہ ہوئے اور خلافت پائی۔ حضرت اعلیٰ کے وصال کے بعد حضرۃ ثانیؒ سے تجدیدِ بیعت کی اور ان کے بعد موجودہ حضرت کے حلقۂ ارادت میں شامل رہے۔ کندیاں میں رہائش پذیر تھے مرض الموت میں خانقاہ شریف آکر حضرت شیخ کی خدمت میں اقامت گزیں ہوئے اور یہیں رحمتِ الٰہی نے انھیں اپنی آغوش میں لے لیا۔ احاطہ مزاراتِ متبرکہ میں مدفون ہوئے۔ رحمہ اللہ تعالیٰ و نور مرقدہ

۲۸۔ جناب مستری ظہور الدین صاحبؒ (مالیر کوٹلہ)۔ آپ اعلیٰ حضرت کے مخلص اور باکباز مریدوں میں سے تھے۔ پیشہ معماری تھا۔ تعمیرِ مسجدِ خانقاہ میں پورا پورا حصہ لیا۔ آپ کا ذکر بہ سلسلۂ کراماتِ حضرت اعلیٰ تحفۂ سعدیہ میں موجود ہے۔ مجازِ طریقت ہوئے۔ انھی کی وساطت سے مفتی عبد الغنی صاحب اور مولانا نذیر عرشی صاحب کو سلسلۂ عالیہ میں داخل ہونے کی سعادت نصیب ہوئی۔ رحمہ اللہ تعالیٰ

۲۹۔ حضرت مولانا نور احمد صاحب ساکن وتہ خیل ضلع میانوالی۔ آپ جید علمائے کرام میں سے تھے۔ اعلیٰ حضرت کی خدمت میں تحصیل سلوک طے فرمایا اور شرفِ اجازت سے ممتاز ہوئے۔ نہایت سادہ مزاج اور باکمال بزرگ تھے۔ کچھ عرصہ مدرسہ عربیہ سعدیہ خانقاہ شریف میں درس بھی دیتے رہے۔ اعلیٰ حضرت، حضرت ثانیؒ اور موجودہ حضرت سے رابطۂ روحانی استوار رکھا۔ صبر و قناعت اور توکل کا مجسمہ تھے۔ رحمہ اللہ تعالیٰ

۳۰۔ جناب حاجی عبد الوہاب صاحب (تاجر چرم کانپور و کلکتہ) آپ کلکتہ کے ایک دولت مند تاجر تھے۔ شاہ عبد السلام صاحب کے حسنِ ارشاد سے متوجہ خانقاہ سراجیہ ہوئے اور شرفِ بیعت حاصل کیا۔ کچھ عرصہ بعد کاروبار بھائیوں کے سپرد کر کے تحصیلِ سلوک کے لیے خانقاہ شریف میں مستقل طور پر قیام پذیر ہو گئے اور نہایت استقامت واخلاص

کے ساتھ منازلِ سلوک طے کیں۔ حاجی صاحب ممدوح کی عالی ہمتی سے قدیم مسجد نے موجودہ وسیع اور شاندار مسجد کی صورت اختیار کی۔ فرش بیرونی، پلاستر اور نقش نگاری کا کام باقی رہ گیا تھا کہ اعلیٰ حضرت کی وفات ہو گئی اور مزید تعمیر رک گئی۔ آپ اجازتِ طریقہ سے سرفراز ہوئے۔

۲۴۱۔ جناب میاں محمد قریشی صاحب لائلپوری۔ نہایت سادگی پسند اور منکسر المزاج تھے۔ حضرت اعلیٰ کی خدمت میں کامل سلوک طے کیا۔ حضرت ثانیؒ فرمایا کرتے تھے کہ جب وہ خانقاہ شریف آئے تو انھیں منازلِ سلوک پر عبور تھا اور مقاماتِ نقشبندیہ مجددیہ کے مزید فیوض و برکات حاصل کرنے کے آرزومند تھے۔

۲۴۲۔ ملک الٰہ یار صاحب (دھمب دوآبہ۔ ضلع میانوالی)۔ اپنے علاقہ کے بہت بڑے رئیس تھے اور اعلیٰ حضرت کے قدیم متوسلین میں سے تھے۔ سلوک مجددیہ میں پایۂ کمال و تکمیل کو پہنچے اور اجازت سے سرفراز ہوئے۔ اپنے معمولات و مشاغل پر ہمیشہ سختی سے کاربند رہتے۔ خانقاہ شریف سے تعلق پیدا کرنے کے سلسلہ میں اکثر حضرات کی رہنمائی کی۔ رحمہ اللہ تعالیٰ

۲۴۳۔ جناب مستری نیاز احمد صاحب مدظلہ (مالیر کوٹلہ) آپ اعلیٰ حضرت قدس سرہٗ کے جاں نثار اور مخلص ارادتمندوں میں سے ہیں۔ پیشہ ظاہری معماری ہے۔ اعلیٰ حضرتؒ کی فیضِ صحبت سے تعمیرِ ظاہر کے ساتھ تعمیرِ باطن کا کمال بھی حاصل کیا۔ خانقاہ پاک کی اولین چھوٹی مسجد کی تعمیر میں مستری ظہور الدینؒ کے ساتھ ہنرمندانہ کام کیا بعد ازاں موجودہ مسجد کبیر کی تعمیر میں بھی قابلِ قدر حصہ لیا بلکہ سنہ ۱۹۶۵ء کی جنگ پاکستان و بھارت کے وقت آپ خانقاہ شریف آئے ہوئے تھے اور حضرت مولانا ابوالخلیل خان محمد مدظلہ العالی کی سرپرستی اور نگرانی میں مسجد کے پلاستر اور زینت کاری کا کام ہو رہا تھا اس میں بھی آپ نے حصہ لیا۔ اعلیٰ حضرت قدس سرہٗ کی طرف سے مجازِ طریقت ہوئے اور مالیر کوٹلہ اور اس کے اطراف و جوانب میں اشاعتِ طریقہ کی خدمت وسیع پیمانے پر انجام دی اور دے رہے ہیں۔ اللہ تعالیٰ سلامت باکرامت رکھے۔ آمین

اذا ضاق صدری عن مکائد حسد ۔ او ارتاع قلبی من مخاشنۃ العدا

ومن لی الی غوثی وغیثی وقدوتی ۔ ملاذی ومنیتی ابی السعد احمد

رسالہ

تحفۂ سعدیہ

ملقب بہ

سعدۃ الامر عند الشیخ الہمام

یعنی

قدوۃ السالکین، زبدۃ العارفین قیوم زماں، قطب دوراں، سیدنا و مرشدنا حضرت مولانا ابو السعد احمد خاں نقشبندی مجددی ادام اللہ فیوضہ کے احوال طیبہ و اقوال متبرکہ

مؤلفہ

مرزا نذیر عرشی مرحوم

11A

نقشہ ریلوے پنجاب

حضور حضرت صاحب مدظلہم العالی کی خانقاہ کندیاں جنکشن سے ڈھائی میل[۱] کے فاصلے پر واقع ہے۔ پنجاب کے کسی مقام سے کندیاں کی طرف سفر کرنے کا راستہ اس نقشے سے معلوم ہوگا اور کندیاں سے آگے خانقاہ تک پہنچنے کا راستہ اس کتاب کے صفحہ ۶۵ پر حاشیہ میں درج ہے۔

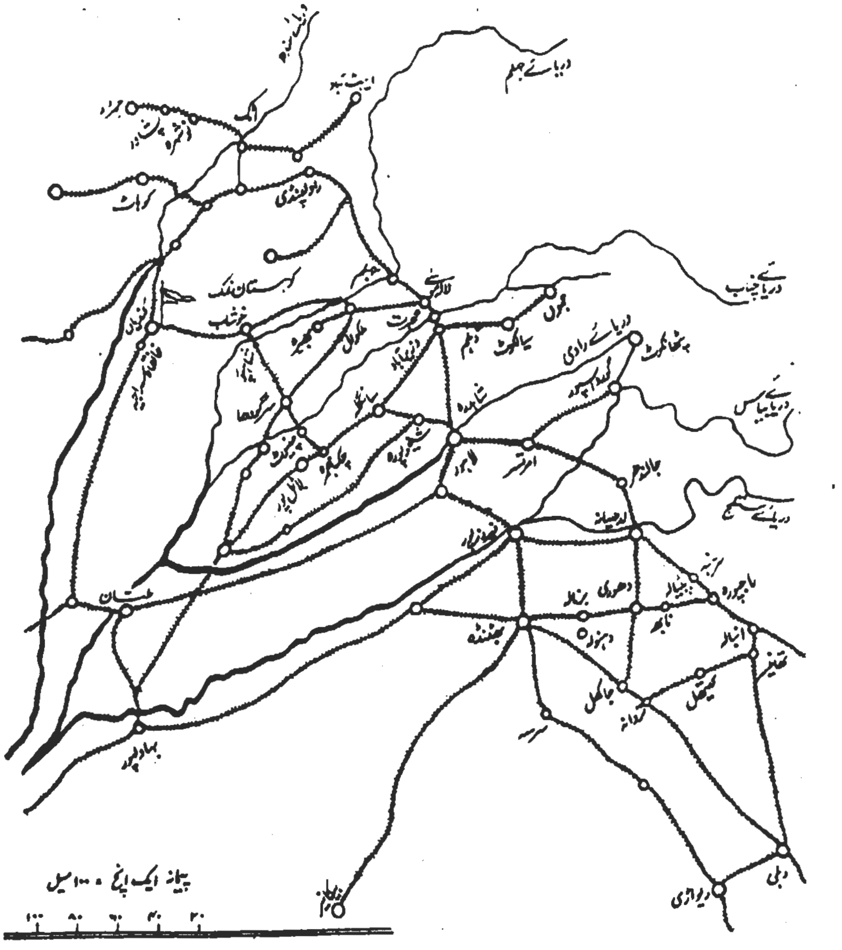

---

[۱] اب ۱۹۶۵ء سے بسعیٔ حضرت شیخ وقت مولانا ابوالخلیل خان محمد صاحب ۔ قریباً چھ سات فرلانگ کے فاصلہ پر خانقاہ سراجیہ کے نام سے سٹیشن قائم ہوچکا ہے، جہاں تمام گاڑیاں ٹھہرتی ہیں۔ ۱۲ محبوب الٰہی عفی عنہ

نحمدہ و نصلی علی رسولہ الکریم

غفلت شعار انسان ہمیشہ دنیوی ساز و سامان کو زندگی کا مقصدِ اوّل سمجھتا ہے اور اس کی فراہمی اس کے نزدیک ایک اعلیٰ خوش قسمتی ہے۔ مگر جب بفضلِ صاحق بینی کی آنکھیں کھل جاتی ہیں تو ظاہر ہوتا ہے کہ ذٰلِكَ مَتَاعُ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا۔ اور ساتھ ہی معلوم ہو جاتا ہے کہ وَمَا هٰذِهِ الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا اِلَّا لَهْوٌ وَّلَعِبٌ ۝ پھر دل کو ماننا پڑتا ہے کہ نہ اس متاعِ دنیا کا حصول کوئی سچی خوش قسمتی تھی اور نہ اس سے مستفید ہونا کوئی حقیقی کامرانی بلکہ ابھی دامنِ مراد سچی خوشی اور حقیقی کامرانی کے متاعِ گرانمایہ سے خالی ہے۔

خوش قسمتی کا پہلا دن: اللہ تعالیٰ کا اتنا فضل و کرم میرے شاملِ حال ضرور رہا ہے کہ جو قلب مدت العمر ہجومِ آمال[1] و ازدحامِ امانی[1] کا میدان بنا رہا ہے، اس میں وقتاً فوقتاً اَؤُنَبِّئُكُمْ بِخَيْرٍ مِّنْ ذٰلِكُمْ کی دھیمی سی آواز اٹھتی رہتی تھی اور جو قلب ہمیشہ تجاذبِ ہوسات اور تزاحمِ وساوس کا مرکز بنا رہا ہے اور جس پر غفلت و غرور کے تو بر تو حجابات پڑے رہے ہیں، قوتِ ایمانی اس کے کان میں یہ تنبیہی کلمات برابر ڈالتی رہی کہ وَلَلْاٰخِرَةُ خَيْرٌ لَّكَ مِنَ الْاُوْلٰى ۞

آخر وہ وقت آ گیا کہ خیر و سعادت کی اس درماندہ و مضمحل قوت کو اکسانے اور شر و شقاوت کی بڑھتی ہوئی طاقت کو دبانے کا کوئی منجانب اللہ سامان ہو۔ میں اس وقت کو اپنی زندگی بھر میں خوش قسمتی کا پہلا دن سمجھتا ہوں۔

یہ وہ دن تھا جب برادرِ طریقت مستری ظہور الدین[2] صاحب کا ایک خط بدیں مضمون مجھے ملا کہ عالی حضور حضرت (مرشدنا مولانا ابو السعد احمد خاں) صاحب دامت برکاتہم کوٹلہ[3] تشریف فرما ہیں۔ تمہیں حاضر ہو کر ضرور بہرہ اندوزِ سعادت ہونا چاہیے۔

اگلے روز میں کوٹلہ کی طرف روانہ ہوا تو موٹر پر سوار ہوتے ہی جن وجدانی کیفیات کا مجھے احساس ہوا، صفحۂ کاغذ پر ان کا نقشہ کھینچنا مشکل ہے۔ دھنولہ: برنالہ[5] کی وہی پامال سڑک جس پر روز آنا جانا رہتا ہے، آج معلوم نہیں اس کا اتصال کس جنتِ نعیم سے

---

[1] آمال، جمع امل معنی امید ۱۲ (۲) امانی جمع امنیہ معنی آرزو (۳) اعلیٰ حضرت کے مخلص خدام میں سے ہیں۔ پیشہ معماری تھا اور وطن مالیر کوٹلہ صاحبِ احوال بزرگ تھے ولایتِ کبریٰ تک سلوک طے کرنے کے بعد اجازت سے بہرہ ور ہوئے (۴) یعنی مالیر کوٹلہ جو بعہدِ انگریزی با اختیار مسلمان ریاست تھی (۵) از مضافات ریاست نابھہ

تھا، کہ عطر بیز ہوائیں برابر میرے مشامِ رُوح کو معطر کر رہی تھیں ؎

نسیمِ کوئے تو از لطف میبرد ہر دم غمے کہ بر دلِ ایں جانفگار می گزرد

مقصدِ سفر آنکھوں کے سامنے متمثل تھا۔ دنیوی زندگی کی لایعنی دلبستگیاں جن کے نشے میں قلب سرشار تھا، اب بے بود و بے سُود نظر آتی تھیں اور کائناتِ عالم کے ہر ذرّے سے آخر فنا آخر فنا کی آواز سنائی دیتی تھی۔ دل فرطِ رقت سے بھر آیا۔ آنکھوں نے آنسوؤں کا تار باندھ دیا اور پاس والوں سے اخفائے حال میرے لیے مشکل ہو گیا ؎

دلم کہ مہرِ تو از غیرِ تو نہاں میداشت
ببیں کہ دیدہ کُند فاش پیشِ یارانش

قصّہ مختصر جذبۂ ارادت نے مجھے دربارِ سعادت میں پہنچا دیا، اور دل نے باور کر لیا کہ جس نادیدہ و ناشنیدہ منزلِ مقصود کے لیے میں برسوں سے سرگرمِ سعی تھا، وہ یہی تھی۔ دوسرے دن احباب کی سفارش سے انتسابِ سلسلہ کی دولت سے متمتع ہوا اور حضرت المرشد کی پہلی ہی نگاہِ التفات نے قلبِ ہائم[1] کو اطمینانِ دائم بخش دیا۔ میرے یہ دو شعر اسی ساعت کی یادگار ہیں ؎

بشہرِ کوئٹہ مردے بدیدہ ام کہ مپرس بجانِ خویش کسے برگزیدہ ام کہ مپرس
چہ روزہا بسر آمد مرا بہ تشنہ لبی کنوں بآبِ حیاتے رسیدہ ام کہ مپرس

پیچھے وطن میں ایک مسجد کی توسیع و تعمیر کا کام چھیڑ رکھا تھا اس لیے جلدی اجازت لے کر واپس جانا پڑا اور قرار پایا کہ تربیتِ باطن کے حصول کی غرض سے پھر کبھی ایک خاص مدت کے لیے خانقاہ شریف حاضر ہوں گا۔

توفیقِ غیب جب آمادۂ دستگیری ہوتی ہے تو معاملہ جوشِ طلب اور سرگرمیِ جستجو پر موقوف نہیں رہتا۔ پھر ایک تغافل کیش و تکاہل منش کو بھی موئے کشاں شاہراہِ سعادت پر ڈال دیا جاتا ہے۔ الحمد للہ ثم الحمد للہ کہ یہی معاملہ میرے ساتھ بھی تھا حضور پر نور کی طرف سے متعدد خطوط پہنچتے رہے کہ کب آؤ گے، کب تک دیر لگاؤ گے۔ آخری مکتوب شریف کا ایک جملہ یہ تھا کہ اگرچہ تعمیرِ مسجد ایک بڑی فضیلت ہے، مگر تہذیبِ اخلاق اور تزکیۂ نفس جو بحقیقت تعمیرِ باطن ہے۔ اس سے بدارج افضل اور مقدم تر ہے ـــــ یہ ارشاد پاکر مجھے تابِ تاخیر نہ رہی اور بعجلت تمام عازمِ خانقاہ شریف ہوا۔ دھنولہ سے

---

[1] ہائم بمعنی، سرگرداں

لاہور پہنچا۔ لاہور سے کندیاں[1] جنکشن (براہ لالہ موسیٰ و ملک وال) کا ٹکٹ لیا۔ کندیاں کے سٹیشن سے خانقاہ تین میل کے فاصلے پر لائن پار بجانب جنوب واقع ہے۔ جس کا نام خانقاہ[2] سراجیہ مجددیہ ہے اور عوام میں اس کا نام "مولوی صاحب[3] کا کھوہ" مشہور ہے۔

۲۲ شوال ۱۳۵۰ھ کی تاریخ اور چہار شنبہ کا دن تھا کہ خداوند تعالیٰ کے فضل و کرم سے اس غریب الوطن کو اپنے مرشد کامل کے متبرک وطن کی خاکِ پاک پر سجدۂ شکر بجالانے کا شرف حاصل ہوا۔ وہاں پہنچ کر ــــــــــ

کیا دیکھا ؟

بقعۂ مہبطِ انوار ز یزداں دیدم | خطّۂ موردِ الطاف ز رحماں دیدم
چہ مقامیکہ برو سدرہ و ہم طوبیٰ را | سایہ دار از کرم غیب و گل افشاں دیدم
چہ مقامیکہ ز انوارِ کمالات اورا | چوں نگیں زیب دہِ خاتمِ گیہاں دیدم
از بہارِ چمنِ شرع و ریاحینِ سلوک | لوحش اللہ چہ شاداب گلستاں دیدم
شرع با عشق چناں یافتہ پیوند اینجا | بازیٔ شیشۂ مینائی و سنداں دیدم

---

[1] لاہور سے کندیاں کا ٹکٹ ۱۲/۲ میں ملا۔ لاہور سے لالہ موسیٰ ٹھیک شمال کی جانب ہے۔ پھر لالہ موسیٰ سے ایک لمبی لائن بجانب مغرب ڈکر ٹکٹ ال خوشاب ہوتی ہوئی کندیاں پہنچتی ہے۔ مگر اب چک جھمرہ سے خوشاب تک براہ چنیوٹ ایک لائن تیار ہوتی ہے۔ جس میں لاہور سے کندیاں تک جانے میں کرایہ اور وقت کی کچھ کفایت رہتی ہے۔ ۱۲ [2] خانقاہ سے مراد حضور حضرت صاحب کا مدرسہ طریقت ہے جو چند حجروں اور مسجد اور حضور کے گھر پر مشتمل ہے۔ خانقاہ کے ساتھ دو چار متعلقین اور مزارعوں کے گھر ہیں۔ اس کے سوا اور کوئی آبادی نہیں۔ کندیاں سٹیشن سے نکل کر بازار کی طرف آئیں اور جنوب کی طرف مڑ کر ریلوے شیڈ کی عمارتوں کے پیچھے پیچھے چل کر آخری پھاٹک سے ریلوے لائن پر سے گزریں تو سیدھی پگڈنڈی خانقاہ کی طرف جاتی ہے اور ایک آدھ میل آگے چل کر خانقاہ شریف درختوں کے جھنڈ میں دکھائی دینے لگتی ہے۔ ۱۲ منہ ــ ۱۹۶۵ء سے کندیاں سے بجانب ملتان جانے والی لائن پر پہلا سٹیشن خانقاہ سراجیہ کے نام سے قائم ہو چکا ہے جو حضرت مرشدنا مولانا ابوالخلیل خان محمد صاحب مدظلہ العالی کی مساعیٔ جمیلہ اور توجہ عالیہ کا ثمرہ ہے۔ وہاں سے خانقاہ شریف کا فاصلہ صرف چھ یا سات فرلانگ ہے۔

[3] حضور سلمہٗ کی عام شہرت اس خطے میں مولوی صاحب کے لقب سے ہے۔ آپ کا اصلی وطن یہاں سے پانچ میل کے فاصلے پر ایک گاؤں بنام "کھولہ" برلب دریائے سندھ تھا اسی نسبت سے آپ کو اب تک کھولے والے حضرت بھی کہتے ہیں۔ آج سے دس بارہ سال پیشتر وہ گاؤں دریا برد ہونے لگا تو تمام باشندوں نے ہجرت اختیار کی۔ حضور نے بھی وہاں سے نقل اقامت کرکے اس مقام پر جو آپ کی اراضی زرعی میں واقع ہے، ایک کنواں کھدوا کر مکانات تعمیر کرائے اور یہاں سکونت اختیار کی یہی خانقاہ سراجیہ مجددیہ یا مولوی صاحب کا کھوہ ہے ۱۲

بسکہ پیوستہ رود بحث ز قرآن و خبر — فی المثل درس گہ مالکؒ و نعمانؒ دیدم
تازہ اینجاست چناں مجلس ارباب حکم — گرد خجلت برخ حکمت یوناں دیدم
فیض گیراں کہ زاکناف دریںجا جمع اند — متحد جملہ بہم صورت اخواں دیدم
ہندی و سندی و پنجابی و بنگالی را — از سرِ صدق بہم یکدل و یکجاں دیدم
علما راکہ بجوم اند ز افلاک علوم — بہرہ اندوز ازیں مکتبِ "احسانؒ" دیدم
عامیاں راکہ نخواندند الف باتا نیز — واقف و کاشف ہر نکتۂ پنہاں دیدم
از سادات چہ گسترده بساط است اینجا — دریکے شاہ نشیں مرد سلیماں دیدم
بسکہ ہر قلب و دماغ ست پر از ذکرِ خدا — قصۂ غیرِ خدا عرضۂ نسیاں دیدم
نازکاں راکہ نسازند بہ بستانِ نعیم — شاد و مسرور دریں خشک بیاباں دیدم
عقدہ ہائیکہ از و ناخنِ دانش کندست — بلحظۂ منحل و آساں تر از آساں دیدم
توسنِ نفس کہ ناورد گہے رُو بسداد — زار ہمچوں خر مسکیں تہِ پالاں دیدم
ہر دلے راکہ بود پارۂ سنگ و آجر — اندریں رشتہ یکے مہرۂ رقصاں دیدم
اندریں ریگِ رواں رودِ معارف جاری ست — الحق ایں خطۂ تھل را یم عرفاں دیدم

تاکجا خوبیِ ایں بقعہ شمارد عرشی
زاں کہ آید بگماں نیز فراواں دیدم

یہ اجمال تھا، خانقاہ شریف کے ان احوال وکیفیات کا، جو وہاں میرے ادراک میں آئیں۔ صرف ذوقِ طبع متقاضی ہوا کہ ان کو اپنی محدود لیاقت کے موافق شعری آب و رنگ میں پیش کروں، ورنہ حق یہ ہے کہ جمالِ معنی کو لفظی و عبارتی تکلفات کے حجاب میں نہ چھپایا جائے اس لیے اب میں اس اجمال کی تفصیل سادہ و بے تکلف عبارت میں لکھتا ہوں[1]۔

---

[1] میری تحریرات کے مآخذ دو امر ہیں۔ ایک میرے خود اپنے مشاہدات و محسوسات۔ دوسرے حضرت المرشد کے ارشادات و ملفوظات۔ مگر افسوس کہ میں موخرالذکر ماخذ سے کماحقہ استفادہ نہیں کرسکا۔ جس کی کئی خاص وجوہ میں سے ایک خطۂ تھل کی بولی کی اجنبیت اور ساتھ ہی میری

(۱) حالاتِ خصوصیہ، عاداتِ مرضیہ اور معمولاتِ یومیہؒ

حضرت المرشد کی عمر شریف میرے اندازے میں پچاس اور ساٹھ سال کے درمیان[1] ہے مگر قوا بہت اچھے ہیں۔ قد متوسط مائل بہ بلندی، جسم مبارک بھاری بھرکم۔ قومیت سے شریف النسب راجپوت[2]۔ بزرگوں کا پیشہ زمینداری اور گاؤں کی سرداری۔ اپنے خاندان میں سب سے پہلے آپ ہی ہیں جنہوں نے علمی کمالات کا عَلم نصب کیا اور مدارج سلوک طے کر کے مسندِ ارشاد بچھائی۔ پنجاب و ہند میں مختلف مقامات[3] سے علم حاصل کیا اور بقیہ عمر فقیہانہ و محدثانہ تحقیق اور ارشاد و تلقین کے لیے وقف کر دی۔

عام انداز رعب و وقار کا مظہر ہے۔ مجلس میں آپ خاموش ہوں (مجالس حضرات نقشبندیہ کی اصل وضع سکوت پر ہوا کرتی ہے اسی لیے اس کو مجلس سکوت کہتے ہیں اور یہ سکوت اہل مجلس کے لیے افادہ و استفادہ کا سامان بہم پہنچاتا ہے (مفتی عطا محمد) تو عام خاموشی چھا جاتی ہے اور کسی کو بولنے کی جرأت نہیں ہوتی۔ کچھ ارشاد فرمائیں تو ہر شخص کی قوت سماعت اور زبانِ تکلم آمادۂ تسابق ہوتی ہے کہ مجھے شرفِ تخاطب حاصل ہو۔ خوشی[4] میں آ کر کوئی لطیفہ فرمائیں تو چہروں کی شگفتگی سے مجلس ایک گلشن بن جاتی ہے۔ کوئی سنجیدہ تقریر فرمائیں تو سامعین پیکرِ ادب ہوتے ہیں۔

اس عظمت و وجاہت کے باوجود اپنی تعظیم اور بزرگانہ نمائش کا خیال مطلق نہیں بلکہ اس سے نفرت ہے اور آپ کے کمالات کی سربلندی کی ایک شان یہ بھی ہے کہ تواضع[5] و انکسار کا سر خدام[6] کے سامنے بھی بلندی نہیں چاہتا۔ نمونہ کے

سماعت کی کمزوری بھی ہے اس لیے میں حضرت کے ارشادات میں سے عشر عشیر بھی نہیں لکھ سکا۔ ورنہ میرے صرف یکماہہ قیام میں بھی اس قدر نکاتِ نادرہ اور اسرارِ نفیسہ بیان ہوئے ہیں کہ اگر ان سب کو قلم بند کیا جا سکتا تو ایک ضخیم کتاب مرتب ہو جاتی۔ اس سے یہ بھی قیاس ہو سکتا ہے کہ جو لوگ برسوں سے حضور کی صحبت سے مستفید ہو رہے ہیں وہ اگر آپ کے احوال و اقوال کو لکھنے لگتے تو آج کس قدر عظیم الشان دفتر تیار ہو سکتا تھا ۱۲۔ [1] آپ کی تاریخ وفات ۱۱ صفر ۱۳۶۰ھ ہے اور عمر مبارک ۶۳ سال، اس لحاظ سے بوقتِ حاضری عرشی صاحب ۱۳۵۰ھ میں آپ کی عمر ۵۳ سال کی ہوتی ہے ۱۲۔ محبوب الٰہی عفی عنہ

[2] توکر راجپوت [3] (۱) موضع سیل اسٹیشن گھنڈی ضلع میانوالی (۲) بندھیال (۳) چکڑالہ (۴) مراد آباد (۵) کانپور۔ تفصیل سوانح سعدیہ میں دی جائیگی انشاء اللہ ۱۲۔ محبوب الٰہی عفی عنہ

[4] ولربما ضحک صلی اللہ علیہ وسلم حتی تبدو نواجذہ وکان ضحک اصحابہ عندہ التبسم اقتداء بہ وتوقیرا لہ، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اکثر تبسم فرماتے تھے کہ آپ کے دندان مبارک ظاہر ہو جاتے اور آپ کے پاس آپ کی اقتدا میں اور آپ کی توقیر کے لیے صحابہ کا ہنسنا بھی تبسم میں ہوتا تھا ۱۲ (احیا)، [5] کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اشد الناس تواضعا واسکتہم فی غیر کبر۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سب لوگوں سے زیادہ متواضع اور زیادہ خاموش تھے بغیر تکبر کے (احیا)، [6] وکان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عبید واماء لا یرتفع علیہم فی ماکل وملابس۔ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے غلام اور لونڈیاں تھیں۔ آپ کھانے پینے میں ان سے برتری اختیار نہیں فرماتے تھے ۱۲ (احیاء)

لیے چند واقعات گزارش ہیں۔

نماز جماعت کے لیے آپ اس وقت مسجد میں تشریف لاتے ہیں کہ سب نمازی سنتوں سے فارغ ہوتے ہیں۔ اور عملاً دعادۃً گھر کی دہلیز مبارک سے آپ کا نمودار ہونا گویا اقامت نماز کا پیغام ہوتا ہے۔ چنانچہ آپ کو دیکھتے ہی نمازیوں میں صف بندی کے لیے ایک ہلچل سی پڑ جاتی ہے۔ ایک دن ظہر کی نماز کے لیے تشریف لائے تو آپ کی نظر خاکسار پر پڑی۔ جو باہر صحن مسجد میں سنتوں کی آخری رکعت پڑھ رہا تھا۔ آج آپ خلاف معمول آکر چٹائی پر بیٹھ گئے۔ بندہ سنتوں سے فارغ ہوا تو پھر جماعت کے لیے کھڑے ہوئے۔

آپ کی خاص نشست گاہ کا خوشنما کمرہ تسبیح خانہ کہلاتا ہے۔ جس میں قالین کا فرش بچھا ہے اس کے اگلے پہلو میں درویش خانہ کا وسیع کمرہ ہے جو کچی عمارت[1] ہے۔ اس میں ایک چٹائی بچھی ہے اور دیواروں سے لگی ہوئی ذاکرین کی چارپائیاں پڑی رہتی ہیں۔ آپ خدام و ذاکرین کی خاطر نوازی و دل افزائی کے لیے کبھی کبھی اس کمرے میں بھی تشریف لاتے ہیں اور اسی شکستہ و گرد آلود چٹائی پر بلا تکلف بیٹھ کر حاضرین کو اپنے ارشادات سے مستفیض فرماتے ہیں۔

راقم اور مولوی عبداللہ[2] صاحب لدھیانوی فاضل دیوبند (جو حضرت کے ایک خادم خاص ہیں) کتب خانہ میں دو الگ چٹائیوں پر بیٹھے فہرست کتب مرتب کیا کرتے تھے۔ ایک دن حضرت ہمارے کام کا معائنہ فرمانے کے لیے تشریف لائے تو قبل اس کے کہ ہم میں سے کوئی اپنی چٹائی آپ کی نشست کے لیے خالی کرنے کا موقع پائے آپ آتے ہی بلا تامل نیچے بیٹھ گئے۔[3]

ایک روز آپ تسبیح خانے میں کسی کتاب کا مطالعہ فرما رہے تھے۔ میں اور چند دیگر اشخاص حلقہ بستہ پاس بیٹھے تھے، ابر چھایا ہوا تھا، ناگہاں بارش ہونے لگی تو آپ باہر سے اپنی جوتی اٹھالانے کیلئے خود ہی اٹھے اور اس عجلت کے

---

[1] ابتداءً یہ عمارات خام تھیں۔ بعد میں ان کو منہدم کر کے جدید پختہ تعمیرات جو اب موجود ہیں، بنائی گئیں ۱۲۔ محبوب الٰہی عفی عنہ

[2] مولوی عبداللہ صاحب حضرت کے ایک خلیفہ مجاز دارالعلوم دیوبند کے سند یافتہ فاضل، نہایت حوصلہ مند و صالح نوجوان ہیں۔ قصبہ سلیم پور سدھوان ضلع لدھیانہ وطن ہے۔ بعد میں جن کو اعلیٰ حضرت نے خود اپنا جانشین از روئے وصیت نامہ نامزد فرمایا۔ ۱۲

[3] ما عاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مضجعاً ان فرش لہ اضطجع وان لم یفرش لہ اضطجع علی الارض۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کبھی کسی خواب گاہ سے نفرت نہیں کی۔ اگر آپ کے لیے فرش بچھا دیا گیا تو اس پر لیٹ گئے۔ ورنہ زمین پر ہی لیٹ گئے۔ (احیاء)

ساتھ اٹھ کر باہر نکلے کہ کسی دوسرے خادم کو اس کام کے لیے مسابقت کا موقع نہ[1] مل سکے۔

درویش خانہ کے سامنے ایک چارپائی پڑی رہتی ہے۔ کبھی کبھی آپ چہل قدمی فرماتے ہوئے تشریف لاتے ہیں تو تھوڑی دیر کے لیے اس چارپائی پر بیٹھ جاتے ہیں۔ ایک دن جب آپ حسب معمول تشریف لائے تو کئی خادم اور ذاکر بھی استفاضہ صحبت کے لیے حاضر ہو گئے۔ آج ان لوگوں کی رعایت سے آپ چارپائی پر تشریف فرما نہیں ہوئے بلکہ بلا تکلف نیچے زمین پر ہی بیٹھ گئے، جہاں صاف ستھری بالو کا قدرتی فرش بچھا ہوا ہے[2]۔

ایک سفر میں مَیں بھی ہمراہ تھا۔ آپ وضو کے لیے بروقت پانی اور نماز کے لیے کافی جگہ ملنے کے لیے عموماً سیکنڈ کلاس میں سوار ہوتے ہیں۔ اسباب بھی آپ ہی کے پاس رکھا ہوتا ہے۔ راستے میں جس قدر مقامات پر گاڑی سے اترنے کا موقع ہوتا۔ آپ ہم لوگوں کے پہنچنے کا انتظار کیے بدوں بعجلت خود ہی تمام اسباب اٹھانے اور نیچے اتارنے لگتے اور خدام کا ایک جم غفیر پہنچ جانے کے باوجود کچھ نہ کچھ بوجھ خود اٹھا لے چلنے پر اصرار فرماتے۔ خوشاب کے ریلوے سٹیشن پر آپ بار بار فرماتے تھے۔ صاحبو! کچھ میری بغل میں بھی[3] تو دو۔ بھیرہ سے بھلوال تک موٹر میں سفر کیا۔ جب موٹر سٹیشن[4] پر جا کر ٹھہری تو آپ بعجلت سب سے پہلے اترے اور خود اسباب پکڑ پکڑ کر نیچے رکھنا شروع کیا۔ ہم لوگوں نے ہر چند اصرار کیا مگر آپ اس کام سے دستبردار نہ ہوتے اور فرمایا "ہمارے حضرت مرحوم[5] باوجودیکہ بہت بڑے مشائخ میں سے تھے۔ مگر سفر کی زحمت اٹھانے اور رفقاء کا ہاتھ بٹانے میں بڑے مستعد اور بڑے طاقتور تھے"۔ پلیٹ فارم پر پہنچ کر ایک بنچ پر آپ کے لیے کپڑا بچھا دیا گیا جس پر آپ تشریف فرما ہوئے اور دوسرے رفقاء کے لیے ایک چادر زمین پر بچھائی گئی۔ آپ فوراً بنچ سے اتر کر چادر پر آ بیٹھے اور فرمایا رفیقوں کے برابر بیٹھنا ٹھیک[6] ہے۔ ملک وال کے سٹیشن پر آپ کا اسباب قلی کے سر پر تھا۔ میں اپنا چھوٹا سا

---

[1] کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یخدم نفسہ رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنا کام خود کر لیتے تھے۔ (شرح شفا قاضی عیاض)

[2] ابن عمر رضی اللہ کہتے ہیں کہ دخل علی (صلی اللہ علیہ وسلم) فالقیت لہ وسادۃ من ادم حشوھا لیف فجلس علی الارض و صارت الوسادۃ بینی و بینہ۔ الخ۔ یعنی ایک مرتبہ رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میرے ہاں تشریف لائے تو میں نے آپ کے لیے ایک چمڑے کا گدا ڈال دیا جس میں کھجور کے پتے بھرے تھے تو آپ زمین پر بیٹھ گئے اور گدا میرے اور آپ کے درمیان پڑا رہا ۱۲ (بخاری کتاب الصوم) [3] ایک سفر میں کھانا تیار نہ تھا تمام صحابہ نے مل کر کھانا پکانے کا سامان کیا لوگوں نے ایک ایک کام بانٹ لیا جنگل سے لکڑی لانے کا کام آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے ذمہ لیا اور فرمایا مجھے یہ پسند نہیں کہ تم میں سے اپنے کو ممتاز کروں (زرقانی) [4] یعنی موٹر اڈہ [5] خواجہ سراج الدین قدس سرہٗ ۱۲ [6] رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم صحابہ کے ساتھ بیٹھتے تو اس طرح بیٹھتے کہ امتیازی حیثیت کی بنا پر کوئی آپ کو پہچان نہ سکتا۔ (شمائل ترمذی)

سوٹ کیس اور بستر خود اٹھائے لیے جا رہا تھا تو آپ نے لپک کر بستر مجھ سے لے لیا۔ میں نے واپس لینے پر اصرار کیا مگر نہ دیا آخر از راہِ ادب چپ ہو رہا۔ اب آگے آگے آپ میرا بستر بغل میں دبائے تشریف لے جا رہے ہیں[1]۔ اور پیچھے پیچھے میں عرقِ انفعال میں شرابور چلا جا رہا ہوں ؂

کم نشد در سر بلندی فیضِ ما چوں آفتاب
سایۂ ما بیش شد چندانکہ بالا تر شدیم

اتباعِ کتاب و سنّت: ہر چند شریعت[2] اور طریقت ایک ہی مقام مقصود کی دو منزلیں، یا ایک ہی حقیقت کے دو عنوان ہیں۔ مگر اس امر واقع سے انکار نہیں ہو سکتا کہ جاہل فقرا تو ایک طرف، جب علماء و فقہا تک سلوک و درویشی کی حدود میں داخل ہوتے ہیں تو ان کا قدم بھی مرکزِ اعتدال سے ہٹ جاتا ہے وہ مراسم مشرب کے شدت اہتمام میں کتاب و سنّت کا دامن چھوڑ بیٹھتے ہیں اور بتدریج اعتقادی و عملی بدعات کی طرف بڑھتے چلے جاتے ہیں۔ میرے قیاس میں نوّے فی صد صوفیہ اس ابتلا میں آلودہ ہیں۔ مگر ہمارے شیخ کامل سلمہٗ اس کلیہ سے مستثنیٰ ہیں۔ آپ کا ہر فعل و عمل سنّت کے سانچے میں ڈھلا ہوا ہے۔ لباس و پوشش، خورد و نوش، نشست و برخاست، سلام و کلام وغیرہ ہر امر میں شرعی آداب اس طرح ملحوظ رہتے ہیں جو ایک فقیہہ و محدث کی شان کے لائق ہے اور متوسلین و معتقدین کو بھی اتباعِ سنّت کی تاکید رہتی ہے۔ چنیوٹ میں عزیزی مرزا محمد شریف شرقی کے نومتولد بچے کے لیے تعویذ آپ نے لکھ کر عطا فرمایا تو ارشاد کیا کہ چمڑے میں منڈھوا کر پہنانا چاہیے۔ چاندی کا تعویذ لڑکوں کے لیے جائز نہیں۔ خوشاب میں ایک تعلیم یافتہ آدمی زیارت کے لیے حاضر ہوا اور کہا حضرت سلامت! آپ نے ارشاد فرمایا یہ سلام کا مسنون طریقہ نہیں بلکہ یوں کہنا چاہیے' السلام علیکم! قصبہ سمندری میں ایک معتقد نے حاضر ہونا چاہا۔ جو لٹھے کی دستار باندھے ہوئے تھا۔ مولوی عبداللہ صاحب نے اس سے کہا حضور کے سامنے

---

[1] خباب ابن ارت ایک غزوہ پر گئے ہوئے تھے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ان کے پیچھے ہر روز ان کے گھر جاتے اور دودھ دوہ دیا کرتے (ابن سعد جلد ششم)

[2] قولہ "ہر چند شریعت و طریقت ایک ہی مقام کی دو منزلیں ہیں"۔ یہ قول بر بنائے مشہور بر طریق عوام ذکر کر دیا گیا ہے ورنہ حقیقت کار وہ ہے جو حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے اس ارشاد میں ظاہر فرمائی ہے: "شریعت و حقیقت عین یکدیگر اند و در حقیقت از یک دیگر جدا نیستند فرق اجمال و تفصیل است و استدلال و کشف است و غیبت و شہادت است، و تعمل و عدم تعمل است۔ الخ (مکتوب ۴۲ دفتر اول) نیز مکتوب ۳۶ و ۴۰ دفتر اول میں ہے: "شریعت متکفل جمیع سعادات دنیویہ و اخرویہ است و مطلبے نیست کہ در حصول آں بماورائے شریعت احتیاج افتد ...... شریعت را سہ جزو است علم و عمل و اخلاص ..... طریقت و حقیقت کہ صوفیہ بآں ممتاز اند ہر دو خادم شریعت اند در تکمیل جزو ثالث کہ اخلاص است۔ الخ ۱۲

مفتی عطا محمد و فقیر محبوب الٰہی عفی عنہما

جاتا ہے تو یہ دستار اتار ڈالو کہ خلاف تقویٰ ہے، آپ اس سے ناراض ہوں گے۔

مولوی عبداللہ صاحب شاید خصوصیت سے اس خدمت پر مامور ہیں کہ ہر آنے جانے والے کے اعمال وافعال کو سنت وشریعت کے ترازو میں تولتے، اور کمی بیشی پر بلالحاظ ٹوکتے رہیں۔ وہ دیکھتے رہتے ہیں کہ مسجد میں داخل ہونے والے نے کونسا پاؤں پہلے اندر رکھا ہے اور نکلتے وقت کونسا پہلے باہر رکھا ہے۔ چائے کی پیالی دائیں ہاتھ میں لی ہے یا بائیں ہاتھ میں پانی ایک سانس میں پیا ہے یا تین سانسوں میں۔ وضو میں سارے سر کا مسح کیا ہے یا نہیں۔ سجدے میں پاؤں کی انگلیاں رو بقبلہ ہیں یا نہیں وغیرہ وغیرہ

مولانا حکیم عبد الرسول[1] صاحب نے بیان فرمایا کہ ایک مرتبہ حضرت سلمہٗ سرہند شریف میں تھے۔ حضرت مجدد صاحب کے روضۂ اطہر پر نعت خوانی ہو رہی تھی۔ آپ نے چند بے ریش لڑکوں کو تغنی و ترنم کے ساتھ نعتیں پڑھتے دیکھا تو اس پر اعتراض فرمایا۔ سجادہ نشین نے کہا پڑھنے والے مرد ہیں اور مردوں کے ساتھ ان کا تکلم و اختلاط روا ہے۔ پھر ان کی نعت خوانی میں کون سی وجہ کراہت[2] یا حرمت ہوگی۔ آپ نے اس کی کراہت کا ثبوت خود مکتوبات[3] مجددیہ سے پیش فرمایا۔ سجادہ نشین نے حضرت مجدد صاحب کے قول پر سر تسلیم خم کردیا۔ اس وقت سے اس نوعیت کی نعت خوانی روضہ شریف پر بند ہوگئی۔

طاعات وعبادات میں توسط و اعتدال[4] پسند ہے۔ وہ بھی پورے اہتمام کے ساتھ ایک مرتبہ آپ نے فجر کی نماز میں سورۂ طٰہٰ شروع کی اور دوسری رکعت میں ختم کی۔ مسجد کے کواڑ بند اور شمع روشن تھی۔ سلام کے بعد ایک مقتدی کواڑ کھول کر باہر نکلا اور پھر فوراً ان کو بند کرگیا۔ اس وقفہ میں میری نظر جو باہر کی طرف گئی تو مجھے گمان ہوا کہ شاید سورج کا کسی قدر کنارہ افق سے نمودار ہوچکا ہے۔ نماز کے متعلق مجھے کچھ خلجان محسوس تو ہوا مگر پھر یہ سوچ کر اپنے دل کو مطمئن کرلیا کہ "مرشد بے خبر نبود ز راہ و رسم منزلہا۔"

---

[1] حکیم صاحب حضرت سلمہٗ کے ایک خلیفہ مجاز، علوم دین کے فاضل اجل صاحب تصانیف اور نامی طبیب ہیں۔ مقام بکھر بار ضلع شاہپور رہے۔ ۱۲

[2] وجہ کراہت وہی ہے جس پر نماز باجماعت میں لڑکوں کی صف کو بڑی عمر کے مردوں کی صف سے موخر رکھنے کا حکم مبنی ہے۔ یعنی ان کی صورت کا جاذب طبع اور موجب فتنہ ہونا۔ پھر جب حسن صورت کے ساتھ حسن صوت بھی جمع ہو، وہ بھی ترنم و غنا کے ساتھ تو اس کے فتنے کا کیا ٹھکانا ہے

خوبیٔ روی و خوبیٔ آواز　　　　مے برد ہر یکے بہ تنہا دل
چوں شود جمع ہر دو دریک جا　　　　کار صاحبدلاں شود مشکل

[3] ملاحظہ ہو مکتوب ۲۶۶ دفتر اول بنام صاحبزادگان خواجہ باقی باللہ قدس سرہٗ در بارہ حرمت نغمہ و سرود و قصیدہ خوانی

[4] عبادات میں فرائض اور آداب فرائض کا اہتمام بلیغ وجوہ تھا اور نوافل طاعات کا التزام بتوسط و اعتدال ۱۲ - مفتی عطا محمد سلمہٗ

اتفاق سے تیسرے روز حضرت یہ ذکر فرما رہے تھے کہ میں زیادہ دیر تک کھڑا نہیں ہو سکتا اور جلدی تکان محسوس ہونے لگتی ہے۔ لیکن نماز میں جب لمبی قرأت چھڑ جائے تو پھر میں نہیں تھکتا۔ میں نے موقع پا کر عرض کیا حضرت پرسوں فجر کی نماز میں تو قرأت اس قدر لمبی ہوگئی کہ شاید آفتاب بھی طلوع ہوگیا تھا۔ یہ سن کر آپ نے نہایت گھبراہٹ کے ساتھ فرمایا، "ہیں آفتاب طلوع ہوگیا تھا"؛ پھر خود ہی ذرا اطمینان کے لہجہ میں کہا "نہیں ایسا نہیں ہو سکتا، میں گھڑی دیکھ کر کھڑا ہوتا ہوں اور سلام کے بعد گھڑی دیکھ کر اطمینان کر لیتا ہوں۔ میری گھڑی بالکل صحیح ہے"۔ حضرت کے اس ارشاد پر میں نے پھر اپنے دل کو تنبیہہ کی کہ تو ہی جھوٹا ہے۔ صَدَقَ اللّٰہُ وَكَذَبَ بَطْنُ اَخِيْكَ[1]؎

چو بشنوی سخن اہلِ دل مگو کہ خطاست

سخن شناس نۂ دلبرا خطا ایں جاست

نفاست پسندی: لباس و پوشاک میں صفائی و نفاست مرغوب ہے۔ اشیائے استعمال مثلاً عصا، تسبیح، مصلا چائے کی پیالیاں، چینک، سٹوو اور ان اشیا کے رکھنے کا صندوقچہ، انڈی پینڈینٹ ہولڈر، قلمدان، جیب گھڑی وغیرہ ہر چیز نہایت عمدہ اور قیمتی پسند فرماتے ہیں اور ہر چیز کی ساخت کا بے نقص ہونا ملحوظ رہتا ہے۔ اگر کسی چیز کی بناوٹ میں کوئی کمی یا کجی رہ جائے تو وہ خواہ کتنی ہی قیمتی ہو اس کو رکھنا بارِ خاطر ہو جاتا ہے۔ کسی کو اٹھا دیتے ہیں۔ اس لطافتِ مزاج اور نزاکتِ طبع میں اگر آپ کو حضرت مرزا جانجاناں مظہر الشہید علیہ الرحمۃ والغفران کا نمونہ کہا جائے تو بیجا نہیں۔

کوئی ناگوار بو[2] فوراً طبیعت کو مکدر کر دیتی ہے اور نزلہ و زکام یا ستی کی شکایت ہونے لگتی ہے۔ قصبہ سمندری میں ایک مرتبہ حقے کے متعلق ارشاد فرمایا۔ اس کو شرعاً مکروہ قرار دینا محض تکلف ہے۔ بلکہ اس میں کراہتِ طبعی ہے۔ پھر فرمایا علاقہ سوات کے علماء اس کو حرام کہتے ہیں اور اس کی حرمت کے حکم میں ان کو یہاں تک غلو ہے کہ جس کھیت میں تمباکو بویا جائے تا وقتیکہ متواتر دو چار فصلیں کسی اور جنس کی اس زمین میں کاشت نہ کی جائیں وہ پاک نہیں ہوتی۔

---

[1] یعنی اللہ نے تو سچ فرمایا ہے اور تیرے بھائی کا پیٹ جھوٹ بولتا ہے۔ یہ ایک حدیث کا ٹکڑا ہے، پوری حدیث یوں ہے کہ ایک شخص نے عرض کیا یا رسول اللہ میرے بھائی کو دست لگ رہے ہیں، آپ نے فرمایا شہد پلاؤ۔ اس نے شہد پلایا تو دست زیادہ ہوگئے۔ اسی طرح تین مرتبہ حکم ہوا کہ شہد پلاؤ۔ چوتھی مرتبہ اس نے پھر آ کر حال بیان کیا تو حکم ہوا شہد پلاؤ۔ اس نے عرض کیا یا رسول اللہ ہر مرتبہ شہد پلانے سے دست زیادہ ہوگئے۔ آپ نے فرمایا "اللہ نے سچ فرمایا کہ شہد میں شفا ہے مگر تیرے بھائی کا پیٹ جھوٹا ہے۔ چوتھی مرتبہ پھر شہد پلایا، تو شفا ہوگئی (مشکوٰۃ)

[2] وکان صلی اللہ علیہ وسلم یحب الطیب ویکرہ الرائحۃ الردیہ۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خوشبو کو پسند کرتے اور بدبو سے نفرت کرتے ۱۲

اتفاق سے اگلے روز ایک سوداگر تمباکو کے ہاں دعوت[1] ہوگئی۔ میزبان نے تمباکو کے گودام ہی میں دسترخوان بچھایا۔ حضرت تشریف فرما ہوئے تو تمباکو کی دھانس سے سب کا دم گھٹنے لگا۔ آپ نے رُومال ناک پر رکھ لیا۔ دوسرے لوگ بھی چھینک چھینک لینے لگے۔ بعض لوگ سرگوشیاں کرنے لگے کہ جگہ بدلوائی جائے مگر آپ نے اشارہ فرمایا کہ میزبان کو یہ تکلیف ہرگز نہ دی جائے۔ پھر آپ نے طبیعت کو ضبط کرنے کی بہت کوشش کی۔ آخر مجبور ہو کر اٹھے اور دوسرے اصحاب سے فرمایا سب بیٹھے رہیں۔ میں اکیلا واپس چلا جاتا ہوں۔ اس ارشاد کے موافق سب بیٹھے رہے۔ صرف مولوی عبداللہ صاحب نعلین مبارک لے کر ساتھ اٹھے۔ قیام گاہ پر پہنچے تو طبیعت اس قدر خراب تھی کہ پھر اگلے وقت تک کھانا تناول نہیں فرما سکے اور ہنس کر فرمایا کہ علمائے[2] سوات کے فتوے کی حقیقت آج معلوم ہوئی۔

محبتِ علم: چونکہ علم کی محبت بدرجۂ کمال ہے۔ اس لیے کتابوں کا شوق بھی فرطِ شغف تک پہنچا ہوا ہے۔ پچیس تیس[3] ہزار روپے کا عظیم الشان کتب خانہ خاص اپنی سعی اور اپنے صرف سے فراہم کیا ہے اور روز بروز اس میں اضافہ ہو رہا ہے۔ اگر متعدد جلدوں کی کتاب کو بھی ایک کتاب سمجھا جائے تو آپ کے کتب خانہ میں اس طرح ایک ہزار کتابوں کا گرانبہا علمی سرمایہ موجود ہے۔ فن تفسیر میں تفسیر ابنِ جریر، تفسیر ابنِ کثیر، تفسیر روح المعانی، تفسیر کبیر، تفسیر درمنثور اور خازن، معالم، نیشاپوری، بیضاوی، جمل اور دیگر بہت سی تفاسیر موجود ہیں۔ تفسیر حسینی منزل اول قلمی نہایت خوشخط جو نوادرات میں سے ہے کتب خانہ میں موجود ہے۔

حدیث میں صحیح بخاری کے مختلف مطابع کے چھپے ہوئے اور مختلف تحشیوں کے ساتھ عمدہ سے عمدہ نسخوں کے علاوہ اس کی تمام متداول و مشہور شروح مثلاً عینی (۱۱ جلد) عسقلانی (۱۳ جلد) قسطلانی (۱۲ جلد) وغیرہ مہیا ہیں۔ ابوداؤد کی چار مبسوط شروح اور موطا امام مالک کی بھی چار پانچ شروح ہیں۔ اسی طرح باقی صحاح کی شروح و حواشی کا بھی بہترین سرمایہ زینتِ کتب خانہ ہے۔ صحاح ستہ کے علاوہ دیگر کتب احادیث مثلاً مستدرک حاکم، سنن کبریٰ بیہقی، مسند دارقطنی، مسند دارمی، مسند طیالسی، مسند امام احمد بن حنبلؒ، شرح معانی آثار طحاوی نیل الاوطار شوکانی وغیرہ بھی موجود ہیں۔ مسند حمیدی حدیث

---

[1] وکان صلی اللہ علیہ وسلم یجیب دعوۃ العبد والحر۔ رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سب کی دعوت قبول فرماتے خواہ کوئی غلام ہو یا آزاد ۱۲ (احیاء العلوم)

[2] یہ ارشاد بطور ظرافت ہے نہ بطور حکم شرعی ۱۲

[3] یہ تخمینہ اس زمانہ کی ارزانی کے پیشِ نظر بھی کم معلوم ہوتا ہے۔ حکیم عبدالرسول صاحب فراق نامہ منظوم میں فرماتے ہیں ط کھ روپیہ حضرت صاحب کتبخانے تے لایا۔ اور زمانہ موجودہ کی گرانی کے پیشِ نظر تو ایسا کتب خانہ کئی لاکھ میں بھی فراہم کرنا مشکل ہے ۱۲۔ محبوب الٰہی عفی عنہ

کی ایک مشہور کتاب ہے۔ مگر اب تک طبع نہیں ہوئی۔ اس کا بھی ایک قلمی نسخہ مہیا کیا گیا ہے۔

کتب اسماء الرجال کا بھی نہایت شاندار ذخیرہ موجود ہے۔ مثلاً الاصابہ ابن حجر آٹھ جلدوں میں۔ طبقات کبیر آٹھ جلدوں میں۔ تہذیب التہذیب بارہ جلدوں میں وغیرہ فقہ حنفی کی تمام مروجہ کتابوں مثلاً شرح وقایہ، ہدایہ، عالمگیری، شامی، البحر الرائق اور فتح القدیر کا کیا ذکر یہ تو ہونی ہی چاہییں۔ بہت سی ایسی کتابیں بھی موجود ہیں جن کے دیدار کی بھی عام علماء کو تمنا رہتی ہے مثلاً شرح سیر کبیر سرخسی چار جلدوں میں کتاب المبسوط امام محمد تیس جلدوں میں وغیرہ۔ اس کے علاوہ فقہ شافعی، فقہ مالکی اور فقہ حنبلی کی بڑی بڑی اور کافی تعداد میں کتابیں موجود ہیں۔ مثلاً کتاب الام (فقہ شافعی) سات جلدوں میں۔ شرح المہذب (فقہ شافعی) نو جلدوں میں۔ المحلی (فقہ ظاہری) کشاف القناع۔ مغنی ابن قدامہ (فقہ حنبلی) کئی کئی جلدوں میں۔ اسی طرح باقی علوم و فنون مثلاً اصول حدیث و فقہ۔ عقائد و کلام۔ سیر و مغازی۔ تصوف و سلوک۔ طب و حکمت۔ لغت و ادب۔ صرف و نحو۔ معانی و بیان وغیرہ میں کتابوں کا نہایت مکمل اور وسیع سامان مہیا ہے، جس کی مثال یہ ہے کہ صرف الفیہ ابن مالک کی آٹھ مختلف شروح موجود ہیں۔ لغت کے فن میں قاموس جوٹی کی کتاب مانی گئی ہے۔ یہاں اس کی شرح تاج العروس دس جلدوں میں موجود ہے۔ تصوف و اخلاق میں احیاء العلوم ایک بحر زخار ہے۔ مگر یہاں اس کی بھی شرح بنام اتحاف السادۃ المتقین شرح احیاء علوم الدین دس جلدوں میں رکھی ہے۔

بعض کتابیں ایسی بھی ہیں جن کی بدولت یہ کتب خانہ شاید دنیا بھر کے کتب خانوں میں امتیاز خاص رکھتا ہو مثلاً ملا حسین واعظ کاشفی کی جواہر التفاسیر جس کا نام ہی نام سنتے آئے ہیں اور کہا جاتا ہے کہ اس کا حجم ایک بار شتر کے برابر ہے اس کی پہلی منزل کا ایک نسخہ پونے چار سو برس پیشتر کا لکھا ہوا یہاں موجود ہے جو نہایت خوشخط اور تحفۂ روزگار ہے۔ اور وہ مؤلف کی وفات (۹۱۰ھ) سے صرف ساڑھ سال بعد (یعنی ۹۷۰ھ میں) لکھا گیا ہے۔

سنا ہے ایک مرتبہ حضرت مولانا سید انور شاہ صاحب محدث دیوبند، میانوالی کے کسی اسلامی جلسے میں تشریف لائے۔ واپسی میں خانقاہ میں بھی مہمان ہوئے۔ کتب خانہ کی عظمت دیکھ کر ان کا دل باغ باغ ہو گیا گھنٹوں الماریوں کی سیر میں محو رہے۔

اس اثنا میں ایک کتاب پر نظر پڑی جو نوادر الاصول حکیم ترمذی تھی۔ فرمایا مجھے اس کتاب کے دیکھنے کی مدت سے آرزو تھی مگر کہیں دستیاب نہ ہوتی تھی۔ پھر اس کو مطالعہ کے لیے ساتھ لے گئے۔ دیوبند پہنچ کر تحریر فرمایا۔ افسوس کر

میں زیادہ عرصہ وہاں نہ ٹھہر سکا کیونکہ ماہ مبارک صیام سر پر تھا ورنہ چند سے اور قیام کرتا۔ تاہم جتنا وقت وہاں گزرا اس کو میں مغتنماتِ زندگی سے شمار کرتا ہوں[1]۔

ایک روز حضرت سلمہٗ نے فرمایا۔ میں اوائل عمر میں ایک مرتبہ سخت بیمار ہوا کہ امیدِ زیست منقطع ہو گئی۔ ایک بزرگ[2] عیادت کے لیے تشریف لائے۔ میں ان کو دیکھ کر رو دیا اور کہا مجھے مرنے کا غم ہے تو صرف اسی بات پر ہے کہ صحاح ستہ کو خرید کر اپنے پاس رکھنے کا موقع نہ پا سکا۔

ایک مرتبہ فرمایا۔ شرح رسالہ قشیریہ شیخ الاسلام زکریا مطبوعہ مصر جو چار جلدوں میں ہے۔ مجموعی صفحات ۸۰۰ ہیں اور قیمت تقریباً دس بارہ روپے ہوگی۔ مجھے اس کے خریدنے کا شوق ہوا۔ بمبئی کے ایک تاجر کتب سے یہ کتاب ملتی تھی۔ جس کی گرانفروشی ضرب المثل ہے۔ فرمائش بھیجی تو جواب آیا کہ کتاب نایاب ہو گئی۔ صرف ایک نسخہ باقی ہے جو چالیس روپے سے کم میں نہیں دیا جا سکتا۔ اتفاق سے میرے پاس صرف پانچ روپے موجود تھے۔ وہی پیشگی بھیج کر لکھا کہ یہ نسخہ ہمارے سوا اور کسی کو نہ دیا جائے اور باقی قیمت بھیجنے پر فوراً ارسال کر دیا جائے۔

ایک موقع پر فرمایا کہ کتاب مشارق الانوار قاضی عیاض کی مجھے تلاش تھی۔ مولوی عبدالتواب تاجر کتب ملتان کے پاس فرمائش بھیجی تو جواب آیا کہ کتاب کا موجودہ نسخہ آپ کو نہایت گراں پڑے گا۔ اگلے مال کے آنے تک انتظار کریں میں نے لکھا انتظار مشکل ہے۔ گرانی قیمت کی پروا نہیں۔ سو دو سو روپے جو بھی قیمت ہو اس کے عوض کتاب بھیج دو۔

مالیرکوٹلہ میں میرے سامنے کا واقعہ ہے۔ ایک ولایتی کچھ نادر اشیا بغرض فروخت دکھانے کے لیے لایا۔ اس کے پاس ایک چھوٹا سا رسالہ عربی زبان میں چھپی تقطیع کا بھی موجود تھا۔ جس کا نام لامیۃ الافعال ابن مالک تھا۔ آپ نے اس کی قیمت پوچھی۔ کہا چار روپے۔ فوراً چار روپے ادا فرما کر لے لیا۔

انہی ایام میں ایک شب آپ فرما رہے تھے کہ موطا امام مالک کی فلاں فلاں شرح تو ہمارے پاس ہے صرف مصفّٰی اور مسوّی شرح موطا مؤلفہ حضرت شاہ ولی اللہ کی کسر ہے جو تلاش کے باوجود نہیں ملی۔ میں نے عرض کیا یہ

---

[1] حضرت مولانا سید انور شاہ صاحب صفر ۱۳۵۲ھ میں انتقال فرما گئے رحمۃ اللہ علیہ۔ مکرمی مولوی عبدالغنی صاحب ساکن مالیرکوٹلہ فرماتے ہیں کہ شاہ صاحبؒ کے ایک شاگرد و مرید بیان کرتے ہیں کہ آپ کی وفات سے چند روز پہلے میں نے عرض کیا حضرت: اس زمانے میں سب سے بڑا شیخ طریقت کون ہے؟ تو فرمایا آج سب سے بڑے عارف کامل مولانا ابوالسعد احمد خاں کندیاں والے ہیں ۱۲

[2] غالباً یہ بزرگ مولانا غلام محمد صاحب قریشی ساکن موضع سیل گھنڈی ضلع میانوالی حضرت کے اساتذہ میں سے ہیں۔

دونوں شرمیں خادم کے پاس موجود ہیں۔ گھر جاتے ہی ڈاک میں ارسالِ خدمت کردوں گا۔ فرمایا اس قدر انتظار کی تاب کس کو ہے۔ ابھی کسی آدمی کو دھنولہ بھیجا جائے جو کل تک لے آئے۔ چنانچہ اسی وقت راتوں رات مستری ظہور الدین کو دھنولہ روانہ کردیا گیا۔

خانقاہ شریف میں میری حاضری ایام بہاریں ہوئی تھی اور اگلے روز ہی مجھے کتب خانے کی فہرست مرتب کرنے کا حکم ہوا۔ الماریوں کے سامنے میں اور مولوی عبداللہ صاحب اس کام کو انجام دیا کرتے۔ حضرت اکثر اس کام کو دیکھنے کے لیے تسبیح خانہ کی نشست خاص کو چھوڑ کر کتب خانہ میں تشریف لے آتے۔ ایک دن ابر گھرا ہوا تھا۔ ٹھنڈی ہوا چل رہی تھی اور نورسیدہ فصل کو بارش کی ازحد ضرورت تھی، اتنے میں مینہ برسنے لگا۔ آپ نے یہ کیفیت معلوم کرنے کے لیے دریچہ کھولا۔ عجیب عالم نظر آیا۔ میلوں تک گیہوں اور چنے کے ہرے بھرے کھیت آنکھوں کے سامنے تھے۔ جدھر نظر جاتی تھی۔ قطرات باراں کے آبدار موتی فصل کے زمردین فرش پر بکھرتے اور لڑھکتے دکھائی دیتے تھے۔ اللہ اللہ یہ منظر زمیندار کی نظر میں ہوتا ہے تو اسے فرطِ مسرت سے مست کردیتا ہے مگر آپ کے باطن میں جو کمالات کے باغ لہلہا رہے ہیں اور ظاہر میں علوم و معارف کے دفاتر کا یہ چمنستان پھیلا پڑا ہے۔ اس کے سامنے اس منظر کی کیا وقعت ہوسکتی تھی۔ ایک سرسری نظر ڈالی اور کھڑکی بھیڑ دی۔

کتابوں کے اس شوق کے ساتھ ایک اور لطیف پہلو شامل ہے۔ یعنی اس روحانی محبوب کو بہترین لباس میں جلوہ گر دیکھنے کا شوق بھی بدرجہ غایت ہے۔ کتابوں کے شوقین بہت دیکھے ہیں مگر سب کو کتابوں کے حسنِ ظاہر کی پروا نہیں ہوتی۔ بعض لوگ ارزاں ایڈیشن کی کتاب خریدتے ہیں۔ پارچہ کی سستی جلد بنواتے ہیں یا مدرسہ کے کسی طالب علم سے جیسی کیسی جلد بنوا لیتے ہیں۔ مقوے ٹیڑھے۔ سلائی بے قاعدہ۔ تراش بے ڈھنگی۔ کچھ پروا نہیں۔ اسی قسم کے سامان سے اپنے کتب خانہ کو کباڑ خانہ بنا لیتے ہیں۔ مگر حضرت کی نظر میں ہر کتاب کی خریداری کے وقت نفیس ترین کاغذ اور لطیف ترین چھپائی کا لحاظ مقدم رہتا ہے۔ پھر اس کی جلد بھی اعلیٰ درجہ کی مطلا و منقش بنوانے کا التزام ہے۔ چنانچہ کتب خانہ کی ہر کتاب کا کاغذ، طباعت اور جلد اس قدر آبدار ہے کہ ہاتھ لگاتے دل جھجکتا ہے کہ کہیں داغ نہ لگ جائے کتابوں کی الماری جب جھلمل جھلمل کرتی ہوئی کھلتی ہے تو اس پر کانِ طلا یا نگار خانہ چین کا دھوکا ہوتا ہے۔

کتب خانہ میں بخاری شریف بہ تحشیہ سندھی مطبوعہ استنبول نہایت نفیس چھپی ہوئی میں نے دیکھی۔ ساری

سیاہ چمڑے کی جلد۔ نہایت خوبصورت طلائی بیل بوٹوں سے منقش۔ جب یہ کتاب جلد کے لیے گئی تو فرمائش تھی کہ عمدہ سے عمدہ جلد بنے۔ خواہ دس پندرہ روپے خرچ آجائیں۔ جلد بن کر آئی تو افسوس ہوا کہ صرف پانچ روپے لاگت کی جلد ہے۔ تخمینہ ہے کہ کتب خانہ کی کل کتابوں کی جلدوں پر دو ڈھائی ہزار روپیہ خرچ آچکا ہے۔

شوقِ مطالعہ: بعض بعض علماء کو صرف کتابیں جمع کرنے کی دُھن ہوتی ہے۔ پڑھنے پڑھانے کا خیال کم ہوتا ہے۔ بعض پڑھتے ہیں تو صرف اس قدر کہ جب کوئی نئی کتاب آئی تو دو چار دن تک زیرِ نظر رہی۔ کچھ اول سے دیکھی کچھ آخر سے۔ کچھ اِدھر سے کچھ اُدھر سے اور دل سیر ہو گیا۔ پھر وہ کتاب ہمیشہ کے لیے زینتِ صندوق ہو گئی اور بس —— مگر ہمارے حضرت سلمہ ہر نئی کتاب کو اول سے آخر تک مطالعہ کر کے چھوڑتے ہیں۔ ایک دن فرمایا تفسیر ابنِ جریر طبری جب آئی تو اس کی دسوں جلدیں چند ماہ میں پڑھ کر دم لیا۔ شرح قشیریہ شیخ الاسلام زکریا کی چاروں جلدوں کا مطالعہ چند ہفتوں میں اول سے آخر تک کیا ہے۔ اسی طرح تفسیر حدیث فقہ تصوف وغیرہ کی کوئی کتاب بالاستیعاب مطالعہ کیے بدوں نہیں چھوڑی۔

اثنائے مطالعہ میں جہاں کہیں کوئی اہم بحث نظر پڑی یا کوئی معرکۃ الآرا مسئلہ سامنے آگیا تو فوراً اس کا نمبر صفحہ اور پتہ نشان جلد کے سادہ ورق پر درج کر دیا[۱]۔ میں نے دیکھا کہ اس قسم کی یادداشتوں سے ہر کتاب کے سادہ اوراق سیاہ کیے پڑے ہیں۔ حتیٰ کہ ان حوالجات کے ذریعہ بعض خاص مسائل پر ہر پہلو سے اس قدر کافی مسالہ مل سکتا ہے کہ ایک ایک موضوع پر مستقل رسالہ یا کتاب تصنیف ہو سکتی ہے۔

ایک مرتبہ فرمایا کہ میں ماہ ذوالحجہ ۱۳۱۳ھ[۲] میں فارغ التحصیل ہو کر وطن لوٹا اس وقت سے برابر مطالعۂ کتب جاری ہے اور آج تک اس لطف سے آنکھیں سیر نہیں ہوئیں۔

اس وسعتِ مطالعہ سے آپ کے علمی تبحر کی بے پایانی ظاہر ہے۔ چنانچہ میں دیکھتا رہا ہوں کہ جب کوئی مسئلہ اتفاقاً چھڑ گیا تو آپ نے اس پر اپنے معلومات کے دریا بہا دیے۔ صبح و شام کی مجلسوں میں اسی قسم کے علمی مسائل پر گفتگو رہتی ہے۔ افسوس کہ میں ان مقالات کو قلمبند نہیں کر سکا۔ صرف ایک واقعہ یاد ہے:۔

ایک دن کتب خانہ کی فہرست لکھتے وقت طبقات ابن سعد کی جلدیں میرے سامنے تھیں۔ کتاب کا نام۔ مؤلف

---

[۱] اعلیٰ حضرتؒ اہم مسائل کے متعلق نوٹ دینے کا خاص سلیقہ سے اہتمام فرماتے تھے کسی اور مطالعہ کرنے والے کو نوٹ لکھنے کی اجازت نہ تھی البتہ مولانا احمد دین کیلوی اور حضرت مولانا محمد حبیب اللہ صاحب نامنوی جانشین مستغنی تھے پیر حضرت ثانی قدس سرہ کے عہد مبارک میں قاضی شمس الدین صاحب و مفتی عطا محمد ظلہما اس کے مجاز تھے ۱۲ محبوب الٰہی عفی عنہ [۲] آپ نے تحصیلِ حدیث سے فراغت مدرسہ عالیہ کانپور میں فرمائی جہاں مولانا عبید اللہ صاحب بکھڑویؒ استاد حدیث تھے۔

12A

کا نام اور اس کا سنِ وفات لکھ رہا تھا۔ حضرت نے فرمایا یہ بڑی اہم اور شاندار کتاب ہے۔ میں نے عرض کیا، بیشک حضرت! اور علامہ شبلی نعمانی بھی اس کی بہت تعریف کرتے ہیں۔ فرمایا ابن سعد واقدی کا شاگرد ہے۔ میں نے عرض کیا مگر وہ تو بہت بدنام ہے۔ فرمایا نہیں وہ ثقہ ہے۔ دیکھو ابن تیمیہ کا سا متشدد اور سخت گیر محدث اپنی کتاب الصارم المسلول میں اس کے بارے میں لکھتا ہے:۔

هو اعلم بتفاصيل المغازى — وہ غزوات کے تفصیلی احوال کا سب سے بڑا عالم ہے۔

اور ذہبی کا ساوسیع النظر محدث اس کے متعلق دراوردی سے یہ قول نقل کرتا ہے:۔

هو امير المؤمنين فى الحديث — وہ فنِ حدیث کا بادشاہ ہے۔

ہاں اس میں شک نہیں کہ بہت سے محدثین نے واقدی کو ضعیف بلکہ کذاب تک بھی کہا ہے۔ مگر ان کے بارے میں یہ جرح حدیث کے متعلق ہے اور روایت حدیث میں ان کا مجروح ہونا فن سیر و مغازی کے امام ہونے کے لیے مضر نہیں کیونکہ ان کی یہ مجروحیت اس بنا پر نہیں کہ فی الواقع وہ کوئی کذاب دجال تھے۔ بلکہ جرح و تعدیل کے قواعد کی رُو سے راوی کا روایت حدیث کے علاوہ کسی دوسرے فن میں مشغول ہونا بھی اس کو ہدفِ جرح بنا دیتا ہے۔[1] چنانچہ بیچارے واقدی کو محض اتنے سے قصور نے مجروح و بدنام کر دیا کہ وہ راوی حدیث ہو کر سیر و مغازی کے فن میں مشغول ہو گئے اور بہت غرائب نقل کرتے ہیں۔ پس وہ اس شغل کی وجہ سے فنِ حدیث میں مجروح ہیں مگر سیر و مغازی میں ان کا پایۂ اعتبار اسی طرح بلند ہے۔

پھر فرمایا حقیقت یہ ہے کہ اسماء الرجال میں جرح و تعدیل کا معیار بھی بڑا نازک اور بڑا بے ڈھب واقع ہُوا ہے۔ بعض محدثین نے اپنی ذاتی ناراضگی سے دوسروں پر جرح کر ڈالی ہے۔ بعض نے محض کسی ناواجب شبہ کی بنا پر بلا تحقیق جرح کر دی۔ ایک محدث کسی شیخ کی طرف سماعتِ حدیث کے لیے گئے۔ دیکھا کہ وہ گھوڑے پر سوار ہے اور اسے کُودا رہا ہے۔ بس اتنی سی بات پر اس کو مجروح قرار دے کر واپس چلے آئے کہ محدث کو شہسواری اور اسپ دوانی سے کیا سروکار۔ ایک اور محدث

---

[1] مراد یہ ہے کہ ایسے فنون جو کتاب و سنت سے مستنبط نہ ہوں ان میں انہماک و اشتغال بھی محدثین کے نزدیک پسندیدہ نہیں اور روایتِ حدیث کے بارے میں ایسا راوی مجروح قرار دیا جاسکتا ہے بشرطیکہ یہ انہماک روایت حدیث کے سلسلہ میں طبیعت میں ملکہ تسامح پیدا ہو جانے کا سبب بن گیا ہو پھر چونکہ جرح میں ناقد کے وجدان یا اس کے ظنون و اوہام کا دخل بھی ہو سکتا ہے اس لیے وجوہ جرح کی تحقیق ضروری ہے۔ خصوصاً اس وقت جبکہ ایک معاصر اپنے ہمعصر پر جرح کر رہا ہو کیونکہ ہو سکتا ہے کہ وہ المعاصرة اصل المنافرة کے تحت ضابطۂ مدارات تسامح سے کام لے رہا ہو۔ ۱۲ مفتی عطا محمد سلمہٗ

کسی شیخ الحدیث کے شہر میں پہنچے ان کے محلے سے سرود کی آواز سنائی دی تو بلا تحقیق و تجسس یہ سمجھ کر کہ یہ آواز انہی کے گھر سے آرہی ہوگی، واپس چلے آئے اور ان پر جرح شروع کردی۔ امام مالکؒ کے موطا کا جب چرچا پھیلا تو ان کے استاد بھائی محمد ابن اسحٰق[1] نے لوگوں سے کہا:۔

هاتوا علم مالك فانا بيطاره — مالک کی کتاب مجھے تو دکھاؤ میں اس کا نباض ہوں

امام کو یہ بات پہنچی تو ناراض ہوئے اور کہا:۔

ذلك دجال الدجاجلة ونحن اخرجناه من المدينة — وہ تو بڑا دجال ہے اور اس لیے ہم نے اس کو مدینے سے نکال دیا ہے۔

باقی رہی یہ بات کہ واقدی غزوات کے واقعات کو اس تفصیل سے بیان کرتا ہے کہ جس کا ذہن و حافظہ میں محفوظ و مربوط رہنا عموماً ناممکن نظر آتا ہے اور اس لیے لوگوں کو اس پر دروغ بافی کا شبہ ہوتا ہے۔ تو یہ محض سوء ظن ہے۔ اس زمانے کے لوگوں کی قوت حافظہ کے کارناموں پر غور کرو تو واقدی کا کام ان کے مقابلے میں کچھ بڑھ کر نہیں۔ حدیث کا حافظ وہ کہلاتا تھا جس کو کم از کم ایک لاکھ حدیث، مع اسناد یاد ہوں اور حافظ ابن حجر، حافظ سیوطی، حافظ ابن جوزی، حافظ ابن قیم، حافظ مغلطائی وغیرہ اسی لیے حافظ کہلاتے ہیں کہ وہ لاکھ لاکھ حدیث کے حافظ تھے اور اس قسم کے حفاظِ حدیث قرونِ سابقہ میں بے شمار گزر چکے ہیں آج ہے کوئی ایسا عالم؟ جس کو لاکھ یا ہزار تو رہی الگ سو دو سو حدیث بھی مع اسناد یاد ہو۔ پھر یہ کیا اندھیر ہے کہ واقدی کے حافظے کی تنقید آج کل کے حافظہ کو بطور معیار سامنے رکھ کر کی جاتی ہے۔

اس کے بعد آپ نے دیوان متنبی کی شرح عکبری (جو پاس ہی پڑی تھی) اٹھا کر اس میں سے ابو العلا معری کا حال پڑھ کر حاضرین کو سنایا جس کا خلاصہ ترجمہ یہ ہے:۔

ابو العلا نابینا تھا اور ابھی بچہ ہی تھا کہ اس کی قوت حافظہ کے ہر طرف چرچے پھیل گئے۔ انطاکیہ کے ایک کتب خانہ کے مہتمم نے اس کا امتحان لیا۔ کسی غیر معروف اور مشکل کتاب کے ایک دو ورق پڑھ کر اس کو سنا دیے۔ پھر ابو العلا نے سنی ہوئی عبارت فرفر سنا دی۔

ابو العلا کے پڑوس میں ایک ایرانی آبسا۔ مدت کے بعد ایک اور ایرانی اس کو ملنے آیا۔ وہ گھر پر موجود نہ تھا۔ ابو العلا

---

[1] امام مالک اور محمد ابن اسحٰق دونوں زہری کے شاگرد ہیں ۱۲

فارسی زبان نہیں جانتے تھے۔ اشارے سے ایرانی کو کہا کہ تم اپنا پیغام دے جاؤ۔ اس نے جو کچھ کہنا تھا فارسی میں کہا اور چلا گیا۔ ایرانی واپس آیا۔ ابوالعلا نے وہ پیغام اسی عبارت میں من وعن اس کو سنا دیا۔ ایرانی سن کر رونے لگا۔ ابوالعلا نے پوچھا کیا بات ہے؟ ایرانی نے عربی میں بتایا کہ مجھ کو میرے کئی عزیزوں اور پڑوسیوں کی وفات کی اطلاع دی گئی ہے۔

ایک مرتبہ ابوالعلا بالاخانہ کی کھڑکی میں بیٹھے تھے۔ ایک دکاندار ان کے پڑوسی سے اپنے قرض کا مطالبہ کرنے آیا۔ ہاتھ میں فردِ حساب تھی۔ سب پڑھ کر سنائی۔ کچھ دنوں کے بعد ابوالعلا نے اس قرضخواہ کو پریشان و مضطرب دیکھا۔ پوچھا کیا ہوا وہ بولا میری فردِ حساب گم ہوگئی ہے۔ کہا خاطر جمع رکھو ہم تمہاری فردِ حساب سن چکے ہیں، سب یاد ہے اور پھر اس کو حساب کا حبہ حبہ لکھوا دیا۔

اس کے بعد حضرت نے فرمایا۔ جب صدرِ اسلام میں ایسے ایسے قوی الحافظہ لوگ ہو گزرے ہیں تو پھر واقدی پر لوگوں کو اس قدر تعجب کیوں آتا ہے کہ خواہ مخواہ ان کو کذب گوئی سے منسوب کرنا پڑا۔

حضرت سلمہٗ کو اصنافِ علوم پر جو محققانہ نظر ہے اور مطولاتِ کتب پر جو گہرا عبور ہے وہ ایک بیّن امر ہے۔ مگر ان سب میں ایک خاص کتاب ایسی ہے جس کے ساتھ آپ کی دلبستگی سب سے زیادہ ہے۔ وہ کونسی کتاب؟ مکتوبات امام ربانی قدس سرہٗ اس کتاب کے تمام مضامین تقریباً حفظ اور اس کے تمام مندرجہ معارف پر آپ پوری طرح حاوی ہیں۔ اکثر مسائل طریقت کے ذکر میں بطورِ استناد مکتوبات کا حوالہ ارشاد فرمایا کرتے ہیں اور کتاب میں سے بلا تامل وہ مقام نکال کر سنا دیتے ہیں۔ اس خصوصیت کی وجہ یہ ہے کہ آپ نے مکتوباتِ شریف کو اپنے شیخِ طریقت قدس سرہٗ سے بتمام و کمال سبقاً سبقاً کئی بار[1] پڑھا ہے۔ جس کے لیے ایک خاص[2] وقت مقرر اور خلوت متعین تھی اور اس کی تعلیم دیگر کتب کی طرح صرف قال اور تلفظ پر منحصر نہیں تھی بلکہ اس میں حال اور ہمتِ باطن کا دخل تھا اور حضرتِ شیخ ہر سبق پر توجہ[3] دیتے تھے۔ یہی وجہ ہے کہ آپ

---

[1] چار بار ۱۲ [2] یعنی آخری بار ۱۲ [3] حضرت ثانی مولانا و سیدنا محمد عبداللہ قدس سرہٗ فرماتے تھے کہ اعلیٰ حضرتؒ نے اس واقعہ کو یوں بیان فرمایا کہ ایک دفعہ حضرت خواجہ قدس سرہٗ نے فرمایا کہ مولوی صاحب! ایک وعدہ تم کرو اور ایک وعدہ میں کرتا ہوں"۔ میں نے عرض کیا حضرت! جو کچھ ارشاد فرمائیں خادم بغیر پوچھے وعدہ کرتا ہے کہ پابندی کرے گا۔ یہ سن کر حضرت خواجہؒ نے فرمایا کہ تم یہ وعدہ کرو کہ جب تک مکتوبات امام ربانی مجدد الف ثانی قدس سرہٗ کا درس ختم نہ ہوگا میں گھر نہیں جاؤں گا اور میں یہ وعدہ کرتا ہوں کہ ہر مکتوب پر توجہ دوں گا۔ درس شروع ہوگیا، کچھ دنوں کے بعد حضرت خواجہؒ نے دریافت فرمایا۔ کچھ فائدہ محسوس ہو رہا ہے؟ باوجودیکہ اس وقت تک مجھے فائدہ کا کوئی احساس نہ ہوا تھا محض اس خیال سے کہ حضرت کی طبیعت سرد نہ ہو عرض کیا، حضرت! بہت فائدہ ہو رہا ہے اور اب تقریباً تیس سال گزرنے پر ان توجہات سے حقائق طریقہ

مکتوبات کے صرف حافظ ہی نہیں بلکہ قدرت نے اس کتاب کے ادق اور زہرہ گداز مقامات کے اسرار بھی خاص آپ کے سینہ مبارک میں ودیعت کر دیے ہیں، کیوں نہ ہو۔ یہ دفترِ عظیم جس مشرب کا قانونِ اعظم ہے۔ آج آپ اس کے تاجدار اور اس اقلیم کے شہریار ہیں۔

حضرت خواجہ محمد معصوم قدس سرہٗ کے ایک خلیفہ مولانا محمد باقر لاہوری نے مکاتیب[۱] ستہ کا خلاصہ خاص جامعیت کے ساتھ مرتب کیا تھا جس کا نام کنز الہدایات ہے۔ یہ کتاب نقشبندیہ سلسلے میں بطور نصابِ تعلیم رائج ہے اور وہ ہمارے حضرت سلمہٗ کے تحریر کردہ حواشی کے ساتھ امرتسر میں باہتمام مولوی نور احمد صاحب پسروری مرحوم چھپ چکی ہے۔ آپ نے اس کے ہر فقرہ اور ہر مسئلے کا حوالہ حواشی پہ دے دیا ہے کہ وہ مکتوبات کی کونسی جلد اور کس مکتوب سے اخذ کیا گیا ہے۔ اس سے آپ کے حافظ مکتوبات ہونے کا ثبوت ملتا ہے اور حافظ بھی صاحب استحضار، ورنہ ہر حافظِ قرآن بھی قرآنی آیات کا پتہ بتانے پر پوری طرح قادر نہیں ہوتا۔

درسِ حدیث: خاکسار راقم اگلے سال خانقاہ شریف میں حاضر ہوا تو دیکھا کہ حضور نے ترمذی شریف کا درس شروع کر رکھا ہے۔ کئی مستند و تحصیل یافتہ علماء حلقہ درس میں شامل ہوتے ہیں۔ تنقید روایات، تعدیل رواۃ، بیانِ مذاہب اور استنباط مسائل وغیرہ پر آپ اس قدر تحقیق و تدقیق فرماتے ہیں کہ صلِّ علیٰ و سبحان اللہ۔ مولوی غلام رسول[۲] جو خود بار ہا صحاح ستہ پڑھا چکے ہیں۔ ان کا بیان ہے کہ ایسا محققانہ درس ہندوستان کی کسی درسگاہ میں شاید ہی ہوتا ہو۔ ایک روز کسی صاحب نے عرض کیا کہ کیا بخاری کے راویوں میں شیعہ خارجی وغیرہ بھی شامل ہیں؟ فرمایا بے شک ہیں مگر اس سے صحیح بخاری میں کوئی نقص لازم نہیں آتا۔ وہ شیعہ آج کل کے شیعوں کے سے نہیں تھے[۳]۔ وہ غالی نہ تھے، متعصب نہ تھے بلکہ ان میں اور اِن میں محض اشتراک اسمی ہے۔ پھر فرمایا جب حدود میں روافض و خوارج کی شہادت مقبول ہے۔ جو

مجددیہ منکشف ہو رہے ہیں۔ نیز حضرت اعلیٰ نے اس سلسلہ میں کہ بعض دفعہ توجہات شیخ کے اثر کا احساس کافی زمانہ گزرنے کے بعد ہوتا ہے۔ یہ واقعہ نقل فرمایا کہ حضرت خواجہ محمد عثمان قدس سرہٗ کو حضرت حاجی دوست محمد قندھاری قدس سرہٗ العزیز نے قرآن مجید سبقاً سبقاً پڑھایا تھا اور توجہاتِ خاصہ مبذول فرمائی تھیں اس وقت تو حضرت خواجہ محمد عثمانؒ کو نمایاں فوائد محسوس نہ ہوئے مگر جب حج کے لیے تشریف لے گئے اور عدن سے جہاز گزر رہا تھا تو یک لخت اسرار آیات متشابہات منکشف ہونے لگے۔ اس وقت معلوم ہوا کہ یہ ان توجہات کا ثمرہ ہے جو بوقت درس قرآن حضرت حاجی صاحب قدس سرہٗ نے فرمائی تھیں ۱۲ مفتی عطا محمد سلمہٗ و فقیر محمد محبوب الٰہی عفی عنہٗ

[۱] یعنی مکتوبات امام ربانی قدس سرہٗ تین جلدیں اور تین ہی جلدیں مکتوبات خواجہ محمد معصوم قدس سرہٗ کی ۱۲ منہ [۲] رنتھڑی ضلع ملتان

[۳] میزان الاعتدال امام ذہبی جلد ۱ آغاز ۱۲ مفتی عطا محمد

روایت حدیث سے زیادہ اہم ہے تو پھر روایت حدیث میں ان کی شہادت کیوں مقبول نہ ہو۔ پھر فرمایا آج کل تکفیر کی عام گرم بازاری ہے۔ ذرا ذرا سی بات پر ایک مسلمان کو کافر قرار دے دیا جاتا ہے۔ اس زمانہ کے شیعہ و خارجی ایسے متعصب غالی نہ تھے اور اس عہد مبارک کے مسلمان بھی کسی مسلمان کی تکفیر میں جلدی نہیں کرتے تھے۔ پھر ہنس کر فرمایا آج کل شاید اس لیے بلا تامل ہر مسلمان کو کافر بنا دیا جاتا ہے کہ اب مسلمانوں کی تعداد زیادہ ہو گئی ہے۔ پہلے زمانے میں مسلمان کم تھے۔ اس لیے قلت تعداد کے خوف سے کسی کو کافر نہیں ٹھہراتے تھے۔ بخلاف اس کے آجکل خفیف سے خفیف قصور سے بھی چشم پوشی نہیں کی جاتی اور فوراً کفر کا فتویٰ لگا دیا جاتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ آجکل تکفیر کی اہمیت نہیں رہی یعنی اگر کسی کو کافر کہہ دیا جائے تو اس کو کچھ بھی ملال نہیں ہوتا۔ بخلاف اس کے وہابی کے لقب میں زیادہ اہمیت ہے۔ چنانچہ اگر کسی کو وہابی کہدیا جائے تو وہ کٹ مرتا ہے۔

ایک دن اثنائے سبق میں خادم نے عرض کیا کہ امام صاحب نے جو فرمایا ہے کہ جب کوئی صحیح حدیث میرے قول کے خلاف ملے تو حدیث پر عمل کرو اور میرے قول کو ترک کر دو۔ اس پر عمل کوئی نہیں کرتا۔ آپ نے فرمایا عمل کرنا چاہیے اور ضرور کرنا چاہیے مگر اس کے لیے فہم حدیث اور فقہ فی الدین لازم ہے۔ اور جو شخص ان اوصاف سے متصف ہے۔ اس کو چاہیے حدیث کو فقہ سے مقدم سمجھے[1]۔

خوش مزاجی: خوش اخلاقی اور شگفتہ مزاجی طبع مبارک کا جوہر خاص ہے۔ سنجیدہ باتوں اور علمی تقریروں کو چھوڑ کر باقی ہر قسم کی گفتگو ہمیشہ تبسم[2] کے ساتھ فرماتے ہیں۔ جس میں کوئی نہ کوئی لطف و لطائف کا پہلو ملحوظ ہوتا ہے[3]۔

خاکسار کو کتب خانہ کی فہرست مرتب کرنے کا حکم دیا تو سابقہ فہرست دکھا کر فرمایا۔ یہ فلاں مولوی صاحب نے مرتب کی تھی۔ جو ٹھیک نہیں صرف کتابوں کے نام لکھدیے اور اتنے بڑے کتب خانہ کو بیس تیس صفحوں میں سمیٹ کر دھر دیا۔ میں نے عرض کیا حضور! یہ تو انہوں نے ایک طرح ہنرمندی دکھائی کہ ایک دریا کو کوزے میں بند کر دیا۔ تو ہنس کر فرمایا یہ ہنرمندی پسند کے قابل نہیں بلکہ یہاں رائی کا پہاڑ بنانے کی ضرورت تھی۔

---

[1] ماخوذ ہو عقد الجید شاہ ولی اللہؒ و مقدمہ شامی فصل التبحر فی العلم ۱۲ مفتی عطا محمد [2] و کان صلی اللہ علیہ وسلم اکثر الناس تبسما و ضحکا فی وجوہ اصحابہ و تعجبا مما تحدثوا بہ۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے اصحاب کے سامنے سب لوگوں سے زیادہ تبسم و خندہ فرماتے اور ان کی باتوں پر تعجب کرتے (احیاء)

[3] کان صلی اللہ علیہ وسلم یمزح ولا یقول الا حقا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم دل لگی کی بات بھی کر جاتے۔ مگر سچ کے سوا کچھ نہ فرماتے (احیاء)

مولوی نور احمد صاحب ساکن وتہ خیل ایک مستند فاضل سند یافتہ دارالعلوم دیوبند اور تمام علوم متداولہ کے معلم حضرت کے مرید ہیں۔ ساتھ ہی وہ دائرہ اختلاط میں اُن جنتی بندوں کا نمونہ بھی ہیں۔ جن کا کردار و گفتار سب کے لیے سامان انبساط ہو۔ وہ آئے تو حضرت نے میراؔ ان سے تعارف کراتے ہوئے فرمایا۔ یہ مولوی صاحب ایک فاضل اجل ہیں۔ حلقہ درس میں استاد یگانہ ہیں اور محفلِ احباب میں مفرح یاقوتی۔

حاضری آستانہ کے موقع پر میں نے اپنی تالیفات میں کتب تعلیم النسا کی ایک ایک جلد بھی پیش کی۔ جن کو دیکھ کر آپ بہت خوش ہوئے۔ پوچھا پہلی کتاب سے پہلے قاعدہ بھی چاہیے تھا۔ میں نے عرض کیا قاعدہ چھپا ہے مگر میں لایا نہیں۔ فرمایا تو پھر یہ بے قاعدہ کام ہوا۔

ایک مرتبہ آپ کے لیے جوتی تیار ہو کر آئی۔ جس پر زری کا نہایت نفیس کام کیا گیا تھا۔ مگر جوتی کی تراش آپ کو پسند نہ آئی۔ فرمایا وہی بات ہے کہ ؎

طوقِ زریں ہمہ در گردنِ خرمے بینم

کتب خانہ کی تمام الماریاں خاصی لمبی چوڑی اور بڑی شاندار خوش وضع ہیں مگر ان کے کواڑوں میں شیشے نہیں لگوائے گئے جن کا آجکل عام رواج ہے۔ میں نے اس کے متعلق استفساراً عرض کیا تو فرمایا شیشے ٹوٹ پھوٹ جاتے ہیں تو پھر کہیں سے پورے ناپ کے شیشے لانا مشکل ہوتا ہے۔ میں نے عرض کیا شیشوں میں ایک دوسرا نقص یہ بھی تھا کہ روشنی کے نفوذ سے کتابوں کی براقی و جلا داری مدھم پڑ جاتی۔ آپ نے فرمایا ایک تیسرا نقص یہ بھی تھا کہ اب بند الماری کو کھولتے ہیں تو مطلا و مجلا کتابوں کا حسن مستور یک دم جلوہ آرا ہو کر ایک خاص شان کا منظر ہوتا ہے۔ شیشے لگائے جاتے تو یہ بات نہ ہوتی۔

حلم و تحمل: پہاڑ کا وقار اور اس کی استقامت ضرب المثل ہے۔ لیکن جب وہ انسان کے دست تصرف کے آگے پاش پاش اور ریزہ ریزہ ہو جانے سے بچ نہیں سکتا تو ہمارے حضرت کی خودداری و عالی وقاری کی کیا ریس کر سکتا ہے جو نہ کسی انسان کی نادانی و بے تمیزی سے برہم ہوں اور نہ کسی کا جہل و سوء ادب ان کے مزاج کو آشفتہ کر سکے۔

زبردباریِ ما خوار و زار شد عالم
ز کوہِ طاقتِ ما سنگسار شد عالم

۱؎ یعنی مجھے ان کا تعارف کراتے ہوئے ۱۲ محبوب الٰہی عفی عنہ

میں نے بارہا دیکھا کہ جب کسی خادم سے متعلقہ خدمت میں کوئی فروگذاشت یا غفلت وقوع پاتی ہے جو اظہارِ ناراضگی کا مقام ہونا چاہیے تو آپ اس کے متعلق تنبیہ بھی ہنس ہنس[1] کر کسی لطیفہ کے پیرایے میں فرماتے ہیں کہ خادم کا دل ملول نہ ہو۔ سمجھنے والے سمجھ جاتے ہیں کہ یہ تنبیہ وچشم نمائی ہے مگر ناواقف کی نظر میں وہ ظرافت وخوش طبعی ہوتی ہے۔ کبھی بتقاضائے بشریت ناراض بھی ہوتے ہیں تو اس کا احساس آسان نہیں۔ کوئی خاص نباضِ نفسیات اگر نظرِ غائر سے کام لے تو وہ اس ناراضگی کی کیفیت یوں محسوس کرے گا کہ کدورت وملال کا ایک ہلکا سا ابر شگفتگی کے چاند پر ادھر چھایا، ادھر[2] اڑ گیا ؎

کسے بملکِ رضا خشمگیں نمے باشد
دریں ریاضِ گلِ آتشیں نمے باشد

میں نے اپنے مقصد وقائع نگاری کو ملحوظ رکھ کر کئی دیرینہ خادموں سے الگ الگ پوچھا کہ حضرت نے کبھی کسی پر علانیہ اظہارِ ناراضگی بھی کیا ہے؟ تو اس کا جواب مجھے نفی[3] میں ملا۔ صرف آپ کے ایک رشتہ دار کے متعلق سب کا جواب متفق علیہ تھا کہ بس اسی پر ایک مرتبہ ناراض ہوتے دیکھا ہے کیونکہ اس نے ہتکِ شریعت کی تھی۔[4]

سید مختار احمد متوطن اترولی ضلع علی گڈھ ایک نیک نہاد نوجوان اور شریف النسب سید علی گڈھ کالج کے طالب علم ہیں۔ توفیقِ الٰہی نے دستگیری کی۔ جاذبۂ غیب نے کالج سے اٹھایا اور یوپی کی پر بہار فضا سے نکال کر اس لق ودق تھل میں لا ڈالا۔ اب وہ حضرت کے خدام میں منسلک ہیں اور ہر وقت ہاتھ میں ذکر کی تسبیح گردش کرتی ہے۔ ایک مرتبہ شب کی مجلس میں حضرت نے فرمایا کہ مولانا شبلی نے اپنی سیرتِ نبوی میں تمام غزوات دسرایا کو مدافعانہ جنگ ثابت کرنے میں محض تکلف اور سعی فضول کا ارتکاب کیا ہے۔ سید مختار احمد ایک صحیح العقائد اور مجلس کے ادب شناس ذاکر ہیں۔ مگر آخر ذہن وذکا نے ابتدائی نشوونما اس چمنستان میں پائی ہے جس کی آبیاری سرسید کے ہاتھوں ہوئی ہے۔ اس لیے یہ بات ان کے

---

[1] حضرت انسؓ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خادم بچہ تھے۔ آپؐ نے ان کو کسی کام کے لیے بھیجا وہ بازار میں بچوں کے ساتھ کھیلنے لگے۔ آپ اٹھ کر خود گئے اور ان کی گردن پر ہاتھ رکھ کر مسکراتے ہوئے فرمایا تم اس کام کے لیے گئے یا نہیں (مشکوٰۃ) [2] وکان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ابعد الناس غضبا واسرعہم رضا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سب لوگوں سے زیادہ دیر میں ناراض ہونے والے اور سب سے جلدی خوش ہو جانے والے تھے (احیاء العلوم)

[3] عن انس قال خدمت النبی صلی اللہ علیہ وسلم عشر سنین فما قال لی اف ولا لم صنعت ولا الا صنعت لم لا صنعت ہذا الامر (مرقاۃ) انس کہتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت دس سال تک کی ہے تو آپ نے کبھی مجھے اف نہیں کہا۔ نہ یوں کہا کہ تم نے فلاں کام کیوں کیا اور نہ یہ کہا کہ فلاں کام کیوں نہیں کیا۔ مشکوٰۃ بابٌ فی اخلاقہ وشمائلہ ص۵۱۸ ۱۲ مفتی عطا محمد سلمہٗ [4] وکان صلی اللہ علیہ وسلم یغضب لربہ ولا یغضب لنفسہ۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ناراض ہوتے تو اللہ کے لیے ہوتے اپنے نفس کے لیے ناراض نہیں ہوتے تھے۔ ۱۲

کانوں کے لیے نامانوس تھی۔ انہوں نے اپنی تشفی چاہی۔ حضرت نے ایک شائستہ تقریر میں مدعا کو واضح کر دیا۔ سائل نے پھر کچھ شبہات پیش کیے۔ حضرت نے پھر بکمال لطافت ان کے رفع کرنے کی کوشش کی۔ آخر اس قال اقول کا سلسلہ اس قدر طوالت پکڑ گیا کہ گویا مختار احمد صاحب نے شبلی کی طرف سے وکالت کا ذمہ لے لیا اور یہ ڈھنگ مجلس کے داب معتاد کے بالکل خلاف تھا جس سے ہم سب لوگ پریشان تھے مگر حضرت کے گفت و کلام کے لہجہ میں نرمی و ملاطفت کی جو شان ابتدا میں تھی اس میں سر مو فرق نہیں آیا۔ آخر کسی خادم کا اشارہ پا کر سید صاحب خاموش ہوئے۔

مولوی نور احمد صاحب کی سادہ مزاجی کا ذکر اوپر گزر چکا ہے۔ وہ اس کے ساتھ ہی نہایت صاف گو اور بحث پسند بھی واقع ہوئے ہیں۔ ایک مرتبہ مجلس شب میں حضرت یہ ذکر فرما رہے تھے کہ ہمارے حضرت مرحوم (مولانا سراج الدین قدس سرہٗ) نماز میں اس قدر لمبے رکوع و سجود کرتے تھے کہ ہم لوگ ان کے پیچھے گیارہ مرتبہ تسبیحات پڑھ لیتے۔

مولوی نور احمد : مگر حضور تو اس قدر جلدی[1] رکوع و سجود کرتے ہیں کہ ہم بمشکل تین تسبیحیں پڑھ سکتے ہیں۔

حضرت : (مسکرا کر) مقتدیوں کی رعایت بھی تو ہونی چاہیے کہ ان میں ضعیف اور کاروباری سبھی طرح کے لوگ ہوتے ہیں۔

مولوی : ذرا اور زیادہ دیر تک رکوع و سجود کرنے میں کس کو تکلیف ہو سکتی ہے؟

حضرت : (بکشادہ پیشانی) یہ صرف آپ ہی فرماتے ہیں یا دوسرے لوگ بھی اس خیال میں آپ کے موئید ہیں؟ ۱

مولوی : دوسرے لوگ بزدل[2] ہیں۔ سچی بات عرض کرنے کی جرأت نہیں رکھتے۔ چنانچہ ابھی مغرب کی نماز کا واقعہ ہے کہ حضور نے پہلی رکعت میں سورۂ قریش اور دوسری میں سورۂ کوثر پڑھی۔ اس پر تو کسی کو یہ عرض کرنے کی جرأت نہ ہوئی کہ ان کے درمیان سورۂ ماعون کا چھوڑ دینا مکروہ ہے۔ حالانکہ مقتدیوں میں کئی علماء تھے۔

اس پر حضرت نے ہنس ہنس کر نہایت نرمی سے اور مخاطب کے سنجیدہ سوالات کی تلخی و ترشی کو اپنی خوشنودی و خندہ پیشانی کی حلاوت میں چھپا چھپا کر بار بار سمجھایا کہ کسی سورۃ کا درمیان میں چھوڑ دینا اس صورت میں مکروہ ہے کہ وہ سورۃ اس

---

[1] مولوی صاحب کو شاید کسی مغرب کی نماز میں ایسا وہم ہو گیا ہوگا اور بطور خوش طبعی حسب عادت خود عرض کر دی ہوگی۔ ورنہ اس زمانہ میں حضرت قبلہ روحی فداہ کی نماز تعدیل ارکان کی رو سے ضرب المثل اور فرمان نبوی صلوا کما رایتمونی اصلی کا اعلیٰ مصداق ہے۔ قیام کے مطابق رکوع سجود میں کمی بیشی فرماتے ہیں۔ نماز فجر میں جب سورۂ انعام یا سورۂ طٰہٰ پڑھتے ہیں تو رکوع و سجود اس قدر لمبے ہوتے ہیں کہ آپ کے پیچھے ہماری تسبیحوں کی تعداد گیارہ سے بڑھ جاتی ہے۔ نماز فجر میں متوسط قرأت آپ کی سورہ والصافات ہوتی ہے ۱۲ عبدالرسول عفی عنہ ساکن بکھر ضلع شاہ پور

[2] اس فقرہ پر کئی حاضرین نے برا منایا ۱۲

قدر چھوٹی ہو کہ دو رکعتوں میں اس کا پڑھنا کافی نہ ہو سکے، جیسے سورۂ کوثر اور سورۂ اخلاص ہیں۔ لیکن سورۂ ماعون سے بڑی سورت ہے۔ اس کی سات آیات ہیں جو دو رکعتوں کے لیے کافی ہیں۔ اس لیے ایسی سورت کے آگے پیچھے سے سورتیں پڑھ لینا اور اس کو چھوڑ جانا مکروہ نہیں۔

اس کے بعد آپ نے میری طرف دیکھ کر فرمایا کہ میری معذوری کو بھی سب لوگ جانتے ہیں۔ لکنت کے سبب میں بعض اوقات ایک خاص سورت کو شروع کرتا کرتا رک جاتا ہوں تو جو سورۃ سامنے آتی ہے اسی کو پڑھنا پڑتا ہے۔

مولوی نور احمد صاحب نے یہ صحیح جواب بھی سنا۔ اس کی مستند دلیل بھی سنی۔ حضرت کی سچی معذوری بھی سمجھی قرآن مجید منگوا کر سورۂ ماعون کی آیات بھی گن لیں۔ ایک، دو، تین، چار، پانچ، چھ، سات۔ مگر پھر بھی تسلی نہ ہوئی۔ برابر مرغی کی ایک ٹانگ ہی رٹتے چلے گئے۔ اور آج مشہور مقولہ "ملا آنست کہ چپ نشود" کی صحت بھی پایۂ ثبوت کو پہنچا دی۔

قیل وقال کا سلسلہ برابر کھنچتا چلا گیا اور ہم سب کو اندیشہ ہوا کہ حضرت کی طبیعت ملول نہ ہو جائے۔ مگر آپ ہیں کہ اسی طرح بشاشت سے، ملاطفت سے، تحمل سے اور نرمی سے اس گفتگو میں حصہ لیتے رہے۔ جس طرح ایک شفیق باپ اپنے شوخ بچے کی بیباکیوں کو باندازِ اغماض ٹالتا جاتا ہے۔ حتےٰ کہ گھڑی نے گیارہ بجائے اور حضرت نمازِ عشاء کی تیاری کے لیے کھڑے ہو گئے۔

حضرت سلمہٗ نے اپنے تحمل کی شان میں فرق تو نہیں آنے دیا، مگر یہ صاف ظاہر ہوتا تھا کہ آج فرطِ تحمل نے طبع مبارک کو کچھ تھکا دیا ہے۔ حجرہ سے نکلتے وقت مولوی عبداللہ صاحب کو سنجیدہ لہجہ میں آہستہ سے فرمایا۔ اس مسئلے کو کتابوں میں بھی دیکھ رکھنا۔

نمازِ عشاء کے بعد آج خلافِ معمول پھر مجلس منعقد تھی۔ مولوی عبداللہ صاحب نے طحطاوی کی یہ عبارت پیش کی؛

ویکرہ فصلہ بسورۃ بین سورتین قرأھما فی رکعتین لما فیہ من شبھۃ التفضیل والھجر وقال بعضھم لا یکرہ اذا کانت السورۃ طویلۃ کما لو کان بینھما

امام کا دو سورتوں کے درمیان جن کو دو رکعتوں میں پڑھا ہو۔ کسی سورۃ کو چھوڑ جانا مکروہ ہے کیونکہ اس سے ایک سورۃ کو دوسری سے افضل سمجھنے یا اس کو ترک کر دینے کا شبہ ہوتا ہے۔ اور بعض نے کہا ہے کہ مکروہ نہیں جبکہ وہ سورۃ لمبی ہو

سورتان قصیرتان۔ جیسے کہ ان دونوں کے درمیان دو چھوٹی سورتیں ہوں۔

اس سے مطلب تو حل ہو گیا۔ مگر ذکرہُ کے عموم اور لا یکرہ کے قول بعض ہونے نے مُدعا کو کسی قدر کمزور کر دیا۔ حضرت نے فرمایا شامی مقبول فتاویٰ ہے، اس کو دیکھو۔ شامی آئی تو اس میں یہ عبارت نکلی:

ویکرہ الفصل بسورۃ قصیرۃ اما بسورۃ طویلۃ بحیث یلزم منہ اطالۃ الرکعۃ الثانیہ اطالۃ کثیرۃ فلا یکرہ کما اذا کانت سورتان قصیرتان الخ

کسی چھوٹی سورۃ کو درمیان میں چھوڑ جانا مکروہ ہے لیکن بڑی سورۃ جس سے دوسری رکعت زیادہ لمبی ہو جاتی ہو تو اس کو چھوڑ جانا مکروہ نہیں۔ جیسے کہ ایسی صورت میں مکروہ نہیں جبکہ دو چھوٹی سورتیں ہوں۔

اب مسئلہ صاف تھا۔ مولوی نور احمد کو فتاویٰ کے اس واضح و لائح فیصلے کے آگے ہتھیار ڈال دینے پڑے اور اپنی غلطی کا اعتراف کیا۔

بمناسبت مقام ایک پرانا واقعہ مجھے یاد آ گیا جو میرے سامنے وقوع پذیر ہوا تھا۔ ایک مشہور بزرگ جو حلقۂ صوفیہ میں نہایت نیک نامی سے یاد کیے جاتے تھے، حتیٰ کہ میں نے دیکھا کہ حضرت مولانا محمد ذاکر صاحب بگوی اور حضرت خواجہ محمد امین صاحب چکوڑی جیسے اکابر مشائخ بھی ان کی ملاقات کے لیے خود چل کر گئے ہیں۔ ایک مرتبہ ان کا ایک مرید کسی مسئلے پر اڑ گیا اور دوسرے وقت اپنے دعوے کے ثبوت کے لیے ایک کتاب اٹھا لایا۔ مگر غلطی یہ کی کہ سرِ مجلس عین اس وقت جب پیر صاحب ختم شب سے فارغ ہوئے تھے اور بعض کیفیات میں محو و سر بگریباں بیٹھے تھے۔ کتاب کھول کر ان کے سامنے رکھ دی۔ اس جرأت و جسارت پر پیر صاحب کو اس قدر غصہ آیا کہ جھنجلا کر اس پر حملہ آور ہوئے۔ مرید تو لپک کر کسی طرف چھپ گیا۔ پیر کو دو تین حاضرین نے باندازِ ادب تھامے رکھا۔ مگر ان کے جوشِ غضب کا یہ عالم ہے کہ دو دو جوانوں کی کولی سے نکلے پڑتے ہیں۔ اور اس زور سے چلا رہے ہیں کہ گلا پڑ گیا۔

اگر ہمارے حضرت کے نفس میں بھی کچھ حدت و سورت ہوتی تو کیا آج کا واقعہ اس قسم کا رنگ لانے کے لیے کافی نہ تھا؟ مگر جس دھات میں کھوٹ کا شائبہ تک نہ رہے، آگ کی گرمی اس کے رنگ کو کبھی متغیر نہیں کر سکتی۔ حضرت کے مزاج کی کیفیت اس ناگوار مکالمہ میں اوّل سے آخر تک کیسی رہی؟ آؤ ایک بار پھر اس کا مطالعہ کریں:

کسی کے فعل و عمل پر معترض ہونا، اگرچہ وہ امر بالمعروف کے درجے ہی میں ہو، ایک ہم رتبہ آدمی کے صبر و تحمل کے لیے بھی چیلنج ہے۔ چہ جائیکہ ایک مرید کی زبان سے پیر کے حق میں یہ سلوک ہو جس کی ہستی مرید کے لیے انبیاء و صحابہ کے بعد سب سے

افضل ہے۔ مگر حضرت نے اس سلوک کو نہایت خوش اخلاقی سے گوارا کیا۔ کیا دلیرانہ صاف گوئی کے مقابلے میں بردبارانہ حق نیوشی کی اس سے بہتر مثال کوئی دکھا سکتا ہے؟ اب آگے چلو۔ جب معترض کی غلطی واشگاف ہو جائے اور اس کو صحیح جواب مل جائے اور پھر بھی وہ چپ نہ ہو تو دوست آشنا بھی اس قسم کی ہٹ دھرمی سے چیں بجبیں ہو جاتے ہیں۔ چہ جائیکہ ایک شیخ اجل اور مقتدائے زمانہ کو ایسی فضول مکالمت کی آماجگاہ میں رکھا جائے۔ مگر آپ نے اس کو بھی برداشت فرمایا۔ اور آخر تک ہنس ہنس کر ٹالتے رہے۔ کیا وسعت ظرف اور علو نفس کا اس سے اعلیٰ نمونہ کسی نے دیکھا ہے؟ اور آگے بڑھو۔ اب ایک چھوڑ دو دو فتاویٰ بھی حضرت کی تائید میں موجود ہو گئے اور حریف بحث نے اپنی ہار بھی مان لی تو ایسی حالت میں فاتح خواہ کم رتبہ ہو یا ہم رتبہ یا عالی رتبہ۔ بہر صورت اس کے چہرہ پر بشاشت اور آواز میں حوصلہ مندی کا لہجہ پایا جائے گا۔ مگر ہمارے حضرت نے اس کے بعد جو کلمات طیبات فرمائے ان سے صرف حق الامر کا اظہار بانداز اعتذار پایا گیا۔ کیا تواضع و انکسار کی اس سے بہتر نظیر پیش کی جا سکتی ہے؟ اور کیا ہوائے کبر و آتش غضب کو مسخر کرنے کی یہ کرامت ہوا پر اڑنے اور آگ کو روندنے کے خوارق سے کچھ کم ہے؟ آخر میں حضرت نے فرمایا۔ اب سے بیس سال قبل میں ان تمام جزئیات مسائل کا پوری تدقیق سے مطالعہ کر چکا ہوں جو عموماً عبادات و معمولات میں پیش آتی ہیں اور کافی تجسس اور تحقیق سے اپنا اطمینان کر کے ان پر عمل کی بنیاد رکھی ہے۔ عرصہ ہو گیا۔ اب ان تحقیقات کا سلسلہ تو ہر جگہ یاد نہیں آتا۔ اتنا اطمینان ہوتا ہے کہ میرا عمل ہر مسئلے میں کسی نہ کسی صحیح تحقیق پر مبنی ہے۔

پھر فرمایا میری تو عادت ہے کہ میں احتیاطاً ان آداب[1] کا بھی پابند رہتا ہوں جن کا ترک دوسرے مذاہب میں مُفسد صلوٰۃ ہو۔ مثلاً حنبلیوں کے نزدیک جلسہ بین السجدتین میں اَللّٰھُمَّ اغْفِرْ لِیْ الخ ایک مرتبہ پڑھنا فرض اور تین مرتبہ مستحب ہے۔ میں اس کو ضرور پڑھتا ہوں۔ حالانکہ احناف کے نزدیک اس کی کچھ بھی ضرورت نہیں قعدہ اخیرہ میں علماء ظواہر کے نزدیک اللّٰھم انی اعوذ بك الخ پڑھنی فرض ہے حتیٰ کہ اس کے سوا کوئی دوسری دعا پڑھنے سے نماز درست نہیں ہوتی میں محض اس خیال سے یہی دُعا پڑھتا ہوں کہ اس سے ہر دو مذاہب پر عمل ہو جاتا ہے۔ حالانکہ اس کے سوا اور بھی ماثورہ دعائیں ہیں۔ بعض احادیث میں فجر کی سنتوں اور فرضوں کے مابین لیٹ جانا مروی ہے۔ مگر اہل ظواہر کہتے ہیں کہ فرض ہے۔ حتیٰ کہ اس کے بغیر فجر کے فرض درست ہی نہیں ہوتے۔ میں اسی رعایت سے فجر کی سنتیں پڑھ کر تھوڑی دیر کیلئے لیٹ جاتا ہوں۔

---

[1] بشرطیکہ وہ آداب اپنے مسلک فقہی میں مکروہ نہ قرار دیے گئے ہوں ۱۲ مفتی عطا محمد سلمہٗ ربہٗ

اس کے بعد ارشاد فرمایا کہ اہلِ ظواہر کا مسلک بھی عجیب ہے۔ وہ ظاہر کی بڑی پابندی کرتے ہیں۔ تاویل و اعتبار کے تو دشمن ہیں۔ ان میں سے ایک ابن حزم بڑے مشہور ہیں۔ وہ تمام محدثین، حتیٰ کہ بخاری و مسلم وغیرہ اکابر شیوخ حدیث اور ائمہ مجتہدین پر نہایت سختی سے نقد و جرح کرتے ہیں۔ چنانچہ کہا گیا ہے کہ حجاج ابن یوسف کی تلوار سے اور ابن حزم کے قلم سے کسی کو پناہ نہیں۔

مہماں نوازی و خادم پروری: حضرت کو اپنے مہمانوں کے آرام و راحت کا بڑا خیال رہتا ہے۔ ان کے قیام و طعام اور دیگر ضروریات کا انتظام بڑا باقاعدہ ہوتا ہے۔ سب کے لیے تہیہ مایحتاج اور تفقدِ احوال مدِ نظر رہتا ہے۔ ذاکرین خانقاہ جو ایک مدت معین تک نصابِ سلوک کے پورا کرنے کے لیے مقیم ہیں۔ ان کے لیے تو سادہ پوشی و سادہ خوری شرطِ طریقت اور داخلِ مجاہدہ ہے۔ اس لیے ان اضیاف اللہ کو تو دوامًا دعوتِ شیراز سے متمتع ہونا لازم ہے۔ اس کے سوا جو خاص مہمان چند روز کے لیے حاضرِ درگاہ ہوں۔ ان کی مہمانداری بطور ضیافت کسی قدر رسمی تکلف کے ساتھ ہوتی ہے۔ مگر یہ تمام مہمان خواہ ان کی مہمانی موقت یا غیر موقت، سادہ ہو یا پُر تکلف۔ حضرت کے دریائے توجہات سے سب یکساں طور پر سیراب ہوتے ہیں۔ اور آپ کی شفقت و عنایت اور رحمت و رافت سب کے لیے علی التسویہ وقف ہے۔

ایک دن میں نے عرض کیا حضرت! میں مکتوبات[1] شریف کے بالاستیعاب مطالعہ کا ارادہ رکھتا ہوں۔ حضور امرتسر خط لکھ دیں تو شاید یہ کتاب رعایتی قیمت پر مل جائے۔ فرمایا، روپے خرچ کرنے کی کیا ضرورت ہے۔ یہاں کتب خانہ میں اس کے پانچ نسخے موجود ہیں، ایک نسخہ مطالعہ کے لیے آپ لے جائیں۔ میں نے عرض کیا حضرت! میرے کتب خانہ میں بھی تو اس کا ہونا ضروری ہے۔ فرمایا۔ بہتر خط لکھوا دیں گے۔ تھوڑی دیر بعد خادم بھیج کر مجھے بلوایا اور مکتوبات شریف کا ایک عمدہ نسخہ چار مجلد جلدوں میں مجھے عطا کر کے فرمایا۔ حضرت مرزا جانجاناں قدس سرہٗ نے اپنے ایک مرید حضرت مولانا نعیم اللہ بہرائچی کو بوقتِ رخصت مکتوباتِ شریف کا ایک نسخہ عنایت کر کے فرمایا تھا، یہ میری طرف سے تمہارے لیے تحفہ ہے، اس کو زیرِ مطالعہ رکھنا۔ میں مرزا صاحب کی برابری تو نہیں کر سکتا۔ لیکن اتنا میں بھی کہتا ہوں کہ یہ میری طرف سے آپ کے لیے تحفہ ہے،

---

[1] مکتوبات امام ربانی قدس سرہٗ تین جلدوں میں امرتسر میں چھپے ہیں۔ اعلیٰ ایڈیشن کا نسخہ بقیمت ۱۸ روپے ادنیٰ ایڈیشن کا بقیمت ۱۲ روپے ملتا ہے ۱۲ منہ۔ یہ مؤلفؒ کے وقت کی بات ہے۔ ۱۹۴۷ء میں تقسیم ملک کے بعد مولانا نور احمدؒ امرتسری طابع و ناشر مکتوبات شریفہ کا کتب خانہ ضائع ہو گیا۔ ان کے فرزند مولانا محمد سلیمان صاحب فاروقی خالی ہاتھ لاہور منتقل ہو گئے۔ اب ان کی سعی سے ۱۳۸۴ھ میں امرتسری ایڈیشن کے مطابق لاہور سے نیا ایڈیشن شائع ہو گیا ہے ۱۲ محبوب الٰہی عفی عنہٗ

اس کا مطالعہ کیا کریں۔

مستری ظہور الدین کا بیان ہے کہ وہ مسجد خانقاہ کی چھت کے نیچے پلستر کر رہے تھے۔ ناگاہ اوپر سے بہت سا گیلا مسالہ جو چھٹا تو ان کے منہ پر آ کر گرا۔ تر بتر چونا قلعی بہت سی مقدار میں آنکھ کے اندر اتر گیا۔ اور وہ درد کی شدت سے بے تاب ہو گئے۔ لوگوں نے ان کو پکڑ کر چارپائی پر لٹا دیا۔ حضرت تشریف لائے تو دیکھا کہ وہ مرغ بسمل کی طرح تڑپ رہے ہیں۔ لوگوں نے عرض کیا کہ آنکھ تو جاتی رہی، اگر نہیں گئی تو یقیناً جاتی رہے گی۔ مگر کسی طرح یہ درد تھم جائے تو غنیمت ہے۔ مستری کا بیان ہے کہ اس وقت میرے سر میں درد کی یہ کیفیت تھی کہ گویا کسی اوزار سے کھوپڑی کو توڑا جا رہا ہے۔ حضرت سلمہٗ نے فرمایا۔ جلدی ان کو کسی ہسپتال میں لے جاؤ اور خواہ کچھ ہی خرچ ہو جائے بلا تامل علاج کراؤ۔ مگر مستری نے عرض کیا، حضرت! درد اور تکلیف سب منظور ہے، اِلّا حضور کے قدموں سے دور جانا گوارا نہیں۔ اس کے بعد حضرت کئی بار حال پوچھنے کے لیے تشریف لائے[1]۔ پھر ایک مرتبہ کسی خادم کے ذریعہ حال دریافت فرمایا۔ مستری نے عرض کیا کہ مجھے درد سے جو تکلیف ہے سو ہے مگر اس سے زیادہ تکلیف حضور کے بار بار قدم رنجہ فرمانے کی ہے۔

اِس پیغام کا پہنچنا تھا کہ جذبۂ شفقت جوش میں آ گیا اور وہ وقت خوش رونما ہو گیا جس کا وقت مقرر نہیں، دُعا کے لیے ہاتھ اٹھے اور اس شان کے ساتھ اٹھے کہ بلا اجابت لوٹنے والے نہ تھے۔ مولانا مغیث الدین[2] صاحب مستری کی طرف دوڑے

---

[1] کان النبی صلی اللہ علیہ وسلم احسن شئ عیادۃ للمریض۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم بیمار پرسی میں سب سے اچھے تھے (نسائی)

[2] مولانا مغیث الدین فاضل دیوبند ساکن چاندپور ضلع بجنور (یوپی) حضرت کے ایک خادم و مجاز خاص ہیں آجکل ملک ایران میں مقیم ہیں۔ ان کے مکاشفات عجیب ہوتے ہیں ۱۲ منہ۔ پھر ایران سے آپ مدینہ منورہ ہجرت فرما گئے اور ایک بار حج بیت اللہ کرنے کے بعد پھر حدود مدینہ منورہ سے باہر نہیں نکلے کہ مبادا اسی دوران مدینہ سے باہر موت آ جائے اور جوار نبی صلی اللہ علیہ وسلم میں دفن کی سعادت سے محرومی ہو جائے۔ بحمدہ تعالیٰ سلامت باکرامت ہیں مگر اب ضعیف اور بعض عوارض کی وجہ سے نقل و حرکت سے معذور ہو گئے ہیں۔ مد اللہ تعالیٰ مدۃ حیاتہ ومتعنا بزیارتہ و برکاتہ آمین۔

مکاشفہ:۔ مفتی عطا محمد صاحب مدظلہ کا بیان ہے کہ ۱۳۸۵ھ میں جب میں نے مکتوبات حضرت حاجی دوست محمد قندھاری قدس سرہٗ اور دو جلد فوائد عثمانی بذریعہ ڈاک سے ان کی خدمت میں ارسال کیں تو جواب میں آپ نے بہت اظہار مسرت فرمایا اور دعوات خیر سے نوازا۔ نیز تحریر فرمایا کہ میں پارسل وصول کرنے کے لیے ڈاک خانہ سے اطلاع ملنے پر خود گیا تو میں نے دیکھا کہ پوسٹ ماسٹر انوار ولایت میں غرق ہے۔ یوں محسوس ہوا کہ وہ خدائے تعالیٰ کا ولی مقرب ہے لیکن جب کتابیں وصول کر کے میں ڈاک خانہ سے باہر آیا اور پھر پوسٹ ماسٹر صاحب کی طرف نظر ڈالی تو دیکھا کہ وہ ان انوار سے خالی ہے۔ اب اصل حقیقت معلوم ہوئی کہ وہ انوار خاصہ ان کتابوں کے تھے۔ نیز تحریر فرمایا کہ جب میں ان کتابوں کا مطالعہ کرتا ہوں تو خود کو ان اکابر کی مجلس میں بیٹھا ہوا محسوس کرتا ہوں۔ مفتی صاحب موصوف نے فرمایا کہ جب فقیر مدینہ طیبہ حاضر ہوا تو روضۂ اطہر

گئے اور بشارت دی کہ حضرت دعا فرما رہے ہیں اور میں آپ کی انگلیوں میں سے اجابت کا نزول مشاہدہ کر رہا ہوں، تم کو کیا حال ہے؟ مستری نے کہا، الحمد للہ بالکل اچھا ہوں، درد کا نام و نشان نہیں رہا اور آنکھ بھی صحیح و سلامت ہے۔ دوسرے لمحہ میں مستری جی اسی طرح پاڑ پر بیٹھے کام کرتے نظر آتے تھے۔

آپ کے معتقدینِ خاص اور مریدانِ مجاز بھی استفاضۂ صحبت کے لیے شرفِ حاضری حاصل کرتے رہتے ہیں۔ آپ سب کو اعزاز و اکرام کے ساتھ ملتے اور کمال شفقت سے پرسشِ احوال فرماتے ہیں۔ رخصت کے وقت علیٰ قدرِ مراتب کسی کو کھڑے ہو کر مصافحہ و معانقہ کے ساتھ کسی کو بیرونِ خانقاہ تک اور کسی کو اور آگے دور تک مشایعت کے ساتھ وداع فرماتے ہیں۔

خانقاہ شریف سے کندیاں ریلوے سٹیشن تک تین کوس کا ریتلا راستہ ہے۔ اس لیے مجھ ایسے کمزور و ناتواں خادموں کے لیے ازراہ شفقت سواری کا بھی انتظام فرما دیا کرتے ہیں۔ خوشاب، بھیرہ وغیرہ کے سفر کا ذکر پیچھے گزر چکا ہے۔ جس روز سفر کی تیاری ہوئی، اسباب اونٹ پر لادا گیا اور حضرت کی سواری کی خاص گھوڑی تیار ہو کر آ گئی تو مجھے ارشاد ہوا کہ تم ابھی اس گھوڑی پر سوار ہو کر سٹیشن پر پہلے پہنچ جاؤ۔ مولوی عبداللہ صاحب ساتھ جائیں گے۔ وہ گھوڑی واپس لے آئیں گے تو پھر ہم اس پر سوار ہو کر آئیں گے۔ خاکسار کو ایک تو حضور کے فرسِ خاصہ پر سوار ہونے کی جرأت نہ ہوتی تھی۔ دوسرے ابتدائے سفر میں چند کوس تک شرفِ معیت سے محروم رہنا ناگوار تھا۔ اس خیال سے عرض کیا کہ بندہ بھی ریگستانی ملک کا باشندہ ہے اور ریت میں پیدل چلنے کا عادی ہے، دیگر خادموں کے ساتھ حضور کے زیرِ سایہ پیدل ہی چلنا پسند کرتا ہے۔ تو فرمایا نہیں نہیں دیر نہ کرو، سوار ہو جاؤ۔ راقم نے باہر نکل کر بعض خدام خاص سے عرض کیا کہ للہ آپ ہی مجھے ہمراہ پیدل چلنے کی اجازت دلا دیں۔ انہوں نے کہا اس کے متعلق خود آپ کا التماس کرنا زیبا تر ہے۔ چنانچہ راقم نے پھر حاضر ہو کر عذر کیا۔ تو آپ نے سنجیدہ لہجہ میں فرمایا۔ کیوں ناحق دیر کرتے ہو، سوار ہو جاؤ۔ اب تعمیلِ ارشاد میں تامل کرنا مشکل تھا کہ الامر فوق الادب۔ مولوی عبداللہ صاحب مجھے سٹیشن پر چھوڑ کر گھوڑی کو واپس لے کر گئے تو حضرت نصف راستہ تک پیدل تشریف لا چکے تھے۔

خوشاب میں ایک شب قیام رہا۔ چائے کا وقت آیا تو مولوی عبداللہ صاحب جو اس قسم کی خدمات کے متولی ہیں،

علیٰ صاحبہا الصلوات والتسلیمات من اللہ الملک الاکبر کی زیارت کے بعد معمول حضرت شاہ مغیث الدین صاحب سلمہ اللہ تعالیٰ کی خدمت میں حاضری کا رہتا تھا اور آپ ازراہ انبساط اپنے واقعات و مکشوفات فقیر کے سامنے بالکل اس انداز سے فرمایا کرتے تھے جس طرح معاصر افراد باہمی گفت گو بے تکلفانہ کیا کرتے ہیں حالانکہ وہ فقیر سے بہت متقدم ہیں۔ ۱۲

محمد محبوب الٰہی عفی عنہ، ۹، ذیقعدہ ۱۳۵۹ھ

موجود نہ تھے۔ آپ نے خود اپنے دست مبارک سے چائے پکائی۔ پہلے خدام اور دیگر حاضرین کو پلائی۔ پھر خود نوش فرمائی۔ ہم لوگوں نے اس کام میں ہاتھ بٹانے کی بہتیری التجا کی مگر سارا کام آپ نے خود ہی انجام دیا[1] اور فرمایا مولانا! مجھے چائے پکانے کی بڑی مہارت ہے حضرت صاحب مرحوم کے لیے میں ہی چائے پکاتا تھا۔

جامع مسجد خوشاب کی دیوار پر میں نے ایک عجیب مطبوعہ نقشہ چسپاں دیکھا۔ جس میں شہدائے غزوات کے انساب پوری تفصیل کے ساتھ درج تھے۔ مولوی فتح دین صاحب انور خوشابی اس کے مؤلف ہیں۔ مجھے بہت پسند آیا۔ دوسرے دن ایک طالبعلم کو میں نے ایک روپیہ دے کر کہا، ایک ایسا نقشہ مؤلف سے خرید لاؤ۔ حضرت نے سنا تو اس طالب علم سے فرمایا۔ میرا نام لے کر کہو۔ انہیں ایک نقشہ کی ضرورت ہے۔ اگر قیمت مانگیں تو دے دینا۔ طالبعلم نقشہ لے آیا۔ مؤلف نے قیمت نہیں لی۔

ملکوال سے بھیرہ کی طرف جانے والی گاڑی میں ہم لوگ مغرب کے وقت سوار ہوئے۔ چائے کا وقت گزر چکا تھا۔ مولوی احمد دین کیلوی ساتھ تھے۔ انہوں نے عرض کیا حضور کے لیے گاڑی میں چائے تیار کی جائے۔ فرمایا مجھے تو چنداں خواہش نہیں البتہ اگر آپ کا جی چاہتا ہے تو میں خود تیار کر دیتا ہوں۔ یہ کہا اور فوراً صندوق کھول کر سٹوپ نکالا اور اسے گرم کرنا شروع کر دیا۔ اتنے میں گاڑی چلنے سیٹی دی اور ہم لوگ دوڑ کر اپنے ڈبے میں جا بیٹھے۔ اگلے سٹیشن پر گاڑی ٹھہری تو دیکھا حضرت خود چینک میں چائے اور ساتھ دو پیالیاں لیے ہماری طرف تشریف لا رہے ہیں[2]۔

قصبہ سمندری سے چنیوٹ جانے کا قصد تھا اور خاکسار کو حضرت سلمہ کے انتظام قیام کے لیے ایک روز پہلے جانا تھا۔ سواری کی بس قیام گاہ سے بہت دور فاصلے پر کھڑی تھی۔ آپ اس خادم ناچیز کو موٹر تک پہنچانے کے لیے اکثر خدام سمیت تشریف لائے اور فرمایا اگلی نشست پر ڈرائیور کے پاس بیٹھو۔ آرام رہے گا۔ میری خواہش تھی کہ حضرت کے واپس تشریف لے جانے کے بعد بیٹھوں۔ مگر آپ نے فرمایا۔ بیٹھو بیٹھو ابھی سے جگہ پر قبضہ کر لو۔ اور مجھ کو اپنی موجودگی میں اس جگہ پر بٹھا دیا تو پھر تشریف لے گئے۔

طبائع جامدہ ہمارے اعتقاد کی خواہ تصدیق کریں یا نہ کریں۔ ہمیں اس کی پروا نہیں لیکن ہمارا یقین ہے کہ حضرت کی

---

[1] کان صلی اللہ علیہ وسلم یخدم نفسہ (شرح شفا قاضی عیاض) ترجمہ پیچھے گزر چکا۔ - - - - - - - - - -

[2] عن الاسود قال سالت عائشۃ ما کان النبی صلی اللہ علیہ وسلم یصنع فی بیتہ قالت کان یکون فی مہنۃ اہلہ تعنی خدمۃ اہلہ۔ حضرت عائشہؓ سے پوچھا گیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے گھر میں کیا کام کرتے تھے؟ فرمایا گھر والوں کے کام کر دیا کرتے تھے (مشکوٰۃ)

نہ صرف عنایتِ ظاہری اپنے خدام کی حوصلہ افزائی و تشفی فرمائی کے لیے وقف ہے بلکہ آپ کی ہمتِ باطن بھی بتوفیق حق حضور و غیبت میں یکساں طور پر ان کے لیے آمادۂ دستگیری رہتی ہے۔ اور نہ صرف آپ کا وجود ظاہری ہی اپنے متوسلین کی پشت پناہ ہے بلکہ بعید نہیں کہ آپ کی صورت مثالی بھی بحیثیتِ خداوندی خاص صعوبات و مشکلات میں انکی نگرانِ حال ہو۔[1]

مولوی عبداللہ صاحب فاضل دیوبند اور مولانا حکیم عبدالرسول صاحب بھرپارا اور دیگر بہت سے اصحاب راوی ہیں کہ مولوی احمدالدین صاحب گنجیالی کے برادر زادہ قاضی امیر حیدر صاحب گنجیالی ایک مرتبہ ریل گاڑی میں سوار ہوئے۔ بھیڑ زیادہ تھی۔ ایک ہندو کا پاؤں جو اکھڑا تو وہ ان پر آگرا۔ انہوں نے اپنے بچاؤ کے لیے اسے دھکیلا تو وہ سامنے کے بنچ پر جا گرا۔ بنچ کا عمودی تختہ اس کی کوکھ میں لگا اور وہیں مرگیا۔ اس پر ایک شور برپا ہوا۔ لوگ امیر حیدر پر ٹوٹ پڑے اور ان کو "یا بدستِ دگرے دست بدستِ دگرے" کھینچ گھسیٹ کر پولیس میں لے گئے۔ خون کا معاملہ۔ ہندو مسلم کا سوال، بڑی مشکل کا سامنا تھا یہ غریب روتے تھے اور اس ناگہانی مصیبت سے چھٹکارے کی کوئی صُورت نظر نہ آتی تھی۔ اگلی صبح نور کا تڑکا تھا کہ حوالات کے سنتری کو ایک شخص نے آواز دی کہ امیر حیدر نام کا کوئی قیدی یہاں ہے؟ اس نے کہا۔ ہاں ہے۔ یہ شخص سرکاری ڈاکٹر تھا جو مار پیٹ اور ضرب و زخم کے وقوعات کے متعلق اپنی رائے لکھتا تھا۔ وہ سیدھا اندر چلا گیا اور قاضی صاحب سے کان میں پوچھا۔ تم کس کے مرید ہو، ان کا کیا نام ہے، کہاں مقام ہے، کیسا حلیہ ہے؟ قاضی صاحب نے سب کچھ بتا دیا تو اس کا اطمینان ہو گیا اور ان کو تسلی دے کر کہنے لگا۔ تم گھبراؤ نہیں۔ مقتول تلی کا پرانا مریض تھا۔ ذرا سا صدمہ اس کی موت کے لیے کافی تھا۔ پس اس کے قاتل تم نہیں ہو بلکہ اس کا اپنا مرض اور یہ اتفاقی حادثہ اس کا قاتل ہے، تم بے قصور ہو، میں اپنی مفصل رائے لکھوں گا۔ امیدِ واثق ہے کہ ان شاءاللہ تم بری ہو جاؤ گے۔ صرف چند روز کی حوالات ہے۔ اور دو چار عدالتوں کی پیشیاں ہیں اور بس۔ اس چند روزہ زحمت کو تم صبر و سکون کے ساتھ برداشت کر لو اور مطمئن رہو۔ پھر اس ڈاکٹر نے بتایا کہ آج شب دو بزرگ مجھے خواب میں دکھائی دیے، ان میں سے ایک متوسط عمر کے اور دوسرے نہایت معمر تھے۔ متوسط عمر کے بزرگ نے فرمایا ہمارا ایک مرید امیر حیدر نام بے گناہ گرفتار ہو گیا ہے۔ تم اس کی مدد کرد

---

[1] تمام اوقات میں ہادر و عام واردین و صادرین کے حق میں فیض توجہات کو عام کیے رکھنا حضرات موسیٰ زئی شریف رحمہم اللہ کا معمول رہا ہے۔ یہ طریقہ درحقیقت حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی سے جاری ہوا۔ حضرات موسیٰ زئی اور ان کے صحیح متوارثین اس پر پوری طرح عامل ہیں۔ ۱۲ (مفتی عطا محمد مترجم)

میں نے ان بزرگ کا نام و مقام دریافت کیا تو انہوں نے مجھے وہی پتہ اور نشان بتایا جو تم نے بتایا ہے۔ پھر میں نے عرض کیا یہ دوسرے بزرگ کون ہیں؟ فرمایا یہ حضرت مجدد صاحب ہیں۔ اتنے میں میری آنکھ کھل گئی۔

حزم و احتیاط اور اخفائے احوال: تلقین و تربیت ہو یا مذاکرۂ علمیہ، اشارۂ احوال ہو یا بیانِ اسرار سب میں پوری طرح حزم و احتیاط ملحوظ رہتی ہے۔ ایسی بات کا منہ سے نکالنا بھی آپ کو گوارا نہیں ہوتا جس پر اعتراض کیے جائیں جس سے خواص میں شبہات پیدا ہوں، عوام میں بدگمانی پھیلے اور خواہ مخواہ ایک فتنہ برپا ہو۔ اَلْفِتْنَۃُ اَشَدُّ مِنَ الْقَتْلِ ؎

پیرے مے خانہ چہ خوش گفت بدُردی کشِ خویش
کہ مگو حالِ دلِ سوختہ با خامے چند

بیعت کے بعد پہلی مرتبہ جو مجھے ذکرِ خفی کا طریقہ بتایا تو میں نے عرض کیا، اس وقت کوئی تصور بھی چاہیے؟ تو معاً آپ نے فرمایا نہیں نہیں تصور کوئی نہیں۔ کئی روز کے بعد میں نے عرض کیا کہ ذکر میں خطورِ خواطر سے پناہ نہیں ملتی تو آہستہ سے فرمایا۔ اگر اس وقت یہ خیال کر لیا جائے کہ گویا شیخ کے سامنے بیٹھا ہوں تو خواطر بند ہو سکتے ہیں۔ پھر خاکسار کی حاضری خانقاہ کے ایام میں صاف فرمادیا کہ شیخ کا تصور ہی حصولِ کمال کے لیے سب سے زیادہ مؤثر ذریعہ ہے۔

ناظرین بے خبر نہیں کہ تصورِ شیخ کا معاملہ ہر چند ایک اصح و احسن امر ہے مگر موردِ اعتراضات ضرور ہے۔ پس اوپر کے واقعہ سے ظاہر ہے کہ ایک نو مرید کو اس نازک تعلیم کے ساتھ مانوس کرنے کے لیے جو تدریجِ عمل اختیار فرمائی گئی، وہ کس قدر حکیمانہ اور پُر احتیاط تھی۔[1]

---

[1] شمائلِ ترمذی ص۲ پر حدیث ہے کہ:۔

عن الحسن بن علی قال سالت خالی ھند بن ابی ھالۃ وکان وصّافاً عن حلیۃ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وانا اشتھی ان یصف الی شیئاً اتعلّق بہ (الحدیث)	حسن بن علی رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ میں نے اپنے ماموں ہند بن ابی ہالہ سے دریافت کیا اور وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا حلیہ مبارک خوب بیان فرمایا کرتے تھے، اور میری یہ تمنا تھی کہ وہ مجھ سے ایسے اوصاف ذکر فرمادیں جن سے میں اپنے آپ کو وابستہ کرلوں۔

اس حدیث مبارک سے تصورِ شیخ کی اباحت پر حضرت مولانا حسین احمد صاحب مدنی قدس سرہٗ شیخ الحدیث دارالعلوم دیوبند نے بھی اپنی خود نوشت سوانح عمری "نقشِ حیات" میں استدلال نقل فرمایا ہے اور حقیقت اس تصور کی صرف یہ ہے کہ حفظِ خواطر کے لیے یہ ایک طریقۂ علاج ہے اور شیخ کی طرف مرید کا دھیان عموماً بدوں تکلف اور تعمد کے رہتا ہے، احترامِ شیخ کو مدِ نظر رکھتے ہوئے اس کو قلب میں جگہ دینا موجبِ ثمرات و

تعلیم تفہیم اور تلقین و تربیت میں طالب کے سابقہ عادت و عمل کی بھی رعایت رکھی جاتی ہے اور تعلیماتِ نفیسہ کو زبردستی ٹھونسنے یا یوں کہو کہ مار مار کر کھیر کھلانے سے قطعاً پرہیز کیا جاتا ہے۔ ایک مرتبہ مجھے فرمایا کہ سلوک کے مبتدی کو زیادہ زور ذکر پر دینا چاہیے۔ عبادات میں سے صرف فرائض و واجبات اور سنن مؤکدہ پر اکتفا کر کے باقی تمام نوافل و مستحبات اور اوراد و وظائف کا وقت بھی ذکر کے لیے وقف کر دینا چاہیئے۔[1] ہاں تہجد کے نوافل اگر پڑھ سکیں تو ان کو نہ چھوڑیں۔ میں نے عرض کیا۔ تلاوت کلام اللہ کے متعلق کیا ارشاد ہے؟ فرمایا سب کچھ اسی میں آ گیا۔

اس اشارہ کی بنا پر چند روز کے بعد میں نے عرض کیا کہ بعض وظائف جو میں پہلے پڑھا کرتا تھا اب سب متروک کر دیے۔ مگر پون پارہ تلاوت کلام اللہ اور نماز فجر کے بعد سورۂ یٰسٓ پڑھنے کا مدت سے معمول ہے۔ ان کی اجازت بخشی جائے۔ فرمایا خیر تلاوت کے لیے وقت نکال لیا کرو اور سورۂ یٰسٓ بہتر یہ ہے کہ تہجد میں پڑھ لیا کرو۔ میں نے عرض کیا۔ میری یہ عادتِ بد ہے کہ جو سورۃ یا رکوع بطور وظیفہ جلدی جلدی پڑھا معمول ہو۔ اس کو نماز میں بطور قرأت نہیں پڑھ سکتا اور جس رکوع یا سورۃ کو نماز میں قرأۃ پڑھنے کی عادت ہو اس کو کسی ضرورت کے لیے خارجِ نماز پڑھنے پر قادر نہیں ہو سکتا۔ آپ نے مسکرا کر فرمایا اچھا یہ بھی پڑھ لیا کرو۔

اس کے بعد مجھے تنبہ ہُوا کہ حضرت جو بات ابتداءً فرمایا کرتے ہیں اس کو پورے اعتنا کے ساتھ اختیار کر لینا چاہیے اس کے متعلق کوئی عذر کرنا اور کوئی رعایت چاہنا اچھا نہیں کیونکہ طبعِ مبارک میں تشدد کا شمہ تک نہیں۔ تسامح و رواداری کی عادت بدرجۂ کمال ہے۔ عذر معقول ہو یا غیر معقول، اس بارگاہ میں کبھی رد ہوتا ہی نہیں۔ مبادا کوئی واجب العمل بات لحاظ اور رعایت میں دب کر رہ جائے اور اس کے عمل کی توفیق نہ ملے۔

برکات کثیرہ ہے۔ اسی کا نام ذکر رابطہ ہے جس کا مرتبہ آخری التوجہ الی اللہ علی حسب استعداد الشیخ ہے یعنی اللہ تعالیٰ کی طرف مُرید کی توجہ اسی استعداد و درجہ کمال کے مطابق ہوتی ہے جو شیخ کو حاصل ہے۔ بالفاظ دیگر شیخ مرتبہ فنا و بقائے اتم پر پہنچنے کے بعد مرید کے لیے وجہٌ من وجوہ تعریف اللہ کی حیثیت اختیار کر لیتا ہے اور اس وقت حقیقت رابطہ التوجہ الی اللہ بوجہ من وجوہ تعریف اللہ بن جاتی ہے۔ واللہ اعلم وعلمہ اتم ۱۲ (اشارات از مفتی عطا محمد صاحب سلمہ و تعبیرات از فقیر محمد محبوب الٰہی عفی عنہ)

[1] سید عبدالسلام صاحب جو ہمارے حضرت مرحوم سید ابو محمد برکت علی شاہ صاحب بجواڑی کے صاحبزادے ہیں اور ڈیڑھ سال سے حضرت سلمہ کی خدمت میں کسب سلوک کر رہے ہیں۔ انہوں نے مجھ سے کہا کہ ذکر سے تصفیۂ باطن و تجلیہ لطائف مقصود ہے۔ جب یہ مقصود حاصل ہو جائے تو پھر تلاوت کلام اللہ شریف اور ادائے نوافل اور دیگر اوراد و وظائف اختیار کیے جاتے ہیں ورنہ بلا تصفیۂ باطن ان امور سے وہ فائدہ نہیں ہوتا جو تصفیۂ باطن کے بعد ہو سکتا ہے ۱۲

دیوبندی اور بریلوی علماء کے اختلافات مشہور ہیں۔ علاقہ تھل میں خود ایک خانوادے کی دو صوفی جماعتوں میں وہ شدید اختلاف برپا ہے کہ مذکورہ اختلافات بھی اس کے آگے ہیچ ہیں۔ ایک روز حضرت کے نام ایک فریق کے کسی مولوی صاحب کا خط آیا۔ اصل عبارت تو مجھے یاد نہیں۔ مگر خلاصہ مطلب یہ تھا کہ فلاں مولوی صاحب کے کلام سے ثابت ہوتا ہے کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو حاضر و ناظر اور بالاستقلال حاجت روا و مشکل کشا سمجھتے ہیں۔ آپ ان کے اس عقیدے کی تصدیق کرتے ہیں یا تکذیب؟ حضرت نے خط پڑھ کر فرمایا۔ دیکھو یہ لوگ خواہ مخواہ ہم کو بھی اپنے فتنہ و فساد میں حصہ دار بنانا چاہتے ہیں۔ اگر ہم اس خط کا جواب دیں تو لامحالہ ہم کو ایک فریق کا ساتھ دینا پڑے گا۔ اور فرقہ بندی سے ہم کوسوں بھاگتے ہیں[1]۔ میں نے عرض کیا۔ حضرت! اس کا بہتر علاج یہ ہے کہ خط کا جواب ہی نہ دیا جائے۔ فرمایا ہاں بیشک یہی بہتر علاج ہے۔

کتمانِ حال و اخفائے کمال حضرت سلمہ کی اخص الخصوصیات سے ہے۔ ظاہر بیں آپ کو صرف ایک سفید پوش بزرگ سمجھے گا اور اگر کسی کو ذرا علمی درک ہوا تو وہ آپ کو زیادہ سے زیادہ ایک عالم دین اور واقفِ مسائل سمجھ لے گا اور بس۔ باقی نہ ہُو حق کے نعرے ہیں، نہ سکر و محویت کی باتیں، نہ لباس تقویٰ کی آرائش ہے، نہ سجادہ و تسبیح کی نمائش۔ بظاہر جو

---

[1] دیوبندی اور بریلوی دونوں مکتبِ فکر کے حضرات اپنے کو حنفی اور اہلِ سنت و جماعت کہتے ہیں اور واقعۃً ہیں بھی حنفی اور سنی۔ مذہب فقہی اور مسلک سنی میں اتحاد کے باوجود بعض مسائل و فروعات جزئیہ میں دیوبندیت و بریلویت کے معرضِ وجود میں آنے سے بہت پہلے سے کچھ علماء کے درمیان رائے کا اختلاف چلا آرہا ہے تفصیل کا یہ مقام نہیں۔ مقصودِ گزارش یہ ہے کہ علمی اختلاف رائے عہد صحابہ و تابعین اور ائمہ مجتہدین رضی اللہ عنہم کے دور میں بھی ہمیشہ سے ہوتا رہا ہے جو منافرت کا باعث نہیں بلکہ اِخْتِلَافُ اُمَّتِیْ رَحْمَۃٌ کے تحت جولانگاہ عمل میں وسعت کا موجب تھا اہلِ علم نجی طور پر اپنے درمیان بحث و تمحیص بھی احقاقِ حق کی غرض سے کرتے رہتے تھے۔ مناظرے بھی ہو جایا کرتے تھے اور اپنی اپنی رائے کی تائید میں رسائل بھی تصنیف فرماتے تھے لیکن اپنے ہمنواؤں کو اپنے مخالف کے ہمنواؤں کے ساتھ لڑانے کی تدبیریں نہیں سوچتے تھے۔ یعنی اسٹیج پر وعظ و تذکیر کے دوران عوام کے سامنے مسائل اختلافیہ کو چھیڑ کر لعن و تکفیر کی مشین نہیں چلایا کرتے تھے۔ وجہ اس کی یہی تھی کہ وہ اقتدار جاہ اور معاشی منافع حاصل کرنے کے خواہاں نہ تھے۔ سوءِ اتفاق سے جب ہندوستان پر انگریز نے اپنا پنجۂ استبداد جمایا تو کچھ اس نے اپنی پالیسی "لڑاؤ اور حکومت کرو" کے تحت بعض علماء کو عہدوں، وظائف اور خطابات کا لالچ دے کر ان کے ذریعہ سے ان اختلافات کو بین العلمائی سے بین العوامی بنوا دیا اور کچھ شکم پرور نام نہاد علماء نے منافع دنیوی کی خاطر عوام میں ان اختلافات کو اچھالا اور طلبِ جاہ و ہوس و حرص کے تقاضے پورے کیے اور اب تو دینی انحطاط اور دنیوی متاع کی طلب کے عروج نے دیوانہ بنا رکھا ہے۔ وہ نئی نئی رسوم و رواجات اور عقائد پیدا کیے جا رہے ہیں جن کا وجود دیوبندیت و بریلویت کے آغاز کے زمانہ میں بھی نہ تھا۔ اللہ تعالیٰ ان کو سمجھ عطا فرمائے اور اہل السنۃ والجماعت کے مسلک قدیم اور حنفیہ خالصہ کے مذہب مستقیم کو سمجھنے اور اس پر عمل کرنے کی توفیق نصیب کرے آمین ۱۲۔ محمد محبوب آلہی عفی عنہ

کچھ ہے وہ شرعی آداب کے موافق عام مسلمانوں کے سے حالات ہیں۔ اچھی پوشاک بھی ہے۔ مناسب خورد و نوش بھی ہے۔ دنیاوی مہمات میں غور و فکر بھی ہے اور عام معاملات میں گفت و شنید بھی۔ خرید و فروخت میں جرح و اصرار بھی ہے اور اختلافات میں بحث و تکرار[1] بھی۔

ایک مرتبہ ارشاد کیا کہ مجھے صوفیانہ ظاہر آرائی سے شرم آتی ہے۔ حتٰے کہ تسبیح ہاتھ میں لے کر بازار میں چلنا بھی گوارا نہیں اور فرمایا ہمارے اکابر مشائخ کا شیوہ بھی یہ ہے کہ وہ عوام سے کم ممتاز ہوتے ہیں۔ پھر کسی موقع پر فرمایا۔ میں ایک بار موسیٰ زئی شریف کی طرف جا رہا تھا۔ سرکاری عہدہ داروں[2] کا سا لباس پہن رکھا تھا۔ راستے میں کئی گاؤں ایسے پڑتے تھے جن کے اکثر باشندے معتقد تھے۔ احتمال تھا کہ وہ لوگ مل گئے تو ٹھہرانے پر اصرار کریں گے۔ میں گھوڑے پر سوار کسی سے آنکھ ملائے بدوں چلا گیا۔ کسی نے نہ پہچانا اور سمجھے تحصیلدار جا رہا ہے۔

مولوی محمد شفیع صاحب[3] گنجیالی نے بیان کیا کہ ایک مرتبہ حضرت سلمہٗ شہر خوشاب کے بازار میں تشریف لے جا رہے تھے۔ پیچھے پیچھے معتقدین کی جماعت تھی۔ دوکاندار یہ جلوس[4] دیکھ کر تعظیماً کھڑے ہو جاتے تھے اور پوچھتے یہ کون سردار ہیں۔ میں نے بتایا ہمارے پیر صاحب ہیں۔

کندیاں اور خوشاب میں کوئی اتنی بڑی مسافت نہیں کہ یہاں کے ایک ممتاز بزرگ وہاں ناشناسا ہوتے۔ حقیقت یہ ہے کہ اس قسم کے تمام واقعات کی تہ میں آپ کا شدت کا اخفاء و کتمان کارفرما ہے۔ حتیٰ کہ خود آپ کے اہل سلسلہ میں سے بہت سے لوگ آپ کو کما حقہ جانتے پہچانتے نہیں۔

---

[1] یعنی عالمانہ اور عادلانہ ۱۲۔م [2] آپ عموماً سفر میں کرتا اور شلوار گرمی کے موسم میں اور سردی کے زمانہ میں اودر کوٹ پہنا کرتے تھے۔ سرکاری عہدہ داروں کا لباس بھی اس زمانہ میں اسی قسم کا ہوتا تھا، مروجہ زمانہ انگریزی کوٹ پتلون کا دور دورہ اس عہد میں نہ تھا ۱۲۔م

[3] مولوی محمد شفیع صاحب، مولوی احمد الدین صاحب کے حقیقی برادر زادہ، دارالعلوم دیوبند کے سند، فاضل اور حضرت سید انور شاہ صاحب کے ممتاز ترین شاگردوں میں سے ہیں۔ ان کی تحصیل علوم اور حفظ قرآن حضرت سلمہٗ کی کرامات سے ہیں جس کا ذکر آگے آئے گا۔ انشاء اللہ ۱۲۔ منہ۔ آپ کے قدرے تفصیلی حالات ہم سوانح سعدیہ میں خلفا کے ذکر میں درج کریں گے ۱۲۔م

[4] اتفاقاً اس سفر میں یہ صورت پیش آگئی ہوگی ورنہ اعلیٰ حضرت قدس سرہٗ نیز آپ کے جانشین حضرت مولانا سید نا محمد عبداللہ صاحب الاسرار المجددیہ کو یہ رنگ جلوس طبعاً ناپسند تھا۔ رفقاء کو منتشر ہو کر چلنے کا اور بعض اوقات اپنے سے آگے آگے چلنے کا حکم فرمایا کرتے تھے ۱۲۔م

کسے آگہ زاربابِ صفا ہرگز نے باشد
کہ موجِ آبِ گوہر راصدا ہرگز نے باشد

گزشتہ سفر میں جب ہم حضرت کے ہمراہ سٹیشن خوشاب سے شہر کی طرف چلے تو مولوی محمد شفیع صاحب کے مرید یکے بعد دیگرے آتے تھے۔ ان کے گھٹنوں کو چھوتے اور ہاتھوں کو بوسہ دیتے جاتے تھے مگر یہ کسی کو خیال تک نہ تھا کہ انہی کے پہلو میں ہمارے دادا پیر جا رہے ہیں پہلے ان کی تعظیم کریں ؎

آں سلیماں پیش جملہ حاضرست
لیک غیرت چشم بند و ساحرست

حضرت سلمہٗ کے باکمال خلفاء میں سے ایک پیر عبداللہ شاہ صاحب ساکن بستی جنڈیر نیازیوالہ ضلع جھنگ گزرے ہیں۔ جن کے علوِ منزلت کی سند یہ ہے کہ جب ان کا انتقال ہوا تو حضرت نے فرمایا۔ اگر عبداللہ شاہ زندہ ہوتے تو مجھے اپنا مزشاق نہ تھا۔ عبداللہ شاہ صاحب نے آخری وقت میں اپنے تمام مریدوں کو وصیت کی کہ میری وفات کے بعد سب اصحاب خانقاہ شریف پہنچ کر حضرت کی خدمت میں حاضر ہوں۔ ان مریدوں میں سے ایک صوفی جان محمد تھے۔ ان کے دل میں دو شبہے رہتے تھے۔ ایک تو یہ کہ حضرت نے صاحبِ استطاعت ہونے کے باوجود اب تک حج نہیں کیا۔ دوسرے یہ کہ آپ کی نسبت سے حضرت مرحوم (مولانا سراج الدین رحمۃ اللہ علیہ) کی نسبت زیادہ قوی تھی۔ یہی وجہ ہے کہ جس قدر وہ مشہورِ عام اور مقبولِ انام تھے حضرت صاحب نہیں ہیں۔ ان دونوں شبہوں کی بنا پر صوفی جان محمد حاضری خانقاہ سے متوقف رہے۔ ایک شب ہاتفِ غیب نے ان کو پکارا کہ تمہارے دونوں شبہے غلط ہیں۔ اس لیے کہ حضرت حج بھی کر چکے ہیں اور ان کی نسبت بھی اقوی[1] ہے۔ باقی رہی ان کی عدمِ شہرت۔ پس اس کا باعث ان کا اخفائے حال ہے نہ کہ ضعفِ نسبت۔ اور اس قول

---

[1] جو مرید اپنے پیر کے مراتب کمال تک پہنچ جائے وہ اس کا خلیفہ ضمنی کہلاتا ہے۔ اس کا یہ رتبہ قرب کے اعلیٰ مراتب سے ہے۔ حضرت خلیفہ محمد عثمان رحمۃ اللہ علیہ کا قول منقول ہے کہ آپ فرمایا کرتے تھے۔ پیر کامل کے تمام مریدوں سے صرف ایک یا دو کو ضمنیت نصیب ہوتی ہے۔ راوی کو شک ہے کہ شاید تیسرا بھی فرمایا یا نہیں۔ ضمنیت کا اکرام خود شیخ کی توجہ سے حاصل ہوتا ہے۔ یعنی شیخ کو جہاں تک تقرب الی اللہ حاصل ہے وہ اپنے مرید کو بھی بذریعہ توجہ اس مقام تک بطریق کشش پہنچا دیتے ہیں۔ اس کشش کو ضمنیت اور اس مرید کو ضمنی کہتے ہیں۔ یہ ضمنیتِ صغریٰ ہے۔ اس سے اوپر ایک ضمنیتِ کبریٰ ہے۔ اس سے مراد یہ ہے کہ کسی سالک کو جناب سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم اپنا ضمنی بنائیں۔ یہ درجہ کمالات کے بالاترین مدارج سے ہے۔ ہمارے حضرت سلمہ اللہ تعالیٰ اپنی ضمنیتِ صغریٰ کے متعلق

کی صحت کی دلیل یہ ہے کہ جب تم خانقاہ شریف جاؤ گے تو حضرت کے مکان پر ایک انگیٹھی بنی ہوئی دیکھو گے۔ جس طرح انگیٹھی کے متعلق یہ خبر مشاہدہ سے تم پر صحیح ثابت ہو جائے گی۔ اسی طرح دوسری خبر کو صحیح سمجھو۔

صوفی صاحب جاگے تو دل میں حاضریٔ خانقاہ کا شوق موجزن تھا۔ اسی وقت چل پڑے۔ قریب پہنچے تو حضرت کے مکان پر انگیٹھی دکھائی دی۔ اس شاہد عدل پر نظر پڑی تو قوتِ یقین نے شک و وہم کو دل سے دھو ڈالا اور فرطِ طمانیت نے سینے میں ٹھنڈک ڈال دی۔ اللہ کی شان! صوفی صاحب یا تو خانقاہ میں آنے سے جھجکتے تھے یا آئے تو ایسے آئے کہ قیامت تک کے لیے وہیں ڈیرے ڈال دیے۔ یعنی عرصہ دو سال کی اقامت کے بعد نمونیا کے مرض میں مبتلا ہوئے اور دو تین روز بیمار رہ کر اسم ذات کا ذکر کرتے ہوئے جاں بحق تسلیم ہو گئے۔ اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّا اِلَیْهِ رَاجِعُوْنَ۔ خانقاہ کی دیوار کے زیر سایہ مدفون ہیں۔

کمالاتِ ولایت و کمالاتِ نبوّت اور ان میں عروج و نزول: حضرت کے احوالِ ظاہر کا عوام سے غیر ممتاز ہونا ایک دوسرے پہلو سے بھی لائق غور ہے۔ قربِ حق کے مراتب میں سے ولایت اور نبوت دو خاص مرتبے ہیں۔ پہلے ولایت کا درجہ ہے اس سے اوپر نبوت کا۔ اور دونوں کے لیے بہت سے مقامات طے کرنے ہوتے ہیں۔ ولی جب ولایت کے مقامات کی طرف ترقی کرنے میں مصروف ہوتا ہے تو اس کو عروج یا صعود کہتے ہیں۔ اس وقت وہ ہمہ تن حق کی طرف متوجہ اور خلق سے روگرداں ہوتا ہے اسی لیے اس حالت میں اُسے خلق کے معاملات سے چنداں دلچسپی نہیں ہوتی۔ بلکہ متوجہ بحق ہونے

تو ارشاد فرما چکے ہیں کہ آپ کو حاصل ہے۔ ضمنیت کبریٰ کے متعلق دو واقعے قابل توجہ ہیں۔ پہلا واقعہ یہ کہ ایک مرتبہ آپ موضع کھولہ میں (جو آپ کا قدیمی وطن ہے) حلقے میں تشریف فرما تھے۔ اثنائے حلقہ میں آپ پر ایک خاص حالت طاری ہوئی جو عالم برزخ میں طاری ہوا کرتی ہے۔ یعنی آپ کو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے جسم اطہر کے ساتھ فنا و بقا کرائی گئی۔ آپ خود فرماتے ہیں کہ گویا میرا جسم حضورؐ کے جسم مبارک میں حلول کر گیا اور دونوں جسم بالکل ایک ہو گئے۔ حاضرینِ حلقہ میں سے ایک خادم خاص یعنی خلیفہ محمد حسین نے بھی جن کا کشف و وجدان اکثر صحیح و صائب ثابت ہوا ہے۔ اس حالت کو محسوس کیا حلقہ ختم ہوا تو قبل اس کے کہ حضرت اس واقعہ پر لب کشائی فرمائیں۔ خلیفہ صاحب ممدوح نے خود عرض کیا کہ آج آپ پر ایک نئی نسبت کا ظہور ہوا ہے جو کہ میرے ادراک سے باہر تھی۔ پھر آپ نے اس واقعہ کے متعلق آہستہ سے فرمایا۔ شاید یہی ضمنیت کبریٰ ہو۔ دوسرا واقعہ یہ ہے کہ ایک مرتبہ آپ بھرونڈے کے مقام میں نماز ظہر کے بعد چارپائی پر مراقبہ میں بیٹھے تھے اتنے میں کیا مشاہدہ فرماتے ہیں کہ زمین شق ہوئی اور اس سے سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم جلوہ فرما ہوئے اور آپ نے ہمارے حضرت کے سر پر بوسہ دے کر فرمایا انتؐ منی بمنزلة هارون من موسیٰ پھر فرمایا از نسبت خاصہ من تراحظ وافر است۔ حضرت فرماتے ہیں کہ مدت تک مجھے اپنے سر میں بوسۂ مبارک کے مقام پر ایک ٹھنڈک محسوس ہوتی رہی ۱۲

؎ یہ ایسا ہی ہے جیسا کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے فرمایا تھا کہ انت منی بمنزلة هارون من موسیٰ الا انه لا نبی بعدی یعنی تقویتِ دعوتِ دینی میں جس طرح حضرت ہارون علیہ السلام نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی تائید فرمائی تھی اسی طرح تم دینِ محمدیؐ کے مؤید ہو باقی منصبِ نبوت ختم ہو چکا ہے وہ میرے بعد کسی کو نہ ملے گا۔ ۱۲۔ م

کی وجہ سے اس پر سکر، جذبہ، مستی اور استغراق کی کیفیتیں طاری ہوتی ہیں۔ پھر جب وہ بعنایتِ الٰہی مخلوق کے ارشاد و تکمیل کے لیے متوجہ بخلق ہوتا ہے تو اس وقت ضرورۃً اس کی یہ کیفیات کم ہو جاتی ہیں۔ اور وہ قائمی ہوش اور بحالی حواس کی اُن صفات سے موصوف ہو جاتا ہے جو مخلوق کے ساتھ میل جول رکھنے کے لیے ضروری ہیں۔ اس کی اس حالت کو نزول یا ہبوط کہتے ہیں۔ اس سے آگے نبوت کا درجہ ہے تو اس میں بھی عروج اور نزول کی دونوں حالتیں ہیں۔ اور اس میں بھی بحالتِ عروج استغراق اور بحالتِ نزول پوری صفائی ہوش اور بحالی حواس ہوتی ہے مگر ولی کے نزول اور نبی کے نزول میں بڑا فرق ہے۔ ولی کا نزول چونکہ ایسی حالت میں ہوتا ہے کہ اس نے ابھی تک مقاماتِ عروج کو پوری طرح طے نہیں کیا (کیونکہ مزید معارج اور کمالات نبوت ابھی درپیش ہیں ۱۲ م) اور ابھی وہ عالم بالا کی طرف نظر جمائے ہوئے ہے۔ اس لیے ہمیشہ اور ہر وقت وہ متوجہ بخلق نہیں رہ سکتا بلکہ کبھی نہ کبھی اس پر سکر و مستی کا غلبہ بھی پایا جاتا ہے۔ بخلاف اس کے نبی نے چونکہ مقاماتِ عروج کی انتہا تک پہنچ کر نزول کیا ہے۔ اس لیے وہ ہمہ تن متوجہ بخلق ہوتا ہے۔ اور اس پر کبھی بھی سکر و مستی طاری نہیں ہوتی[1]۔ اس لیے تم ہمیشہ اولیاء اللہ کے وجد و حال کے تذکرے تو سنتے رہتے ہو۔ مگر یہ کبھی سنا یا پڑھا نہ ہوگا کہ کسی نبی یا رسول پر وجد طاری ہوا ہو۔ اسی طرح اولیاء اللہ میں سے بھی جو حضرات ابھی صرف ولایت کے درجے میں ہیں وہ چونکہ ابھی تک مقامات عروج میں ہیں اس لیے ان پر بعض اوقات مستی و سکر اور وجد و حال کی کیفیتیں طاری ہوتی رہتی ہیں۔ اور جن بزرگوں کو اللہ تعالیٰ نے مراتب ولایت سے آگے ترقی بخش کر کمالاتِ[2] نبوت سے مشرف فرمایا[3] ہے۔ وہ چونکہ مقامات عروج کو انتہا

---

[1] اس سے ظاہر ہے کہ نبی پر سکر و مستی کا طاری نہ ہونا اس کے ولی سے افضل ہونے کی دلیل ہے بخلاف اس کے بعض لوگوں کو شبہ ہوا ہے کہ ولایت نبوت سے افضل ہے کیونکہ ولایت مراتب عروج میں سے ہے اور نبوت مرتبہ نزول میں۔ ولایت میں رو بحق ہے اور نبوت میں رو بخلق۔ بعض نے اس خیال کی اجنبیت سے گھبرا کر یہ تاویل نکالی کہ نبی کی ولایت نبی کی نبوت سے افضل ہے۔ تاکہ ولی کی افضلیت نبی پر لازم نہ آئے۔ مگر یہ بھی غلط ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ نبوت مطلقاً ولایت سے افضل ہے کیونکہ اس میں جو نزول ہے وہ مراتب عروج کو کمال تک پہنچانے کے بعد ہوا ہے۔ بخلاف اس کے ولی اگر عروج میں ہے تو وہ ابھی اس کے درجۂ کمال تک نہیں پہنچا ۱۲ منہ۔ حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی قدس سرہٗ نے اس بحث کو نہایت تفصیل و تشریح کے ساتھ اپنے مکتوبات میں درج فرما دیا ہے۔ مؤلف رحمہ اللہ نے غالباً بطور خود مطالعہ کر کے یا حضرت مولانا محمد عبداللہ صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ سے سن کر اس تحقیق کو نقل فرمایا ہے۔ اس کی پوری تفصیل ہم ان شاء اللہ تعالیٰ سوانح سعدیہ میں درج کریں گے۔ ۱۲ م

[2] کمالاتِ نبوت جو مخصوص اولیاء اللہ کو بہ تبعیت و وراثت حاصل ہوتے ہیں ان کی حقیقت در اصل ایک یقین خاص کا افاضہ ہے جس کو قرآن مجید میں تَثْبِيتًا مِّنْ أَنفُسِهِمْ سے تعبیر فرمایا گیا ہے اور یہ اللہ تعالیٰ کے انعامات خاصہ میں سے ایک انعام ہے جو بوساطت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم مخصوص افراد امت پر ہمیشہ ہوتا آیا ہے لیکن منجانب اللہ اس فیضان کمالات نبوت کے ہوتے ہوئے بھی اس ولی کو نبی نہ اصطلاحاً کہا جا سکتا ہے اور نہ لغۃً بلکہ جو شخص ان کمالات سے بہرہ ور ہوتا ہے وہ اپنے آپ کو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا عاجز ترین امتی گردانتا ہے اور حضور

تک پہنچا دینے کے بعد متوجہ بخلق ہوئے ہیں۔ بس ایسے ان کی یہ توجہ بخلق بمرتبہ تامہ ان کا اختلاط بالناس بدرجہ کاملہ اور ان کا ارشاد و فیض بطریق اکمل ہوتا ہے۔ اب خود سمجھ سکتے ہیں کہ ہمارے حضرت کے احوال ظاہر کا غیر متمیز ہونا کیا معنی رکھتا ہے؟[۱]

بہرکیف ارباب کمال کی یہ غیر ممتاز حالت صرف ظاہر پرستوں کے لیے ہے۔ لیکن جن لوگوں کو حقیقت شناس نظر ملی ہے۔ ان کو اس غیر متکیف عالم میں بھی کمالات کے سینکڑوں آفتاب درخشاں نظر آتے ہیں ؎

نیست پوشیدہ جلوۂ حسنش
چشم گر روشن است دلہا را

مولوی عبداللہ صاحب لدھیانوی ناقل ہیں کہ منشی غلام محمد صاحب متوطن متھاٹوانہ حال مقیم بوہڑی والا حضرت کے ایک خادم ہیں۔ ایک مرتبہ حاضر خانقاہ ہونے کے لیے علووالی سٹیشن سے چلے۔ شام کا وقت تھا، تاریکی چھا رہی تھی۔ وہ بارہا خانقاہ آ جا چکے تھے۔ تاریکی ہی میں چل پڑے۔ ریل کی پٹڑی سے گزر کر جو نظر اٹھائی تو دور سے کیا دیکھتے ہیں کہ خانقاہ میں گیس کا ایک بڑا ہنڈا روشن ہے۔ اب وہ اس سے بھی پوچھتے ہیں۔ اُس سے بھی دریافت کرتے ہیں کہ کیا خانقاہ میں گیس کی روشنی کا کوئی انتظام ہوا ہے؟ مگر کوئی کیا بتائے۔ وہ آنکھیں ہوں اور کچھ نظر آئے تو بتائے ؎

نورش بچشم پاک تواں دید چوں بلال
ہر دیدہ جائے جلوۂ آں ماہ پارہ نیست

مولٰینا غلام رسُول صاحب متوطن موضع لوٹھر ضلع ملتان حضرت کے مریدوں میں سے ایک اعلیٰ پایہ کے فاضل

علیہ الصلوٰۃ والسلام پر منصب رسالت و نبوت کے ختم ہو جانے کا عقیدہ راسخہ رکھتا ہے اس عقیدہ کا انکار یا اس میں اضمحلال ہر ظاہری و باطنی کمال سے محرومی کا نشان ہے اور ہر تاویل موجب ضلال اور مزیل ایمان ہے۔ اعاذنا اللہ منہ ۱۲ (اشارات از مفتی عطا محمد سلمہ تعبیر از عاجز محمد محبوب الٰہی عفی عنہ) [۳] کمالات نبوت کا درجہ ولی کو بھی حاصل ہو سکتا ہے اور اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ وہ نبی بن جائے۔ کیونکہ یہ درجہ نبی کے لیے بالاصالت ہے اور ولی کے لیے بطور تبعیت و وراثت ۱۲ (کنز الہدایات) [۴] بلکہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی نبوت کے الیٰ یوم القیامہ باقی رہنے کا یہ تقاضا ہے کہ العلماء ورثۃ الانبیاء کے تحت آپ کی امت میں کمالات ولایت و نبوت کے جامع کامل ورثا پیدا ہوں جو نیابۃً ہر عہد میں تصدیق و تائید دین محمدی فرماتے رہیں۔ یہ نہیں کہ قادیان کے ناخواندہ دہقان کی طرح اوہام باطلہ، خیالات فاسدہ، ہواجس شیطانی اور خواہشات نفسانی کی پیروی میں مسلک قدیم اور عقیدۂ مستقیم ختم نبوت کی بیخ کنی پر آمادہ ہو جائیں اور دجالی فتنہ کھڑا کر دیں۔ ایسا شخص نبی، ولی یا مجدد ہونا تو درکنار انسانیت کے ادنیٰ درجہ سے بھی کوسوں دور اور اسلام سے روگرداں اور نفور ہے۔ وقانا اللہ وجمیع المسلمین من شرورہ وآفاتہ و وقرہ و متبعیہ بحرمۃ الانبیاء والاولیاء ۱۲ م

[۱] ہمارے حضرات رحمہم اللہ کے نزدیک یہ مسلم ہے کہ ولایت ثلثہ — ولایت صغریٰ، ولایت کبریٰ اور ولایت علیا — پر کمال نسبت نقشبندیہ حاصل ہوتا ہے اور نسبت مجددیہ کا آغاز کمالات نبوت کے افاضات سے ہوتا ہے ۱۲ مفتی عطا محمد سلمہ

ہیں جو بخاری، ترمذی، ہدایہ وغیرہ چوٹی کی کتابیں کئی کئی مرتبہ پڑھا چکے ہیں۔ ان کا بیان ہے کہ میں سٹیشن علووالی پر بعزم خانقاہ شریف گاڑی سے اتر پڑا (علووالی کندیاں[1] سے اگلا سٹیشن ہے) رات کے بارہ بجے کا وقت ہوگا، نہ کوئی رفیق راہ ساتھ تھا، نہ راستہ معلوم تھا اٹکل پچو کچھ دور تک چل کر بیٹھ گیا اور حیران تھا کہ کدھر جاؤں، کس سے پوچھوں؟ اتنے میں رات کی تاریکی میں افق سے ایک سرخ رنگ کا نورانی ستون نمودار ہوا، جس کی بلندی زمین سے آسمان تک پہنچتی تھی۔ دل کو باور ہو گیا کہ یہ تو میری رہنمائی کا کوئی کرشمہ ہے۔ اسی ستون کی سیدھ پر چل پڑا۔ دو ڈھائی میل طے کیے ہوں گے۔ کہ دور سے خانقاہ کے مکانات کی سیاہی محسوس ہونے لگی اور وہ ستون غائب ہو گیا۔ پھر بتایا کہ میں نے حضرت کے متعلق اس سے بڑھ کر کئی مشاہدات کیے ہیں۔ مگر حضرت نے مجھے ان کے افشا سے منع فرمادیا۔ پھر کہا میں نے قادریہ، نقشبندیہ اور چشتیہ سلسلوں کے صدہا بزرگ دیکھے ہیں۔ مگر حضرت کے برابر متبع سنت، رحمدل، خلیق اور نمونۂ اسلاف کوئی بزرگ آج تک نہیں دیکھا۔ میں نے فتوحاتِ مکیہ فصوص الحکم اور رسائل کلیم اللہ جہان آبادی وغیرہ بہت سی کتب تصوف کا مطالعہ کیا ہے۔ مگر ان معلومات کا مصداق حضرت کے سوا کوئی نظر نہ آیا۔

حکیم عبدالرسول صاحب فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ حضرت مع خدام حضرت مجدد صاحب رضی اللہ عنہ کے روضۂ عالیہ پر مراقب تھے۔ جب واپس تشریف لائے تو خادموں سے فرمایا کسی نے کوئی خاص بات مشاہدہ کی؟ حاضرین نے اپنے مشاہدات عرض کیے۔ خادم نے عرض کیا کہ میں نے اس حلقے میں دیکھا کہ حضرت مجدد صاحب قدس سرہٗ تشریف لائے اور خود اپنے دست مبارک سے آپ کے سر پر دستار باندھی۔ حضرت نے فرمایا، ہاں میری مراد یہی تھی۔[2]

حکیم عبدالرسول، اور مولوی عبداللہ صاحبان دونوں کا متفقہ بیان ہے کہ ایک مرتبہ حضرت شورکوٹ جنکشن سے گاڑی پر سوار ہونے کو تھے کہ ایک مجذوب نے آپ کا بازو پکڑ کر کہا۔ حضرت میرا راستہ بند ہو گیا ہے، اس کو کھلوا دو۔ حضرت نے جیب میں ہاتھ ڈالا تو اس نے کہا مجھے نقدی کی ضرورت نہیں، میرا راستہ تین سال سے بند ہے اس کو کھلوا دو۔ میں دُور سے آیا ہوں اور تین دن سے آپ کا منتظر ہوں۔ پھر وہ مجذوب تھوڑی دور تک آپ کو علیحدہ لے گیا اور کچھ تخلیہ میں عرض کیا

---

[1] یعنی کندیاں سے بجانب جنوب مؤلفؒ کے عہد میں اگلا اسٹیشن علووالی تھا۔ مگر اب اگلا سٹیشن خود خانقاہ سراجیہ ہے اور اس سے اگلا علووالی۔ ۱۲۔م

[2] حضرت سیدنا و مولانا محمد عبداللہ صاحب قدس سرہٗ نے فرمایا کہ ایک بار واقعہ یوں پیش آیا کہ "حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی طرف سے حضرت مجدد صاحب قدس سرہٗ نے اعلیٰ حضرت قیوم زماں مولانا ابوالسعد احمد خان صاحب رحمۃ اللہ علیہ کو جُبّہ پہنایا۔ اعلیٰ حضرت نے پہن لیا۔ جُبّہ کی پھبن دیکھ کر حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی قدس سرہٗ نے فرمایا "مولانا! آپ کے جسم پر جُبّہ فٹ آگیا" اس وقت تو اس واقعہ کی تعبیر نہ کھلی لیکن بعد میں ظاہر ہوا کہ یہ اعطائے خلعت قیومیت کی طرف اشارہ تھا کہ اس منصب کا اختتام آپ پر ہو گیا ہے نیز یہ بھی ظاہر فرمایا گیا کہ عنقریب آپ کو حضرت خواجہ سراج الدین صاحب قدس اللہ بسرہ العزیز عطائے منصب قیومیت کی بشارت دیں گے۔ چنانچہ ایسا ہی وقوع میں آیا ۱۲ (مفتی عطا محمد سلمہٗ)

آپ سکون و وقار کے ساتھ خاموش تھے۔ مجذوب بار بار وہی سوال دہراتا تھا کہ میرا راستہ کھلوا دو۔ آپ نے فرمایا میں ایک ادنیٰ درویش ہوں، کیا کر سکتا ہوں۔ مجذوب نے کہا' نہیں نہیں' آپ کی زبان کی بات ہی چلتی ہے۔ پھر اس نے پوچھا آپ کا اسم مبارک کیا ہے؟ فرمایا احمد خاں۔ یہ سن کر وہ ناچنے لگا۔ اور بار بار کہتا تھا احمد خاں اللہ کی رحمت' اللہ کی رحمت۔ آخر آپ نے فرمایا' اچھا جاؤ۔ سلطان باہُوؒ کے مزار پر جا کر میرا اسلام کہو اور تین دن تک وہاں ٹھہرو۔ انشاء اللہ تمہارا راستہ کھل جائے گا۔ مجذوب خوش خوش اچھلتا کودتا روانہ ہوا۔ تھوڑی دیر بعد پھر واپس آیا۔ حضرت اس وقت گاڑی میں سوار ہو چکے تھے اور پوچھنے لگا۔ کیا تین دن ٹھہرنے کا حکم ہے؟

مولوی عبداللہ صاحب کہتے ہیں کہ گاڑی ۹ بجے وہاں سے چلی۔ ۴ بجے سرگودھا جنکشن پر ہم پہنچے۔ مغرب کے بعد حضرت چارپائی پر تشریف فرما تھے۔ میں پنکھا جھل رہا تھا۔ فرمایا' اس مجذوب کا راستہ کھل گیا۔ میں نے عرض کیا' اس کا راستہ بند کیوں ہُوا تھا؟ فرمایا مصلحت نیست کہ از پردہ بروں افتد راز۔ پھر فرمایا' ان لوگوں کو معمولی معمولی باتوں پر اخذ[1] ہوتا رہتا ہے۔

تھوڑے دن ہوئے۔ کندیاں کے بازار میں ایک مجذوب پھرتا تھا اور بار بار کہتا تھا کہ مجھے نور پور کی کنجیاں دلا دو۔ کبھی خاک پر لوٹنے لگتا اور یہی تقاضا کرتا کہ مجھے نور پور کی کنجیاں دلا دو۔ مولوی عبداللہ صاحب ایک دن کندیاں میں ایک قصاب کی دوکان سے گوشت خریدنے گئے تو اس نے مجذوب کا ذکر کیا۔ مولوی صاحب نے خانقاہ میں آکر حضرت کی خدمت میں یہ واقعہ عرض کیا۔ اگلی صبح حضور نے فرمایا۔ آج رات کو اس مجذوب کے کاغذات ہمارے رُوبرو پیش ہوئے۔ چنانچہ اس کا فیصلہ کر دیا گیا۔ دو چار روز کے بعد مولوی عبداللہ صاحب پھر اس قصاب کی دوکان پر گئے تو اس نے بتایا کہ پرسوں اترسوں وہ مجذوب بہت خوش تھا اور کہتا تھا' نور پور کی کنجیاں مجھے مل گئی ہیں اور خوشی سے اچھلتا کودتا کہیں چلا گیا' پھر واپس نہیں آیا۔[2]

غنائے قلب اور سیرچشمی: عالم اسباب میں تمام دینی و دنیوی امور اسباب و علل کے سلسلے سے مربوط ہیں۔ جن بزرگ ہستیوں کو فی الواقع "خاک را بنظر کیمیا کنند" کا درجہ حاصل ہے۔ ان کو بھی جب مہمات معیشت میں مال کی ضرورت

---

[1] یعنی مواخذہ و گرفت

[2] مقامات مظہری کے نسخہ قدیمہ کے اوراق پر جو کتب خانہ خانقاہ شریف میں موجود ہے اعلیٰ حضرتؒ نے کچھ ملفوظات کشفیہ در بارہ خود مناصب قطبیت و قیومیت وغیرہ کے سلسلہ میں بطور اظہار نعمت کے غالباً مامور باظہار ہونے کی بنا پر درج فرمائے ہیں لیکن کمال استغنائے حال کے طبعی تقاضے کی وجہ سے ان کا زبانی اعلان و اظہار نہیں فرمایا اسلیے ہم بھی حضرت اعلیٰ کے منشائے طبعی کو مدنظر رکھتے ہوئے ان کو یہاں نقل کرنے سے گریز کرتے ہیں ۱۲ م

ہوتی ہے تو اس طاقت خارق عادت سے کام نہیں لیتے۔ اور مدر و حجر[1] پر یہ نظر آزمائی کرتے نہیں پھرتے بلکہ اپنے معتقدین کے ہدیوں اور پیشکشوں ہی پر اکتفا کیا کرتے ہیں۔ پھر ان بزرگ ہستیوں سے بھی بزرگ تر ہستی صلی اللہ علیہ وسلم کے حالات پر نظر کرو۔ جن کا یہ رتبہ ہے کہ اگر چاہیں تو جبل احد[2] ان کے لیے سونے کا ڈھیر بن جائے اور سنگلاخ بطحا کان طلا ہو جائے۔ مگر جب تجہیز جیش عسرت[3] کی اہم ترین ضرورت پیش آتی ہے تو وہ بھی ارباب اموال ہی سے بہشت کے سودے پر استمداد فرماتے ہیں۔

غور کرو، تو یہ سودا، یہ داد و ستد اور یہ تعاون و تعاون کسی پہلو سے بھی غیر موزوں نہیں۔ بلکہ عین سنت اللہ کے مقتضیات سے ہے۔ وَتَعَاوَنُوا عَلَى الْبِرِّ وَالتَّقْوٰى حق تعالیٰ نے شیخ کو گنجینۂ معرفت کا خازن و گنجور بنایا ہے کہ مریدین کو اس دولت سے مالا مال کرے اور مریدوں کے بازوان توانا کو شیخ کے ذاتی اخراجات اور ساتھ ہی اس کے آستانہ کے خاک نشینوں، اس کی بارگاہ کے "اصحاب صُفّہ" اور اس کے خوان کرم کے اضیاف اللہ کے مصارف کا بار اٹھانے کی ہمت بخشی ہے کہ ان ضروریات کے لیے کسب زر کے اشغال شیخ کے گرانمایہ اوقات و احوال میں حرج نہ ڈالیں۔ ؏

ہر کسے را بہر کارے ساختند

اگر شیخ مرید کی اُخروی نجات کی کوشش کر رہا ہے اور مرید شیخ کی دنیوی ضروریات میں ہاتھ بٹا رہا ہے تو اس سودے میں کیا نقصان ہے؟ متقدمین صوفیہ سے لے کر متاخرین تک یہی معاملہ چلا آتا ہے۔ المنہج القوی[4] شرح المثنوی المعنوی میں لکھا ہے:

قال نجم الدین الکبریٰ کنتم ضعفاء بالصدق و الطلب محتاجین الی الصحبة والتربیة فمن اللہ علیکم بصحبة المشائخ وقبولهم ایاکم والاقبال علی تربیتکم وایصال رزقکم الیهم وتشفقتهم و

حضرت نجم الدین کبریٰ فرماتے ہیں کہ تم صدق و طلب میں کمزور اور صحبت و تربیت کے محتاج تھے۔ پس اللہ نے تم پر فضل کیا کہ مشائخ کی صحبت میں آ گئے اور انہوں نے تم کو مرید بنا لیا۔ اور تمہاری تربیت پر آمادہ ہو گئے۔ تمہاری کمائی[5] بطور ہدایا ان کے

---

[1] یعنی ڈھیلے اور پتھر پر نگاہ کیمیا اثر نہیں ڈالتے۔ [2] یعنی مکہ معظمہ کا اُحد پہاڑ [3] اسی موقع پر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے گھر کے کل اثاثہ کا نصف اس توقع پر پیش کیا تھا کہ آج حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے پیش قدمی حاصل ہو جائے گی لیکن حضرت صدیق رضی اللہ عنہ نے اپنے گھر میں نام خدا اور رسولِ خدا کے سوا کچھ نہ چھوڑا، سب کچھ لا کر پیش فرما دیا تھا کہ ؏ صدیق کے لیے ہے خدا کا رسول بس۔ ۱۲ م

[4] جلد دوم شرح دیباچہ دفتر دوم ۱۲ [5] یہاں سے فقیر کو اس ترجمہ سے اختلاف ہے۔ صحیح ترجمہ یوں معلوم ہوتا ہے "اور اللہ تعالیٰ نے تمہارا رزق (ظاہری و باطنی) بھی ان کے پاس پہنچا دیا اور ان کو تم پر شفیق و مہربان بنا دیا۔ پس خوب غور سے کام لو کہیں سچے طالب خدا کو اس کے رزق کی کفالت کے ڈر سے رد نہ کر دو اور جھوٹے طلبگار کو مریدین کی تعداد بڑھانے کے شوق میں قبول نہ کر بیٹھو" واللہ اعلم ۱۲۔ محبوب الٰہی عفی عنہ

عطفهم عليكم نتبيّنوا ان تردوا اصادقا اهتماما لرزقه او تقبلوا كاذبا حرصا على تكثير المريدين۔

پاس پہنچی اور ان کی شفقت و ہدایت تم پر مبذول ہوئی پس تم خود فیصلہ کرلو کہ ان کے رزق کے اہتمام میں صداقت سے کام لوگے یا مرید بڑھانے کی غرض سے جھوٹے مرید بنوگے۔

ہمارے حضرت بھی اگر اسی سنتِ قدیمہ کے مطابق اپنے معتقدین و متوسلین کے بطیبِ خاطر پیش کیے ہوئے ہدایا قبول فرماتے ہیں تو یہ بات چنداں قابلِ ذکر نہ تھی۔ البتہ قابلِ ذکر آپ کی وہ قناعت اور سیر چشمی ہے۔ جو اس باب میں آپ کا دستور العمل ہے۔ کوئی معتقد تھوڑا بہت جو کچھ بھی ہدیہ پیش کرے، قبول ہو جاتا ہے[1]۔ کمی بیشی کا مطلق خیال نہیں۔ اگر کچھ بھی پیش نہ کرے تو بھی کسی قسم کا ملال نہیں۔ غرض نہ کسی سے کچھ توقع ہے، نہ کسی کے بازوئے ہمت کا انتظار ہے۔ بلکہ حدیث وَاجْمِعِ الْاِيَاسَ مِمَّا فِيْ اَيْدِي النَّاسِ[2] پر پورا پورا عمل ہے۔ بخلاف دیگر شیوخِ عصر کے کہ بعض اشارہ و کنایہ سے اپنے مریدوں سے مال و زر کا سوال کرتے رہتے ہیں۔ بعض صراحتاً فرمائشیں کرتے ہیں اور تخلف ماموں سے دل تنگ و ملول ہو جاتے ہیں اور بعض نے ایک سلطان جابر کی طرح مریدوں کی کمائی کا ربع یا خمس وصول کرنے کا ضابطہ بنا رکھا ہے۔ اور اس طرح اپنے غریب مریدوں کی کمائی پر شاہانہ عیش و عشرت کر رہے ہیں ؎

گر ہوائے طاق کسریٰ ہست صاحب درسرت
دانہ از تسبیح ساز و دام از سجادہ کن

مگر ہمارے حضرت کا لائحہ عمل اس بارے میں صرف وہ اصول ہے جو آپ نے (اپنے اور) عامہ مشائخ کے لیے کتاب کنز الہدایات کے حاشیہ صفحہ ۶ پر درج فرمایا ہے:۔

بدانکہ حضرت امام ربانی در مکتوب صد و ہفتاد و یکم از جلد اول میفرمایند "نیک تاکید نمایند کہ طمع در مال مرید و توقع در منافع دنیوی او پیدا نشود کہ مانع رشد مرید است۔ و باعثِ خرابیِ پیر۔ در آنجا ہمہ دین خالص

واضح ہو کہ حضرت امام ربانی قدس سرہٗ نے (مکتوبات کی) پہلی جلد کے ایک سو اکترویں مکتوب میں فرمایا ہے کہ خوب تاکید کی جائے کہ مرید سے مال لینے کی حرص اور اس سے دنیوی فائدہ اٹھانے کی توقع پیدا نہ ہو۔ کیونکہ یہ مرید کی ہدایت کی مانع اور پیر کی خرابی کا باعث ہے۔

---

[1] وکان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یقبل الهدیة ولو انها جرعة لبن او فخذ ارنب۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہدیہ قبول فرما لیتے خواہ وہ دودھ کا ایک گھونٹ یا خرگوش کی ایک ران ہوتی ۱۲ [2] جو چیز لوگوں کے ہاتھوں میں ہے اس سے پوری طرح ناامید رہو۔ مشکوٰۃ کتاب الرقاق۔ فصل الثالث عن ابی ایوب انصاری مرفوعاً ۱۲

می طلبند الا للہ الدین الخالص شرک را دراں حضرت ہیچ وجہ گنجائش نیست" وحضرت امام شعرانی فرمودہ اند" ان الشیخ اذا علم من مریدہ انہ صار یری ان جمیع ما فی یدہ انما وصل الیہ ببرکۃ استاذہ وانہ ھو وعیالہ انما یاکلون من مال ذلک الاستاذ فلا حرج علی الشیخ حینئذٍ فی الاکل من طعام ذلک المرید"

خدا کے ہاں بالکل خالص دین کی طلب ہے۔ چنانچہ فرمایا یاد رکھو اللہ کا حصہ خالص دین ہے۔ شرک کی اس درگاہ میں کسی طرح گنجائش نہیں۔ اور حضرت امام شعرانیؒ نے فرمایا ہے کہ شیخ کو جب یہ معلوم ہو کہ اس کا مرید اس درجہ کو پہنچ گیا ہے کہ اسے یقین ہے کہ میری تمام مملوکات میرے استاذ کی برکت سے مجھے حاصل ہوئی ہیں اور میں اور میرا عیال[1] اسی استاذ کا مال کھا رہے ہیں تو اس وقت شیخ کے لیے اس مُرید کا طعام کھانے میں کوئی مضائقہ نہیں۔[2]

فراست و بیدار دلی اور کشف و وجدان: حضرت کی توجہات کا ہمہ گیر ہونا بھی عجائبات سے ہے۔ میں اور مولوی عبداللہ صاحب فہرست کتب خانہ مرتب کر رہے ہیں۔ ایک موقع پر مثلاً یہ تلاش درپیش ہے کہ کتاب کا مؤلف کون ہے یا کس مطبع میں چھپی ہے؟ اور ہم اس کے متعلق اس قدر دھیمی آواز میں گفت و شنید کر رہے ہیں کہ کوئی قریب بیٹھا بھی نہ سن سکے۔ اگر سنے تو کچھ سمجھ نہ سکے۔ ادھر آپ اچھے خاصے فاصلے پر بیٹھے کسی کتاب کا مطالعہ پورے انہماک کے ساتھ فرما رہے ہیں اب اس کو عدس و فراست کی اعلیٰ روشنی کہو یا قوتِ کشف کا کرشمہ کہ اسی حالتِ مطالعہ میں رُخ بکتاب بیٹھے بیٹھے ہمارے سوال کا جواب دے دیتے ہیں۔ یہ تماشا ہم ہر روز بلکہ ساعت بساعت دیکھتے تھے۔[3]

---

[1] یعنی کنبہ [2] واضح رہے کہ ارشاد مبارک اس مال کے بارے میں ہے جس سے بظاہر شیخ خود بھی منتفع ہوتا ہے۔ لیکن اگر شیخ دینی امور مثلاً مدرسہ علوم عربیہ یا دیگر تبلیغ دین کے ذرائع پر مریدین کو مال خرچ کرنے کی ہدایت کرتا اور ادھر توجہ دلاتا ہے تو یہ امر اس کے منصب ارشاد سے متعلق ہے جس پر وہ بھی ماجور ہوگا اور حسب استطاعت خوشدلی کے ساتھ اس کے ارشاد کی تعمیل کرنے والے مریدین بھی مستحق اجر و ثواب ہوں گے۔ مخلص مرید اس قسم کی ہدایات و ترغیبات سے اپنے آپ کو زیر بار تصور نہیں کر سکتا کیونکہ ان مصارف کا اجر بلا واسطہ خود اس کے لیے ہے ۱۲ م [3] اعلیٰ حضرت قدس سرہٗ کی فراست، عدس اور صفائے باطن کا ایک واقعہ قاضی شمس الدین صاحب مدظلہٗ (خلیفہ حضرت مولانا و سیدنا محمد عبداللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ) نے خود حضرت رحمۃ اللہ سے روایت کرتے ہوئے بیان فرمایا کہ حضرت رحمۃ اللہ فرماتے ہیں کہ مستری ظہور الدین صاحب مسجد کی تعمیر کیا کرتے تھے اور بعض اوقات اعلیٰ حضرت صحن مسجد میں اس طرح بیٹھے ہوتے تھے کہ مستری صاحب کی طرف آپ کی پشت مبارک ہوتی تھی۔ اسی حالت میں اگر مستری صاحب کوئی اینٹ ذرا بھی ترچھی یا آگے پیچھے لگا دیتے تو اعلیٰ حضرت اپنی جگہ پر بیٹھے ہوئے بغیر رُخ پھیرے فرما دیا کرتے تھے کہ مستری صاحب! یہ اینٹ ذرا ترچھی لگ گئی ہے۔ یہ منظر دیکھ کر ہم حیران ہوتے تھے۔ نہ رہا گیا' دریافت کیا تو حضرت نے فرمایا کہ غلط اینٹ کے لگتے ہی میری طبیعت میں خلجان سا ہونے لگتا ہے۔

اس سے بھی بڑھ کر اور سُنیے۔ آواز خواہ کتنی ہی دھیمی ہو قوت سامعہ کچھ نہ کچھ اس کے ادراک کا حق رکھتی ہے۔ لیکن جو آواز دل ہی میں اٹھ کر رہ جائے اور لب تک نہ پہنچے۔ جس خیال کی سیر و گردش فضائے قلب ہی میں محدود رہے اور وہ آشنائے حرف و صوت نہ ہو۔ آپ احیاناً اس کو بھی سن لیتے ہیں اور اگر ضرورت داعی ہو تو اس کے متعلق مناسب ارشاد فرما دیتے ہیں ؎

بندگانِ خاصِ علام الغیوب　　در جہانِ جاں جواسیس القلوب

پیشِ او مکشوف باشد سرِ حال　　در درونِ دل در آید چوں خیال

ایک دن مجھے خیال آیا کہ توجہ کا اثر اکثر خدام پر ہوتا ہے۔ کیا وجہ ہے کہ مجھ پر نہیں ہوتا اور یہ خلجان میں نے نہ کسی سے کہا، نہ کسی نے مجھ سے سُنا۔ مگر آپ نے خود ہی اس عقدۂ مستور کو حل فرما دیا۔ ایک مفصل تقریر فرمائی جو ان شاء اللہ آگے کسی موقع پر درج ہوگی[1]۔ ماحصل اس کا یہ ہے کہ توجہ کی تاثیر کئی طرح پر ہے۔ بعض اوقات اثر ضرور ہوتا ہے۔ مگر صرف شیخ کو معلوم ہوتا ہے، مرید محسوس نہیں کرتا ؎

بیمار اگر ز درد بود غافل از طبیب
دارد دلِ طبیب ز بیمار آگہی

ایک مرتبہ خطراتِ قلب کے متعلق بڑی پریشانی ہوئی کہ وہ رفع نہیں ہوتے۔ آپ نے اس ناگفتہ سوال کا جواب یوں فرما دیا کہ خطرات جب زبان پر نہ لائے جائیں اور دل میں ان کا گزرنا ناگوار اور زبان پر لانا شاق ہو تو وہ مضر نہیں ہیں بلکہ یہ حالت دلیل ایمان ہے اور ان خطرات کا علاج یہ ہے کہ ان کی پروا نہ کی جائے (یہ مفصل تقریر بھی اپنی جگہ پر آئیگی[2] انشاء اللہ)

میرا گمان غالب یہ ہے کہ شبا روزی مجالس میں حضرت کے اکثر ارشادات خادموں کے ضمائر و خواطر ہی کے جوابات ہوتے ہیں۔ صاحب خطرہ کے سوا کوئی دوسرا تو کیا سمجھے گا کہ یہ کسی کے قلبی سوال کا جواب ہے بلکہ میرے قیاس میں خود صاحب خطرہ کو بھی اپنی تمام احادیث نفس کے محاسبہ کی توفیق کم ہوتی ہے۔ پس اس کو بھی اس بات کا احساس ہونا ضروری نہیں کہ یہ جو کچھ ارشاد ہو رہا ہے میرے ہی فلاں خیال کا جواب ہے۔

ایک بار راقم کے دل پر حاضری خانقاہ کے ایام میں ناگہاں ایک وحشت اور اضطراب طاری ہو گیا۔ مگر دل کو نہایت

---

[1] دیکھو صفحہ ۲۵۳　[2] دیکھو صفحہ ۲۵۰

ضبط کیا اور مصلحتاً یہ کوشش کی کہ حضار آستانہ پر یہ کیفیت ظاہر نہ ہو۔ چنانچہ سب کے ساتھ اسی طمانیت و بشاشت سے صحبت و مکالمت رہی جو پہلے تھی۔ حتےٰ کہ کسی کو میری اس قلبی کیفیت کے متعلق کوئی شبہ نہ تھا۔ مگر ادھر کیا تماشا ہے کہ کبھی صاحبزادہ محمد معصوم صاحب سلمہٗ اور کبھی مولوی عبداللہ صاحب متواتر مجھ سے کہتے ہیں کہ حضرت صاحب کو آپ کا بڑا خیال ہو رہا ہے۔ بار بار پوچھتے ہیں کہ مولوی صاحب اداس تو نہیں ہیں، آخر شہر کے رہنے والے ہیں، اس جنگل میں آکر پریشان نہ ہو گئے ہوں۔ دو تین روز کے بعد طبیعت کو سکون حاصل ہوا تو پھر کبھی اس قسم کا ذکر نہیں آیا۔

مستری ظہور الدین راوی ہیں کہ حضرت سلمہٗ کئی مرتبہ میری ضروریات میں دو دو، چار چار روپے بطور اعانت مجھے عطا فرمانا چاہتے اور میں لینے سے عذر کر دیتا۔ لیکن جب میں نے دیکھا کہ دوسرے لوگوں کو حضرت کچھ عطا فرماتے ہیں تو وہ چپکے سے لے لیتے ہیں۔ میں نے ارادہ کر لیا کہ اب اگر مجھے کچھ عطا فرمائیں گے تو میں بھی لے لیا کروں گا۔ اسی دن ایک صحبت میں حضرت نے فرمایا کہ شیخِ طریقت کے پاس نقد و زر لینے کے لیے نہیں آتے بلکہ کچھ اور حاصل کرنے کے لیے حاضر ہوتے ہیں اور نہ پھر کبھی کچھ نقدی مجھے عطا فرمائی۔

شبا روزی معمولات اور تقسیم اوقات: حضرت بالالتزام روزانہ نماز تہجد کے وقت بیدار ہو کر[1] گھر ہی میں نوافل ادا کرتے ہیں اور پھر باتباع سنت قدرے آرام فرماتے ہیں۔ پو پھٹے مسجد میں فجر کی اذان ہوتی ہے۔ ذاکرین و متوسلین نماز فجر کے لیے مسجد میں جمع ہو کر ذکر و شغل میں لگ جاتے ہیں۔ ادھر آپ تجدیدِ وضو فرما کر سنتوں کے بعد ٹھیک ایسے وقت مسجد میں تشریف لاتے ہیں کہ حنفی مسلک کے موافق ہر دو رکعت میں سورۂ طٰہٰ یا سورہ والصّٰفّٰت کے برابر کوئی سُورت طلوع آفتاب سے پیشتر تک پڑھی جا سکے۔

نمازِ فجر کے بعد مصلائے نماز پر بیٹھے بیٹھے آپ ختم خواجگان خاص متوسلین کے ساتھ پڑھتے ہیں۔ اس کے بعد حلقہ ہوتا ہے جس میں آپ اہلِ حلقہ کو توجہ دیتے ہیں۔ یہ رُوحانی صحبت کم و بیش ایک گھنٹہ تک جاری رہتی ہے اور سُورج

---

[1] حضرت مدظلہ العالی کا سونا بہت ہی کم برائے نام ہوتا ہے۔ نماز عشا سے فراغت عموماً قریب بارہ بجے شب کے ہوتی ہے۔ پھر تھوڑا ہی آرام فرما کر بیدار ہو جاتے ہیں۔ نماز تہجد میں کئی دفعہ آپ کی پچاس بار سورہ یٰسین پڑھنے تک نوبت پہنچ گئی ہے۔ رمضان شریف میں تمام شب مع خدام مشغول قیام اللیل رہتے ہیں۔ آپ اس وقت زمرۂ کانوا قلیلا من اللیل مایھجعون اور تتجافٰی جنوبھم عن المضاجع کے برگزیدہ فرد اور مضمون آیات مذکورہ کے کامل مصداق ہیں۔ ۱۲۔ غلام رسول عفی عنہ

اچھا خاصا بلند ہو جاتا ہے۔ پھر آپ چائے نوش فرمانے کے لیے اندر تشریف لے جاتے ہیں۔

مسجد سے متصل جانب شمال کتب خانہ ہے۔ اس کے متصل ایک خوبصورت کمرہ خاص حضرت کی نشست گاہ ہے جس کا نام تسبیح خانہ ہے۔ نو ساڑھے نو بجے آپ تسبیح خانہ میں تشریف لاتے ہیں۔ اس وقت اکثر متوسلین خصوصاً جو روحانی تربیت پا رہے ہوں۔ آپ کے پاس حاضر ہوتے ہیں۔ کیونکہ صحبتِ شیخ ان کے وظائفِ خصوصیہ میں داخل ہے ان کا فرض ہوتا ہے کہ اپنے ظاہر و باطن کو بجمعِ ہمت متوجہ بمرشد رکھیں۔ اس وقت ذکر و شغل یا از خود مطالعۂ کتاب یا کسی نوادر کی طرف توجہ اور اس سے مصافحہ و معانقہ بھی آدابِ صحبت کے خلاف ہے ؎

بر دوختہ ام دیدہ چو باز از ہمہ عالم
تا دیدۂ من بر رُخِ زیبائے تو باز ست

اس صحبت میں آپ مختلف علمی مباحث اور دینی مسائل کا ذکر فرمایا کرتے ہیں۔ علمی ذوق رکھنے والے اس گفتگو میں حصہ لیتے ہیں اور دوسرے اصحاب خاموش سنتے ہیں۔ بعض صرف استفاضہ حضوری پر اکتفا رکھتے ہیں اور ان پر بعض مرتبہ ایک سکر و استغراق کی حالت طاری ہو جاتی ہے ؎

شد ز بیداریٔ من صبحِ قیامت نومید
برد از بسکہ تماشائے تو از ہوش مرا

گیارہ بجے کے قریب گھر میں تشریف لے جاتے ہیں اور کھانا تناول فرماتے ہیں۔ اس کے بعد آپ کے قیلولہ کا وقت ہے۔ گرمی کی شدت میں ظہر کی اذان قریباً دو بجے ہوتی ہے اور جماعت تین بجنے سے پہلے ہو جاتی ہے اور اس کے علاوہ[1] بجرد زوال اذان ہوتی ہے اور تھوڑی دیر کے بعد جماعت قائم ہو جاتی ہے۔ نماز کے بعد آپ رو بقبلہ اور دو زانو بیٹھ کر قرآن مجید کی تلاوت کرتے ہیں۔ جس کی مقدار ایک منزل (مطابق فمی بشوق کے) ہوتی ہے۔ پھر بعض وظائف مقررہ پڑھتے ہیں۔ بعض خاص متوسلین زیر تربیت اس وقت بھی حصولِ فیض کے لیے آپ کے ارد گرد بیٹھے رہتے ہیں ؎

ز دیدنت نتوانم کہ دیدہ بر بندم
گر از مقابلہ بینم کہ تیر مے آید

---

[1] یعنی موسم سرما میں ۱۲ م

اس کے بعد آپ گھر میں چائے نوش فرما کر تسبیح خانہ میں یا اس کے برآمدہ میں (حسب تقاضائے موسم) تشریف رکھتے ہیں اور متوسلین بھی حاضر ہوتے ہیں۔ یہ صحبت بھی علمی گفتگو اور روحانی افاضہ پر مشتمل ہوتی ہے۔ چار بجے یا پانچ بجنے کے بعد حسب اختلاف موسم نمازِ عصر سے فارغ ہو کر اسی مجلس میں ختم خواجگان پڑھتے ہیں۔ جس کے بعد اسی جگہ یا تسبیح خانہ میں یا اور جگہ تشریف فرما ہوتے ہیں اور علمی صحبت کا وہی رنگ جم جاتا ہے[1]۔

مغرب کی نماز کے بعد سب اصحاب کھانے سے فارغ ہو جاتے ہیں تو آپ کسی قدر توقف کے ساتھ تسبیح خانہ میں تشریف فرما ہو جاتے ہیں۔ متوسلین بھی یکے بعد دیگرے حاضر ہوتے اور حلقہ بستہ بیٹھتے جاتے ہیں۔ اس وقت حضور بعض کتب کا مطالعہ فرماتے ہیں۔ متوسلین دو زانو دست بر ناف بستہ بصورت حلقہ خاموش بیٹھے رہتے ہیں۔ بعض اہل حال پر اس وقت سکر و بیخودی طاری ہو جاتی ہے۔ کبھی آپ بعض خاص علمی مباحث اور اختلافی مسائل پر گفتگو فرماتے ہیں اور اس سلسلہ میں تفسیر، حدیث، اسماء الرجال، لغت کی کتابوں کی دیکھ بھال (یعنی ورق گردانی) بڑی سرگرمی اور توجہ سے جاری رہتی ہے۔ یہ صحبت خصوصیت کے ساتھ زیادہ گرماگرم ہوتی ہے۔ جس میں عموماً رات کے گیارہ بج جاتے ہیں۔ اس لیے نمازِ عشاء کی قرأت میں آپ سورۃ التین اور سورۃ القدر یا انہی کے برابر اور چھوٹی سورتوں پر اکتفا فرماتے ہیں[2]۔

مذاکراتِ علمیہ

حضرت کا آستانہ صرف سلوک و طریقت کی تربیت گاہ ہی نہیں بلکہ اس کے دوش بدوش وہ ایک عظیم الشان علمی دربار کی حیثیت بھی رکھتا ہے۔ یہاں ہر علم و فن کی گرانمایہ کتابوں کا عظیم الشان ذخیرہ موجود ہے اور وہ تمام آنے جانے والے علماء و فضلاء کے مطالعہ کے لیے وقف ہے۔

علماء کے پاس کتابوں کا کافی ذخیرہ نہ ہو یا ان کے قرب و جوار میں کوئی بڑا کتب خانہ نہ ہو تو ان کی مثال ایک بے پر

---

[1] عموماً بعد صبح ختم شریف سے فارغ ہونے کے بعد مکتوبات امام ربانی مجدد الف ثانی قدس سرہٗ یا رسائل حضرات مجددیہ رحمہم اللہ کا درس ہوتا تھا اور یہی سلسلہ حضرت سیدنا و مولانا محمد عبداللہ صاحب قدس سرہٗ کے عہد مبارک میں جاری رہا اور اب ان کے بعد حضرت مولانا ابوالخلیل خان محمد صاحب مدظلہ العالی بھی بیشتر اس پر عمل فرماتے ہیں ۱۲ ع [2] فضل فی علم خیر من فضل فی عبادۃ۔ علم میں افضل ہونا عبادت میں افضل ہونے سے بہتر ہے (مشکوٰۃ۔ باب العلم عن عائشہؓ مرفوعاً)

پرندہ کی سی ہے۔ جس کے وجود میں پرواز کی صلاحیت تو ہے مگر سامانِ پرواز نہیں۔ یہی حال اکثر بے چارے علما کا ہے۔ ان کو نئے سے نئے پیش آنے والے مسائل میں علمی تحقیقات کی پیاس بیتاب کرتی رہتی ہے۔ مگر وہ اس پیاس کو بجھانے کا سامان نہیں پاتے اور ان کا ہاتھ اس سامان کو مہیا کرنے سے قاصر ہے۔ حضرت کے ذی علم خلفاء و متوسلین جب حاضرِ آستانہ ہوتے ہیں تو شوقِ زیارت کے ساتھ یہ علمی تشنہ کامی بھی ساتھ لاتے ہیں۔ یہاں خاص خاص علمی مسائل کی خوب چھان بین ہوتی ہے۔ تحقیق و تدقیق کی پوری داد دی جاتی ہے۔ علوم و فنون کا بے پایاں سمندر سامنے موجیں مار رہا ہے اور دریائے علم کے شناور اپنے تفقہ و نکتہ رسی کے کمال دکھا رہے ہیں۔ بعض اوقات میں نے دیکھا کہ کسی ایک ہی مسئلے کے متعلق گفت و شنید اور غور و فکر میں کئی کئی دن گزر گئے۔ خود حضرت اس بزمِ تحقیق کے صدر ہوتے ہیں اور آپ پر اس وقت خصوصاً علماء کے حضور میں مسئلۂ زیرِ بحث کی تحقیقات کا غلبۂ ذوق یہاں تک ہوتا ہے کہ ظہر کی نماز کے بعد تلاوت سے فارغ ہوئے تو معاً ارشاد ہوتا ہے کہ لاؤ فلاں تفسیر اس میں بھی یہ مسئلہ دیکھ لیں۔ عصر کے بعد ختمِ خواجگان سے فراغت ہوئی تو پھر فرمائش کہ لاؤ فلاں شرح بخاری، دیکھیں شاید اس میں بھی کچھ لکھا ہو۔ مغرب کے بعد بھی فوراً یہ حکم کہ لاؤ فلاں لغت کی کتاب، دیکھیں اس میں اس لفظ کی کیا تشریح کی ہے۔

میری حاضری خانقاہ سے دس بارہ روز پیشتر موضع مجوکا ضلع شاہپور میں اہلِ سنت اور فرقہ مرزائیہ میں وہ عظیم الشان مناظرہ ہوا تھا جس کی شہرت سے یہ تمام علاقہ گونج اٹھا اور اس نواح میں اس شان اور اس نوعیت کا یہ پہلا اجتماع تھا جس میں سنا ہے کہ پندرہ ہزار مسلمان شریک ہوئے اور مرزائی مناظرین کو شکستِ فاش ملی۔ مولوی محمد شفیع صاحب گمبیالی ارکانِ مناظرہ میں شامل تھے۔ چند روز بعد وہ حضرت کی خدمت میں حاضر ہوئے اور مناظرہ کی تمام کارروائی اور فریقین کے دلائل بہ تفصیل عرض کیے۔ حیاتِ مسیح کی بحث میں آیت وَمَا قَتَلُوْهُ يَقِيْنًا بَلْ رَّفَعَهُ اللّٰهُ اِلَيْهِ محورِ کلام تھی۔ مجلسِ مناظرہ میں تو اس پر جو بحث و تمحیص ہوئی ہوگی سو ہوئی ہوگی، یہاں جو اس کا ذکر آیا تو از سرِ نو تحقیق و تدقیق کی عینکیں آنکھوں پر چڑھ گئیں۔ اس آیت پر وہ اہم لفظ جس کے معنیٰ متنوعہ دونوں فریقوں کو باہم ٹکرا رہے ہیں 'بل' ہے، حرفِ اضراب ہے۔ اب اس لفظ کی تحقیق پر سارا زور صرف ہو رہا ہے کہ یہ ابطالیہ ہے یا انتقالیہ اور اس کے لیے قاموس۔ تاج العروس۔ مفردات امام راغب۔ لغات القرآن وغیرہ بہت سی کتابیں چھان ڈالیں۔ اس بحث سے متعلق ایک اور آیت کا اہم لفظ شُبِّهَ لَهُمْ ہے۔ کبھی اس پر گفتگو ہو رہی ہے کہ اس کے معنیٰ کیا ہیں؟ ان کو شبہ میں ڈال دیا گیا یا ان کے لیے صورت مشابہ کر دی گئی اور اس تحقیق میں کبھی شاہ ولی اللہؒ کا ترجمہ دیکھا جا رہا ہے، کبھی شاہ عبدالقادرؒ کا اور کبھی شیخ الہندؒ کا۔ صرف انہی تحقیقات میں پورے تین دن گزر گئے۔

ماتعلّق بالقرآن

ایک روز فرمایا۔ میں روزانہ قرآن مجید کی ایک منزل پڑھتا ہوں جس پر قریباً چالیس منٹ صرف ہوتے ہیں۔ پہلی منزل ذرا بڑی ہے۔ اس پر پانچ چھ منٹ زیادہ لگتے ہوں گے۔ باقی ہر منزل قریباً چالیس منٹ میں ختم ہو جاتی ہے۔ تلاوت کے اسی سلسلے میں کہیں کہیں قرآن کے معانی و مطالب پر غور و تدبر کرنے کا موقع بھی پیش آتا رہتا ہے[1]۔ اور بعض اوقات کسی مشکل مقام کے متعلق کوئی ایسی تاویل سوجھ جاتی ہے جو کسی متداول تفسیر میں نظر سے نہیں گزری۔ پھر اس قسم کی تاویلات کے چند نظائر آپ نے بیان فرمائے جن میں سے ایک تقریر قارون کے متعلق تھی۔

قارون کا جرم کیا تھا؟ : فرمایا قارون کے بارے میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ فَخَسَفْنَا بِهٖ وَ بِدَارِهِ الْاَرْضَ (پھر ہم نے قارون کو اور اس کے گھر کو زمین میں دھنسا دیا) اور جمہور مفسرین نے لکھا ہے کہ قارون کے لیے یہ خسف کا عذاب اس بنا پر تھا کہ اس نے حضرت موسیٰ علیہ السلام پر زنا کی تہمت لگائی تھی۔ مگر قرآن مجید کے سیاق و سباق پر نظر کی جاتی ہے تو یہ تہمتِ زنا کی روایت بالکل غلط معلوم ہوتی ہے۔ قرآن مجید میں عاد، ثمود، قومِ لوط، اصحابِ ایکہ اور فرعون وغیرہ وغیرہ جن مجرموں پر عذاب کے نازل ہونے کا ذکر آیا ہے۔ اس کے ساتھ ہی ہر ایک مجرم کی فردِ جرم بھی سنا دی گئی ہے۔ چنانچہ عاد کا تکبر و سرکشی، ثمود کی بت پرستی، قومِ لوط کی بدکاری، اصحابِ ایکہ کی رہزنی و بدمعاملگی اور فرعون کا دعوئ خدائی، یہ سب کچھ قرآن میں مذکور ہے۔ اب ہم دیکھتے ہیں، قرآن نے قارون پر کیا جرم قائم کیا ہے؟

---

[1] قرآن مجید کی کل سات منزلیں ہیں اور ہر منزل چار پارہ کے لگ بھگ ہوتی ہے۔ تلاوت کی اتنی بڑی مقدار کا چالیس منٹ کے اندر اختتام پانا اور وہ بھی معانی پر غور و تدبر کے ساتھ بظاہر محال نظر آتا ہے۔ مگر حقیقت یہ ہے کہ یہ عقلاً محال نہیں۔ بلکہ یہ جو بیان کیا گیا ہے کہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ چلتے پھرتے ہر قدم میں ایک قرآن مجید ختم کرتے تھے تو عقل اس کے امکان کا بھی فتویٰ دیتی ہے۔ کیونکہ تلاوت ایک حرکتِ لسان ہے۔ اور حرکت کے لیے زمانہ کی کوئی خاص مقدار متعین نہیں۔ ریل گاڑی پچاس میل ایک گھنٹے میں طے کرتی ہے، ہوائی جہاز اس مسافت کو آدھ گھنٹے میں طے کرتا ہے۔ توپ کے گولے کے لیے یہ چار منٹ کا کام ہے اور بجلی کے شعلے کے لیے صرف ایک سیکنڈ کا۔ مگر آفتاب کی روشنی اس مسافت کو صرف $\frac{1}{3720}$ سیکنڈ (یعنی ایک ثانیہ کے تین ہزار سات سو بیسویں حصے میں) طے کرتی ہے۔ اس اتنی تلاوت چالیس منٹ میں کرجانا محال عادی کہلا سکتا ہے۔ مگر خاصانِ حق کے افعال عادتِ عام سے بالاتر ہوتے ہیں ۱۲ منہ، اس قسم کے واقعات طیِّ زمان و مکان سے تعلق رکھتے ہیں جو اولیاء اللہ کی ادنیٰ کرامات میں سے ہے ۱۲ (مفتی عطا محمد سلمہٗ)

قارون کا ذکر قرآن مجید میں صرف تین جگہ آیا ہے۔ اول سورہ قصص ع ۸ میں ارشاد ہے:۔

اِنَّ قَارُوْنَ كَانَ مِنْ قَوْمِ مُوْسٰى فَبَغٰى عَلَيْهِمْ وَاٰتَيْنٰهُ مِنَ الْكُنُوْزِ مَآ اِنَّ مَفَاتِحَهٗ لَتَنُوْٓءُ بِالْعُصْبَةِ اُولِي الْقُوَّةِ ۚ اِذْ قَالَ لَهٗ قَوْمُهٗ لَا تَفْرَحْ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ الْفَرِحِيْنَ ۝	قارون موسیٰ کی قوم (بنی اسرائیل) سے تھا۔ پھر لگا ان پر تکبر یا ظلم کرنے اور ہم نے اس کو اتنے خزانے دیے تھے کہ کئی اچھے زبردست آدمیوں کو ان کی کنجیاں اٹھانا مشکل ہوتا۔ ایک بار اس کی قوم والوں نے اس سے کہا اتنا مت اترا۔ کیونکہ اللہ اترانے والوں کو پسند نہیں کرتا۔

چند آیات آگے ارشاد ہے:۔

فَخَرَجَ عَلٰى قَوْمِهٖ فِيْ زِيْنَتِهٖ ؕ	قارون اپنا جلوس لے کر لوگوں پر نکلا۔

دوم سورہ عنکبوت ع ۴ میں وارد ہے:۔

وَقَارُوْنَ وَفِرْعَوْنَ وَهَامٰنَ ۚ وَلَقَدْ جَآءَهُمْ مُّوْسٰى بِالْبَيِّنٰتِ فَاسْتَكْبَرُوْا فِي الْاَرْضِ وَمَا كَانُوْا سٰبِقِيْنَ ۝	اور قارون اور فرعون اور ہامان کو بھی (ہم نے برباد کیا) اور ان کے پاس موسےٰ کھلی نشانیاں لے کر آئے۔ پس وہ ملک میں اکڑتے ہی رہے اور (ہم سے) بچ کر آگے جانے والے نہ تھے۔

سوم سورہ المومن ع ۳ میں آیا ہے:۔

وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا مُوْسٰى بِاٰيٰتِنَا وَسُلْطٰنٍ مُّبِيْنٍ ۝ اِلٰى فِرْعَوْنَ وَهَامٰنَ وَقَارُوْنَ فَقَالُوْا سٰحِرٌ كَذَّابٌ ۝	اور ہم تو موسےٰ کو اپنی نشانیاں اور کھلی دلیل (توریت) دے کر فرعون اور ہامان اور قارون کی طرف بھیج چکے ہیں۔ انہوں نے موسیٰ کو جھوٹا جادوگر بتایا۔

کیا ان آیات میں کہیں تہمت زنا کا ذکر ہے؛ جو قارون نے موسےٰ علیہ السلام پر لگائی۔ کہیں نہیں۔ بلکہ یہاں قارون کا نمایاں ترین جرم صرف اس کے تکبر و غرور اور خود نمائی کی شکل میں ظاہر ہو رہا ہے۔ چنانچہ پہلے ارشاد ہے کہ وہ اپنی قوم پر تکبر کرنے لگا اور اس کے خزائن اتنے فراواں تھے کہ ان کے باعث تکبر میں آجانا قرین قیاس تھا۔ لوگ بھی اس کے تکبر و غرور

لہ بغی علیہم از بغی ظلم۔ بعض کہتے ہیں کہ فرعون نے اس کو بنی اسرائیل کا افسر بنا دیا تھا تو وہ ان پر ظلم کرنے لگا یا یہ لفظ بغی تکبر سے، ماخوذ ہے۔ کیونکہ وہ بنی اسرائیل پر اپنے مال و اولاد سے تکبر کرتا تھا اور ان کے لباس سے ایک بالشت بھر لمبا لباس پہنتا تھا۔ (مدارک)

کو محسوس کرکے اس سے باز رکھنے کی کوشش کرتے تھے مگر وہ بجائے نصیحت قبول کرنے کے اور بھی ان کو چڑانے کے لیے متکبرانہ آن بان کے ساتھ نکلتا تھا۔ پھر صاف فرما دیا کہ وہ علانیہ تکبر کا مرتکب ہوا۔ اس کے بعد بیان فرمایا کہ اس نے فرعون اور ہامان کا ہمنوا بن کر موسیٰ کو ایک جھوٹے جادوگر کا لقب دیا۔ یہ استکبار بھی اس کے تکبر ہی کے مقتضیات سے تھا۔

پھر حضرت نے فرمایا میرے نزدیک قارون کا خسف اس کی تہمتِ زنا کی وجہ سے نہیں، بلکہ محض اس کے تکبر و غرور کی وجہ سے وقوع میں آیا۔

قارون کا خسف اس کے کبر و غرور کے سبب سے ہونا نہ صرف قرآن مجید سے ثابت ہے بلکہ یہ بات حدیث سے بھی پائی جاتی ہے کہ عذاب[۱] خسف کا باعث تکبر کے سوا کوئی نہیں۔

قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بَيْنَمَا رَجُلٌ يَجُرُّ إِزَارَهُ مِنَ الْخُيَلَاءِ خُسِفَ بِهٖ فَهُوَ يَتَجَلْجَلُ فِي الْأَرْضِ إِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ[۲]

فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ ایک شخص اس اثنا میں کہ وہ تکبر سے اپنا لمبا تہمد کھینچتا چلا جاتا تھا زمین میں دھنسا دیا گیا، پس وہ قیامت تک کے لیے دھنستا چلا جا رہا ہے۔

تہمتِ زنا کی مذکورہ روایت از روئے قیاس بھی بے ہودہ معلوم ہوتی ہے۔ کیونکہ اگر قارون حضرت موسیٰ کے ساتھ بغض و عداوت رکھنے کی بنا پر کوئی تہمت ان پر لگاتا تو ضرور اس سے ضرر رسانی مقصود ہوتی اور ضرر اسی صورت میں متصور ہو سکتا ہے کہ اس تہمت کو سن کر عوام کے دھوکا کھانے کا احتمال ہو۔ لیکن حالت یہ ہے کہ لوگ ایک عام ذی عزت و شریف آدمی کے بارے میں بھی اس قسم کی تہمت کو صحیح ماننے کے لیے تیار نہیں ہوتے، چہ جائیکہ ایک ایسی برتر ہستی کے حق میں جس کو وہ نبیٔ مرسل، برگزیدۂ حق اور متمم مکارم اخلاق سمجھتے ہوں۔ پس ایسی صورت میں یہ تہمت حضرت موسیٰ کے لیے کیا مؤثر ہو سکتی ہے اور قارون کے جیسے[۳] ہوشیار و چالاک آدمی سے ایک بیکار و غیر مؤثر فعل کا وقوع کب متوقع ہے۔ لامحالہ یہ روایت اسرائیلیات کی قبیل سے ہوگی جو ہر طرح کی لغویت و بے ہودگی کی مظہر ہوتی ہیں اور جن میں انبیاء و مرسلین کی تخفیفِ[۴] شان تک کی پروا نہیں کی جاتی۔

۱؎ حضرت اعلیٰ قدس سرہٗ کی تحقیق خسفِ قارون کے سبب ظاہر کے بارے میں نہایت اعلیٰ اور قرآن و حدیث سے مؤید ہے لیکن غالباً آپ کا منشائے مبارک اسبابِ خسف کو تکبر میں محصور کر دینا نہ تھا جب کہ عرشی صاحبؒ کی تقریر و بیان سے ظاہر ہو رہا ہے بلکہ یہ ہے کہ یہاں خسف کا اہم سبب تکبر تھا اور حدیث شریف بھی اسی امر کی وضاحت کرتی ہے۔ واللہ اعلم (مفتی عطا محمد سلمہٗ)

۲؎ بخاری۔ عن ابن عمرؓ (مشکوٰۃ کتاب اللباس)   ۳؎ یعنی قارون جیسے ۱۲ م

۴؎ کسر شان اور توہین ۱۲ م

حضرت داؤدؑ کے کس قصور پر عتابؒ ہوا تھا؟ : ایک روز فرمایا حضرت داؤد علیہ السلام کا جو ذکر

قرآن مجید کی ان آیات میں آیا ہے کہ :-

وَاذْكُرْ عَبْدَنَا دَاوُدَ ذَا الْأَيْدِ ۖ إِنَّهُ أَوَّابٌ ۝ إِنَّا
سَخَّرْنَا الْجِبَالَ مَعَهُ يُسَبِّحْنَ بِالْعَشِيِّ وَالْإِشْرَاقِ ۝
وَالطَّيْرَ مَحْشُورَةً ۝ كُلٌّ لَّهُ أَوَّابٌ ۝ وَشَدَدْنَا
مُلْكَهُ وَآتَيْنَاهُ الْحِكْمَةَ وَفَصْلَ الْخِطَابِ ۝
وَهَلْ أَتَاكَ نَبَأُ الْخَصْمِ ۘ إِذْ تَسَوَّرُوا
الْمِحْرَابَ ۝ إِذْ دَخَلُوا عَلَىٰ دَاوُدَ فَفَزِعَ مِنْهُمْ
قَالُوا لَا تَخَفْ ۖ خَصْمَانِ بَغَىٰ بَعْضُنَا
عَلَىٰ بَعْضٍ فَاحْكُم بَيْنَنَا بِالْحَقِّ وَلَا تُشْطِطْ
وَاهْدِنَا إِلَىٰ سَوَاءِ الصِّرَاطِ ۝ إِنَّ
هَٰذَا أَخِي لَهُ تِسْعٌ وَتِسْعُونَ نَعْجَةً
وَلِيَ نَعْجَةٌ وَاحِدَةٌ فَقَالَ أَكْفِلْنِيهَا
وَعَزَّنِي فِي الْخِطَابِ ۝ قَالَ لَقَدْ
ظَلَمَكَ بِسُؤَالِ نَعْجَتِكَ إِلَىٰ نِعَاجِهِ ۖ
وَإِنَّ كَثِيرًا مِّنَ الْخُلَطَاءِ لَيَبْغِي
بَعْضُهُمْ عَلَىٰ بَعْضٍ إِلَّا الَّذِينَ آمَنُوا
وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ وَقَلِيلٌ مَّا هُمْ ۗ
وَظَنَّ دَاوُدُ أَنَّمَا فَتَنَّاهُ فَاسْتَغْفَرَ رَبَّهُ
وَخَرَّ رَاكِعًا وَأَنَابَ ۩ فَغَفَرْنَا لَهُ
ذَٰلِكَ ۖ وَإِنَّ لَهُ عِندَنَا لَزُلْفَىٰ وَ

اور ہمارے بندے داؤدؑ (پیغمبر) کو یاد کرو جو زور والا تھا۔ کیونکہ وہ (اللہ کی طرف) بہت رجوع کرنے والا تھا۔ ہم نے پہاڑوں کو اس کا تابعدار بنا دیا تھا وہ سورج ڈھلے اور سورج نکلے اس کے ساتھ تسبیح کرتے اور پرندوں کو بھی وہ سب جمع ہو کر اس کی طرف رجوع رہتے اور اس کی سلطنت کو ہم نے مضبوط کر دیا تھا اور ہم نے اس کو تدبیر دی تھی اور فیصلہ کن بات۔ اور کیا تم کو ان جھگڑنے والوں کی خبر بھی پہنچی ہے۔ جو دیوار پھاند کر (داؤدؑ کے) عبادت خانے میں آ پہنچے۔ جب داؤدؑ کے پاس گھس آئے۔ وہ ان کو دیکھ کر گھبرا گئے۔ انہوں نے کہا ڈرو نہیں۔ ہم دونوں میں تنازعہ ہے۔ ہم میں سے ایک نے دوسرے پر ظلم کیا ہے۔ پس تم انصاف سے ہم میں فیصلہ کر دو اور بے انصافی نہ کرو۔ اور ہم کو سیدھی راہ بتا دو۔ (یہ) میرا بھائی ہے۔ اس کے پاس ننانویں دنبیاں ہیں اور میرے پاس صرف ایک دنبی ہے۔ اب وہ کہتا ہے کہ اس (ایک دنبی) کو بھی میرے حوالے کر دے اور گفتگو میں مجھے دبا لیتا ہے۔ داؤدؑ نے کہا بیشک یہ تجھ پر ظلم کرتا ہے جو تیری ایک دنبی مانگ کر اپنی ننانویں دنبیوں میں ملانا چاہتا ہے۔ اور اکثر شریک لوگ ایک دوسرے پر زیادتی کرتے رہتے ہیں۔ مگر وہ جو ایمان لائے اور اچھے کام کرتے رہے اور ایسے لوگ بہت کم ہیں اور داؤدؑ کو خیال ہوا کہ (یہ مقدمہ نہ تھا) بلکہ ہم نے اس کو آزمایا تھا۔ اسی وقت انہوں نے اپنے پروردگار سے معافی مانگی اور سجدے میں گر پڑے اور رجوع ہو گئے آخر ہم نے ان کا یہ قصور معاف کر دیا۔ اور بیشک

حُسْنَ مَاٰبٍ ○ يٰدَاوٗدُ اِنَّا جَعَلْنٰكَ خَلِيْفَةً فِى الْاَرْضِ فَاحْكُمْ بَيْنَ النَّاسِ بِالْحَقِّ وَلَا تَتَّبِعِ الْهَوٰى فَيُضِلَّكَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اِنَّ الَّذِيْنَ يَضِلُّوْنَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ لَهُمْ عَذَابٌ شَدِيْدٌۢ بِمَا نَسُوْا يَوْمَ الْحِسَابِ ○

داؤد کے لیے ہمارے پاس قرب اور اچھا ٹھکانا ہے۔ اے داؤد ہم نے تم کو زمین کا فرمانروا بنایا ہے۔ پس لوگوں کا فیصلہ انصاف کے ساتھ کیا کرو اور نفس کی خواہش پر مت چلو۔ ورنہ وہ تم کو خدا کی راہ سے بھٹکا دیگی بیشک جو لوگ اللہ کی راہ سے بھٹک جاتے ہیں۔ ان کو سخت سزا ملے گی۔ اس لیے کہ وہ حساب (کے دن) کو بھول گئے۔

اس کی تفسیر میں ایک نہایت مکروہ و ناموزوں روایت پیش کی جاتی تھی جو اہل کتاب کی خرافات سے ہے۔ وہ یہ ہے کہ حضرت داؤد علیہ السلام کو اپنے ایک ملازم "اوریا" کی عورت پسند آگئی۔ باوجودیکہ ان کے حرم میں ننانویں بیویاں موجود تھیں۔ مگر اس عورت کے ساتھ نکاح کرنے کی بھی حرص ہوگئی اس لیے انہوں نے اوریا کو کسی شدید دشمن کے مقابلے میں فوج دے کر بھیجا تاکہ وہ وہاں مارا جائے۔ مگر وہ فتحیاب ہو کر آیا۔ پھر اس سے زیادہ سخت دشمن کے مقابلے میں بھیجا تو وہ اس پر بھی غالب آیا۔ تیسری مرتبہ کسی اور خونخوار تر دشمن کی طرف بھیجا۔ اس معرکہ میں وہ بیچارہ شہید ہوگیا اور حضرت داؤد نے اس کی عورت اپنے حرم میں داخل کرلی۔ اس پر حق تعالیٰ کی طرف سے عتاب ہوا اور بطور اتمام حجت دو فرشتے مدعی و مدعا علیہ کی صورت میں بھیجے۔ جنہوں نے ان کے پاس خلوت میں پہنچ کر یہ دنبی دنبیوں کا مقدمہ پیش کیا۔ جو درحقیقت خود حضرت داؤدؑ کے نامنصفانہ فعل کی طرف اشارہ تھا۔ کیونکہ عرب کے محاورہ میں عورت کو نعجہ (دنبی) بھی کہتے ہیں۔ مگر جب فریقین داؤد علیہ السلام کا فیصلہ سننے کے بعد ایک دوسرے کی طرف دیکھ کر مسکرا دیئے تو حضرت داؤدؑ کو تنبہ ہوا کہ یہ تو میرے لیے خدا کی طرف سے آزمائش تھی۔ اس پر انہوں نے اپنے اس فعل سے توبہ کی۔

قصہ پسند لوگوں نے اس روایت کو جو جہانگیر و شیر افگن خاں کے قصے سے کچھ کم مکروہ نہیں۔ ان آیات کی تفسیر میں اندھادھند بیان کرنا شروع کر دیا تو محققین نے اس کو نہایت ناپسند کیا اور کہا کہ جو مکروہ بات کسی عامی کے ساتھ منسوب کرتے بھی شرم آنی چاہیئے اس کو ایک نبی کے ساتھ منسوب کرنا انتہائی بے شرمی و بے حیائی ہے اور حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے منقول ہے کہ انہوں نے فرمایا جو شخص اس روایت کا قائل ہو اس کو ایک سو ساٹھ درّے کی سزا دی جائے جو انبیاء کے مفتری کی سزا ہے۔

مگر ہم حیران ہیں کہ "محققین" نے اس روایت کا انکار کیا ہے تو ایسے عجیب انداز میں کیا ہے جس کے اندر ایک حد تک

اقرار مضمر ہے۔ چنانچہ تفسیر خازن میں لکھا ہے:۔

"میں کہتا ہوں کہ محقق علمائے تفسیر کہتے ہیں کہ اس واقعہ میں حضرت داؤد کا صرف اتنا قصور تھا کہ انہوں نے اوریا سے کہا تم اپنی بیوی کو طلاق دے کر میرے حوالہ کر دو۔ بس اس بات پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے عتاب ہوا اور ان کے شغل بالدنیا پر تنبیہہ کی گئی۔ بعض کہتے ہیں کہ حضرت داؤد نے تمنا کی کہ کاش اوریا کی عورت میرے پاس ہوتی۔ اور پھر اوریا اتفاق سے ایک جنگ میں مارا گیا۔ مگر جب داؤد کو اس کی خبر پہنچی تو انہوں نے اس واقعہ پر کچھ غم کا اظہار نہ کیا۔ جیسے دیگر ملازموں کے مقتول ہونے پر کیا کرتے تھے۔ پھر اس کی عورت سے نکاح کر لیا۔ اس پر اللہ تعالےٰ کی طرف سے عتاب نازل ہوا۔ کیونکہ انبیاء کا قصور اگرچہ چھوٹا ہو اللہ کے نزدیک بڑا ہے"

اس بیان سے ثابت ہوا کہ محقق مفسرین نے اگرچہ اس روایت کے ایک گھناؤنے پہلو کو نظر انداز کر دیا مگر آخر اس کے ہیولیٰ کو تو صحیح تسلیم کر لیا۔ ہم پوچھتے ہیں کہ اگر ایک نبی کا دامن عصمت قتل رقیب کے دھبے کا متحمل نہیں تو کیا اس کی بلند شان یہ گوارا کر سکتی ہے کہ اس نے ایک نامحرم عورت کو پسندیدگی کی نظر سے دیکھا اور پھر اسے اس کے شوہر سے چھڑوا کر اپنے نکاح میں لانے کی آرزو کی؟ ھذا افک مبین ٥

معلوم نہیں کہ مفسرین کو اس نفرت انگیز اور اشکال خیز روایت کو صحیح ماننے کی کونسی ایسی مجبوری پیش آگئی تھی کہ یہ حضرات سرے سے اس کا انکار نہیں کر سکے اور انہیں چار وناچار اس کے کچھ حصے کی تاویل اور کچھ حصے کو تسلیم کرنا پڑا۔ حالانکہ نبوت کی علوِ شان کا تقاضا یہ تھا کہ اس کے خلاف کسی ایسی روایت کی بھی پروا نہ کی جائے جس کے بظاہر ثقہ ہونے کا گمان ہوتا ہو چہ جائیکہ مفتریاتِ یہود کی؟ لَوْلَآ اِذْ سَمِعْتُمُوْهُ قُلْتُمْ مَّا يَكُوْنُ لَنَآ اَنْ نَّتَكَلَّمَ بِهٰذَا سُبْحٰنَكَ هٰذَا بُهْتَانٌ عَظِيْمٌ ٥

پھر حضرت نے فرمایا۔ میرے نزدیک حضرت داؤد علیہ السلام کا قصور صرف یہ تھا جس کا ثبوت خود سیاق قرآن سے بھی ملتا ہے کہ وہ کثرت عبادت میں مہماتِ ملک داری سے کسی قدر پہلوتہی کرنے لگے تھے اور بعض ایام خاص عبادت کے لیے مخصوص کر لیے تھے جن میں کوئی دادخواہ ان کے پاس باریاب نہیں ہو سکتا تھا۔ دروازہ بند رہتا اور چھتیس سپاہی باہر پہرہ دیتے۔ عبادت ہر چند بزرگ ترین فضیلت ہے مگر ایک فرمانروائے ملک کے لیے اس میں یہ غلو اور عدمِ اعتدال خلافِ مصلحت ہے۔ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ ہمیشہ اور ہر وقت خاص وعام کے لیے کھلی رہتی تھی۔ لوگ اپنے گھر کے ادنیٰ ادنےٰ معاملات میں بھی مشورہ حاصل کرتے تھے اور کسی کو روک ٹوک نہ تھی۔ اس لیے بارگاہِ الٰہی میں حضرت داؤد کا یہ طرزِ عمل ناپسند ہوا۔

اور نَبَؤُا الْخَصْمِ کا وہ تنبیہی واقعہ پیش آیا جس کا ذکر آیات بالا میں ہے۔ ممکن ہے خصمین انسان ہوں اور وہ عدالت کا دروازہ بند پاکر دیوار پھاند کر داخل ہونے پر مجبور ہو گئے ہوں یا وہ فرشتے ہوں اور مقامِ خلوت میں ان کی آمد محض سبق آموزی کی غرض سے ہو۔ بہر کیف حضرت داؤد کو اپنے قصور پر تنبہ ہوا اور انہوں نے استغفار کی۔[ا]

اب سیاقِ قرآن کو دیکھو واذکر عبدنا داؤد انہ اواب یہاں حضرت داؤد کی کثرت عبادت کی طرف اشارہ ہے انا سخرنا (الآیۃ) ان کی طاعت و عبادت اور دعا و مناجات کی وہ کثرت تھی کہ پہاڑ بھی گونجتے رہتے اور پرندے تک متاثر ہو جاتے تھے۔ وشددنا ملکہ مگر وہ کوئی عابد تارک الدنیا نہ تھے۔ بلکہ ایک عظیم الشان سلطنت کے تاجدار اور آئین رعایا پروری کے ماہر تھے۔ وَآتَیْنٰہُ الْحِکْمَۃَ وَفَصْلَ الْخِطَابِ ان کو عدل و انصاف کے ساتھ فیصلے کرنے کی مہارت بھی بخشی گئی تھی۔ مگر انہوں نے محراب عبادت میں بیٹھ کر فرائض حکمرانی اور مہارت جہانبانی کو بالائے طاق رکھ دیا۔ اب داد خواہ کہاں جائیں ؟ ناچار وہ خلوت عبادت میں پہنچے یا حق تعالیٰ نے دو فرشتوں کو انسان کی صورت میں متمثل کر کے حضرت داؤد کو متنبہ کرنے کے لیے بھیجا جس سے ان کو اپنی غلطی محسوس ہوئی اور وہ تائب ہوئے۔ پھر ان کو فرض خلافت کی طرف توجہ دلاتے ہوئے فرمایا۔ یاداؤد انا جعلنٰک الخ اے داؤد ہم نے تم کو خلیفہ فی الارض بنایا ہے تم کوئی گوشہ نشین و خلوت گزیں عابد نہیں ہو کہ یوں یکہ و تنہا چلہ نشین ہو جاؤ۔ بلکہ تم محکمہ عدالت کے صدر نشین ہو۔ تمام لوگوں پر تمہارا دروازۂ عدل ہر وقت کھلا رہنا چاہیے۔ فاحکم بین الناس بالحق لوگوں کو باریابی سے نہ روکو اور ان میں حق کے ساتھ فصل خصومات کیا کرو۔ ان کلمات سے صاف ظاہر ہے کہ حضرت داؤد کا قصور صرف خلافت فی الارض کے فرائض میں کوتاہی اور حکم بین الناس سے کنارہ کشی تھا۔[۲] اگر معاذ اللہ وہی قصور ہوتا جو اسرائیلی روایات کی بنا پر مشہور ہے تو اس کی بجائے یوں خطاب ہوتا کہ اے داؤد! تم ایک پارسا اور نبی ہو۔ لوگوں کی بہو بیٹیوں کی تاک جھانک نہ کیا کرو اور دوسروں کی بیویوں کو اپنے نکاح میں لانے کی تمنا نہ کرو۔ وغیرہ وغیرہ۔ مگر ظاہر ہے کہ آیات میں ایسا کوئی اشارہ تک نہیں اور کیوں ہوتا، جب ان باتوں کا یہاں سان و گمان نہیں۔ پھر فرمایا ولا تتبع الھوٰی۔ یعنی اپنی خواہش کے موافق خلوت کے اندر ہر وقت عبادت میں منہمک نہ رہو بلکہ فصل خصومات کے لیے باہر بھی نکلو

[ا] امام سبکی سے بھی یہی تحقیق منقول ہے ۱۲ (مفتی عطا محمد سلمہ) [۲] حقیقت حال اور ادب مقام کا تقاضا ہے کہ اس تعبیر کا مفہوم حسب ذیل سمجھا جائے کہ منشائے خداوندی یہ تھا کہ بے تعیین اوقات جس وقت داد خواہ آئیں انکی فریاد سنی جائے حضرت داؤد علیہ السلام نے اپنی طرف سے جو عبادات اور فصل خصومات کیلئے تعیین ایام و اوقات فرمائی تھی۔ وہ خلافت ارضی کے فرائض انجام دینے میں مخل اور منشائے خداوندی کے خلاف تھی گویا اس تعیین میں حضرت داؤد علیہ السلام سے خطائی الاجتہاد ہو گئی تھی ۱۲ (مفتی عطا محمد سلمہ)

جو عبادت سے بڑھ کر اجر کا کام ہے۔ فیصلك عن سبیل الله ذکر و عبادت کی مفرط خواہش تم کو اپنے فرض منصبی سے غافل کر دے گی۔ جو اللہ نے تمہارے ذمہ ڈالی ہے اور گویا وہ اللہ کی قائم کردہ راہ ہے۔ چونکہ مہام سلطنت کی انجام دہی میں کوتاہی ایک غلطی تھی۔ اس لیے اس کو ضلالت سے تعبیر کیا ہے۔[۱]

سُورۂ نجم کا نظمِ آیات: ایک روز حضرت نے فرمایا سورۂ نجم مکی ہے اور تمام مکی سورتوں کا غالب مقصد دو باتوں پر مشتمل ہوتا ہے۔ (۱) اثباتِ رسالت

(۲) بیانِ توحید

چنانچہ اس سورت پر غور کرنے سے معلوم ہوگا کہ اس کی ہر آیت اسی مضمون کے سلسلے کی ایک ایک کڑی ہے۔ دیکھو پہلے نجم کی قسم کھا کر رسالت کی حقانیت کا دعویٰ فرمایا کہ مَاضَلَّ صَاحِبُكُمْ وَمَاغَوٰى تمہارے رفیق محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) سچے رسول ہیں بھٹکے اور بہکے ہوئے نہیں اور نہ اپنی خواہشِ نفسانی سے باتیں بناتے ہیں۔ اِنْ هُوَ اِلَّا وَحْیٌ یُّوْحٰى یہ وحی آسمانی ہے جو ان پر نازل ہوتی ہے۔

اس پر سوال ہو سکتا ہے کہ اگر رسول پر حق کی طرف سے وحی آتی ہے تو وحی کو آسمان کی اس بے پایاں مسافت سے زمین پر کس نے پہنچایا۔ یعنی رسول اور حق میں واسطہ کون ہے۔ اس کے متعلق ارشاد ہے عَلَّمَهٗ شَدِیْدُ الْقُوٰى ان کو جبریل (فرشتہ) تعلیم کرتا ہے۔ (اور آسمان سے زمین تک پیغام پہنچانا اس کے لیے مشکل نہیں۔ کیونکہ یہ وہ فرشتہ ہے) جس کی طاقتیں بڑی زبردست ہیں۔ ذُوْ مِرَّةٍ فَاسْتَوٰى ۝ وَهُوَ بِالْاُفُقِ الْاَعْلٰى وہ زور آور ہے (یہ مسافتِ طویل اس کے لیے اس قدر سہل ہے کہ) یا تو وہ آسمان کے اونچے کنارے میں تھا یا ابھی سامنے آکھڑا ہوا۔

یہاں کسی کو شبہ ہو سکتا ہے کہ رسول انسان ہیں اور وحی لانے والا فرشتہ ہے۔ پس واسطہ اور ذی واسطہ کے غیر متجانس ہونے سے پیغام کے لانے اور سمجھنے میں غلطی کا احتمال ہے۔ اس کے متعلق ارشاد ہے۔ ثُمَّ دَنَا فَتَدَلّٰى ۝ فَكَانَ قَابَ قَوْسَیْنِ اَوْ اَدْنٰى پھر ان سے نزدیک ہوا۔ پھر اتنا جھکا کہ دونوں میں دو کمانوں کی بقدر فاصلہ رہ گیا بلکہ

---

[۱] حضرت داؤد علیہ السلام کے مذکورہ واقعہ کے متعلق بالکل یہی تاویل راقم نے حضرت مولانا و استاذنا مولوی احمد علی صاحب امیر انجمن خدام الدین کے درسِ قرآن میں بھی سنی ہے معلوم ہوتا ہے کہ یہ توارد حقائق متاخرین پر خاص فضلِ الٰہی ہے۔ کما قال حضرت المجدد قدس سرہ الامجد "نسبت سابقاں بہاں طراوت و نضارت در متاخرین جلوہ گر گشتہ است" منہ۔ یہی تحقیق حضرت مولانا سید محمد انور شاہ کشمیری رحمۃ اللہ علیہ کی ہے جو حضرت مولانا شبیر احمد عثمانی نے اپنے فوائد قرآنی میں ذکر فرمائی ہے ۱۲۔ محبوب الٰہی عفی عنہ

اس سے بھی کم۔ پس اتنے قرب سے غلطی کا احتمال نہیں۔ فَاَوْحٰی اِلٰی عَبْدِہٖ مَآ اَوْحٰی ○ پس اللہ تعالیٰ کو اپنے بندے محمد صلے اللہ علیہ وسلم کی طرف جو وحی کرنی تھی سو کی۔ مَاکَذَبَ الْفُؤَادُ مَارَاٰی ○ پیغمبر نے جو کچھ دیکھا تھا (ان کے) دل نے اس میں کچھ جھوٹ نہیں ملایا[1]۔

اب کوئی منکر کہہ سکتا ہے کہ کیا معلوم وہ جبرئیل فرشتہ ہی ہو۔ ممکن ہے کوئی اور ہستی جبرئیل کے نام سے پیغمبر کو دھوکا دے رہی ہو۔ اس پر ارشاد ہے۔ اَفَتُمٰرُوْنَہٗ عَلٰی مَا یَرٰی ○ وَلَقَدْ رَاٰہُ نَزْلَۃً اُخْرٰی ○ پیغمبر نے جو (جبرئیل کو) دیکھا تو کیا تم لوگ ان سے اس بات میں جھگڑا کرتے ہو حالانکہ (جھگڑنے کی کوئی بات نہیں۔ کیونکہ وہ ان کا دیکھا پہچانا ہے) انہوں نے (معراج کی شب بھی) ایک مرتبہ اور دیکھا تھا۔ الخ پھر اَفَرَءَیْتُمُ اللّٰتَ وَالْعُزّٰی سے دوسرے مقصد یعنی بیان توحید کا مسئلہ شروع ہوتا ہے جو اپنے متعلقات سمیت آخر سورت تک چلا گیا ہے۔

سورۂ یوسف کی ایک آیت: ایک روز حضرت نے فرمایا کہ سورۂ یوسف کے رکوع ۷ میں ایک آیت ہے ذٰلِکَ لِیَعْلَمَ اَنِّیْ لَمْ اَخُنْہُ الخ اس میں جمہور مفسرین نے یعلم کا فاعل عزیز کو قرار دیا ہے۔ حالانکہ اس کا فاعل ملک مصر کو ہونا چاہیے۔

اس کا قصہ یہ ہے کہ جب زلیخا نے حضرت یوسف علیہ السلام سے اپنا ناجائز مقصد چاہا اور وہ اس سے دامن چھڑا کر بھاگے تو عین اس موقع پر عزیز مصر (جو شاہ مصر کا وزیر اور زلیخا کا خاوند تھا) آگیا۔ اب زلیخا نے الزام سے بچنے کے لیے الٹا حضرت یوسفؑ پر دست اندازی کی تہمت لگائی۔ مگر انہوں نے اپنی بریت ظاہر کی۔ عزیز حیران تھا کہ کس کو سچا سمجھے اور کس کو جھوٹا۔ آخر پیغمبر زادے کی کرامت بروئے کار آئی اور ایک شیر خوار بچے کی شہادت سے ثابت ہوا کہ یوسفؑ بے گناہ ہیں ساری خرابی زلیخا کی ہے۔ اس پر عزیز نے زلیخا سے کہا۔ اِنَّہٗ مِنْ کَیْدِکُنَّ اِنَّ کَیْدَکُنَّ عَظِیْمٌ ○ یہ تم عورتوں کے چرتر[2] ہیں۔ کچھ شک نہیں کہ تم عورتوں کے چرتر بڑے غضب کے ہوتے ہیں)

ہر چند کہ حضرت یوسفؑ کی بے گناہی میں کوئی شبہ نہ رہا۔ مگر ایک امیر الامراء کے حرم کا بدنام ہو جانا بھی کوئی معمولی بات نہ تھی۔ اس لیے محض اس داغ بدنامی سے بچنے کے لیے دیدہ و دانستہ حضرت یوسفؑ پر دست اندازی کا جھوٹا مقدمہ

---

[1] خط کشیدہ عبارت فقیر کی نظر میں آیت کا صحیح مفہوم ادا کرنے سے قاصر ہے۔ صحیح ترجمہ یہ ہے۔ (ان کے) دل نے اس کی تکذیب نہیں کی (بلکہ تصدیق کی) ۱۲۔ محبوب الٰہی عفی عنہ [2] چالبازی اور مکاری

قائم کیا گیا اور ان کو قید خانے بھجوا دیا۔

مدت کے بعد حضرت یوسف علیہ السلام نے قید خانے میں بیٹھے بیٹھے ایک تقریب سے بادشاہ کو اس معاملے پر توجہ دلائی۔ بادشاہ نے از سرِ نو تفتیش شروع کی اور زلیخا کو سرِ دربار بلا کر اصل حقیقت پوچھی۔ اب اس نے سچ سچ عرض کر دیا کہ سارا قصور میرا تھا، یوسف بے گناہ ہیں۔ اس پر حضرت یوسفؑ نے کہا۔ ذٰلِكَ لِيَعْلَمَ اَنِّيْ لَمْ اَخُنْهُ بِالْغَيْبِ وَاَنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِيْ كَيْدَ الْخَآئِنِيْنَ ۝ اور جمہور مفسرین کے موافق اس کا ترجمہ یوں ہے کہ یوسف علیہ السلام نے کہا (میں نے اس دبی دبائی بات کو اس لیے اکھاڑا) کہ عزیز کو معلوم ہو جائے کہ میں نے اس کی پس پشت اس کی (امانت میں) خیانت نہیں کی۔ اور یہ کہ خیانت کرنے والوں کی تدبیر کو اللہ چلنے نہیں دیا کرتا۔

حضرت نے فرمایا لیعلم کا ترجمہ "تاکہ عزیز کو معلوم ہو جائے" درست نہیں۔ بلکہ یوں چاہیے تاکہ بادشاہ کو معلوم ہو جائے۔ کیونکہ عزیز کو اصلیت معلوم کرانے کی کوئی ضرورت نہ تھی۔ وہ تو برسوں پہلے شیر خوار بچے کی شہادت ہی سے جان چکا تھا۔ کہ یوسف خائن نہیں۔ مرتکب گناہ نہیں۔ بلکہ سارا قصور زلیخا کا ہے۔ چنانچہ وہ زلیخا پر صریحاً کید عظیم کا الزام بھی لگا چکا تھا۔ اور اس کو توبہ کرنے کا حکم دے چکا تھا۔ پھر یہ مقدمہ محض دیدہ دانستہ بتقاضائے مصلحت دائر کیا تھا۔ البتہ بادشاہ پر معاملہ کی اصلیت کا اظہار واجب تھا۔ جس کے قانون کے ماتحت یوسفؑ قید ہوئے اور اب اسی پر ان کی بے گناہی ثابت کرنے کی ضرورت تھی۔ جس کے حکم پر ان کی رستگاری موقوف تھی۔ پس ٹھیک ترجمہ یوں ہے:۔

"یوسفؑ نے کہا (میں نے دبی دبائی بات کو) اس لیے (اکھاڑا) کہ بادشاہ کو معلوم ہو جائے کہ میں نے عزیز مصر کی پس پشت اس کی (امانت میں) خیانت نہیں کی الخ" ے

حضرت سلیمانؑ اور ان کے گھوڑے: سورہ ص میں حضرت سلیمان کا ایک واقعہ مذکور ہے:۔

وَوَهَبْنَا لِدَاوٗدَ سُلَيْمٰنَ ۭ نِعْمَ الْعَبْدُ ۭ اِنَّهٗٓ اَوَّابٌ ۝	اور ہم نے داؤد کو سلیمان (بیٹا) عنایت کیا اور وہ بھی ایک اچھے
اِذْ عُرِضَ عَلَيْهِ بِالْعَشِيِّ الصّٰفِنٰتُ الْجِيَادُ ۝	بندے (خدا کی طرف) رجوع رہنے والے تھے، جب سورج
فَقَالَ اِنِّىْٓ اَحْبَبْتُ حُبَّ الْخَيْرِ عَنْ	ڈھلے اصیل عمدہ گھوڑے ان کے سامنے لائے گئے تو کہنے لگے

ے ایک ہی جملہ میں لِيَعْلَمَ کی ضمیر فاعل، شاہ مصر کی طرف اور لَمْ اَخُنْهُ کی ضمیر مفعولی عزیز مصر کی طرف لوٹانے سے جو بظاہر انتشار ضمائر لازم آتا ہے اس کا جواب روح المعانی دیکھنے سے یہ نکلتا ہے کہ وزیر کے گھر کی مبینہ خیانت چونکہ بالواسطہ شاہ سے بھی تعلق رکھتی ہے، اس لیے ضمیر مفعول کو بھی شاہ کی طرف لوٹا دینا چاہیے۔ اب معنی یہ ہوں گے "تاکہ شاہ مصر جان لے کہ میں نے اس کی (حدود فرمانروائی میں) پس پردہ اس کے ساتھ کوئی خیانت نہیں کی" (مفتی عطا محمد تعبیر از محبوب الٰہی)

ذِكْرِ رَبِّي حَتّٰى تَوَارَتْ بِالْحِجَابِ رُدُّوْهَا عَلَيَّ فَطَفِقَ مَسْحًا بِالسُّوْقِ وَالْاَعْنَاقِ ٥

میں نے مال (یعنی گھوڑوں) کو اللہ کی یاد سے زیادہ چاہا۔ یہاں تک کہ سورج چھپ گیا۔ ان گھوڑوں کو میرے سامنے لاؤ۔ تو ان کی ٹانگیں اور گردنیں کاٹنی شروع کیں۔

یہ ترجمہ مفسرین کے قول کے موافق تھا۔ جو کہتے ہیں کہ حضرت سلیمان علیہ السلام گھوڑوں کے معائنے میں ایسے منہمک ہوئے کہ نماز کا خیال نہ رہا حتیٰ کہ سورج چھپ گیا۔ پھر اس طیش میں آکر کہ اسی مال کی دیکھ بھال نے مجھے نماز سے غافل کیا ہے، ان کو ہلاک کردیا۔ اس کے متعلق حضرت نے فرمایا قضائے نماز کے گناہ کا کفارہ گھوڑوں کے قتل و ہلاک سے کیونکر ہو سکتا ہے۔ اضاعت مال حرام ہے[1]۔ اور پیغمبر ایسے افعال سے معصوم ہیں۔ ایک گناہ سے توبہ کی جاتی ہے تو استغفار و انابت سے کی جاتی ہے نہ کہ دوسرے فعل حرام کے ارتکاب سے۔ لہٰذا میرے نزدیک مسحاً بالسوق والاعناق سے ٹانگوں اور گردنوں کو کاٹنا مراد نہیں۔ بلکہ ٹانگوں اور گردنوں کو داغ کرنا مراد ہے۔ اور یہ بات تواریخ سے ثابت ہے کہ حضرت سلیمانؑ کو گھوڑوں کی پرورش کا بڑا شوق تھا اور وہ ان کے احوال و اوصاف کے متعلق بڑی بصیرت رکھتے تھے پس کوئی عجب نہیں کہ وہ اس شوق و ذوق کے ماتحت جنگ و جہاد کے گھوڑوں کو اپنے دست خاص سے داغ کرتے ہوں نیز احببت حب الخیر عن ذکر ربی میں اعتراف ذنب نہیں کما زعم۔ بلکہ افتخار بقربت ہے اور حرف عن بمعنی مجاوزت نہیں جیسے کہ ترجمہ مشہورہ میں ہے بلکہ بمعنی تعلیل ہے جیسے وماکان استغفار ابراهیم لابیه الاعن موعدۃ میں ہے۔ پس ذکر ربی علت قرار پائے گی حُبّ خیر کی۔ اب ان آیات کا ٹھیک ترجمہ یوں ہوگا۔

"جب سورج ڈھلے اصیل و عمدہ گھوڑے ان کے سامنے لائے گئے تو کہنے لگے۔ میں گھوڑوں کو اپنے پروردگار کی یاد[2] کی وجہ سے عزیز رکھتا ہوں (کہ جہاد میں کام دیتے ہیں) حتیٰ کہ وہ گھوڑے[3] واپس (ہو کر اصطبل کے) پردے میں جا چھپے (تو پھر فرمایا کہ) ان کو دوبارہ میرے سامنے لاؤ۔ پھر آپ ان کی ٹانگوں اور گردنوں کو (خاص نشانات کے) داغ کرنے لگے"۔

ختم نبوّت کی دلیل: ایک روز فرمایا سورۂ مائدہ کے تیسرے رکوع میں ایک آیت آئی ہے:-

---

[1] اگرچہ تفسیر مظہری میں اس کا جواب یہ دیا گیا ہے کہ گھوڑوں کو ذبح کرنا یا داغ لگانا اس نیت سے تھا کہ ان کا گوشت غرباء پر صدقہ کیا جائے یا داغ لگا کر انہیں صدقہ کے واسطے مخصوص کردیا جائے۔ اس بناء پر اضاعت مال کا الزام عائد نہیں ہوتا۔ لیکن اعلیٰ حضرت کی تحقیق سے واقعہ کی نوعیت ہی یکسر بدل جاتی ہے۔ تفسیر مشہور کی بناء پر نماز سے غفلت جو شان پیغمبر کے خلاف ہے کا نام و نشان باقی نہیں رہتا بلکہ یہ واقعہ شکر نعمت کے اظہار کی شکل اختیار کرلیتا ہے جو ایک پیغمبر کی شان کے شایاں ہے۔

[2،3] کذا نقل الخازن عن التفسیر الکبیر للرازی

يٰٓاَهْلَ الْكِتٰبِ قَدْ جَآءَكُمْ رَسُوْلُنَا يُبَيِّنُ لَكُمْ عَلٰى فَتْرَةٍ مِّنَ الرُّسُلِ اَنْ تَقُوْلُوْا مَا جَآءَنَا مِنْۢ بَشِيْرٍ وَّلَا نَذِيْرٍ فَقَدْ جَآءَكُمْ بَشِيْرٌ وَّنَذِيْرٌ ؕ وَاللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ۝

اے اہلِ کتاب جب رسولوں کا آنا مدتوں تک ناغہ رہا تو ہمارا یہ رسول تمہارے پاس آیا جو (احکامِ الٰہی) تم سے صاف صاف بیان کرتا ہے کہ مبادا آئندہ تم کہنے لگو کہ ہمارے پاس نہ تو کوئی (نجات کی) خوشخبری سنانے والا آیا۔ نہ (عذابِ الٰہی سے) ڈرانے والا سو اب تم کو اس عذر کی بھی گنجائش نہ رہی کیونکہ تمہارے پاس خوشخبری سنانے والا اور ڈرانے والا آچکا۔ اور اللہ ہر چیز پر قادر ہے۔

فرمایا اس آیت میں آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے خاتم النبیین ہونے کی قوی دلیل موجود ہے۔ جس کی توضیح یہ ہے کہ ہر نبی[1] کی نبوت کی ایک خاص امت کے لیے اور ایک معین مدت کے لیے ہوتی ہے اور ثبوتِ نبوت کے لیے معجزہ بھی لازم ہے۔ یہ معجزہ ان لوگوں کے لیے جن کے سامنے وہ وقوع پاتا ہے، حجت ہوتا ہے۔ اس کے بعد ان کو اس نبی پر ایمان لانا لازم ہے ورنہ وہ کافر متصور ہوتے ہیں۔ پھر جب اس امت کا دور ختم ہو جاتا ہے یا وہ نبی وفات پا جاتا ہے تو اس کا معجزہ اور معجزے کا اثر و حکم بھی زائل ہو جاتا ہے چنانچہ مابعد آنے والے لوگ اگر اس معجزہ کا انکار کر دیں تو اس سے وہ کافر نہیں ہوں گے[2] کیونکہ اس معجزہ کو انہوں نے آنکھوں سے تو نہیں دیکھا بلکہ صرف اس کے وقوع کی خبر سنی ہے۔ پس ان کا انکار معجزہ در اصل انکارِ خبر[3] ہے اور یہ مستلزم کفر نہیں[4]۔ جب نبی کا معجزہ اور اس معجزہ کی حجیت نہ رہی تو اس کی نبوت کے حکم کا نفاذ بھی نہ رہا۔ جس کا مدار ثبوت

---

[1] یعنی ہمارے پیغمبر محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے ہر نبی کی نبوت مکان و زمان کے اعتبار سے محدود ہوا کرتی تھی ۱۲

[2] قولہ "وہ کافر نہیں ہوں گے" یعنی بشرطیکہ اس معجزہ کا ذکر بعد میں مبعوث ہونے والے پیغمبر پر خدا کی طرف سے نازل کردہ کتاب میں نہ ہو یا اس کی خبر ایسی متواتر خبر نہ ہو جو علمائے محدثین کے نزدیک معتبر ہے۔

[3] یعنی خبرِ غیر متواتر (خبرِ واحد) کا انکار موجب کفر نہیں ۱۲۔ مفتی عطا محمد سلمہ

[4] مثلاً ایک شخص[5] کہے کہ حضرت موسیٰ کا عصا اژدہا نہیں بنا۔ یہ خبر غلط ہے تو اس کے اس انکار میں اور فرعون کے انکار میں نمایاں فرق ہے۔ مقدم الذکر صرف وقوعِ معجزہ کی خبر سے انکار کرتا ہے اور بصورتِ وقوع اس کے دلیلِ نبوت ہونے سے انکار نہیں۔ بخلاف اس کے موخر الذکر معجزہ کو واقع ہوتا دیکھنے کے بعد بھی اس کے دلیلِ نبوت ہونے سے منکر ہے۔ یہ کفر ہے۔ ہاں اگر کوئی شخص یہ کہے کہ حضرت موسیٰ کے عصا کا اژدہا بن جانا میں مانتا ہوں۔ مگر یہ کوئی نبوت کی دلیل نہیں تو یہ البتہ مستلزم کفر ہے۔

[5] یعنی نزولِ قرآن مجید کے زمانہ سے پہلے کا ایک شخص ۱۲۔ محبوب الٰہی عفی عنہ

معجزہ پر تھا۔

بخلاف رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی نبوت کے جو کسی مخصوص قوم کے لیے نہیں بلکہ کافہ خلق کے لیے ہے۔ اور کسی محدود زمانے تک کے لیے نہیں بلکہ تا بقیامت ہے۔ اس کی وجہ یہ کہ اس کے ثبوت کے لیے بڑا معجزہ قرآن ہے۔ اور اس کا وقوع و وجود ناقہ صالح یا لحن داؤد یا عصائے موسیٰ یا دم عیسیٰ کی طرح صرف نبی کی ذات کی سلامتی تک محدود نہیں بلکہ یہ معجزہ نبی کی وفات کے بعد بھی تا قیام قیامت قائم و دائم رہنے والا ہے اور اس کے قیام و دوام کا خود اللہ تعالیٰ ذمہ دار ہے انا نحن نزلنا الذکر وانا لہ لحافظون۔ اور اس[1] کی حجیت بھی ہمیشہ کے لیے ہے۔ فاتوا بسورة من مثلہ۔ پس جب معجزہ قائم ہے تو نبوت بھی قائم ہے۔ دلیل موجود ہے تو مدلول بھی موجود ہے۔ دوسرے انبیاء کی کتابیں صرف مجموعہ احکام تھیں۔ معجزہ نہیں تھیں اس لیے وہ محفوظ نہیں رہیں۔ ان میں بکثرت تخلیط و الحاق ہو گیا۔ پس نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا معجزہ اور آپ کی نبوت[2] دونوں موجود ہیں اور قیامت تک موجود رہیں گے[3] تو پھر کسی دوسرے نبی کی کیا ضرورت ہے۔

پھر آپ نے تفسیر روح المعانی پارہ ۲۰ میں بذیل آیت لِتُنْذِرَ قَوْمًا مَّآ اَتٰىهُمْ مِّنْ نَّذِیْرٍ مِّنْ قَبْلِكَ یہ عبارت پڑھ کر سنائی :۔

قال العلامة ابن حجر من المنح ان كل رسول ممن عدا نبينا صلى الله عليه وسلم تنقطع رسالته بموته[4] الخ	علامہ ابن حجر فرماتے ہیں کہ ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے سوا باقی ہر نبی کی رسالت اس کے مرنے پر ختم ہو جاتی ہے۔

---

[1] قولہ حجیت یعنی نظم عبارت اور معنی کے اعجاز کے لحاظ سے حجت ہونا ۱۲ محبوب الٰہی عفی عنہ [2] یعنی معجزہ اور معجزہ کا حکم نیز آپ کی نبوت اور نبوت کا حکم دونوں ہمیشہ کے لیے باقی ہیں ۱۲ محبوب الٰہی عفی عنہ [3] یعنی حسب وعدہ الٰہی جل شانہٗ نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّکْرَ الآیۃ قرآن مجید جو عظیم ترین معجزہ نبوی علیہ الصلوٰۃ والسلام ہے اور آپ کی دائمی نبوت کا اعلان کر رہا ہے اس کے حاملین و ناقلین ہر دور میں اس کثرت سے پیدا ہوتے رہیں گے جو عدد تواتر سے بھی زیادہ تعداد میں ہوں گے۔

[4] اصل العبارة : ذكر العلامة ابن حجر فى المنح ايضاً ما يفيد ان كل رسول الخ (ونص عبارة العلامة منع اذ لم يعلم لغير نبينا صلى الله عليه وسلم عموم بعثتهم بعد الموت) فعلى هذا معنى قوله تنقطع رسالته اى التى كانت الى قومه والمراد انقطاع حكم الرسالة لا نفس الرسالة كما صرح به فى روح المعانى قبل هذا (ملک ج ۲۰ روح المعانى)

روح المعانی کی اصل عبارت یوں ہے کہ علامہ ابن حجر نے منح میں جو ذکر کیا ہے اس کا مفاد یہ ہے کہ ہمارے نبی الخ اور علامہ ابن حجر کی منح میں عبارت کے الفاظ یہ ہیں اس لیے کہ ہمارے نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کے سوا دوسرے نبی کے لیے اس کی نبوت کا موت کے بعد بھی عموم بقا ثابت نہیں ہوا۔ پس اس بناء پر رسالت کے منقطع ہونے کے یہ معنی ہوئے کہ نبی کی رسالت کا جو تعلق اپنی قوم کے ساتھ تھا وہ ختم ہو گیا۔ یہ نہیں خود اس کی رسالت ہی جاتی رہی۔ اس امر کی تصریح صاحب روح المعانی اس سے پہلے فرما چکے ہیں ۱۲ مفتی علامہ سلمہٗ

مطلب یہ کہ ہمارے نبی صلے اللہ علیہ وسلم کی نبوت آپ کی وفات سے منقطع ہونے والی نہیں۔ پس ایک نبی کی نبوت کی موجودگی میں اور اس کے احکام کے نفاذ کی حالت میں کسی دوسرے نبی اور اس کی نبوت کی کیا ضرورت ہوتی ؛ اب آیت مذکورہ کے معنی پر غور کرو :۔

یا اھل الکتٰب الخ اے (موجودہ اور قیامت تک آنے والے) اہلِ کتاب تمہارے پاس ہمارا رسُول آچکا ہے۔ جس نے (ایک ناقابلِ منسوخیت اور غیر فانی) بیان (یعنی قرآن مجید) تم کو سنایا۔ علے فترۃ من الرسل جب رسولوں کا آنا (صدیوں سے) ناغہ رہا (اور قیامت تک ان کے بعد ناغہ رہے گا) ان تقولوا الخ (اور ہم نے یہ ابدی نبوت والا نبی اس لیے بھیجا ہے) کہ مبادا (تم دیگر انبیاء کی طرح اس کی نبوت کو بھی داستان پاستان سمجھ کر اس کا انکار کرنے لگو اور) کہو ہمارے پاس نہ کوئی خوشخبری دینے والا آیا، نہ ڈرانے والا۔ فقد جاء کم الخ (تو اب تم کو کبھی بھی اس عذر کی گنجائش نہ رہی۔ کیونکہ) تمہارے پاس (ایک ایسا) خوشخبری سنانے والا اور ڈرانے والا آچکا ہے (جس کا معجزہ زندہ جاوید اور جس کی نبوت غیر فانی ہے) اور اللہ ہر چیز پر قادر ہے۔

ہمارے علومِ عربیہ اور فہمِ قرآن : ایک مرتبہ حضرت نے فرمایا ہمارے ملک میں علومِ عربیہ کا مروّجہ نصاب[1] نہایت ناقص بلکہ ضرر رساں ہے۔ سب سے پہلے معقولات کی تحصیل کرائی جاتی ہے اور پوری کرائی جاتی ہے۔ طالب علم کا ذوق انہی علوم میں پرورش پاتا ہے۔ اور وہ انہی کے طریقِ استدلال کا خوگر ہو جاتا ہے۔ پھر اس کے بعد علومِ دینیہ کی باری آتی ہے۔ جن کو تکمیل تک پہنچانے کا اسے وقت بھی نہیں ملتا، نہ ان کے ساتھ کچھ مناسبت پیدا ہوتی ہے۔ پھر جب وہ قرآن و حدیث سے کام لینے لگتا ہے تو چونکہ اس کی طبیعت ان کے مخصوص طریقِ استدلال سے مانوس نہیں ہوتی۔ نہ وہ اس کے ساتھ صحیح مناسبت رکھتا ہے۔ اس لیے وہ ان میں بھی معقولات کا طریقہ عمل میں لانے لگتا ہے۔ لہٰذا اپنے مقصد میں ناکام رہتا ہے بلکہ بھٹک جاتا ہے۔

ایک مرتبہ فرمایا۔ قرآن مجید کے نزول کے وقت جو لوگ حاضر تھے۔ وہ اس کے محلِ نزول اور موقع ورود کو آنکھوں سے دیکھتے تھے اس لیے اس کے مطالب و معانی کو بخوبی سمجھتے تھے۔ مگر آج محض قیاس اور اٹکل سے اس کے مصداق کو قائم کرنا پڑتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اس وقت ایک بے علم اور گنوار اعرابی تک قرآن کو سمجھتا تھا۔ مگر آج کل کوئی علامۂ دہر اور تمام علوم کا ماہر بھی سمجھ نہیں

---

[1] یعنی نصاب کی ترتیب ۱۲

سکتا۔ پھر فرمایا، میں نے ایک دن مولوی نور احمد صاحب امرتسری سے عرض کیا کہ آپ کوئی تفسیر مجھے بتلائیں جو کہ مضامین قرآن میں کافی ہو۔ انہوں نے فرمایا۔ مولانا یہ فن ناقص[1] ہے۔ میں نے عرض کیا، پھر کیا کیا جائے۔ تو فرمایا کہ اللہ تعالےٰ کی بارگاہ میں دعا کی جائے کہ وہ اپنے کلام کے سمجھنے کی توفیق دے اور اس کے ساتھ خاص مناسبت عطا فرمائے۔

۲۔ ما یتعلق بالحدیث

ایک مرتبہ حضرت نے فرمایا کہ مشکوٰۃ شریف کے باب فضائل سید المرسلین میں ایک حدیث آئی ہے جو نسیم الریاض علی شفا قاضی عیاض میں بھی منقول ہے :۔

مَامِنَ الْاَنْبِيَاءِ مِنْ نَبِيٍّ اِلَّا قَدْ اُعْطِيَ مِنَ الْاٰيَاتِ	تمام نبیوں میں سے ہر نبی کو اسی قدر (محدود) معجزات دیے گئے ہیں
مَامِثْلُهٗ اٰمَنَ عَلَيْهِ الْبَشَرُ وَاِنَّمَا كَانَ	جن کے برابر (معدود) لوگ ان پر ایمان لائے ہیں۔ اور مجھے تو وحی
الَّذِيْ اُوْتِيْتُ وَحْيًا اَوْحَى اللّٰهُ اِلَيَّ فَاَرْجُوْا اَنْ	قرآن کا معجزہ ملا ہے۔ جو اللہ نے مجھ پر نازل فرمایا۔ پس میں امید کرتا ہوں
اَكُوْنَ اَكْثَرَهُمْ تَابِعًا يَوْمَ الْقِيٰمَةِ	کہ قیامت کے دن میرے تابع سب نبیوں سے زیادہ ہوں گے۔

فرمایا میں مدت تک اس حدیث کا مطلب نہیں سمجھا۔ ایک مرتبہ ایک مولوی صاحب جو فاضل شخص تھے، یہاں تشریف لائے تو میں نے ان سے اس حدیث کا مطلب پوچھا۔ انہوں نے کہا مجھے مطالعہ کے لیے سامان مل جائے تو میں اس کے معانی پر غور کر کے کچھ بتا سکتا ہوں۔ ہر قسم کی کتابیں حاضر کر دی گئیں تو انہوں نے دیر تک مطالعہ کرنے کے بعد کہا کہ واقعی حدیث مشکل ہے اس کے بعد حضرت نے فرمایا۔ جب سورۂ مائدہ کی مذکورہ سابقہ آیت یا اھل الکتب قد جاءکم الخ کے معنی پر غور کیا تو اس حدیث کا مطلب آپ سے آپ حل ہو گیا۔

مدعائے حدیث یہ ہے کہ دوسرے انبیاء کے معجزات کی مدت محدود ہے اور ان کی حجیت خاص قوم پر ہوتی ہے پس ان کی امت کے لوگ بھی گنتی کے ہوں گے، بخلاف اس کے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کا معجزہ قرآن ہے۔ جس کا زمانہ حجیت تا بقیامت ہے اور تمام عرب و عجم اور اسود و احمر سے اس کا خطاب ہے۔ اس سے قیاس کر سکتے ہیں کہ آپ کی امت کا دائرہ کس قدر وسیع ہے۔

---

[1] یعنی احاطۂ مرادات آلٰہیہ سے قاصر ہے اگرچہ بقدر ضروریات دین فہم مطالب قرآنیہ کے لئے موجودہ تفاسیر کفایت کرتی ہوں ۱۲ مفتی عطا محمد

ایک مرتبہ حاضرین سے فرمایا یہ حدیث جو آئی ہے کہ :

مَنْ تَوَضَّأَ وُضُوْئِیْ هٰذَا ثُمَّ یُصَلِّیْ رَکْعَتَیْنِ لَا یُحَدِّثُ نَفْسَهٗ فِیْهِمَا بِشَیْءٍ غُفِرَلَهٗ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِهٖ

جو شخص یوں میری طرح وضو کرے۔ پھر دو رکعت نماز پڑھے جن میں اپنے دل میں کچھ خیالات نہ لائے تو اس کے تمام سابقہ گناہ بخشے جاتے ہیں۔

بتاؤ اس سے کیا مراد ہے۔ کیا نماز میں خیالات کا آنے نہ دینا کسی کے اختیار میں ہے ؟ حاضرین نے مختلف توجیہات عرض کیں تو فرمایا یہاں تحدیث سے خیالات کا عمداً و ارادۃً لانا مراد ہے اور لایحدث اس پر دال ہے۔ یعنی ایسا نہ کرے کہ بحالت نفل ادھر ادھر کے خیالات کا مطالعہ کرنے لگے تو پھر ان دو نفلوں کا ثواب اس قدر ہوگا کہ اس کے تمام سابقہ گناہ بخش دیے جائیں گے اور اضطراراً جو خیالات و خواطر دل پر وارد ہوتے ہیں وہ یہاں مراد نہیں۔ کیونکہ یہ اپنے اختیار کی بات نہیں۔ اور اس سے یہ بھی خیال نہ کیا جائے کہ یہ نفی خواطر صرف نوافل سے مخصوص ہے۔ فرائض میں ضروری نہیں بلکہ اس سے قیاس کرنا چاہیے کہ جب نوافل میں خیالات سے پرہیز کرنا اس قدر اہم ہے[1] تو فرائض میں اس کی اہمیت کس قدر زیادہ ہوگی۔

ایک مرتبہ مولوی غلام محی الدین صاحب شاہ پوری نے آپ سے سوال کیا کہ یہ جو احادیث میں آیا ہے کہ قبر میں میت سے سوال کیا جائے گا کہ :

مَا کُنْتَ تَقُوْلُ فِیْ هٰذَا الرَّجُلِ فَیَقُوْلُ هُوَ عَبْدُ اللّٰهِ

ان صاحب کے بارے میں تو کیا کہتا تھا۔ تو وہ کہے گا۔ وہ اللہ کے بندے ہیں۔

کیا اس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی صورت مبارک میت کے سامنے آجاتی ہے جیسا کہ علمائے بریلی ہر مجلس میلاد میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تشریف آوری کے متعلق اس قسم کی احادیث سے استدلال کرتے ہیں۔ حضرت نے فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی صورت مبارک کا قبر میں آنا ثابت نہیں بلکہ آپ کی صورت مثالی کا وہاں حاضر کیا جانا بھی ثبوت کو نہیں پہنچتا۔ بلکہ یہ عرب کا ایک محاورہ ہے کہ ایک امر حاضر فی الذہن کے لیے هٰذا کا صیغہ استعمال کرتے ہیں۔ جیسے کہ قرآن مجید میں ارشاد ہے۔ هٰذَا ذِکْرٌ مُّبَارَکٌ اَنْزَلْنٰهُ پس یہ ضروری نہیں کہ هذا الرجل کہنے کے لیے آپ کا حاضر فی القبر ہونا لازم ہو۔ پھر فرمایا علمائے بریلی جو کچھ کہہ رہے ہیں یہ محال نہیں۔ مگر جب ثابت ہی نہیں ہوتا تو اس کو تسلیم کیونکر کیا جائے۔ چنانچہ مومن کے جواب هو عبد اللہ سے ثابت ہوتا ہے کہ آپ وہاں حاضر نہیں ہوتے، ورنہ هٰذا عبد اللہ کہتے۔

---

[1] یعنی موجب اجر و ثواب ۱۲ از محمد محبوب الٰہی عفی عنہ

اتنے میں مولوی عبد اللہ صاحب لدھیانوی شرح وقایہ کا حاشیہ عمدۃ الرعایہ لمولینا عبد الحی لکھنوی جلد اول نکال لائے اور اس کے صفحہ ۴۹ پر یہ عبارت دکھائی :

هذا هو وان كان موضوعا للمشار اليه الموجود في الخارج المحسوس لكن كثيرا ما يشار به الى الحاضر في الذهن تنزيلا للمعقول منزلة المحسوس وتنبيها على كمال تميزه ومنه قوله تعالى ذلك الكتٰب لا ريب فيه وقوله تعالى هذا كتاب انزلناه مبارك وقوله تعالى وهذا ذكر مبارك انزلناه ونظائره في القران والحديث وكلمات العرب كثيرة ومنه ما ورد في رواية الترمذي والبيهقي وابن ابي الدنيا وغيرهم في حديث سوال منكر ونكير في القبر فيقولان له ما كنت[1] تقول في هذا الرجل فيقول المؤمن هو عبد الله ورسوله فالاشارة بهذا فيه ليس الا الى الحاضر في الذهن ومن استنبط منه حضور التمثال المحمدي او نفس ذاته

کلمہ ہذا اگرچہ مشار الیہ موجود فی الخارج اور محسوس کے لیے موضوع ہے لیکن بسا اوقات اس کے ساتھ امر حاضر فی الذہن کی طرف بھی اشارہ کیا جاتا ہے۔ جس سے معقول کو بمنزلہ محسوس قرار دینا اور اس کے کمال تمیز سے آگاہ کرنا مقصود ہوتا ہے۔ اور اسی قبیل سے ہے اللہ کا یہ قول کہ ذٰلک الکتٰب لا ریب فیہ اور اللہ تعالیٰ کا یہ قول وھذا کتاب انزلناہ مبارک اور اللہ تعالیٰ کا یہ قول وھذا ذکر مبارک انزلناہ اور اس کے نظائر قرآن وحدیث اور کلمات عرب میں بہت سے ہیں، اسی قبیل سے ہے۔ وہ لفظ جو ترمذی اور بیہقی اور ابن ابی الدنیا وغیرہم کی روایت میں وارد ہوا ہے۔ جو قبر کے اندر منکر ونکیر کے سوال کی حدیث میں ہے۔ کہ منکر ونکیر میت سے پوچھیں گے کہ (ھذا الرجل) ان صاحب کے بارے میں تو کیا کہا کرتا تھا تو مومن یہ کہے گا (ھو عبد اللہ ورسولہ) وہ اللہ کے بندے اور رسول ہیں۔ (یعنی میں یہ کہا کرتا تھا) تو اس میں ھذا کے ساتھ اشارہ صرف حاضر فی الذہن کی جانب ہے اور جو شخص اس سے یہ مطلب اخذ کرتا ہے کہ صورت محمدی یا آپ کی

---

[1] کنت تقول کے الفاظ سے جو بصیغہ ماضی استمراری ہیں یہ مفہوم ہوتا ہے کہ یہ سوال اس عقیدہ کے اظہار سے متعلق ہے جو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے بارے میں مومن دنیا میں رکھتا ہے وہ کیا ہے؟ اس حدیث شریف نے بتایا کہ وہ عبدہ ورسولہ کا اقرار و اظہار ہے جس کا ورد ہر مومن سے تمام نمازوں میں بحالت تشہد کرایا جاتا ہے اس میں بظاہر حکمت یہی ہے کہ عبدہ ورسولہ کے بار بار ذکر سے زبان اس کی اتنی عادی ہو جائے کہ قبر میں بجواب نکیرین یہی الفاظ بے ساختہ زبان سے ادا ہوں۔ واللہ اعلم ھذا ما سنح لی فی ھذا المقام بمنہ تعالیٰ ذکرہ ۱۲

محمد محبوب الٰہی عفی عنہ

صلی اللہ علیہ وسلم فی قبر کل مومن — خاص ذات (صلی اللہ علیہ وسلم) ہر مومن کی قبر میں حاضر ہوتی ہے

نقد غلط۔ — اس نے غلطی کی۔

اس کے بعد حضرت نے کتاب شرح الصدور فی احوال الموتی والقبور للسیوطی نکال کر یہ عبارت پڑھی کہ حافظ ابن حجر سے سوال کیا گیا:

ھل یکشف لہ حتے یری النبی صلے اللہ علیہ وسلم فاجاب انہ لم یرد فی حدیث وانما ادعاہ بعض من لا یحتج بہ بغیر مستند سوی قولہ فی ھذا الرجل ولا حجۃ فیہ لان الاشارۃ الی الحاضر فی الذھن۔ منہ

کیا میت کو کشف ہو جاتا ہے۔ حتیٰ کہ وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کرتا ہے تو انہوں نے جواب دیا یہ بات کسی حدیث میں وارد نہیں ہوئی صرف بعض غیر معتبر اشخاص نے کسی دلیل کے بغیر اس کا دعویٰ کیا ہے (باقی کسی حدیث میں اس کا ذکر نہیں) سوائے منکر و نکیر کے قول فی ھذا الرجل کے اور اس میں کوئی دلیل نہیں کیونکہ اشارہ حاضر فی الذہن کی طرف ہے۔

۳۔ ردِّ مذاہبِ باطلہ و تحقیق مسائلِ خلافیہ

مرزائے قادیانی کی دجالیت: ایک مرتبہ فرمایا۔ مرزائے قادیانی کے رد کے لیے صرف ایک ہی دلیل کافی و شافی ہے اور وہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد مبارک ہے کہ آیندہ زمانے میں بہت سے دجال پیدا ہوں گے اور ہر ایک کا یہ دعویٰ ہوگا کہ میں نبی ہوں۔ پس دجال کی شناخت کا یہ معیار کس قدر آسان اور عام فہم ہے جس کو ایک غبی سے غبی انسان بھی سمجھ سکتا ہے کہ وہ انا نبی کا دعوےٰ کرے گا۔ اب جس شخص کو انا نبی کا دعویٰ کرتا ہوا دیکھو فوراً سمجھ لو کہ دجال ہے۔ کیونکہ نبوت رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے بعد قیامت تک کے لیے ختم ہو چکی۔ جس کے بعد انا نبی کے قول میں کسی قسم کا اختلاط صدق و دیانت کے ساتھ ہو ہی نہیں سکتا۔ یعنی اگر کوئی شخص نبی ہونے کا دعوےٰ کرے تو اس کے متعلق یہ شبہ نہیں ہو سکتا کہ شاید وہ نبی ہو اور سچ کہتا ہو۔ بلکہ فوراً اس کے کذاب و دجال ہونے کا یقین ہو جاتا ہے۔ دجل کے معنی ہیں حق و باطل کو اس قدر مخلط کرنے کی کوشش کرنا کہ عوام الناس ان کی تمیز نہ کر سکیں۔ پس جو مدعی کاذب خواہ مخواہ نبی بن بیٹھے۔ وہ دجال ہے۔ اس کا علاج یہ حدیث ہے[1]۔

---

[1] حضرت امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کے عہد میں ایک شخص نے نبوت کا دعویٰ کیا۔ کچھ لوگوں نے اس سے معجزہ طلب کرلیا۔ امام ابوحنیفہ ←

شاہ اسمٰعیل دہلویؒ: ایک مرتبہ خاکسار سے فرمایا۔ شاہ اسمٰعیل دہلوی کے متعلق تمہارا کیا خیال ہے؟ میں متامل ہوا اور دل میں سوچا کہ کیا عرض کروں۔ ان کے متعلق لوگوں کے مختلف خیال ہیں۔ معلوم نہیں حضرت کی مراد کیا ہو۔ اور میں کیا عرض کر بیٹھوں۔ ناچار یہ گول مول جواب عرض کیا کہ لوگ ان کو غیر مقلد کہتے ہیں اور ان کی ایک کتاب تقویۃ الایمان میں کچھ کلمات ایسے بتاتے ہیں جن پر بزرگوں کو سخت اعتراض ہیں۔ آپ نے فرمایا۔ اگر ان کی ایک معتبر کتاب سے یہ ثابت ہو کہ وہ ایک کامل صوفی اور پورے متادب بآداب طریقت تھے تو پھر ان کے نام سے تقویۃ الایمان کی نسبت[لہ] غلط قرار پائے گی یا نہیں۔ پھر آپ نے مولانا شاہ اسمٰعیل کی ایک کتاب بنام عبقات کھول کر اس کی یہ ابتدائی سطور پڑھ کر سنائیں:

ان معرفۃ اللہ اجمالا بذر اشجار الطاعات	اللہ کی معرفت اجمالی طور پر طاعت کے درختوں کا بیج اور نیکیوں کی
وماء مروج الحسنات تفصیلا ثمرۃ	چراگاہوں کا پانی ہے اور تفصیلی طور پر عبادات کے باغوں کا میوہ
جنان العبادات و ذروۃ ریاض الخیرات	اور نیکیوں کے گلزاروں کا بلند مقام ہے۔ جس کے لیے احرار امم

نے فتویٰ دیا کہ معجزہ طلب کرنے والے طلب معجزہ کی وجہ سے کافر ہو گئے۔ کیونکہ جس چیز کا عقیدہ رکھنا کفر ہے اس کو بطور احتمال تسلیم کر لینا بھی موجب کفر ہے۔ پس جس طرح از روئے شریعت محمدیہ علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام حضرت عیسےٰ علیہ السلام کی وفات (موت) کا قائل ہونا کفر ہے۔ اسی طرح احتمال موت کا قائل ہونا بھی کفر ہو گا اور جو جاہل بَلْ رَّفَعَهُ اللّٰهُ اِلَيْهِ کے تحت اپنی تفسیر میں یہ لکھے کہ یہ آیت زندہ اٹھا لینے یا موت دے کر روح کو اٹھا لینے دونوں باتوں کا احتمال رکھتی ہے تو اس کا یہ سمجھنا، لکھنا اور کہنا اشد کفر ہو گا ۱۲ مفتی عطا محمد سلمہٗ (جیسا کہ مودودی صاحب نے اپنی کتاب تفہیم القرآن میں اس آیت کو دونوں معنوں پر محمول کیا ہے) محمد محبوب الٰہی

[لہ] حضرت کے اس قیاس کی تائید بعض محققین کے خیال سے بھی ہوتی ہے چنانچہ حال میں مولانا حکیم عبدالشکور صاحب مرزاپوری نے ایک رسالہ بنام التحقیق الجدید علیٰ تصنیف الشہید تالیف کیا ہے۔ جس میں ثابت کیا ہے کہ تقویۃ الایمان شاہ اسمٰعیل کی تالیف نہیں۔ منہ، یہ رسالہ کتب خانہ خانقاہ سراجیہ میں موجود ہے۔ التحقیق الجدید کی تائید حضرت مولانا حسین احمد مدنی قدس سرہٗ کے اس ارشاد سے بھی ہوتی ہے کہ "تقویۃ الایمان کی نسبت حضرت مولانا اسمٰعیل شہیدؒ کی طرف کی جاتی ہے جس کی نسبت میں بھی لوگوں کو کلام ہے" (مکتوبات شیخ الاسلام جلد دوم ص۵۵) اس عبارت پر جامع مکتوبات مولانا نجم الدین اصلاحی نے حاشیہ لکھا اور بدلائل ثابت کیا ہے کہ شاہ شہیدؒ کی طرف یہ نسبت صحیح نہیں۔ نیز مکتوب ۵۰ بنام مولانا محمد انوریؒ لائل پوری جلد سوم ص۱۵۶ میں مولانا مدنی قدس سرہٗ حضرت شاہ اسمٰعیل شہیدؒ کی طرف منسوب ایک دوسری کتاب ایضاح الحق الصریح کے متعلق تحریر فرماتے ہیں کہ حضرت شاہ اسمٰعیل شہیدؒ کے وہ اقوال جو خلاف فقہ حنفی ہوں گے ہمارے نزدیک کس طرح قابل عمل ہوں گے پس اگر کتاب مذکور حسب ارشاد آنجناب حضرت شاہ اسمٰعیل شہیدؒ کی تصنیف نہ ہو۔ جب کہ غیر مقلدوں کے تصرفات کو دوسری کتابوں کے متعلق نواب قطب الدین مرحوم سے حضرت شیخ المسند رحمۃ اللہ علیہ نے نقل فرمایا تھا۔ تو کچھ تعجب نہیں۔" یہ دونوں کتابیں محرّف ہیں (محشی، مکتوب ۵۰ ص۱۵۶ مکتوبات شیخ الاسلام مولانا مدنی قدس سرہٗ) مفتی عطا محمد سلمہٗ

قد خص لها احرار الفتام و تسابق — مخصوص ہیں۔ اور اس کی طرف شہسواران اقوام پیشقدمی کرتے
الیها فرسان الاقوام کیف لا والمورد العذب — ہیں۔ کیوں نہ ہو میٹھے پانی کے گھاٹ پر ہجوم ہوا ہی کرتا ہے اور
کثیر الزحام وللصوفیة الصافیة من بینهم ید — صوفیہ باصفا کو اس میں ان سب سے زیادہ دخل اور بلند درجہ
طولی وکعب علیا لم یبلغ احد من فرسان القوم — حاصل ہے۔ اس انتہا کو شہسوارانِ قوم میں سے اور کوئی
الی هذا الامد۔ ص۲ طبع جدید علمی کراچی — نہیں پہنچا۔

پھر حضرت شیخ اکبر اور حضرت مجدد صاحب اور حضرت شاہ ولی اللہ صاحب کے علو مراتب اور ان کی تعلیمات طریقت سے اپنے استفادہ کا ذکر درج تھا۔ اور باقی کتاب کی ورق گردانی کی گئی تو اس میں تصوف و طریقت کے وہ بلند پایہ اسرار و معارف مندرج پائے جن کے تصور سے بھی ایک وہابی پر لرزہ طاری ہونے لگے۔ چہ جائیکہ ایک وہابی ان کا قائل ہو۔ یا ان کے قائل کو وہابیت سے منسوب کیا جائے۔[۱]

فروعی مسائل میں تشدد کرنے والے پر عذاب قبر: ایک مرتبہ کتب خانہ میں ایک رسالہ نظر سے گزرا۔ جس میں ہندوستان کے اندر نماز جمعہ کی فرضیت ثابت کی گئی تھی۔ حضرت نے فرمایا اس مسئلے پر علماء میں بہت اختلاف ہے اور افسوس ہے کہ وہ باہم نہایت تعصب و تشدد سے کام لیتے ہیں۔ اس میں شک نہیں کہ جمعہ کی فرضیت قطعی ہے اور اس کے شرائط ظنی ہیں۔ پس مجوزین و مانعین دونوں اپنی اپنی جگہ دلائل سے تمسک رکھتے ہیں۔ کسی فریق کو تشدد نہیں کرنا چاہیے۔ مولانا محمد قاسم صاحب نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں اور خوب لکھتے ہیں کہ دریں مسئلہ دست بگریبان نباید شد۔ پھر فرمایا ایک مرتبہ میں حضرت مرحوم (یعنی حضرت مولانا سراج الدین قدس سرہ) کی معیت میں تھا۔ ایبٹ آباد سے واپس آرہے تھے۔ راستے میں ایک مقام پر ایک مولوی صاحب نے حضرت مرحوم کی خدمت میں عرض کیا کہ یہاں قریب ہی میرے استاد صاحب مرحوم

---

[۱] نیز عبقات ص۲۰ طبع بدیہ مجلس علمی کراچی میں ہے کہ لیس الاجتهاد منحصراً عندنا فی الفقه المصطلح بل له عموم فی کل فن الخ الی ان قال لجمیعها علوم شرعیه والائمتها مؤیدون من الغیب و مقلدو هم متبعون للحق شاہ صاحب اس عبارت میں تمام علوم شرعیہ کے مجتہدوں کو مؤید من اللہ اور مقلدوں کو متبع حق قرار دے رہے ہیں اور بلاشبہ علوم و معارف صوفیہ صافیہ کے بھی علوم شرعیہ میں داخل ہیں اس لیے عارفین صوفیہ جو درجہ اجتہاد رکھتے ہیں ان کے معارف بشرط تطابق قرآن و سنت سالکین کے لیے قابل اتباع ہیں۔ ہاں صوفیہ مجتہدین کی رائے مسائل فقہیہ میں معتبر نہیں۔ روزہ، نماز، اذان، اقامت وغیرہ کے مسائل اور مباح، مکروہ، حلال اور حرام وغیرہ کے احکام میں ائمہ فقہ واجب الاتباع ہیں ۱۲ (مفتی عطا محمد سلمہ دفقیر محبوب الٰہی عفی عنہ)

کی قبر ہے۔ اگر حضور ختم پڑھتے جائیں تو بڑی خادم پروری ہو۔ حضرت مع خدام وہاں تشریف لے گئے' فاتحہ پڑھی۔ ہمارے حضرت سیلیؔ فرماتے ہیں کہ اس وقت صاحب قبر کی حالت منکشف ہوگئی اور معلوم ہوا کہ مسئلہ جمعہ کے بارے میں تشدد کرنا ان کا شیوہ تھا اور اس بنا پر انہیں عذاب ہو رہا تھا۔[1]

کیا حرام جانور کا چمڑا ذبح سے پاک ہوتا ہے یا نہیں؟ : ایک مرتبہ مولوی محمد شفیع صاحب گنجیالی نے حضرت کی خدمت میں کسی غیر مقلد کے ساتھ اپنے مباحثہ کا ذکر کیا' جو کہتا تھا کہ شیر۔ بھیڑیے۔ گیدڑ۔ کتے اور لومڑی وغیرہ غیر ماکول اللحم جانوروں کا چمڑا ذبح سے پاک نہیں ہوتا۔ حالانکہ احناف کے نزدیک پاک ہو جاتا ہے۔ حضرت کی مجلس میں اس مسئلے پر دیر تک گفت گو ہوتی رہی۔ اور زیلعی، جوہر النقی، سنن کبریٰ بیہقی، بذل المجہود شرح ابی داؤد وغیرہ بہت سی کتابوں کی ورق گردانی ہوئی۔ مگر کوئی شافی دلیل نہیں ملتی تھی۔ آخر مغنی ابن قدامہ جو مذہب حنبلی کی نہایت مشہور و معتبر کتاب دس جلدوں میں ہے' اس کی جلد اول کے صفحہ ۵۲ پر یہ فیصلہ کن قول ملا جو حنابلہ کے ساتھ منسوب ہونے کے لحاظ سے اور بھی زیادہ قابل سند ہے:۔

و اذا ذبح مالا یوکل لحمہ کان جلدہ نجسا	جب کوئی حرام جانور ذبح کیا جائے تو اس کی کھال نجس ہوگی اور یہ
وھذا قول الشافعی وقال ابوحنیفۃ و	امام شافعیؒ کا قول ہے۔ اور امام ابوحنیفہؒ اور امام مالکؒ فرماتے ہیں
مالک یطھر لقول النبی صلی اللہ علیہ وسلم	کہ وہ پاک ہو جاتی ہے۔ جس کی دلیل رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کا
"دباغ الادیم ذکاتہ" ای کذکاتہ فشبہ الدبغ	یہ قول ہے کہ چمڑے کو رنگ لینا اس کا حلال کر لینا ہے۔ یعنی اس کے[2]
بالذکاۃ والمشبہ بہ اقوی من المشبہ فاذا	حلال کرنے کی مثل ہے۔ پس رنگنے کو حلال کرنے سے تشبیہ دی اور
طھر الدبغ مع ضعفہ فالذکاۃ اولی	مشبہ بہ مشبہ سے زیادہ قوی ہوتا ہے۔ پس جب رنگنا باوجود اپنے ضعف
ولان الدبغ یرفع العلۃ بعد	کے پاک کر دیتا ہے تو حلال (یعنی ذبح) کرنا بطریق اولیٰ کرے گا۔ اور اس

---

[1] فائدہ: فرق درمیاں تعصب و تصلب۔ فرائض واجبات اور منہیات کے بارے میں عملاً وارشاداً پختگی اور سختی سے کام لینا تصلب فی الدین ہے اور محمود ہے ظنیات اور مباحات میں۔ اپنے اوپر سختی اٹھانا بھی تصلب محمود ہے مگر دوسروں پر سختی کرنا تعصب غیر محمود بلکہ موجب ایذا ہے ۱۲ (مفتی عطا محمد سلمہٗ)

[2] یعنی ذبح کے ذریعہ حلال و پاک کر لینے کے مانند ہے۔

وجودھا والذکاۃ تمنعھا والمنع اقویٰ من الرفع۔ لیے کہ زنگانی نجاست کی علت کو اس کے وجود کے بعد اٹھاتا ہے اور ذبح کرنا اس کو منع کرتا ہے[1] اور منع رفع سے زیادہ قوی ہے۔

فرعون کے معتقد: ایک مرتبہ خوشاب کے قیام میں حضرت نے فرمایا کہ اس تحصیل کے ایک گاؤں میں ایک مولوی صاحب فرعون کے بہت معتقد تھے اور اس کو حضرت فرعون علیہ الرحمۃ کہا کرتے اور فتوحات مکیہ سے اس کے ایمان پر مرنے کی دلیل پیش کیا کرتے تھے۔ حالانکہ قرآن مجید اس کے کفر پر ناطق ہے اور قرآن وحدیث کے فیصلے قطعی ہیں۔ فتوحات وغیرہ کتابوں کی بہت سی باتیں مکاشفات کی قبیل سے ہیں اور کشف میں غلطی کا امکان ہے۔ لوگ قرآن مجید اور حدیث شریف سے تو مناسبت پیدا کرتے نہیں، تصوف میں منہمک رہتے ہیں اور صوفیہ کے اقوال سے متمسک ہو کر قرآن کی تاویل کرنے لگتے ہیں اور فتنہ برپا کر دیتے ہیں۔ میں نے عرض کیا، اس فتنہ پردازی سے شہرت تو ہو جاتی ہے۔ آپ نے فرمایا، ہاں بیشک شہرت ہو جاتی ہے۔ پھر فرمایا۔ ہمارے نواح میں ایک مولوی صاحب علم کی تحصیل کر کے آئے اور آتے ہی یہ فتویٰ دے دیا کہ خانگی گدھا حلال ہے۔ اس فتوے پر لوگوں میں ایک شور مچ گیا۔ ایک مولوی صاحب بحث کے لیے آئے۔ قرب وجوار کے دیہات سے بہت سی مخلوق جمع ہو گئی۔ گدھے کو حلال کرنے والے مولوی صاحب بولے، بھلا میرے فتوے سے کوئی گدھے کا گوشت کھانے لگا تھا۔ میں تو صرف اپنی شہرت چاہتا تھا۔ سو دیکھیے اللہ کے فضل سے یہ تدبیر کارگر ہوئی۔ بیس بیس کوس تک نام ہو گیا۔ ایک مخلوق میرے دیکھنے کو چلی آئی اور گدھا بھی حرام کا حرام رہا۔ ورنہ مجھے کوئی نہیں پوچھتا تھا۔

سنتِ فجر کو قبل طلوع یا بعد طلوع قضا کرنے کا مسئلہ: ایک بار مولوی محمد شفیع[2] صاحب گیجیال نے بیان کیا کہ مجھے ایک غیر مقلد کے ساتھ سنتِ فجر کے متعلق گفتگو کرنے کا اتفاق ہوا۔ وہ کہتا تھا کہ مجھے کسی حدیث صحیح میں یہ دکھا دو کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سنتوں کو طلوع کے بعد پڑھا یا پڑھنے کا حکم دیا ہے۔ گو یہ ایک مدتوں کا پرانا اور فرسودہ مسئلہ ہے۔ مگر حضرۃ کو عادتِ شریفہ کے موافق از سر نو اس کا خیال ہو گیا۔ میں نے عرض کیا کہ مولانا عبدالحی صاحب لکھنوی نے بھی اپنے فتوے میں لکھا ہے کہ اگر کوئی ان سنتوں کو طلوع سے پہلے فرضوں کے بعد پڑھ لے تو جائز ہے۔ مولوی محمد شفیع نے کہا۔ ہاں وہ شخص

---

[1] یعنی نجاست کو آنے ہی نہیں دیتا۔

[2] مفتی محمد شفیع صاحب مرحوم بانی مدرسہ سراج العلوم سرگودھا۔ ۱۲ محمد محبوب الٰہی عفی عنہ

مولوی عبدالحی صاحب کا قول بھی اپنے استدلال میں پیش کرتا تھا۔ مولوی عبداللہ صاحب نے کہا "مولوی عبدالحی صاحب کا قول قابل سند نہیں۔ کیونکہ پہلے پہلے مولوی صاحب کی روش میں ضرورت سے زیادہ تسامح اور اعتدال سے بڑھی ہوئی آزادی تھی۔ مگر جب نواب صدیق حسن خاں صاحب کے ساتھ ان کے قلمی معرکے ہوتے تو پھر ذرا سنبھلے۔ ممکن ہے ان کا یہ فتوے اوائل عہد کا ہو"۔

اس سلسلے میں قیس کی اس روایت کا ذکر بھی آیا جو ترمذی میں درج ہے :۔

عن قیسؓ قال خرج رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم فاقیمت الصلوٰۃ فصلیت معہ الصبح ثم انصرف النبی صلے اللہ علیہ وسلم فوجدنی اصلے فقال مھلا یا قیس اصلاتان معاً قلت یا رسول اللہ انی لم اکن رکعت رکعتی الفجر قال فلا اذن ۔ ترمذی صـ۵۷ـ کتاب الصلوٰۃ	قیس سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے تو نماز کی اقامت کہی گئی۔ پس میں نے آپ کے ساتھ صبح کی نماز پڑھی۔ پھر نبی صلی اللہ علیہ وسلم (نماز پڑھ کر) واپس ہوئے تو مجھے نماز پڑھتے پایا۔ فرمایا ٹھہرو اے قیس۔ کیا اکٹھی دو نمازیں؟ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ میں نے فجر کی دو سنتیں نہیں پڑھی تھیں۔ فرمایا تو اب نہیں۔

اور اس حدیث کے لفظ فلا اذن پر بھی کچھ گفتگو ہوئی۔ جس کے لفظی معنی صرف "تو اب نہیں" ہیں اور مراد ہے فلا صلوٰۃ اذن یعنی تو اب نماز کا وقت نہیں۔ مگر غیر مقلد اس سے مراد لیتے ہیں فَلَا حَرَجَ اِذَنْ یعنی تو اب تمہارے نماز پڑھنے میں مضائقہ نہیں۔ آخر بہت سی کتابوں کی چھان بین کے بعد ابن ماجہ کی یہ حدیث نکلی جو اس مسئلے میں کافی وشافی سمجھی گئی[۲]۔ مولوی احمدالدین صاحب نے فرمایا اس کے رجال بھی صحیحین کے رجال کے ہم پایہ ہیں :۔

حدثنا عبدالرحمٰن بن ابراھیم و یعقوب ابن حمید بن کاسب قالا حدثنا مروان بن معاویہ عن یزید	حدیث بیان کی ہے ہم سے عبدالرحمٰن ابن ابراہیم نے اور یعقوب ابن حمید بن کاسب نے۔ وہ دونوں کہتے ہیں کہ حدیث بیان کی ہم سے مروان ابن معاویہ نے یزید ابن کیسان سے۔ وہ روایت

---

[۱] قال صاحب الوفاۃ ان الحدیث لم یثبت فلا یکون حجۃ علی ابی حنیفۃ وان کان فلا اذن بمعنی فلا حرج اذن ۱۲ مفتی عطا محمد سلمہ [۲] کیونکہ ابن ماجہؒ نے اس حدیث کو اس باب کے تحت درج کیا ہے جو نماز فجر سے پہلے کی دو سنتوں کے رہ جانے پر ان کے قضا کرنے کے وقت کے بارے میں قائم کیا ہے ۱۲ محمد محبوب الٰہی عفی عنہ

بن کیسان عن ابی حازم عن ابی هریرة ان النبی صلے اللہ علیہ وسلم نام عن رکعتی الفجر فقضاهما بعد ما طلعت الشمس۔ (ابن ماجہ باب ما جاء فی من فاتته رکعتان قبل صلوٰۃ الفجر متیٰ یقضیهما ص۸۲)

کرتے ہیں ابن حازم سے وہ ابوہریرہؓ سے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم فجر کی دو سنتیں پڑھے بدوں سو گئے۔ تو ان کو سورج کے طلوع کے بعد قضا کیا۔

حضرت ابن عربی رحمۃ اللہ علیہ اور ملا علی قاریؒ : ایک مرتبہ کسی نے عرض کیا کہ ابن تیمیہ نے ابن عربی کے حق میں بہت بدگمانی ظاہر کی ہے۔ آپ نے فرمایا ابن تیمیہ تو رہے الگ خود ہمارے ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ اتنے بڑے علامہ اور صوفی ہو کر ابن عربی کے متعلق سخت غلط فہمی میں مبتلا ہیں اور ان کو حلولی قرار دے رہے ہیں۔ اور اس بدگمانی کی وجہ یہ ہے کہ ملا صاحب کو سکر کے معنی سمجھنے میں غلطی ہوئی۔ کیونکہ لوگ جو کہتے ہیں کہ ابن عربی نے جو کچھ کہا ہے سکر میں کہا ہے۔ اور کلام سکارٰ[1] ظاہر پر محمول نہیں کیا جاتا بلکہ وہ تاویل چاہتا ہے۔ تو ملا صاحب فرماتے ہیں کہ ابن عربی کو سکر ہے ہی نہیں۔ بلکہ وہ حالت صحو میں ہیں۔ سکر میں کوئی کچھ لکھ ہی نہیں سکتا۔ انہوں نے سکر کو عدم شعور محض سمجھ لیا ہے۔ حالانکہ سکر سے مراد ایک وجدانی کیفیت ہے جو بحالت صحو[1] بھی ہو سکتی ہے۔ پھر فرمایا سکر و صحو کے متعلق صوفیائے عظام میں بڑا اختلاف ہے۔ بعض سکر کو افضل سمجھتے ہیں بعض صحو کو۔ دراصل نہ سکر محض اچھا ہے نہ صحو محض۔ بلکہ دونوں کا موجود ہونا اچھا ہے۔ کیونکہ صحو تام میں عارف معارف کو زبان و قلم سے ادا کر ہی نہیں سکتا۔ زبان بند اور قلم معطل رہتا ہے۔ نہ حالت سکر میں لکھ سکتا ہے۔ پھر تو زبان و قلم قابو سے باہر ہوتے ہیں پس ابن عربی نے جو کچھ لکھا ہے وہ ایسے سکر میں لکھا ہے جس کے ساتھ صحو شامل ہے اور ایسے سکر میں امور ظاہریہ کے متعلق شعور قائم رہتا ہے۔

کشف[2] : ایک مرتبہ آپ نے کسی متشدد مولوی کے متعلق (نام اچھی طرح میں سن نہیں سکا) فرمایا کہ وہ عنقریب

---

[1] یعنی شعور ۱۲ [2] آپ کی قوت کشفیہ کے بارے میں حضرت مولانا محمد عبداللہ صاحبؒ جو آپ کے بعد آپ کے جانشین ہوئے فرماتے تھے کہ ایک روز حضرت نے فرمایا کہ ایک زمانہ میں فقیر کا کشف اس قدر بڑھ گیا تھا کہ جو شخص سامنے آتا بس اس کا تمام حال الم نشرح ہو جاتا تھا۔ فقیر نے بارگاہ الٰہی میں بالحاح و زاری دعا کی کہ مجھ سے یہ حالت اٹھا لی جائے۔ دعا بحمدہ تعالیٰ قبول ہوئی مگر اب بھی اتنی باقی ہے کہ جس کے حال پر میں خود توجہ کرتا ہوں اس کی پوری حالت منکشف ہو جاتی ہے۔ حضرت سیدنا و مولانا محمد عبداللہ قدس سرہ فرماتے تھے کہ حق تعالیٰ نے آپ کو کشف بے کیف سے نوازا تھا جس کی حقیقت بفرمان خواجہ محمد معصوم قدس سرہٗ یہ ہے "اشیا ہمچنانکہ باشند بر عارف منکشف می شوند" (دفتر اول مکتوبات) رواہ مفتی عطا محمد سلمہ

مرزائی یا پکڑ اوری ہوجائے گا اور یہ بات میں قرائن کی بنا پر قیاساً نہیں کہتا۔ بلکہ میں ایسا دیکھ رہا ہوں۔

(۳) تلقین و تربیتِ خدّام

گر تو سنگِ خارہ و مرمر شوی　　چوں بصاحب دل رسی گوہر شوی

ہیں کہ اسرافیلِ وقتند اولیا　　مردہ را زانیشاں حیاتست و نما

اس فصل کا عنوان لکھ کر مجھے رکنا پڑا اور بیٹھا سوچ رہا ہوں کہ آگے لکھوں تو کیا لکھوں؟ راقم ناچیز اس کوچہ سے ناآشنا، اس منزل سے نابلد، اس دولت سے تہیدست۔ اس مقام کا حال کیا بتائے اور مستفیضینِ دولت کے احوال پر کیا روشنی ڈالے جس طفلِ ابجد خواں نے ابھی مدرسہ میں قدم ہی رکھا ہے۔ وہ کیا سمجھ سکتا ہے کہ علامہ استاد نے اپنی تقریر میں کس اعجازی قوت کا کرشمہ دکھایا اور مستعد و منتہی طلبہ نے اپنے ذہن و ذکا کی کس اعلیٰ طاقت کے ساتھ اس سے استفادہ کیا۔ سیرِ باغ کا جو شائق ابھی بیرونِ دیوار دروازہ ہی کی تلاش میں پھر رہا ہے اور چمنستان کے مناظر سے اس کی آنکھیں آشنا نہیں ہوئیں وہ اندرونِ باغ کا حال کیا بتائے کہ ؎

بلبل چہ گفت و گل چہ شنید و صبا چہ کرد

ہاں ایک راہرو سرِ راہ کھڑا دیکھ رہا ہے کہ خدامِ آستانہ کی ایک جماعت سلوک کے راستہ پر چلی جا رہی ہے۔ کوئی بارُوئے خنداں، کوئی باآہ و فغاں، کوئی مطمئن، کوئی متحیّر، کوئی ہوشیار، کوئی بے خود، کوئی ساکت، کوئی متکلم، مگر سب کا کعبۂ مقصود ایک ہے۔ اور ایک ہی خضرِ فرخندہ پے کے ہاتھ میں سب کی زمامِ اختیار ہے۔ اور اسی کی ہمتِ باطن سب کی قوتِ عزم اور طاقتِ رفتار میں رُوح پھونک رہی ہے ؎

سوزِ دل، اشکِ رواں، آہِ سحر، نالۂ شب

ایں ہمہ از اثرِ لطفِ شمانے بینم

اتنا معلوم ہے کہ جس طرح سیاحِ ارض کو آبادی، ویرانہ، پہاڑ، دریا، باغ، صحرا وغیرہ منزلوں سے گزرنا اور مختلف کیفیات سے متکیف ہونا پڑتا ہے۔ اسی طرح سالکِ طریقت کو بھی گوناگوں منازل پیش آتی ہیں۔ اور ہر منزل کی مخصوص کیفیت اس پر طاری ہوتی ہے۔ پس خدامِ آستانہ کا یہ اختلافِ احوال ان کے اختلافِ منازل پر متفرع ہے۔

سلوک کی کئی منزلیں ہیں۔ ولایت صغریٰ، ولایتِ کبریٰ، ولایتِ علیا، کمالاتِ نبوت۔ پہلی منزل والوں پر جذب کی حالت طاری ہوتی ہے۔ لوگوں سے وحشت، اختلاط سے نفرت، تنہائی کا شوق، ویرانہ سے اُنس، سکوت وخاموشی کی عادت، ہر وقت کسی خیال میں محویت اور ایک عاشقِ مہجور کی سی حالت ؎

آں دل نماند کش سرِ بستان و باغ بُود
گوئی ہمیشہ سوختہ درد و داغ بُود

اگلی منزل کی طرف ترقی پانے والوں پر ایک سکون واطمینان نظر آتا ہے۔ احساسات میں توازن، تاثرات میں اعتدال، کیفیاتِ باطن پر پورا ضبط ؎

آنکہ شد انسش بشاہِ فردِ خویش
یافت در ماہناے جملہ دردِ خویش

اس سے آگے بڑھنے والوں پر اور بھی زیادہ لطیف کیفیات کا ورود ہوتا ہے۔ استقامت کے پاؤں زیادہ مضبوط اور رضا وتسلیم کی قوت کامل ہوجاتی ہے۔ دنیاوی حوادث وآفات سیلاب بن کر آئیں تو ان کو اس کوہِ ثبات سے ٹکرا کر پیچھے ہٹنا پڑتا ہے ؎

مردِ حق بیں کر بلا را ز خدا مے بیند
تیغ را بر سرِ خود بالِ ہما مے بیند

سلوک کی آخری[1] اور اعلیٰ منزل جس کا نام کمالاتِ نبوت کا حصول ہے۔ کمال انسانیت کا آئینہ ہے۔ سابقہ منزل میں سالک کا قرب ملائکہ سے[2] تھا۔ اب اس قرب کے باوجود اس کا تعلق بنی نوعِ انسان کے ساتھ بھی وابستہ ہوجاتا ہے۔ لہٰذا اس منزل میں اس کی روش زندگی عام انسانی رسم وعادت کی مظہر ہوتی ہے۔ اور اس کی حالت عام لوگوں سے ممتاز نہیں ہوتی یعنی وہ اوجِ کمال میں جس قدر اونچا پہنچ گیا۔ اس قدر اس کے کمال کے نشانات ناشناسائی

---

[1] واضح رہے کہ اس منزل کو آخری اور اعلیٰ قرار دینا باعتبار جد وجہد سالک کے ہے ورنہ اس سے آگے بھی بہت منازل ہیں مگر وہ کسب سے نہیں بلکہ فضل سے تعلق رکھتی ہیں اور جذبہ وسلوک سے ماوراء ہیں۔ نسبت مجددیہ کی ابتدا یہیں سے ہوتی ہے ۱۲ مفتی علامہ سلمہٗ

[2] یعنی قرب ملاء اعلیٰ کا انکشاف تھا ۱۲ مفتی عطامحمد

کے حجاب میں چھپ گئے اور اب وہ عام انسانوں کا سا ایک انسان نظر آنے لگتا ہے ؎

بسر وقتِ شاں خلق کے رہ برند | کہ چوں آبِ حیواں بظلمت درند
چو بیت المقدس درون پر زتاب | رہا کردہ دیوار بیرون خراب

خدام آستانہ سلوک کی ہر منزل و مقام کے مناسب اذکار و اشغال و مراقبات کی تعلیم پاتے ہیں اور جس طرح ایک طبیب حاذق اپنے ہر بیمار زیرِ علاج کی طبیعت اور کیفیت مرض کے مطابق دوا و غذا تجویز کرتا ہے اسی طرح ہمارے حضرت ہر طالب کی تدبیر تربیت اس کی حالت و طبیعت کے موافق زیرِ نظر رکھتے ہیں ؎

فیضے کہ بدل مے رسد از سدرہ و طوبیٰ
در سایۂ سروِ قدِ دلجوئے تو یابم

مدارج سلوک طے کرنے کی دو صورتیں ہیں۔ تفصیلی اور اجمالی۔ تفصیلی سلوک کے لیے عمر کا ایک بڑا حصہ مرشد کے زیرِ سایہ بسر ہونا چاہیے۔ ہمارے حضرت عام طبائع کو اس بارگراں کی متحمل نہ پاکر عموماً اجمالی سلوک طے کراتے ہیں جس کے لیے ہر طالب کو کم از کم دو سال آپ کے زیرِ سایہ گزارنے لازم ہیں۔ اور اگر دو سال تک مسلسل خانقاہ میں بسر نہ کرسکے اور صرف کبھی کبھی حاضری دے سکے تو اپنے وطن ہی میں رہ کر اپنی وقتاً فوقتاً حاضری اور خط و کتابت اور حضرت کی غائبانہ توجہ سے بھی تربیت پاسکتا ہے۔ مگر اس صورت میں فائز بالمرام ہونے کے لیے کم از کم دس سال لگتے ہیں۔

ہاں اس اندازہ و تخمین کے ماوراء ایک اور چیز ہے۔ وہ کسی کی قسمت میں ہو تو برسوں کا کام چند دنوں میں بھی ہوسکتا ہے۔ وہ کیا؟ شیخ کی خاص الخاص توجہ۔ مولانا مولوی عبدالغنی صاحب متوطن ریاست مالیر کوٹلہ کا واقعہ ہے کہ ملازمت کی مجبوری سے صرف ایک ہفتہ کی رخصت لے کر حاضر خانقاہ ہوئے۔ ایک دن راستے میں گزر گیا۔ باقی رہے چھ دن۔ حضرت نے ان کو روزانہ دو مرتبہ توجہ دینی شروع کی۔ انوارِ توجہات کی گرما گرم شعاعوں کا دَھارا پر تو جو پڑنے لگا تو اس سے بشری دلدر[1] کے خرمن میں آگ لگ گئی اور چھ دن میں چھ کے چھ[2] لطائف جاری ہوگئے جو لوگ برسوں سے اس دولت کے حصول کی امید پر خانقاہ میں پڑے تھے۔ وہ حیران رہ گئے۔

---

[1] کثافت اور حجابات بشریت ۱۲

[2] قلب، روح، سر، خفی، اخفیٰ اور قالب اور موخر الذکر مشتمل ہے نفس اور اربعہ عناصر پر۔

مگر طالب کو لازم ہے کہ ایسے واقعات سُن کر اس طرح بے مشقت دولت ہاتھ آنے کی تمنا نہ کرے بلکہ بدستور طلب وسعی میں لگا رہے۔ محنت ومشقت کے بعد ہاتھ آئی ہوئی دولت بے مشقت حاصل ہونے والی دولت پر بدرجہا فوقیت[1] رکھتی ہے۔ اور وہ طلب بھی کیا خاک طلب ہے جس میں دل محنت ومشقت سے گریز کرے۔

زخارِ راہ افسردن مے شود سامانِ پروازش
چو برق آنکس کہ در راہِ طلب آتش عناں گردد

اس قسم کے واقعات کی مثال ایسی ہے، جیسے کسی کو بخت واتفاق سے کھیت میں ہل چلاتے خزانہ مل جائے۔ پس جو شخص ایسے واقعات سن کر چاہے کہ میں بھی ذکر وشغل کی محنت کے بغیر اس طرح دو چار دن میں دولتِ کمال سے متمتع ہو جاؤں۔ اس کی وہی مثال ہے جیسے کوئی کھیت میں خزانہ پانے والے کی ریس کرے اور کسبِ دولت کے متعارف ذرائع کو چھوڑ کر پھاوڑا کندھے پر رکھے جنگل میں خزانہ تلاش کرتا پھرے۔ ایسے بوالہوس[2] لوگ آخر محروم رہا کرتے ہیں۔

چوں دامنِ وصال بہ کوشش گرفتہ اند
چندانکہ ممکن ست نکوشد کسے چرا

ایک کشمیری حضرت کی خدمت میں آیا اور کہنے لگا، مجھے تو ایک ہی دن میں ولی بنا دو۔ حضرت اس کا یہ گرما گرم تقاضا سُن کر مسکرائے۔ فجر کی نماز میں آپ نے سورۂ طٰہٰ جو شروع کی تو اس کشمیری کا سر طولِ قرأت سے چکرا گیا۔ دھڑام سے فرش پر گرا اور سر زخمی ہو گیا۔ اسی دن اپنی راہ لگا۔

ہر سخن گوشے و ہر مے ساغرے دارد جُدا
شربتِ سیمرغ نتواں در گلوے مور ریخت

---

[1] نسبت چوں بتاتی وتعب حاصل شود قدر وعزت دارد وآنچہ بسہولت وزودی بدست آید چنداں قدر وعزت ندارد۔ یعنی نسبت جب توقف اور محنت کے ساتھ حاصل ہو وہ قدر وعزت رکھتی ہے اور جو آسانی سے اور جلدی ہاتھ آئے ایسی قدر وعزت نہیں رکھتی ۱۲ مکتوب ۳۳ از مکتوبات معصومیہؒ

[2] اگر کسے استعجال نماید بوالہوس ست۔ طالب نیست وقابل صحبت نہ مردم در طلب دنیائے دنیہ چہ رنجہا ست کہ نے کشند طلب حق جل وعلا، احق بآں است۔ بزرگاں دریں طلب ریاضتہا کشیدہ اند وعمرہا گذرانیدہ۔ یعنی اگر کوئی جلدی کرے وہ بوالہوس ہے طالب نہیں اور صحبت کے قابل نہیں۔ لوگ دنیائے دوں کی طلب میں کس قدر مشقتیں اٹھاتے ہیں تو حق جل وعلا کی طلب اس سے زیادہ محنت کی حقدار ہے۔ بزرگوں نے اس طلب میں ریاضتیں کی ہیں اور عمریں گزار دیں۔ مکتوب ۱۲۲ از مکتوبات معصومیہؒ

اصولِ تربیت

میں نے خانقاہ شریف کے یک ماہہ قیام میں ذاکرین کے اعمال واشغال کو دیکھا تو بطور استقرا مجھے ان کی تربیت کے چار اصول معلوم ہوتے :-

(۱) طاعت وعبادت (۲) ذکر وشغل (۳) خدمت (۴) آداب صحبت

طاعت سے مراد فرائض دین کی پابندی ہے۔ تمام ذاکرین کو طہارت ونماز کے جمیع آداب کی رعایت رکھنے والے اوقات مستحبہ کے پابند اور حضور جماعت پر ہمہ تن مستعد پایا۔ موسم سرما میں اہل خانقاہ کے لیے گرم پانی کا کوئی خاص بندوبست نہیں تھا۔ مگر ذاکرین کی پابندی طاعت کا یہ عالم ہے کہ جوانی کی مجردانہ عمر کے باعث کوئی اضطراری حالت پیش آنے تو وہ مجبوری بھی ان کو کڑکڑاتے جاڑے میں ٹھنڈے پانی سے نہانے اور فوراً جماعت فجر کی پہلی رکعت میں جا شامل ہونے سے روک نہیں سکتی۔ جبکہ اچھے اچھے نمازی فکر غسل میں انگڑائیاں لیتے لیتے دن چڑھا دیتے ہیں۔

ذکر وشغل تو اس طریقہ کا اصل الاصول ہے۔ حاضرینِ خانقاہ کو جب دیکھو ذکر میں مشغول ہیں۔ روز روشن میں، شب تاریک میں مصلے پر، بستر پر، کھانے کے انتظار میں، کھانے سے فراغت پا کر۔ غرض ہر وقت اور ہر جگہ ذکر کی تسبیح ہاتھ میں رقص کرتی رہتی ہے۔

خدمت بھی ایک خاص سر رشتۂ تربیت ہے اور معلوم ہوتا ہے کہ تعمیر باطن میں اس کو بڑا دخل ہے۔ اس لیے حضرت کے متوسلین میں سے کوئی فرد جس کا مقصود سیر وسلوک ہو۔ اس سے مستثنےٰ نہیں رہ سکتا۔ الا ماشاء اللہ! دیکھو ایک مشہور شیخ طریقہ[۱] کا صاحبزادہ جو حضرت کے زیر تربیت ہے، ساحلِ اٹک پر بھینس چراتا پھر رہا ہے۔ چند کس رہٹ میں جتتے ہوئے ہیں۔ مسجد کے وضو خانہ اور گھر کی ٹنکی کے لیے پانی نکال رہے ہیں۔ جن میں ایک علی گڑھ[۲] کالج کا انڈر گریجوایٹ اور دو فاضل[۳] دیوبند شامل ہیں۔ اسی طرح کوئی گھوڑی کی حفاظت و پرداخت پر مامور ہے۔ کسی کے سپرد اونٹنی کی خدمت ہے۔ کسی کے ذمے بیلوں کے لیے گھاس چارہ لانا ہے۔ کوئی مہمانوں کو کھانا کھلانے پر نامزد ہے۔

---

[۱] سید عبدالسلام شاہ صاحب [۲] مختار احمد شاہ صاحب [۳] حضرت مولانا محمد عبداللہ صاحبؒ جو بعد میں آپ کے جانشین قرار پائے اور مولانا سید مغیث الدین شاہ صاحب سلمہ اللہ تعالےٰ جو آستانہ نبوی (مدینہ منورہ علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام) پر فروکش ہیں۔

16

باہر سے بغرض زیارت آنے والے متوسلین میں سے بھی جو شخص جس قسم کا ہنر جانتا ہو۔ آتے ہی اس قسم کی خدمت میں لگ جاتا ہے۔ بان بٹنے کی مہارت ہو تو وہ قیام خانقاہ کے ایام میں یہاں کی چارپائیوں کے لیے بان بٹ دیتا ہے۔ کسی کو چارپائیاں بُننی آتی ہوں تو وہ چارپائیاں بن دیتا ہے۔ کوئی درزی ہے تو وہ خانقاہ کی مشین پر دو تین دن میں حسبِ ضرورت کپڑے سی دیتا ہے۔ کوئی راج معمار[۱] ہے تو وہ خانقاہ یا مسجد[۲] یا گھر کے کسی حصّے کی مرمت یا تعمیر کر جاتا ہے۔ کوئی طبیب و معالج ہے تو وہ اہل خانقاہ کی صحت و مرض کے متعلق مفید مشورے دیتا ہے۔ راقم الحروف کا سا کوئی ناکارہ اور کسی کام کے قابل نظر نہ آیا تو اس کو یہ ارشاد ہوا کہ دیوان حماسہ ابن شجری کے کلمات و حروف پر اعراب لگائے۔

اس امر بالخدمت میں حاشا وکلا شیخ کی کوئی ذاتی غرض مرکوز نہیں ہوتی۔ بلکہ اس سے مرید ہی کی تربیتِ باطن مقصود ہوتی ہے۔ شیخ کے حوائج کا کفیل خداوند عالم ہے۔ وہ خود اس کی ضروریات پورا ہونے کے سامان کر سکتا ہے وَهُوَ يَتَوَلَّى الصَّالِحِينَ۔ پس شیخ مرید کی خدمت کا محتاج نہیں البتہ مرید شیخ کی تربیت کا محتاج ہے کہ جس نہج اور جس طریق سے اس کے باطن کی اصلاح کر سکتا ہے کرے۔ جس کے قبیل سے ایک خدمت بھی ہے اور اس سے شیخ محض مُرید کے فائدے کے لیے کام لیتا ہے۔ بطور مثال دیوانِ حماسہ ابن شجری کے اعراب کا معاملہ دیکھو کہ اس سے ایک شیخ علامہ کی کیا غرض وابستہ ہو سکتی ہے۔ سوائے اس کے کہ اس ادنیٰ خدمت کے ذریعہ سے مرید مبتدی کی عملی کل کے کسی پرزے کی درستی مقصود ہو ؎

منت منہ کہ خدمتِ سلطان ہمے کنی
منت شناس ازو کہ بخدمت بداشتت

خدامِ آستانہ ادب و شائستگی کے بھی اچھے نمونہ ہیں۔ شیخ کی صحبت کے جو آداب کتب سلوک میں لکھے ہیں وہ ان

---

۱ کوئٹہ کے مستری ظہور الدین۔ یوسف۔ نیاز محمد۔ علم دین وغیرہم نے یہ عظیم الشان خدمت کی ہے کہ مسجد اور خانقاہ کے دیگر مکانات نہایت خوبی و عمدگی کے ساتھ تعمیر کیے خصوصاً سقف مسجد[۲] اور محراب میں ظہور الدین کا شاہکار بڑے بڑے ماہران فن کو داد دینے پر مجبور کرتا ہے۔ خود حضرت کا ارشاد ہے کہ ان لوگوں نے ڈیڑھ سال اس قدر خدمت کی ہے کہ اگر یہی کام دہاڑی داروں سے کرایا جاتا تو ہمارے تخمینہ میں پورے پانچ ہزار روپے خرچ آتے ۱۲

۲ یہ سابقہ چھوٹی مسجد کا ذکر ہے جس کی جگہ اب عالیشان و وسیع مسجد نے لے لی ہے جس کی تعمیر و بنا خود آپ کے عہد میں ہو چکی تھی مگر پلاستر محراب اور گنبدوں کی تزئین اور فرش وغیرہ شیخ وقت حضرت مولانا ابو الخلیل خان محمد صاحب مدظلہ کی توجہ خاص سے پایۂ تکمیل کو پہنچے۔ غسلخانے وضو خانے تعمیر کرائے۔ ٹیوب ویل کے ذریعے سے خانقاہ شریف کے تمام مکانات میں پانی کی بہم رسانی کا نظام قائم فرمایا۔

16A

سب کے پابند ہیں۔ مجلس میں بیٹھے ہوں تو اس سلیقہ سے بیٹھیں گے کہ اپنا سایہ شیخ پر نہ پڑے۔ معیت میں چل رہے ہوں تو اس قرینے سے چلیں گے کہ شیخ کے نشانِ پا پر اپنا قدم نہ پڑے۔

خدامِ آستانہ کا باہم سلوک بھی برادرانہ ہے۔ سب آپس میں نہایت محبت، خلوص اور اتحاد کے ساتھ رہتے ہیں روحانی اخوت کے باطنی رشتے نے شمال و جنوب اور مشرق و مغرب کے مختلف النسل اور متبائن[1] المذاق ہستیوں کو وحدت کی لڑی میں کچھ اس طرح پرو دیا ہے کہ ان میں نہ اجنبیت و بیگانگی باقی رہی۔ نہ کسی قسم کے رشک و رقابت کا امکان ہے وَنَزَعْنَا[2] مَا فِیْ صُدُوْرِہِمْ مِّنْ غِلٍّ ؎

جدا نے شود از ہم دو دل یکے چو شود

نے تواں ز دلِ من کشید پیکاں را

مجھے نہایت خوشی ہوئی۔ جب میں نے کتاب کنز الہدایات میں مکتوباتِ حضرت خواجہ محمد معصوم صاحب قدس سرہٗ سے یہ عبارت منقول دیکھی جس میں تربیت کے وہی مذکورہ چار اصول بیان فرمائے ہیں ــــ

"مسترشدان را بوظائف طاعات و اذکار سرگرم دارند۔ و باتیان خدمات و رعایتِ آداب ترغیب کنند و معطل نگذارند امید کہ از نسبتِ خاصِ بزرگان بہرہ یابند۔" (مکتوب ۲۵۶/۲،۱ و کنز الہدایات فائدہ ۵ صد ۹ مطبوعہ حکیم سیفی)

اس سے ظاہر ہے کہ تربیتِ خدام میں حضرت دام ظلہم کے زیرِ عمل وہی ضابطہ ہے جس کا نفاذ دربارِ مجددی سے ہوا ہے۔

تزکیہ و تصرّف

مشہور ہے کہ پارس جس دھات سے چھو جائے اس کو سونا بنا دیتا ہے۔ پارس کا یہ کرشمہ تو ایک افسانہ ہے۔ مگر شیخِ کامل کی تاثیر امورِ واقعیہ سے ہے۔ اس کی صحبت ایک کم مرتبہ آدمی کو کمالاتِ انسانی کے اس درجے پر پہنچا سکتی ہے جو فلزات[3] کی برادری میں سیم و طلا کو بھی حاصل نہیں ؎

اکسیر شد از قربِ گہر گرد یتیمی

از دست مدہ دامنِ روشن گہراں را

---

[1] جدا جدا ذوق رکھنے والی [2] ترجمہ۔ اور نکال دی ہم نے ان کے سینوں سے جو بھی ان میں خرابی تھی [3] دھاتیں

راقم ناچیز نے بیعت کے بعد تنہائی کا موقع پا کر حضرت کی خدمت میں عرض کیا کہ بعض اوقات کچھ ایسے وسوسے دل میں اٹھتے ہیں جن سے میں لرزجاتا ہوں۔ آج تک مطالعۂ کتب سے غور و فکر سے، اعتبار و استبصار سے دل کو مطمئن کرنے کی بہتیری کوشش کرتا رہا ہوں۔ لیکن شکوک و شبہات کا جو مرض عارض ہو چکا ہے، وہ دُور نہیں ہوتا۔ اس کا کیا علاج ؟ آپ نے فرمایا۔ یہ مرض مطالعۂ کتب وغیرہ سے نہیں جایا کرتا۔ اس کا واحد علاج صحبتِ شیخ ہے۔ اس کے بعد ایک مرتبہ سید عبدالسلام صاحب نے مجھ سے کہا کہ شیخ کے حضور میں صرف بیٹھ جانا بھی اصلاحِ باطن اور تزکیۂ خیالات کا اثر رکھتا ہے۔ خواہ اس صحبت میں کچھ گفت و شنید نہ ہو۔ افہام و تفہیم نہ ہو۔ پند و وعظ نہ ہو۔ آفتاب پھلوں اور میووں پر صرف اپنی روشنی ڈال دیتا ہے۔ اور کچھ نہیں کرتا۔ بس اتنی سی بات سے وہ پک کر رسیلے بن جاتے ہیں اور اپنے کمال کو پہنچ جاتے ہیں۔ چاند کا نورانی مکھڑا پھولوں کے صرف سامنے آجاتا ہے تو اس کا دیدار ہی ان میں گوناگوں رنگ پیدا کر دیتا ہے اور ان کو خوشبودار بنا دیتا ہے۔ اسی طرح شیخ کی صرف صحبت کے انوار اور اس کے دیدار کی برکت مرید کو کچھ سے کچھ بنا دیتی ہے ؎

در صحبتِ ما قطرہ شود گوہرِ شہوار
از دل صدفِ پاک دہانیم جہاں را

سید صاحب کی اس تقریر کی صداقت مجھے واقعات سے معلوم ہوئی۔ حضرت کے بیعت ہونے والوں میں داڑھی منڈے، بے نماز، مبتدع، مرتکب منہیات وغیرہ ہر قسم کے لوگ دیکھے۔ مگر جہاں تک میرا مشاہدہ ہے۔ آپ نے نہ کبھی کسی کو اس کے غیر مستحسن طور و طریق پر ٹوکا اور نہ احکامِ شرع کی پابندی کا سختی سے حکم دیا۔ بلکہ صرف توجۂ باطن سے کام لیا۔ اور وہ بشرطیکہ پوری عقیدت کے ساتھ کچھ عرصہ صحبت سے مستفیض رہا ہو۔ آخر کسی غیر محسوس تصرف سے پابندِ شریعت اور متقی و پارسا بن گیا ؎

نگاہِ مست تو آنرا کہ مستفید کند
ہزار پیرِ خرابات را مرید کند

آپ کے متوسلین میں بعض ایسے افراد کو میں جانتا ہوں جن کی پہلی روشِ زندگی سخت معیوب و معتوب تھی۔ مگر آج حضرت کے فیضان سے وہ ورع و تقویٰ اور طاعت و عبادت کے نمونۂ کبریٰ ہیں اور ان کی پاک نفسی و پاک نظری ضرب المثل بن رہی ہے۔ قاضی غلام حیدر صاحب جب بیعت ہونے لگے تو عرض کیا کہ میں اس شرط پر بیعت ہوتا ہوں

کہ ذکر و شغل سے مجھے معاف رکھا جائے۔ حضرت نے یہ شرط منظور فرمائی اور انہیں بیعت کر لیا۔ چند روز کے بعد وہ خود ملتمس ہوئے کہ مجھے ذکر و شغل کی تعلیم فرمائی جائے۔ حضرت نے مسکرا کر فرمایا۔ یہ درخواست معاہدہ کے خلاف ہے۔

میاں سیفی[1] صاحب علی گڑھ کے تعلیم یافتہ نوجوان ہیں اور مولانا محمد علی جوہر مرحوم کی پارٹی کے خاص افراد سے ہیں۔ جن دنوں وہ بیعت ہوئے انگریزی اخبار پڑھنے کے بہت عادی تھے۔ حضرت نے فرمایا اس فضول کام کو چھوڑ کر اوقات کو ذکر و شغل میں صرف کرنا چاہیے۔ سیفی صاحب نے عرض کیا۔ حضرت مطالعہ اخبار تو چھوٹ نہیں سکتا۔ آپ نے مسکرا کر فرمایا۔ خیر دیکھا جائے گا۔ اور اس پر طرہ یہ کہ جب سیفی صاحب حضرت کے ہمراہ سفر میں ہوتے تو حضرت خود ان کے لیے بڑے بڑے سٹیشنوں کے بک اسٹال سے انگریزی اخبار مول منگوا دیتے۔ مگر سیفی صاحب کو خود بخود چند روز کے بعد اخبار کی صورت تک سے نفرت ہو گئی۔

ہزارہ کا ایک پٹھان علی بہادر خاں نام اوائل عمر سے سرقہ و رہزنی کا عادی تھا۔ اور کئی کئی مسلح جوان اس کے "زیر کمان" رہتے تھے۔ ایک مرتبہ اس شغل "صید افگنی" کے سلسلے میں اس کا گزر خانقاہ کے پاس سے ہوا۔ اس وقت اتفاق سے اس کو بخار عارض ہو گیا اور خانقاہ ہی میں آ پڑا۔ خدام آستانہ نان و نمک سے تواضع کرتے رہے۔ ایک دن حضرت نے اسے دیکھ کر نام و مقام پوچھا اور فرمایا علی بہادر خاں تم تو درویش بننے کے لائق ہو۔ علی بہادر کا بیان ہے کہ میں اس وقت درویش کے معنی تک نہیں سمجھتا تھا کہ یہ کس چیز کا نام ہے۔ مگر خانقاہ سے جانے کو جی بھی نہیں چاہتا تھا۔ آخر بعض مبشرات منامیہ سے اس کی شرح صدر ہوئی۔ دل بیعت پر مائل ہوا اور مرشد کامل کی توجہ سے اس کا حال ماضی کا کفارہ بن گیا اور مستقبل نے دولت سعادت کے دروازے کھول دیے۔ اب چند سال سے خاص خدمتگزار متوسلین میں داخل ہے۔

ضلع شاہپور کے ایک مولوی صاحب (اظہار نام و مقام مناسب نہیں) بعض جاہل شیطان کے مقید تھے۔ مکائد شیطانیہ نے ہوسات نفسانیہ کے ساتھ مل کر انہیں اس قدر مغلوب کر لیا تھا کہ علم و عقل دونوں بیکار رہ گئے۔ لیکن نفس لوامہ کا تازیانہ ہر دم دل پر برس رہا تھا وہ بھی کسی پہلو چین نہ لینے دیتا تھا۔ آخر کسی دوست نے مشورہ دیا کہ کسی شیخ کامل کے مرید ہو جاؤ تو اس سے نجات مل جائے گی۔ وہ حضرت کے آستانہ پر پہنچے، اپنا دکھ سنایا اور داخل سلسلہ ہو گئے

---

[1] حکیم عبدالمجید احمد سیفی مرحوم

آخر آپ کی توجہ سے یہ بلا ان کے سر سے ٹل گئی۔

مولوی صاحب واپس وطن پہنچے تو اب ان کی حالت ہی اور تھی۔ نہ وہ پہلے سے خیالات تھے۔ نہ وہ ارادے رفیقِ صحبت کہ جس کی رفاقت میں دنا الشیطان کا خاصہ تھا، سخت حیرت تھی کہ وہ جوش محبت کیا ہوا؟ وہ ملاقات کے لیے اضطراب اور بے تابیاں کہاں گئیں؟ آخر اس فتنے نے خود ملاقات کے لیے پیغام بھیجا جو ان کے شرو، نفس کی بجھی ہوئی آگ میں پھر شرارے کا کام کر گیا۔ ارادہ کیا کہ گھر کے سب لوگ سو جائیں گے تو پھر مقام معہود کی طرف جاؤں گا۔ اتنے میں آنکھ لگ گئی۔ خواب میں کیا دیکھتے ہیں کہ ایک بڑی چرخی قائم ہے جو کپاس بیلنے کی چرخی کی ہم شکل ہے اور اس میں مردوں اور عورتوں کو اس طرح بیلا جا رہا ہے کہ ان کی ہڈی پسلی چکنا چور ہوتی چلی جاتی ہے۔ پوچھا ان لوگوں نے کیا گناہ کیا ہے جس کی یہ سنگین سزا ان کو مل رہی ہے؟ جواب ملا کہ یہ لوگ بدکاری کرتے تھے۔ اتنے میں خود ان کو ٹانگ سے گھسیٹ کر چرخی کی طرف لے جانے لگے۔ جس کی دہشت سے ان کی چیخ نکل گئی۔ یہ چیخ سن کر گھر کے سب لوگ بیدار ہو گئے۔ قدرت کی اس شدید تنبیہ نے اب ان کے سینے کو ہوس کے تمام گرد وغبار سے پاک کر دیا اور یہ خواب اس مستحکم توبہ کی بنیاد بن گیا جس کو پھر کوئی نفسانی خیال متزلزل نہیں کر سکا۔

آفتاب دنیا کے ہر خشک و تر پر درخشاں ہوتا ہے۔ لیکن جن مجلّٰے اشیاء میں قبول نور کی صلاحیت ہے ممکن نہیں کہ آفتاب ان پر ضوفشاں ہو۔ اور وہ اس کے نور کے مظہر نہ بن جائیں۔ بادل کوہ و دشت کے ہر حصے پر برستا ہے۔ لیکن جس سرزمین کی رگوں میں قوتِ نامیہ کا خون دوڑ رہا ہے ممکن نہیں کہ فیضِ باران اسے پہنچے اور وہ چند روز میں سبزہ زار نہ بن جائے اسی طرح پیرِ کامل کے انوارِ باطن ہر قسم کے مریدوں پر پڑتے ہیں۔ مگر جو جوہرِ قابل اور جو وجود صاحبِ صلاحیت ہیں وہ ان کے کرشموں کا مظہر ہوئے بغیر نہیں رہتے۔

حضرت کے اکثر خلفاء و خدام پر جن احوالِ عجیبہ اور کیفیاتِ غریبہ کا ورود ہوتا ہے اور جو واقعاتِ نادرہ ان کو پیش آتے ہیں، اگر ان کی تفصیل لکھنے بیٹھیں تو ایک بڑا دفتر بھی کافی نہ ہو گا۔ مگر اس قسم کی تفصیل نہ سہل ہے اور نہ مناسب۔ صرف چند واقعات کے ذکر پر اکتفا کیا جاتا ہے:۔

مالیر کوٹلہ میں ایک بی بی کا حال معلوم ہوا۔ ورود تجلیات کا یہ عالم ہے کہ رات کو چراغ گل کر دینے اور لحاف اوڑھ کر لیٹ جانے پر بھی گھر بقعۂ نور نظر آتا ہے۔ اور گھر کی ہر چھوٹی بڑی چیز اس صفائی سے دکھائی دیتی ہے جیسے دن میں نگاہ

کے سامنے ہو۔ لطائف میں ذکر کا سریان یہاں تک ہے کہ ذکر کے وقت یوں سنائی دیتا ہے کہ گویا محلے کا محلہ بآوازِ بلند اللہ اللہ پکار رہا ہے۔

ایک اور خاتون کا حال معلوم ہوا کہ ان کے جسم میں سرایت ذکر کا یہ عالم ہے کہ دو دو دن تک طعام کھانا بھی یاد نہیں رہتا۔

مستری ظہور الدین اپنے وطن مالیر کوٹلہ میں ایک دوکان پر کھڑے اپنے حضراتِ سلسلہ کا ذکرِ خیر کر رہے تھے۔ ریاست کا ایک اعلیٰ عہدہ دار چلا جا رہا تھا۔ یہ گفتگو سُن کر ٹھہر گیا۔ اور ان کی بات کاٹ کر بولا۔ ان صوفی لوگوں کے پاس کیا دھرا ہے؟ صرف دوکانداریاں ہیں، اور آپس کی رشک و رقابت کے سوا ان کے پلّے کچھ بھی نہیں۔ مستری صاحب خاموش ان کے کلمات سنتے رہے۔ مگر جب اُس نے یہ گستاخانہ الفاظ کہے کہ میں مجدد صاحب کی بہت تعریف سنتا تھا۔ مگر جب ان کے روضے پر گیا تو وہاں بھی کوئی خاص بات نظر نہ آئی تو اس پر مستری صاحب کو جوش آگیا اور اس کے عہدہ و منزلت کی کچھ پرواہ نہ کرکے بولے۔ تم کو جب بصیرت کی آنکھیں ہی نہیں ملیں تو کوئی خاص بات کیونکر نظر آتی۔ اس پر گفتگو بڑھتی چلی گئی آخر ایک قدرتی کرشمہ کیا ظہور میں آیا کہ کسی غیبی ہاتھ نے مستری جی کا بازو پکڑ کر اس زور سے کھینچا کہ وہ سلسلۂ گفتگو کو وہیں چھوڑ کر بے اختیار اپنے گھر کی طرف دوڑے چلے گئے۔ دوسری طرف اس عہدہ دار پر ایک دہشت طاری ہو گئی۔ وہ سراسیمگی کی حالت میں اپنے گھر پہنچا۔ رات بے خوابی میں کٹی۔ صبح کو مستری کا نام اور پتا پوچھ کر پیغام بھیجا کہ بندہ میری گستاخی معاف کرو۔ مستری نے جواب کہلا بھیجا کہ مجھ سے معافی مانگنا بیکار ہے۔ کیونکہ میری ذات کے متعلق تم نے کوئی گستاخی نہیں کی۔ ہاں جس ذاتِ عالی صفات کے بارے میں گستاخی کی ہے۔ ان سے معافی مانگو۔ اور اس کی مناسب صورت یہ ہے کہ جس مجمع میں ان کی توہین کی تھی۔ اسی جگہ انہی لوگوں کے سامنے اپنے گناہ کا اعتراف اور ان کی تعریف کرو۔ عہدہ دار نے اس ارشاد کی تعمیل کی تو اس کی طبیعت بحال ہو گئی۔

شہر سرگودھا میں مستری ظہور الدین تعمیر کا کام کرتے تھے۔ ان کے ساتھ کام کرنے والا ایک معمار وہابیانہ[1] خیالات رکھتا تھا۔ ایک روز وہ حضرت مجدد صاحب رضی اللہ عنہ کے بارے میں کچھ ایسے خیالات کا اظہار کرنے لگا جو آپ کی شان عالی کے لیے زیبا نہ تھے۔ مستری جی اس کی تردید کرتے جاتے تھے۔ اثنائے گفتگو میں باہر سے ایک گھوڑا دوڑتا ہوا آیا۔

---

[1] غیر مقلدانہ

اور اس مجمع میں آن گھسا۔ اور لوگ تو اِدھر اُدھر سرک گئے مگر اس گستاخ معمار کے پاؤں کو گھوڑے نے اپنی ٹاپ سے کچل ڈالا جس سے وہ سخت زخمی ہو گیا ۔

اہلِ دل را بہ بدی یاد مکن بعد از مرگ

خواب و بیداریٔ ایں طائفہ یکساں باشد

آفتابِ کمال کی ذرہ نوازی کا صحیح اندازہ لگانے کے لیے صرف ایک مثال، یعنی مولوی محمد شفیع صاحب گنجیالی کے حفظِ قرآن کا واقعہ کافی ووافی ہے۔ اس واقعہ میں نہ کسی تاویل کا امکان ہے، نہ اس کی تکذیب وتغلیط کی گنجائش۔ مولوی محمد شفیع صاحب[1] فاضلِ دیوبند خطیب جامع مسجد خوشاب ضلع شاہپور (پنجاب) آج بفضلہ تعالیٰ زندہ وسلامت موجود ہیں جس کا جی چاہے اس معاملہ کی تحقیق کر لے۔ واقعہ یہ ہے کہ وہ آغازِ طالب علمی میں حضرت کے پاس ابتدائی فارسی کتابیں پڑھتے تھے۔ ذہن روز کا اچھا خاصا تھا۔ جس میں کوئی فوق العادت بات نہ تھی۔ مگر بغتۃً ان کی دماغی طاقتوں کے محیر العقول کارنامے منظرِ عام پر آنے لگے۔ جن سے لوگ ششدر رہ گئے۔ قرآن مجید اب تک ناظرہ بھی نہیں پڑھا تھا۔ مگر اب اس کو حفظ کرنا شروع کر دیا تو صرف ۲۹ روز میں تیس کے تیس پارے حفظ تھے۔ صرف ونحو کے ابتدائی رسالے گھر میں پڑھے تھے اور اس سے آگے تحصیلِ علم کے لیے لاہور پہنچے۔ مدرسہ رحیمیہ (نیلا گنبد) میں داخل ہوئے تو اسباق میں ان کے لاجواب جرح واعتراض سے استادوں کا ناک میں دم آ گیا۔ آخر بالزامِ شرارت ان کے اخراج کا فیصلہ ہوا۔ اس کے بعد امرتسر پہنچے۔ ایک عربی درسگاہ کی اعلیٰ جماعت میں داخل ہونے کی درخواست دے دی۔ کنز اور شرح وقایہ پڑھنے کی نوبت نہیں آئی کہ ہدایہ کے حلقۂ درس میں جا بیٹھے۔ تعلیمی دیکھی تک نہیں کہ میر زاہد ملا جلال پڑھنے لگے اور لطف یہ کہ حسنِ تعقل، سرعتِ فہم، اور صفائی درک کے لحاظ سے ساری جماعت میں گل سرسبد[2] سمجھے جاتے تھے۔ اس فوق العادۃ ذہنی انقلاب کی وجہ وہ خود یوں بیان کرتے ہیں کہ ایک دن حضرت نے اپنی بنیان دھونے کے لیے مجھے دی۔ میں ساحلِ اٹک پر اسے دھونے لگا اور از راہِ عقیدت دھوون کا پانی چلّو بھر بھر پیتا جاتا تھا۔ اس روز سے کشایش ذہن کی یہ غیر مترقبہ نعمت حاصل ہوئی۔

پھر میں نے امرتسر سے حضرت کو خط لکھا تو اس میں اپنی کامیاب طالب علمی کے ذکر کے ساتھ یہ شعر سپردِ قلم کیا ۔

---

[1] بعد میں آپ سرگودھا شہر میں منتقل ہو گئے اور مدرسہ سراج العلوم قائم کیا۔ ابھی چند سال ہوئے آپ نے وفات پائی ۱۲ محمد محبوب الٰہی عفی عنہ

[2] سب سے زیادہ تر و تازہ اور بڑا پھول جو پھولوں کی ٹوکری کے اوپر رکھا جاتا ہے مراد ممتاز و نمایاں ۱۲

نیا وردم از خانہ چیزے نخست
تو دادی ہمہ چیز و من چیز تست

مولانا مولوی محمد نصیر الدین[1] صاحب مدرس عربی ہائی سکول سمندری بیان فرماتے ہیں کہ ہمارے سکول کے ایک ماسٹر چودھری نصرت حسین صاحب بی اے۔ بی ٹی ایک باوجاہت خاندان کے رکن ہیں۔ دنیا دارانہ پرورش پانے کے باعث دینی شعار سے کوئی لگاؤ نہ تھا۔ صوم وصلوٰۃ کے نام سے بھی نفرت تھی۔ مئی ۱۹۳۱ء میں حضرت قبلہ سمندری تشریف لے گئے تو واپسی میں اتفاق سے آپ کو موٹر کی اگلی سیٹ پر چودھری صاحب موصوف کے دوش بدوش بیٹھنا پڑا جو انگریزی سوٹ میں ملبوس اپنے سگریٹ کے دھوئیں اڑاتے جاتے تھے۔ مگر ایک طرف سے دھوئیں کی ظاہری آوارہ روی مخل جمعیت تھی تو دوسری طرف سے اس گھڑی بھر کی صحبت کا باطنی اثر اپنا کام کر رہا تھا۔

در ساغر چشم تو ندانم چہ شراب ست
بر ہر کہ نظر مے فگنی مست و خراب ست

چنانچہ چودھری صاحب کی زبانی معلوم ہوا کہ اس وقت ان کے دل میں صوفیہ علیہ کی عظمت و وقعت کا سکہ بیٹھتا جا رہا تھا۔ اور وہ دل ہی دل میں کہہ رہے تھے۔ آج دنیا میں اگر کوئی جماعت صحیح معنٰی میں قابلِ تعظیم ہے تو یہ ہے۔ صلاح و تقوےٰ کی عمارت کا یہ سنگِ بنیاد تھا جو چودھری صاحب کے دل میں جمایا گیا۔ اب دیکھیے قدرت اس عمارت کی تکمیل کے لیے کیا انوکھے اور غیر معمولی سامان کرتی ہے۔ کچھ مدت بعد چودھری صاحب کو ایک کتے نے کاٹا، جو نہ کٹکھنا تھا اور نہ دیوانہ۔ وہ کبھی بھی کسی یگانہ و بیگانہ پر حملہ آور نہیں ہوا تھا۔ نہ اس کے بعد کبھی ہوا۔ تاہم چودھری صاحب نے احتیاطاً کسولی جا کر علاج کرایا

---

[1] مولوی محمد نصیر الدین صاحب سلمہٗ ہمارے حضرت کے ارادتمندان خاص میں سے ہیں اور استاذنا و مولانا محمد ذاکر صاحب بگوی مرحوم کے چھوٹے بھائی اور پنجاب کے ایک نامی گرامی علمی خاندان کی یادگار ہیں۔ ان کے دادا مولوی غلام محی الدین بگوی اور دادا کے چھوٹے بھائی مولوی احمد الدین بگویؒ نے شاہ اسحٰق صاحب محدث دہلوی سے علم حدیث پڑھا۔ حضرت شاہ عبد العزیزؒ سے سند حاصل کی اور حضرت شاہ غلام علیؒ کے دستِ مبارک پر بیعت کی۔ سالہا سال تک دہلی اور لاہور میں درس حدیث دیا اور ایک مخلوق کثیر ان سے فیضیاب ہوئی۔ آج پنجاب پر عموماً دیو بند کا علمی آفتاب پرتو فگن ہے۔ مگر اس سے پہلے تقریباً سارے پنجاب کے علمی طبقات اسی خاندان کے علمی فیضان سے سیراب ہوئے۔ مولوی محمد نصیر الدین صاحب کے چھوٹے بھائی مولوی ظہور احمد صاحب ایڈیٹر رسالہ شمس الاسلام ایک نہایت روشن خیال اور خوش تقریر نوجوان ہیں۔ مرزائیوں اور شیعوں کا ناطقہ بند کرنے میں خوب نام پا چکے ہیں ۱۲

جہاں ڈاکٹر نے شہادت دی کہ یہ سگِ دیوانہ کا زخم نہیں۔ مگر ساتھ ہی علاج بھی کر دیا۔ واپس آئے تو ہر طرف سے اطمینان دلایا گیا کہ کتا تندرست ہے۔ مگر بار بار کی تسلی اور کافی علاج کے باوجود بھی چودھری صاحب کے دل میں پے بہ پے ایک اضطراب انگیز کھٹک پیدا ہوتی تھی کہ ابھی تھوڑی دیر میں مرض کا دورہ ہونے والا ہے۔ جس کا علاج نہ کسی ڈاکٹر کے پاس ہے نہ حکیم کے پاس بلکہ کوئی شیخ طریقت ہی اس کا تدارک کر سکتا ہے۔

مولوی نصیر الدین صاحب نے مشورہ دیا کہ اس مرض کے علاج کے لیے ہمارے حضرت کے آستانہ سے بڑھ کر کوئی دار الشفا نہیں۔ چنانچہ چودھری صاحب مولوی صاحب موصوف اور ڈاکٹر محمد شریف[1] صاحب کے ساتھ خانقاہ پہنچے۔ وضو کر کے حضرت کے حلقہ میں بیٹھے۔ یہاں آ کر پہلی مرتبہ نماز پڑھی اور رفتہ رفتہ ہمیشہ کے لیے پکے نمازی بلکہ تہجد گزار بن گئے۔ طبیعت کی تمام کلفت، دہشت اور پریشانی رفع ہو گئی۔ مرض کا وہم جاتا رہا ؎

ازیں سیاہ در دناں باہلِ دل بگریز

کہ کعبہ چارۂ اصحابِ فیل میداند

آج وہی چودھری صاحب جو نماز کے نام سے کوسوں بھاگتے تھے۔ مسجد کے اندر انتظارِ جماعت میں بیٹھے نظر آتے ہیں راگ باجا سننے کا بڑا شوق تھا اور زرِ کثیر صرف کر کے مختلف باجے خریدے تھے۔ مولوی نصیر الدین نے حضور کی خدمت میں یہ کیفیت عرض کی تو فرمایا۔ خیر ترک کر دیں گے۔ چند روز گزرے تھے کہ چودھری صاحب کو ان مشاغل سے یکدم نفرت ہو گئی۔

---

[1] ڈاکٹر صاحب ایک نہایت عالی ہمت نوجوان ہیں۔ آج کل حضرت کے خدامِ خاص میں داخل اور کسبِ سلوک کے لیے حاضرِ آستانہ ہیں۔ ڈاکٹر صاحب کو جن کٹھن عملی و اعتقادی منزلوں سے گزر کر ساحلِ ہدایت پر پہنچنا نصیب ہوا ہے ان کی داستان اس زمانے کے تعلیم یافتہ جوانوں کے لیے ایک درسِ عبرت ہے۔ مگر آپ گمنامی پسند ہیں۔ اس لیے اپنے حالات کی اشاعت پسند نہیں کرتے۔ اس کتاب کی طباعت کے لیے فراہمی چندہ کی مہم زیادہ تر انہی کی کوشش کی ممنون ہے ۱۲۔ حاشیہ طبع اوّل۔ اعلیٰ حضرت قدس سرہٗ کے وصال کے بعد کچھ عرصہ ڈاکٹر صاحب حضرت کے نامزد جانشین مولانا محمد عبد اللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی صحبت سے گریزاں رہے مگر قائدِ توفیق نے چند سال کے بعد ہی پابجولاں و بادیدۂ گریاں حضرت مرحوم کی خدمت میں عذر خواہ بنا کر بھیج دیا اور نہایت استقامت کے ساتھ حضرت کے زمرۂ مخلصین میں تادمِ آخر شامل رہے۔ ان کے وصال کے بعد حضرت مولانا ابو الخلیل خان محمد صاحب کے انتخابِ جانشینی میں سرگرم حصہ لیا۔ بالآخر آپ کی خدمت میں رہتے ہوئے جان جانِ آفریں کے سپرد کی اور قبرستان خانقاہ پاک میں مدفون ہوئے۔ جس کی آرزو مرض الموت میں ان کو کندیاں سے حجرۂ خانقاہ پاک میں لے آئی تھی رحمہ اللہ رحمۃً واسعۃً۔

بعض ارشادات متعلقہ سلوک

خطورِ خواطر: ایک دن فرمایا۔ ابتداءً ذکر و شغل میں خیالات و خواطر ضرور پیش آیا کرتے ہیں اور شاذ و نادر ہی کوئی ایسی ہستی ہوگی جس کو یہ پیش نہ آئیں۔ ورنہ عموماً سب کو ان سے واسطہ پڑتا ہے۔ خطرات پہلے قلب پر وارد ہوا کرتے ہیں۔ پھر جب قلب کو فنا و بقا کا درجہ حاصل ہو جاتا ہے تو ان کا ورود نفس پر ہوتا ہے۔ نفس کی فنا و بقا کے بعد وہ قالب پر وارد ہوتے ہیں اور اس پر مدت العمر آتے رہتے ہیں پھر زائل نہیں ہو سکتے اور وہ مضر[1] بھی نہیں۔ ان کا علاج یہی ہے کہ ان کی پروا نہ کی جائے۔ اس کے بعد آپ نے رسالہ قشیریہ سے ایک بیان پڑھ کر سنایا۔ جس کے جستہ جستہ فقرات یہ ہیں:۔

اذا خلوا فی مواضع ذکرھم یھجس فی نفوسھم اشیاءٌ منکرةٌ یتحققون ان اللہ سبحانہ منزہٌ عن ذٰلک ولیس یعتریھم شبھةٌ فی ان ذٰلک باطلٌ ولکن یدوم ذٰلک نیشتدُّ تأذیھم بہ حتٰی یبلغ ذٰلک حدًا یکون اصعب شتم بحیث لایمکن للمرید اجراء ذالک علی اللسان فالواجب عند ھذا ترك مبالاتھم تبلك الخواطر واستدامة الذکر والابتھال الی اللہ باستدفاع

جب ذاکرین اپنے ذکر کرنے کی جگہوں میں خلوت نشین ہوتے ہیں تو ان کے نفوس میں بُری بُری باتوں کا خطرہ پیدا ہوتا ہے حالانکہ وہ یہ بہ یقین جانتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ ان باتوں سے پاک ہے اور اس بات میں ان کو ذرا شبہ نہیں ہوتا کہ یہ خطرہ باطل ہے۔ لیکن پھر بھی یہ خطرہ برقرار رہتا ہے۔ اس لیے ان کو اس سے سخت اذیت پہنچتی ہے حتیٰ کہ یہ خطرہ کبھی اس حد کو پہنچ جاتا ہے کہ وہ ایسی سخت گالی کی صورت اختیار کر لیتا ہے جس کا زبان پر لانا ایک مُرید کے لیے قطعاً ناممکن ہے پس اس وقت واجب ہے کہ ذاکرین ان خطرات کی بالکل پروا نہ کریں۔ برابر ذکر میں لگے رہیں اور اللہ تعالیٰ سے بعجز و زاری ان کے دفعیہ کے طالب رہیں۔ واضح رہے کہ یہ خطرات شیطانی وسوسوں کی

---

[1] حضرت کے خدام میں سے ایک صاحب کا بیان ہے کہ میں نے عرض کیا میں تو سنتا تھا کہ اس مقام میں قلب پر خواطر کا ورود نہیں ہوتا۔ مگر میں اب تک خواطر کو وارد ہوتے پاتا ہوں۔ آپ نے فرمایا ذرا غور تو کرو کہ یہ خواطر قلب پر وارد ہوتے ہیں یا قالب پر؟ میں نے جو غور کیا تو صاف معلوم ہوا کہ قالب پر وارد ہو رہے ہیں۔ میں نے عرض کیا۔ ان کا بھی کوئی علاج ہے؟ آپ نے فرمایا کیا تم فرشتہ ہی بننا چاہتے ہو۔ نہیں تم بشر ہو۔ یہ خطرات لازم بشریت ہیں۔ موت تک زائل نہ ہوں گے ۱۲

قسم سے نہیں ہیں بلکہ وہ نفس کے خیالات ہیں۔ پس جب بندہ ان کا مقابلہ بے پروائی کے ساتھ کرتا ہے تو وہ اس سے بند ہو جاتے ہیں۔

ذٰلک وتلک الخواطر لیست من وساوس الشیطٰن وانما ھی من ھواجس النفس فاذا قابلھا العبد بترک المبالات بھا ینقطع ذٰلک عنہ۔ ص۱۵۳ قشیریہ

کیفیات و حظوظ: ایک دن ارشاد کیا کہ ذکر و شغل میں کیفیات و حظوظ[۱] کو مقصود نہ بنانا چاہیے۔ بلکہ ذکر بھی مقصود نہیں۔ اصل مقصود حق تعالےٰ کی محبت کا دوام ہے۔ جس کو نسبت سے تعبیر کرتے ہیں اور ذکر و شغل وغیرہ اس کے حصول کے ذرائع ہیں۔ حظوظ و کیفیات تو کسی صورت میں بھی مقصود نہیں ہو سکتے۔ جو شخص ان کو مقصود بناتا ہے وہ ثمراتِ اعمال سے محروم رہتا ہے۔ ہاں اگر تبعاً و عرضاً حظوظ حاصل ہوں تو مضائقہ نہیں۔ پھر بھی وہ شخص جس کو حظوظ حاصل نہ ہوں اس شخص سے بہتر ہے جو ان سے متمتع ہو۔ کیونکہ حظ ایک نعمت ہے۔ جس شخص کو دنیا میں کسی طاعت پر کوئی نعمت بطورِ اجر مل گئی تو اسی قدر اس کا اجر آخرت میں کم ہو جاتا ہے۔ کیونکہ وہ عمل کے موافق اجر پانے کا مستحق ہے۔ ثُمَّ یُجْزٰىهُ الْجَزَآءَ الْاَوْفٰى[۲] (نجم ع ۲) بخلاف اس کے حظ نہ پانے والا پورے کے پورے اجر کا مستحق ہے۔ جَزَآءُ هُمْ[۳] عِنْدَ رَبِّهِمْ

لباسِ درویشی: ایک مرتبہ خاکسار نے عرض کیا کہ درویش کے لیے ظاہر آرائی بطورِ ریا تو بیشک حرام ہے لیکن اگر کوئی صالح و مخلص آدمی محض اس نیت سے لباسِ درویشی اختیار کر لے کہ لوگ اس کی طرف رجوع ہو کر ہدایت حاصل کریں۔ اور کوئی ذاتی غرض اور دنیوی منفعت اس کی مقصود نہ ہو تو کیا یہ بھی ناجائز ہے؟ آپ نے فرمایا اگر ایسی خالص نیت ہو تو پھر ظاہر آرائی میں مضائقہ نہیں۔ کیونکہ ہدایتِ خلق افضل طاعات ہے۔ جس طرح بھی بن پڑے اس کی تدبیر کرنی چاہیے۔ بابا فرید شکر گنج علیہ الرحمۃ نے اپنے ایک خلیفہ کو ہوشیار پور بھیجا کہ لوگوں کو ہدایت کریں۔ وہاں ایک ہندو جوگی کا بہت شہرہ تھا۔ تمام لوگ اس کے معتقد تھے۔ ان درویش صاحب کی بات کا کسی پر اثر نہیں ہوتا تھا۔ آخر بابا صاحب کی خدمت میں واپس گئے۔ اور حال عرض کیا۔ آپ نے فرمایا تم بھی اس جوگی کا سا لباس پہن لو۔ اور پھر وہاں جا کر اپنا کام کرو۔ یہ درویش دوبارہ ہوشیار پور گئے اور جوگی کی طرح ٹخنوں تک گیروا چولا پہن کر برہنہ سر، سرِ راہ بیٹھ گئے۔ شہر کی شیر فروش عورتوں کا دستور تھا کہ وہ صبح سویرے اپنے اپنے دودھ کے برتن سر پر اٹھا کر اس جوگی کی خدمت میں حاضر ہوتیں اور دودھ اس کو پیش کرتیں۔

۱؎ جمع حظ۔ لذت و سرور ۲؎ پھر اس کو عمل کی جزا دی جائے گی۔ پوری کی پوری جزا ۱۲ محمد محبوب الٰہی عفی عنہ

۳؎ ان کی جزا ان کے رب کے پاس ۱۲

وہ ہر برتن میں سے تھوڑا تھوڑا دودھ لے لیتا۔ مگر آج یہ تماشا ہُوا کہ ان عورتوں کا گزر جوان درویش صاحب کے پاس سے ہُوا تو وہ ہر عورت کو اشارہ سے بلاتے۔ عورت سمجھتی کہ یہ جوگی کا کوئی چیلا ہے۔ دودھ ان کے آگے رکھ دیتی۔ یہ ایک نظر دودھ پر ڈالتے اور وہ خون ہو جاتا۔ عورت اپنا برتن اٹھا کر جوگی کے آگے جا رکھتی۔ جوگی ہر عورت کے دودھ کا یہ حال دیکھ کر حیران ہُوا۔ سبب پوچھا تو سب عورتوں نے اصل حال سنا دیا۔ جوگی نے اپنا ایک چیلا بھیجا کہ اس شخص کو پکڑ لاؤ۔ چیلا گیا مگر وہ درویش کے اثر سے متاثر ہو کر ادب کے ساتھ سامنے بیٹھ گیا۔ جوگی نے انتظار کے بعد دوسرا چیلہ بھیجا۔ تو وہ بھی اسی طرح مؤدبانہ بیٹھ گیا۔ اسی طرح جوگی جس چیلے کو بھیجتا تھا وہ شریکِ حلقہ ہوتا جاتا تھا۔ آخر وہ خود درویش کے پاس آیا اور بطور معارضہ بولا۔ یا تو کچھ دکھاؤ، ورنہ دیکھ لو۔ درویش نے کہا۔ میں تو دکھا چکا ہوں، تم دکھاؤ۔ جوگی یہ سنتے ہی اوپر کو اچھلا اور ہوا میں اڑنے لگا۔ درویش نے اپنی کھڑاؤں کو اشارہ کیا۔ دونوں کھڑاویں اوپر چڑھ گئیں اور جوگی کے سر پر تڑا تڑ برسنے لگیں۔ وہ اس بلائے بے درماں سے بچنے کیلیے پاس ہی ایک پہاڑ کی طرف پناہ گیر ہُوا اور اس کی ٹھوس چٹان میں اس طرح گھستا چلا گیا جس طرح پانی میں غوطہ لگا کر اندر ہی اندر پیر جاتے ہیں۔ پہاڑ کا یہ سُوراخ اب تک تماشا گاہِ عام ہے اور جوگی کی ٹکر کے نام سے مشہور ہے۔ مگر کھڑاؤں نے اب بھی اس کا پیچھا نہ چھوڑا۔ آخر وہ ہاتھ جوڑ کر درویش کے سامنے حاضر ہُوا۔

پھر فرمایا خواجہ عزیزان علی رامیتنی قدس سرہٗ جب لوگوں کی ہدایت کے لیے نکلے تو کوئی ان کی طرف رجوع نہیں کرتا تھا۔ آخر یہ تدبیر کی کہ راہ چلتے لوگوں کو مزدوری دے کر بلاتے اور حلقہ میں بٹھا کر توجہ دیتے۔ پھر توجہ نے اثر کیا تو رجوع عام ہو گیا۔ حضرت مجدد صاحب رضی اللہ عنہ نے اپنے ایک خلیفہ میر محمد نعمان رحمۃ اللہ علیہ کو ہدایت و ارشاد کے لیے برہانپور بھیجا۔ وہ گئے تو لوگ متوجہ نہ ہوئے واپس آ کر عذر کیا تو حضرت نے دوبارہ جانے کا حکم دیا۔ اب بھی وہی حالت پیش آئی۔ پھر واپس آئے تو تیسری مرتبہ پھر جانے کا ارشاد ہُوا۔ اب کی مرتبہ رجوعِ عام ہو گیا۔ اس کے بعد فرمایا، مگر ظاہر آرائی میں شائبہ ریا سے بچنا اور شاہراہِ اخلاص پر مستقیم رہنا نہایت مشکل کام ہے۔ ہزار میں سے کوئی ایک شخص ہی اس امتحان میں پُورا اُترے تو اُترے ورنہ کیدِ نفس سے بچنا آسان نہیں۔ اسی لیے ہمارے حضرات نے عموماً ایسے لباس سے پرہیز کیا ہے جو فقر و درویشی کا نمایاں عنوان سمجھا جائے۔

تزکیۂ باطن کے لیے اکل و شرب میں احتیاط: ایک مرتبہ فرمایا کہ ذاکر و شاغل کو خورد و نوش میں نہایت احتیاط رکھنی چاہیے۔ ورنہ ثمراتِ ذکر کے حصول میں توقف و تاخیر واقع ہو جاتی ہے۔ بے نمازوں اور طہارت و نجاست کی تمیز نہ رکھنے والوں کا کھانا ہرگز نہ کھانا چاہیے۔ مشتبہ آمدنی والوں کی دعوت قبول کرنے سے پرہیز لازم ہے۔ ان باتوں سے

بعیت میں کدورت پیدا ہو کر باعث ضرر ہوتی ہے۔ فرمایا میری عادت ہے کہ بازار کی پکی ہوئی شیرینی اور نانبائی کی روٹی ہرگز نہیں کھاتا۔ کم خوری بھی لازم ہے۔ مگر انگشت نما ہونے سے بچنا چاہیے۔

مستری ظہور الدین کا بیان ہے کہ ایک مرتبہ حضرت کھانا کھاتے کھاتے رک گئے۔ فرمایا اس سے کچھ کدورت محسوس ہوتی ہے۔ سب متعجب تھے کہ کدورت کی وجہ کیا ہوگی۔ حالانکہ آٹا بڑی احتیاط سے پس کر آتا ہے۔ دال ترکاری حلال و طیب ذرائع سے مہیا ہوتی ہے۔ آٹا گوندھنے اور روٹی پکانے میں باوضو ہونے کا التزام ہے۔ آخر تحقیق سے معلوم ہوا کہ کسی قدر آٹا پڑوس سے آیا تھا۔ وہ لوگ کچھ آٹا اُدھارے گئے تھے۔ یہ آٹا اس کے عوض بھیجا تھا۔ اور انہوں نے یہ آٹا ایک ایسے گھر سے لیا تھا جس میں اراضی مرہونہ کی پیداوار آتی تھی۔

توجہ شیخ کے ثمرات مدت کے بعد: فرمایا ایک دن حضرت مرحوم (مولانا سراج الدین علیہ الرحمۃ والغفران) نے مجھ سے فرمایا۔ بھئی مجھ کو اپنے مرشد سے فقیری[1] تو ملی نہیں کہ یہ بڑی چیز ہے۔ البتہ یہ بات ملی ہے کہ پیسے کی مجھ کو محبت نہیں اگر کسی وقت میرے دل میں یہ خطور بھی ہو کہ کل کو کام کس طرح چلے گا۔ تو میں اس کو اکبر کبائر سمجھتا ہوں۔ حضرت فرماتے ہیں کہ پھر مجھ سے فرمایا۔ ایک بات کا تم عہد کرو اور ایک ہم عہد کرتے ہیں۔ میں نے معاً بلا دریافت عہد کیا کہ حضرت میرا تو عہد ہے تو فرمایا تم یہ عہد کرو کہ مکتوبات شریف کا سبق روزانہ پڑھو گے اور تا اختتام بیان قیام رکھو گے۔ میرا یہ عہد ہے کہ ہر سبق پر توجہ دوں گا پھر خلوت خاص میں دربستہ یہ زبانی و روحانی سبق ہوتا تھا۔ مگر مجھے کوئی خاص اثر محسوس نہ ہوتا تھا۔ ایک مرتبہ حضرت نے پوچھا۔ کہو حالت کیسی ہے تو ازراہ ادب[2] میں نے یہی عرض کیا کہ الحمد للہ اچھی حالت ہے۔ مگر اس توجہ کا اثر مدتوں کے بعد ظاہر ہوا۔ پھر فرمایا بعض اوقات اثر کی صورت مرشد کو محسوس ہو جاتی ہے۔ مرید کو محسوس نہیں ہوتی اور یہ تو ناممکن پیر کامل کی توجہ ہو اور بے اثر رہے ؎

روزہا باید کشیدن انتظار بے شمار
تا کہ در جوف صدف باراں شود دُرِّ عدن

---

[1] فقیری سے مراد شاید حضرت فضیلؒ ابن عیاض و بایزید بسطامیؒ و معروف کرخیؒ جیسے اکابر صوفیہ متقدمین کی سی زاہدانہ زندگی ہو۔ جو ایک وقت کا کھانا ذخیرہ رکھنا بھی خلاف توکل سمجھتے تھے اور ادھر حضرت مرحوم کی شان زندگی اور سامان لنگرخانہ امیرانہ ٹھاٹ کے تھے۔ جہاں تشریف لے جاتے خلفاؒ و خدام کا ایک جم غفیر جلو میں ہوتا اور ایک ایک سو اونٹ پر سامان ضرورت و ذخائر خوراک بار ہوتے۔ سفر میں کسی مرید پر اپنی مہمانی کا بار نہیں ڈالتے تھے۔ جہاں جاتے شاہانہ خیمے نصب ہو جاتے۔ دیگیں چڑھ جاتیں۔ ذبح کے لیے بھیڑوں بکریوں کا ریوڑ ساتھ ہوتا۔ گوناگوں کھانوں کے ڈھیر لگ جاتے اور عام زائرین و مسافرین تک سیر ہو ہو کر کھاتے۔ حضرت مرحوم نے اپنے متعلق فقیری کی نفی بطور کسر نفسی فرمائی ہے۔ ورنہ سب کچھ ہوتے ہوئے آپ کا شان توکل کچھ نہ ہوتے ہوئے توکل کرنے سے افضل ہے۔ ساحل دریا پر کھڑے ہوئے دامن تر نہ ہونے دینا کیا کرامت ہے۔ کرامت یہ ہے کہ قعر دریا میں ہوں اور دامن تر نہ ہو ۱۲

[2] یہی بات ایک مرتبہ آپ نے کُڑّہ میں بھی فرمائی تھی اور اس کے ساتھ یہ کلمات بھی اضافہ کیے تھے کہ مرید کو چاہیے کہ جب شیخ اس کی حالت ←

پھر فرمایا ایک مرتبہ خلیفہ[۱] صاحب نے اپنے مرشد (حاجی صاحب قدس سرہٗ) سے محض تبرکاً قرآن مجید پڑھا تو سالوں کے بعد اس توجہ کے اثر سے حروف مقطعات کے معنی منکشف ہوگئے۔

ایک مرتبہ فرمایا۔ میں ہر وقت، ہر جگہ اور ہر حالت میں مکاتیب شریفہ کے مضامین پر غور کرتا رہتا ہوں۔ اور ہمیشہ نئے سے نئے نکات منکشف ہوتے رہتے ہیں۔ ہمارے اہل سلسلہ کو ہمیشہ مکتوبات کا مطالعہ جاری رکھنا چاہیے۔ اس سے مکتوبات کے ساتھ خاص مناسبت پیدا ہوجاتی ہے اور ان کے مشکل مقامات حل ہوجاتے ہیں۔ جیسے کہ حدیث شریف میں قرآن مجید کے بارے میں آیا ہے کہ لَا تَنْقَضِیْ[۲] عَجَائِبُہٗ

پھر فرمایا مجھ پر مکتوبات شریف کے جو معانی نادرہ اور نکات غریبہ آج تک منکشف ہو رہے ہیں۔ میں ان انکشافات کو شیخ کی توجہ کا اثر سمجھتا ہوں۔ جیسے کہ انہوں نے فرمایا تھا کہ میں ہر سبق پر توجہ دوں گا۔ چنانچہ آج بھی ستائیس سال کے بعد ایک بالکل نیا اور اچھوتا نکتہ ذہن میں آیا ہے۔ میں نے عرض کیا کہ کیا توجہ کا اثر اس قدر عرصہ طویل کے بعد بھی ممکن ہے؟ فرمایا ہاں۔ بلکہ مرنے کے بعد عالم برزخ میں بھی شیخ کی توجہ کا اثر محسوس ہوتا ہے۔

پھر فرمایا۔ مولانا احمد برکیؒ ماوراء النہر کے باشندے تھے۔ صرف سات روز حضرت مجدد صاحب قدس سرہٗ کے حضور میں ٹھہرے۔ اسی قلیل عرصے میں درجۂ کمال کو پہنچ گئے اور خلافت پر مشرف ہوکر مراجعت فرمائے وطن ہوئے۔ حضرت مجدد صاحب نے ان سے فرمایا تھا۔ "در حق شما تخم ریزی بسیار کردیم" وطن پہنچ کر ان کلمات کے متعلق استفسار کیا۔ جس سے مدعا یہ تھا کہ کیا وجہ ہے کہ اس تخم ریزی کے ثمرات اب تک محسوس نہیں ہوئے۔ اس کے جواب میں حضرۃ المجددؒ نے تحریر فرمایا:

مخدوما! الواقع کذلک لکن حصول الثمرات منوط بمرور الدھور والازمان حال الحیٰوۃ و

اے مخدوم! فی الواقع بات یہی ہے۔ لیکن ثمرات کا حصول مدتوں اور زمانوں کے گزرنے پر موقوف ہے۔ زندگی میں اور مرنے کے

کے متعلق استفسار کرے تو ایسے کلمات کے ساتھ جواب دے جن سے کچھ سکون و طمانیت ٹپکتی ہو۔ صاف لفظوں میں یوں نہ کہنا چاہیے کہ مجھے کچھ فائدہ نہیں ہوا کہ داخل سوء ادب بھی ہے اور شیخ کے انقباض خاطر کا موجب ہونے کے سبب سے مضر بھی۔ اس پر میں نے عرض کیا کہ میرے ایک استاد ڈاکٹر فیض محمد خاں مرحوم نے ایک دن کسی تیماردار سے اپنے زیر علاج بیمار کا حال پوچھا۔ اس نے کہا۔ آپ کی دوا سے اب تک کچھ فائدہ نہیں ہوا تو ڈاکٹر صاحب نے فرمایا۔ یوں نہیں کہنا چاہیے بلکہ ایسا جواب دینا چاہیے جس سے حال بھی ظاہر ہوجائے اور معالج کو بھی ناگوار نہ گزرے ۱۲

[۱] خواجہ محمد عثمان رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ ۱۲ [۲] قرآن کے عجائب (اسرار و معارف نادرہ) کبھی ختم نہ ہوں گے ۱۲

بعد الممات البشرو لا تعجل بہ ۔ بعد دیس، تم کو مبارک ہو اور جلدی نہ کرو

پھر فرمایا۔ بعض اوقات سالک کو مقصود حاصل ہو جاتا ہے مگر اس کے حصول کا احساس وادراک نہیں ہوتا۔ اس کو جہل نسبت" کہتے ہیں اور یہ مضر نہیں۔ ہمارے برادر طریقت قاضی قمرالدین[1] مرحوم کے کمالات کو سب اہل وطن جانتے ہیں۔ ان پر بھی جہل نسبت غالب تھی۔ وہ بڑے صاحب اثر تھے۔ مگر خود کسی اثر و تاثیر کو محسوس نہ کرتے تھے۔ آگے ان کے مریدوں پر بڑا جذب و سلوک غالب تھا۔

در تماشائے تو افتاد کلاہ از سر چرخ
خبر از خویش نداری چہ قدر رعنائی

آخر میں فرمایا جو شخص نقشبندیہ سلسلہ میں داخل ہو جائے اس کو مطمئن رہنا چاہیے کہ انشاء اللہ فیض سے محروم نہیں رہے گا۔ حضرت خواجہ نقشبند قدس سرہٗ کا ارشاد ہے "ما فضلیانیم، ما مرادانیم، در طریقہ ما محرومی نیست"[2]۔

سلسلہ نقشبندیہ کا طریقہ سلوک : ایک مرتبہ حضرت نے سلسلہ عالیہ نقشبندیہ کے طریقہ سلوک پر یوں تقریر فرمائی :

انسان کا وجود دس لطائف پر مشتمل ہے :۔

پانچ لطائف عالم امر سے تعلق رکھتے ہیں۔ یعنی قلب، رُوح، سر، خفی، اخفیٰ اور پانچ عالم خلق سے متعلق ہیں۔ ایک نفس دوسرا قالب جو چار عناصر سے مرکب ہے۔ یہ بھی پانچ چیزیں ہوئیں۔ لطائف عالم کے امر اصول فوق العرش ہیں۔ اور لطائف عالم خلق کے اصول تحت العرش۔ عرش دائرہ امکان کا قطر ہے۔ حضرات نقشبندیہ لطائف عالم امر کے سیر و سلوک کو عالم خلق کے سیر و سلوک سے مقدم رکھتے ہیں۔

ہمارے حضرات پہلے اسم ذات کے ذکر کی تلقین فرماتے ہیں۔ پھر جب پانچوں لطائف عالم امر میں ذکر جاری و ساری ہو جاتا ہے تو پھر لطیفہ نفس پر ذکر کا حکم دیتے ہیں۔ پھر قالب پر ذکر جاری کراتے ہیں۔ جو عناصر اربعہ سے مرکب

---

[1] قاضی صاحب عبداللہ چکڑالوی کے چچیرے بھائی تھے، جو مشہور فرقہ اہل قرآن کا بانی ہے۔ نہایت علامہ و فہامہ تھے۔ انہوں نے عبداللہ مذکور کا وہ ناطقہ بند کیا تھا کہ ان کی زندگی میں وہ چکڑالہ میں داخل نہیں ہو سکا ۱۲

[2] تاثر و احساس میں دیر لگ جائے تو طالب کو مایوس ہونا اور اپنی عدم استعداد کا فیصلہ کر لینا نہیں چاہیے۔ حضرت مجدد صاحب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں۔ "بطوء تاثر علامت نقصان استعداد نیست۔ گروہے باشند تام الاستعداد کہ بایں بلا مبتلا گردند مکتوب ۱۴۵ جلد اوّل ۱۲

ہے ۔ قالب پر ذکر کرنے کو سلطان الاذکار کہتے ہیں ۔ اس کے بعد ذکر نفی و اثبات کی تلقین فرماتے ہیں ۔ اس کے ساتھ وقوفِ قلبی[1] بھی لازم ہے ۔ پھر مراقبۂ احدیت بایں نیت تلقین فرماتے ہیں کہ فیض[2] مے آید من از ذاتیکہ مستجمع جمیع صفات کمال ست و منزہ از ہر نقص و زوال و مورد فیض لطیفۂ قلب من ست" یہ وہ ذات ہے جو عرش پر متجلی مع[3] الصفات ہے یہ سلوک کا اجمال تھا ۔ آگے اس کی تفصیل شروع ہوتی ہے ۔ جس کا آغاز قلب سے ہوتا ہے اور قلب کو مناسبت تجلی فعلی سے ہے ۔ اس کو فنا و بقا تجلی فعلی سے حاصل ہوتی ہے ۔ دوسرل کی علامت یہ ہے کہ اس کو نسیانِ ماسوٰی ہو جاتا ہے یعنی تعلق علمی وحبی ماسوٰی سے منقطع ہو جاتا ہے ۔"

"حضرت مجدد صاحب قدس سرہٗ قلب کے بعد باقی لطائف کا تصفیہ و تزکیہ کراتے تھے مگر حضرت خواجہ محمد معصوم صاحبؒ و حضرت خواجہ محمد سعید صاحبؒ کا معمول تھا کہ لطیفۂ قلب کے بعد نفس کی طرف توجہ فرماتے تھے کہ باقی لطائف عالم امر کی فنا و بقاء انہی دونوں کے ضمن میں حاصل ہو جاتی ہے ۔ کیونکہ سابقہ طریقہ سے وقت زیادہ صرف ہوتا ہے اور ہمتیں قوی نہیں رہیں ۔"

"قلب کا مذکورہ سیر و سلوک ظلال سے متعلق ہے ۔ جس کا نام ولایتِ صغریٰ ہے اس کے بعد ولایتِ کبریٰ کا درجہ ہے ۔ جس میں اسماء و صفات کا سیر و سلوک اصالۃً ہوتا ہے ۔ صفات کے اعتبار میں ایک ان کا قیام فی نفسہ دوسرا قیام بالذات ہے ۔ پہلی حیثیت سے مبادی تعینات انبیاء علیہم السلام ہیں ۔ دوسرے اعتبار سے مبادی تعینات ملائکہ کرام ہیں ۔ یہی وجہ ہے کہ حضرت مجدد صاحب قدس سرہٗ فرماتے ہیں کہ ولایتِ ملاء اعلیٰ ولایت انبیاء علیہم السلام سے افضل ہے انبیاء علیہم السلام کو فضیلت باعتبار نبوت کے ہے ۔ ولایت انبیاء کو ولایت کبریٰ سے اور ولایتِ ملائکہ کو ولایتِ علیا سے تعبیر کیا جاتا ہے ۔ ولایتِ کبریٰ میں مورد فیض لطیفۂ نفس ہے ۔ اس میں تین دائرے اور ایک قوس ہے ۔ پہلا دائرہ ولایتِ صغریٰ کی اصل ہے ۔ دوسرا پہلے کی ۔ تیسرا دوسرے کی اور قوس تیسرے کی ۔"

---

[1] یعنی توجہ بدل و توجہ دل بذات خداوندی تعالیٰ شانہ ۱۲ محمد محبوب الٰہی عفی عنہ ۔ [2] مجھے اس ذات سے فیض پہنچ رہا ہے جو تمام کمالی صفات کی جامع اور ہر عیب اور زوال سے پاک ہے اور فیض لطیفۂ قلب پر آ رہا ہے ۱۲ واضح رہے کہ ان الفاظ کو زبان پر جاری کرنا ضروری نہیں بلکہ دل ہی دل میں یہ الفاظ بتصور معنیٰ کہنے چاہئیں ۔ فارسی زبان کا عنوان رکھنا ضروری ہے ۔ کیونکہ اکابر کے کلام میں یہی عنوان متعرب ہے جس کا معنوں سے خاص ربط ہے ۱۲ مفتی عطا محمد سلمہٗ

[3] صفات کے ساتھ جلوہ افروز ۱۲

"ولایت علیا میں موردِ فیض عناصر سوائے عنصر خاک کے ہوتے ہیں. ولایت صغریٰ و کبریٰ کے سلوک کو سلوک اسم ظاہر سے اور ولایت علیا کے سلوک کو سلوک اسم باطن سے تعبیر کرتے ہیں. جب یہ دونوا عتبار طے کر چکا تو گویا اس نے دو بازو عالم قدس میں طیران کرنے کے لیے مہیا کر لیے"

"اس کے بعد معاملہ ذات کے ساتھ وابستہ ہوتا ہے. تجلی ذاتی میں تین اعتبار ہیں. کمالات نبوت' کمالات رسالت، کمالات اولوالعزم. کمالات نبوت میں موردِ فیض عنصر خاک ہوتا ہے. اس کے بعد آخر تک ہیئت وحدانی ظہرتی ہے. یعنی لطائفِ عالم اَمر و خلق کا تصفیہ و تزکیہ ہو کر ان میں اعتدال کامل آجاتا ہے. اس اعتدال کی وجہ سے جو ہیئت پیدا ہوتی ہے وہ ہیئت وحدانی ہے"

"ولایتِ صغریٰ کا سیر و سلوک تعین علمی میں ہے اور ولایت کبریٰ سے لے کر کمالات نبوت تک تعین وجودی میں. کمالات نبوت و رسالت و اولوالعزم میں سیر و سلوک اس ذات کا ہے. اجمالاً جو وراء الوراء ہے. اس کے بعد حقائق الٰہیہ میں جن کا منشا ذات بحت کے اعتبارات ہیں. اس کے بعد صرف ذات بحت ہے. جس کو معبودیت صرفہ اور لاتعین بھی کہتے ہیں. حقائق انبیا جو تعین حبی ہیں درحقیقت داخل ولایت کبریٰ ہیں. چونکہ یہ منکشف بالکل آخر میں ہوتے ہیں. اس لیے اس کا سیر و سلوک آخر میں لکھا گیا ہے."

ایک دن فرمایا. ہمارے سلسلے میں مشائخ دس سال میں تفصیل سلوک طے کراتے ہیں. جس میں مرید کو سفر و حضر میں برابر شیخ کے ساتھ رہنا ہوتا ہے. دوسرا اجمالی سلوک. اس میں اس طرح کی معیت لازم نہیں. گاہے گاہے حاضری کافی ہے مگر آجکل لوگوں کا عجیب حال ہے. بیعت ہونے آتے ہیں تو چاہتے ہیں کہ ہتھیلی پر سرسوں جم جائے اور ایک ہی دن میں ولی بن جائیں. اور جب وطن جاتے ہیں تو پھر اس معاملہ کی بات تک نہیں پوچھتے، نہ کبھی ملاقات کے لیے آتے ہیں —

"یا بآں شوراشوری ـ یا بایں بے نمکی"

<u>رابطۂ شیخ</u>: موضع سندری کی مسجد میں ایک شخص کو بیعت کرنے کے بعد حاضرین سے فرمایا. حصولِ مراتب کے تین طریقے ہیں: (۱) ذکر اسم ذات (۲) ذکر نفی و اثبات (۳) رابطۂ شیخ

رابطہ صحبت اور تصور سے حاصل ہوتا ہے. مگر ہمارے مشائخ اس کا حکم کم فرماتے ہیں. خاکسار نے پوچھا کیا یہ خطرناک ہے؟ فرمایا نہیں، بلکہ معترضین و متشککین کے فتنے سے بچنے کے لیے. ورنہ یہ طریقہ حصولِ قرب کے لیے مفید تر اور اسلم تر

17A

ہے۔ ہمارے مشائخ نے اس کی اہمیت پر بڑا زور دیا ہے۔ حضرت مجدد صاحبؒ نے فرمایا ہے کہ اگر اتباع شریعت اور رابطۂ شیخ حاصل ہے تو انشاء اللہ خاتمہ بالخیر ہونے کی امید ہے۔ رابطۂ شیخ کے مشروع و مستحسن ہونے کی اس سے اقویٰ دلیل اور کیا ہوگی کہ مولانا رشید احمد گنگوہیؒ اور ان کی جماعت کے تمام لوگ اس کے قائل ہیں۔ مولوی خلیل احمد صاحب انبیٹھوی مرحوم نے شرح ابی داؤد میں جلد پنجم صفحہ ۸۵ باب ماجاء فی خاتم الحدید کے حاشیہ پر بذیل حدیث حضرت علی کرم اللہ وجہہ تصور شیخ کے مشروع ہونے کے دلائل پیش کیے ہیں۔ یہ مثال ان علماء کی ہے جو اپنی غایت احتیاط کی وجہ سے اہل غلو کے نزدیک بدنام اور وہابیت سے منسوب ہیں۔ ورنہ صوفیہ کے دفاتر اس کی تائید سے لبریز ہیں۔ پھر فرمایا شیخ کی محبتؑ تمام کمالات کی اصل ہے۔ اگر یہ ہے تو پھر کسی چیز کی ضرورت نہیں۔ اس سے خود شیخ کے کمالات کا عکس مرید پر پڑ جاتا ہے۔ پھر توجہ کی بھی ضرورت نہیں لیکن اگر ہو فبہا ورنہ بلا توجہ بھی کمالات حاصل ہو سکتے ہیں۔ رسالہ قشیریہ کے مؤلف پر اپنے پیر کی عظمت کا اس قدر غلبہ تھا کہ ان کی مجلس میں جاتے وقت سوء ادب کے خیال سے خائف ہوتے۔ غسل کرتے، روزہ رکھتے پھر ڈرتے ڈرتے جاتے۔ اور فرماتے ہیں کہ اس وقت مجھ پر ایسی بے حسی طاری ہو جاتی کہ اگر میرے جسم میں سوئی چبھوئی جائے تو مجھے خبر تک نہ ہوتی۔ حضرت مرزا جانجاناں مظہر الشہید علیہ الرحمۃ کے ایک مرید پر اپنے پیر کی اطاعت کا جذبہ اس قدر غالب تھا کہ ہر کام پوچھ کر کرتے۔ حتیٰ کہ اگر تے آنے لگتی تو بھی اپنا گلا پکڑے ہوئے مرزا صاحبؒ کے حضور میں آتے اور پوچھتے حضرت قے کروں یا نہ کروں؟ حضرت ابوحفص حداد رحمۃ اللہ علیہ کے ایک مُرید کا بھی یہی حال تھا کہ کوئی کام پیر سے پوچھے بغیر نہ کرتے۔ تنور میں روٹی لگانے کی خدمت ان کے سپرد تھی۔ ایک دن حسب عادت پوچھنے آئے۔ حضرت تنور میں روٹی لگاؤں؟ ابوحفصؒ اس وقت کسی کے ساتھ گفتگو میں مشغول تھے۔ ملتفت نہ ہوئے۔ انہوں نے پھر وہی سوال کیا۔ مگر جواب نہ پایا۔ تیسری مرتبہ پھر وہی سوال دُہرایا۔ ابوحفصؒ نے دق ہو کر کہا، تم خود کیوں نہیں تنور میں جا پڑتے۔ یہاں تعمیل میں کیا دیر تھی، گئے اور فوراً تنور میں کود پڑے ؎

عاشقاں را گر در آتش مے پسندد لطف دوست
تنگ چشمم گر نظر بر چشمۂ کوثر کنم (حافظ)

لہ خواجہ محمد معصوم قدس سرہٗ فرماتے ہیں۔ در طریقہ ما مدار وصل بدرجہ کمال مربوط برابطہ محبت است بشیخ مقتدا طالب صادق از راہ محبت کہ بشیخ دارد و اخذ فیوض و برکات از باطن او مے نماید و بمناسبت معنویہ ساعۃ فساعۃ برنگ او مے برآید ۱۲ مکتوب ۸۰ جلد اول

آں گرم رو بعشق سنزد کز کمالِ شوق

پروانہ وش بآتشِ سوزاں دروں رود (جامی)

تھوڑی دیر کے بعد ابوحفص کو خیال آیا کہ وہ حکم کی تعمیل سے ٹلنے والا نہیں۔ مبادا تنور میں کود پڑے۔ فوراً مریدوں کو لنگرخانہ کی طرف دوڑایا۔ مرید وہاں پہنچ کر کیا دیکھتے ہیں کہ وہ تنور میں پڑے ہیں اور بال بیکا نہیں ہوا ہے

کسے کہ سوخت بداغِ خلیل مے داند

کہ آتشِ دگراں ست عشق و باغِ من ست

پھر فرمایا آجکل کچھ ایسی وہابیت کی رَو چل گئی ہے کہ اعتقاد۔ محبت اور ادب یکسر اٹھ گیا۔ بیعت بھی ہے۔ انتساب سلسلہ بھی، ورد وظائف بھی۔ مگر محبت و اعتقاد نہیں اور مراسم ادب کی پابندی نہیں۔ یہی وجہ ہے کہ فیض بھی کم پہنچتے ہیں حضرت حاجی دوست محمد صاحب مرحوم جب اپنے مرشد حضرت شاہ احمد سعید صاحب قدس سرہٗ کی خدمت میں تھے تو ان کے بیت الخلاء کا قدمچہ خود اپنے ہاتھ سے صاف کرتے ے

تا ابد رنگِ کمالات نگیرد ہرگز

ہر کہ خاکِ درِ میخانہ برخسار نرُفت

حضرت حاجی صاحب فرمایا کرتے تھے کہ میں نے جو کچھ پایا ہے۔ شیخ کی محبت سے پایا ہے اور حضرت شاہ احمد سعید حاجی صاحب سے معانقہ کرکے ان کے حق میں فرماتے:۔

وجد ما وجد من محبتنا والمحبۃ التی لی بہ لیست بغیرہ من الاصحاب وھو مخصوص من بینھم۔

انہوں نے جو کچھ پایا ہے ہماری محبت سے پایا ہے اور ہم کو بھی ان کے ساتھ جو محبت ہے وہ رفقا میں سے کسی کے ساتھ نہیں۔ وہ ان میں سے خاص درجہ رکھتے ہیں۔

طریقۂ ذکر: سلسلہ نقشبندیہ میں پہلے اسم ذات کا ذکر خفی کرایا جاتا ہے۔ اس کا طریقہ کنز الہدایات میں مکتوبات خواجہ محمد معصوم قدس سرہٗ سے یوں منقول ہے:۔

طریق ایں ذکر آنست کہ طالب ما باید کہ زبان خود را بکام چسپاند و بجمیع ہمت متوجہ قلب صنوبری گردد پہلوے

اس ذکر کا طریقہ یہ ہے کہ طالب کو چاہیے کہ اپنی زبان کو تالو سے لگالے اور پورے عزم کے ساتھ قلب صنوبری کی طرف جو

چپ واقع ست گردد۔ و ایں قلب صنوبری آشیانۂ قلب حقیقی ست کہ از عالم امر ست و آنرا حقیقتِ جامعہ نیز گویند و لفظ مبارک اللہ را در دل بطریق خطرہ بگذراند و بزبانِ دل ایں لفظ خطیر بگوید۔ بے آنکہ صورت دل را تصور کند و نفس را بند نکند و در ذکر گفتن ہیچگونہ آنرا دخل ندہد نفس بطور خود ے آمدہ باشد۔ مکتوب ۱۱۳ / ۲۔ ج

بائیں پہلو میں واقع ہے متوجہ ہو۔ اور یہ قلب صنوبری قلب حقیقی کا آشیانہ ہے جو عالم امر سے ہے اور اس کو حقیقت جامعہ بھی بھی کہتے ہیں اور لفظ مبارک اللہ کو دل میں بطور خطرہ گزارے اور دل کی زبان سے اس بزرگ لفظ کو کہے۔ بلا اس کے کہ دل کی صورت کا تصور کرے اور سانس کو بند نہ کرے اور ذکر کرنے میں اس کو کسی طرح کا دخل نہ دے۔ سانس بطور خود آتا رہے۔

بیعت کے بعد خاکسار کو بھی مجملاً اسی طرح ذکر کرنے کی ہدایت ہوئی تھی۔ مگر دو روزہ مختصر حاضری میں اس کو تفصیلی طور پر سیکھنے کا موقع میسر نہ ہوا۔ اس لیے کما حقہٗ اس پر عمل نہ ہو سکا۔ پھر حاضری خانقاہ کے ایام میں اس طریق ذکر کو اخذ کرنے کی کوشش شروع کی تو اس سرعت رفتار کے ساتھ ذکر کا جریان قلب میں نہ ہوتا تھا کہ حسب ہدایت پچیس ہزار کی تعداد پوری ہو سکے۔ لفظ مبارک "اللہ" کے ایک ہی مرتبہ متصور ہونے میں کئی سیکنڈ خرچ ہو جاتے تھے۔ مجھے بڑی حیرت و پریشانی لاحق ہوتی تھی کہ دوسرے لوگ ذکر پر اس تیزی کے ساتھ تسبیح کو کیونکر گردش دے رہے ہیں کہ میرے ایک مرتبہ اللہ کہتے کہتے وہ تسبیح کے پندرہ بیس دانے گرا جاتے ہیں؟

میرے استفسار پر حکیم عبدالرسول صاحب نے فرمایا۔ ابتدا میں ہر ذاکر کو یہ مشکل پیش آیا کرتی ہے۔ لیکن جب ذکر رواں ہو جاتا ہے تو قلب کی تیزیٔ رفتار کو تسبیح کی گردش بھی نہیں پہنچتی اور ذاکر کو اپنے قلب سے ذکر کی آواز صاف سنائی دیتی ہے۔ مولوی نور احمد صاحب نے مجھے تشفی دی کہ یہاں اگر اجرائے ذکر میں دقت محسوس ہوتی ہے تو امید ہے کہ وطن پہنچ کر یہ دقت رفع ہو جائے گی۔ کیونکہ بعض اوقات صحبت شیخ جاذب قوی ہونے کے سبب سے قلب کو من کل الوجوہ اپنی طرف متوجہ رکھتی ہے۔ پھر غیبت میں قلب اپنا کام بآسانی کرنے لگتا ہے۔ مولوی عبداللہ صاحب نے فرمایا کہ ایک مرتبہ میں نے کسی دفتر میں برقی پنکھا چلتا دیکھا۔ اس کے مقابلے میں مَیں نے بھی اپنے قلب کی باگیں ذکر پر چھوڑ دیں۔ تو وہ برق رفتار پنکھے سے بھی آگے رہتا تھا۔ سید عبدالسلام صاحب نے اس گتھی کو سلجھانے کی یوں کوشش کی کہ ذکر خفی پر قلب کی اس قدر تیزیٔ رفتار کوئی تعجب کی بات نہیں۔ یہ ذکر خیالی طور پر ہوتا ہے اور پیک خیال کی سبک پروازی ظاہر ہے کہ ایک آن میں ہفت اقلیم کا چکر کاٹ جائے۔ کپڑا سینے کی مشین کس سرعت سے ٹانکا لگاتی چلی جاتی ہے کہ نظر اس پر قابو نہیں پا سکتی

کم از کم اسی سرعت سے قلب بھی ذکر کرتا چلا جاسکتا ہے۔ پھر انہوں نے اپنی تسبیح کو دو انگلیوں سے سونتا اور کہا ذکر اس تیزی سے بھی ہو سکتا ہے۔ دوسرے لوگ اس کو ناممکن سمجھیں گے۔ مگر ہم لوگوں کا چونکہ یہ حال ہو چکا ہے اس لیے ہمارے لیے یہ ممکن بلکہ امر واقع ہے۔

ان بھانت بھانت کی بولیوں نے مجھے اور بھی حیرت میں ڈال دیا ؎

شد پریشاں خوابِ من از کثرتِ تعبیرہا

ایک دو روز پریشانی و وحشت میں گزرے۔ آخر ارادہ کیا کہ یہ مشکل حضرت ہی سے حل کرائی جائے ؎

بیا کہ چارۂ ذوقِ حضور و نظمِ امور

بفیضِ بخششِ اہلِ نظر توانی کرد

میں نے تخلیہ کا موقع پا کر حضرت کی خدمت میں عرض کیا کہ مجھے اب تک ذکر کا کچھ پتہ نہیں لگتا کہ کیونکر ہونا چاہیے آپ اس وقت کسی کتاب کا مطالعہ فرما رہے تھے۔ میری طرف نگاہ اٹھا کر فرمایا تم کو سردست پانچ لطائف قلب، روح، سر، خفی، اخفیٰ میں ذکر کرنا چاہیے اور میں تم کو انہی لطائف میں توجہ دیا کرتا ہوں۔ پھر میری قمیص کا دامن اٹھا کر الگ الگ ان لطیفوں کے مقام بتائے۔ ہر لطیفہ پر انگلی رکھ کر نوبت بنوبت لفظ اللہ بآواز کہا اور مجھے ذکر شروع کرنے کا حکم دیا۔ اب جو میں الگ جا کر ذکر کرنے لگا تو بطور کلام نفسی اللہ اللہ اللہ کا ایک ممتد سلسلہ قلب سے گزرتا چلا جاتا تھا۔ اور میں دیکھتا تھا کہ اس سلسلے کی رفتار کو تیز سے تیز تر کر لینا اپنے اختیار کی بات ہے۔

میں سُنا کرتا تھا کہ فلاں شیخ ایک مرتبہ قلب پر انگلی رکھ کر اس کو جاری کر دیتے ہیں۔ اب اس قول کی تصدیق ہو گئی۔ کل برادرانِ طریقت کی گوناگوں تقریروں، تمثیلوں اور توجیہوں نے کچھ بھی عقدہ حل نہ کیا تھا۔ مگر آج شیخ کامل کے صرف اشارۂ انگشت نے معمّے کا معمّا کھول کر رکھ دیا ؎

مشکلِ خویش بر پیرِ مغاں بردم دوش

کو بتائیدِ نظر حلِ معمّا مے کرد

حضرت نے بیعت کے وقت بھی میرے قلب پر انگلی رکھی تھی اور لفظ اللہ بآواز کہا تھا لیکن جب میں نے بروقت اس تلقین سے فائدہ نہ اٹھایا اور اس تحریک یافتہ عمل کو آگے جاری نہ کیا تو شیخ کے اشارۂ انگشت کا قصور نہیں اپنا

قصور تھا۔ مشین کے ماہر نے مشین کو فٹ کر دیا اور تیل دے کر چلنے کے قابل بنا دیا لیکن جب مشین مین ہی اس کو نہ چلائے اور مدتوں اسے بیکار پڑی رہنے دے تو ماہر کیا کرے؟

بیعت سے کچھ عرصہ پیشتر میں نے مستری ظہور الدین کی پہلی ملاقات میں ان سے پوچھا کہ حضرت ابتدا میں کتنی مرتبہ روزانہ ذکر کرنے کا امر فرماتے ہیں تو انہوں نے کہا۔ کم از کم پچیس[1] ہزار مرتبہ۔ یعنی ڈھائی سو تسبیح۔ میں نے تعجب کے ساتھ کہا کاروباری یا علم و قلم کا شغل رکھنے والا آدمی روزانہ اس قدر لمبا وظیفہ کیونکر پورا کر سکتا ہوگا۔ مستری صاحب نے ہنس کر کہا بآسانی پورا کر سکتا ہے بلکہ بعض ذاکر لاکھ[2] لاکھ مرتبہ روزانہ ذکر کر لیتے ہیں۔ اس وقت میرے نزدیک یہ باتیں نہایت تعجب خیز بلکہ ناقابلِ یقین تھیں۔ لیکن آج میں ان کو واقعات کی شکل میں دیکھ رہا ہوں۔ فالحمد للہ!

میں پہلے غلطی سے قلب کے فعل کو زبان کے فعل پر قیاس کرتا تھا۔ یعنی زبان سے اللہ کہتے وقت جس طرح مخارج دہن کے لیے الف کو لام کے ساتھ اور لام کو دوسرے الف کے ساتھ ضم کرنے اور پھر ہا کو ادا کرنے کی ضرورت ہے۔ میں سمجھتا تھا ذکر خفی میں یہی ترکیب و ترتیب قلب کو بھی عمل میں لانی چاہیے۔ جس کے لیے ذکر خفی میں اتنی ہی دیر لگتی تھی جو زبان سے اللہ کہنے میں لگتی ہے۔ حالانکہ دو عمل کچھ اور ہے یہ کچھ اور۔ پہلے عمل کا نام ہے تلفظ۔ دوسرے کا نام ہے تصور تلفظ کا عمل زینہ بزینہ ادا ہوتا ہے اس لیے کچھ زمانہ چاہتا ہے۔ اور تصور ایک چشمک برق ہے جو ایک آن سے بھی کم میں تلفظ کے مفاد کو اپنے مخصوص انداز میں ادا کر دیتا ہے۔ زبان اللہ اللہ اللہ کہے گی تو ہر مرتبہ اس اسم پاک کی حرفی تفصیل کو پورا کرنا اس کے لیے لازم ہے۔ مگر قلب ذکر کرے گا تو اس اسم پاک کی صرف اجمالی صورت کو لے گا۔ زبان جتنی دیر میں ایک ہی مرتبہ اس اسم کی حرفی ترتیب کو سلجھائے گی، قلب اتنے میں اس کے ذکر کا ایک طویل سلسلہ طے کر جائے گا اس سے ظاہر ہے کہ عادت عام میں یہ محال ہے کہ ذکر میں زبان قلب کا ساتھ دے سکے۔

ایک مرتبہ خاکسار نے حضرت کی خدمت میں عرض کیا کہ کیا پانچوں لطیفوں میں یکجائی ذکر بھی ہو سکتا ہے یا فرداً فرداً

---

[1] حکیم عبدالرسول صاحب نے بتایا کہ اس تعداد میں حکمت یہ ہے کہ انسان رات دن میں چوبیس ہزار مرتبہ سانس لیتا ہے۔ پس اتنی تعداد میں ذکر کرنے کا مفاد یہ ہوا کہ گویا اس کا کوئی سانس ذکر سے خالی نہیں۔ وہذا حق العبودیۃ ۱۲

[2] ایک مرتبہ خوشاب میں حضرت نے فرمایا کہ ایک بی بی متقین کے موافق ذکر کیا کرتی ہے۔ اس سے پوچھا گیا۔ کتنی تعداد میں ذکر ہو جاتا ہے تو اس نے کہا۔ مجھے حساب نہیں آتا۔ البتہ تسبیح کا شمار رکھ لیتی ہوں۔ اس کے متعینہ شمار کو دیکھ کر حساب لگایا گیا تو معلوم ہوا کہ سوا لاکھ روزانہ ذکر کر لیتی ہے ۱۲

ہی کرنا چاہیے۔ فرمایا۔ فرداً فرداً کرنا چاہیے۔ اور زیادہ تر قلب میں ذکر کرنا چاہیے۔ اس سے دوسرے درجے پر اخفیٰ ہیں۔ باقی لطائف میں ان سے کم۔

س ۔ کیا ذکر میں لطائف کی ترتیب کو ملحوظ رکھنا ضروری ہے ؟

ج ۔ ضروری تو نہیں۔ جس ترتیب سے چاہے ذکر کر سکتا ہے۔ مگر ترتیب کا لحاظ رکھنا مستحسن ہے۔ ہمیشہ ذکر کو قلب سے شروع کرنا چاہیے۔

س ۔ قلب کے جاری ہونے یا لطائف ستہ کے جاری ہونے کے کیا معنیٰ ہیں ؟

ج ۔ اس کے معنیٰ یہ ہیں کہ ان میں حرکت پیدا ہو جائے۔ کبھی ان کی حرکت کے اتباع میں جسم کے اندر بھی حرکت پیدا ہو جاتی ہے، مگر یہ ضروری نہیں۔ اصل مقصد توجہ الی اللہ ہے۔ جب لطائف اس طرح متوجہ الی اللہ ہو جائیں کہ کوئی مشغلہ یا منظر اس توجہ کو منقطع نہ کر سکے تو یہی ان کا جاری ہونا ہے۔ جس طرح آنکھ کا کام ہے دیکھنا اور کان کا کام ہے سننا۔ جب آنکھ کھلی ہو اور کوئی منظر اس کے سامنے آئے تو ممکن نہیں کہ وہ اس کو محسوس بہ نظر نہ ہو اور جب کان شنوا ہو اور کوئی آواز اس کے اندر پڑے تو ممکن نہیں کہ وہ اس کو محسوس بسماعت نہ کرے۔ اسی طرح جب ان لطائف پر ذکر کا اس قدر غلبہ ہو جاتا ہے کہ مذکور کو کسی حالت اور کسی وقت میں فراموش نہیں کر سکتے تو اسے کہتے ہیں کہ لطائف جاری ہیں۔ جس شخص کے لطائف جاری ہوں اس کو دنیوی مشاغل میں لطائف کے اس عمل سے ذہول ہو سکتا ہے لیکن لطائف اپنا کام کرتے رہتے ہیں۔ وہ شغل لطائف کو اپنے کام سے نہیں روک سکتا۔ اس کی مثال ایک گھڑی کی سی ہے۔ گھڑی والا خواہ کسی طرف متوجہ ہو اور کسی شغل میں مشغول ہو اس کی جیب کے اندر گھڑی اپنا کام کرتی رہتی ہے۔

س ۔ اکثر ذاکر تسبیح پھیرتے ہیں تو اِدھر اُدھر تکتے بھی جاتے ہیں اور مخاطب کی بات سنتے اور اشارہ سر سے یا منہ سے ہاں ہوں بھی کرتے جاتے ہیں کیا اس طرح ذکر کرنا درست ہے ؟

ج ۔ ابتدا میں ذکر کے وقت تخلیہ اور تمام ماحول سے صرفِ نظر ضروری ہے۔ پھر جب توجہ الی اللہ کا ملکہ راسخ ہو جاتا ہے تو ماحول کی طرف نظر، مخاطب کی طرف توجہ اور اس کے مکالمات کا جواب اشارہ سر وغیرہ سے دینا مضر نہیں۔ کیونکہ اس وقت "دل بیار و دست بکار" کا معاملہ ہوتا ہے۔ مگر ابتدا میں یہ مشکل ہے کیونکہ حواس جو جواسیس قلب ہیں، ان کو ماحول سے منقطع رکھنا صفائی قلب کے لیے لازم ہے۔ اس لیے بزرگانِ دین ذکر کے وقت ضروری سمجھتے ہیں

کہ تاریکی ہو یا کمرہ چھوٹا ہو تا کہ نظر محدود رہے یا کم از کم خلوتِ صغیرہ ہو۔ جس سے مراد یہ ہے کہ اپنے آپ کو ہر طرف سے ایک کپڑے میں ڈھک لیا جائے۔ تاکہ قلب خواطر سے محفوظ رہے۔

پھر فرمایا ہمارے حضرات نقشبندیہ ہمیشہ تا دمِ آخر اسمِ ذات اور نفی و اثبات کے ورد اور تہلیلِ لسانی کو لازم سمجھتے ہیں تاکہ صفائی قلب قائم رہے اور کدورات دفع ہوتی رہیں۔ کدورتوں کے اسباب روزانہ پیش آتے ہیں۔ ان کا روز کا روز علاج ہونا چاہیے۔ مثلاً سفہاء و جہلاء کے میل جول سے پرہیز۔ بدست و بدمذہب لوگوں کی ملاقات سے اجتناب۔ کھانے پینے میں احتیاط اس لیے بعض بزرگ اپنی روٹی خود پکاتے ہیں کہ دوسرے کے ہاتھ کی پکی ہوئی روٹی قابلِ اطمینان نہیں ہوتی۔ شیخ کے برتن محفوظ و مخصوص رکھنے میں یہی مصلحت ہے کہ وہ اسبابِ کدورات سے ملوث نہ ہوں۔ اس لیے مریدوں کو حکم ہے کہ اپنے شیخ کے برتن استعمال نہ کریں۔ اس میں پاسِ ادب کے علاوہ ان کی حفاظت بھی مقصود ہے۔ حضرت مرزا جانجاناں مظہر الشہید قدس سرہٗ ایک مرتبہ اپنے شیخ حضرت سید نور محمد بدایونیؒ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ راستے میں ایک شرابی ان کے پاس سے گزرا جب مرزا صاحب شیخ کی خدمت میں پہنچے تو انہوں نے فرمایا۔ تم سے شراب کی بو آتی ہے۔

(۴) وقائع شتّٰی

<u>اولیاء اللہ وفات کے بعد</u>: ایک مرتبہ اولیاء اللہ کے ذکر میں فرمایا کہ خوشاب میں ایک جگہ مزدور فجر کی تاریکی میں مٹی کھود رہے تھے۔ ایک جگہ پھاوڑا اجوڑا تو ایک برقی روشنی نمودار ہوئی۔ مزدور ڈر کر پیچھے ہٹ گیا۔ لوگ جمع ہو گئے۔ معلوم ہوا ایک قبر ہے۔ قبر کھودی گئی تو اس کے اندر انوار سے چکاچوند کا عالم تھا۔ کفن کو ہاتھ لگایا تو بوسیدگی سے راکھ ہو گیا تھا مگر بدن سالم و درست تھا حتٰی کہ ایک معتبر راوی کا بیان ہے کہ اس نے خود تجربہ کے لیے بالوں کو چھوا اور کسی قدر کھینچ کر دیکھا تو وہ مضبوط تھے۔ فرمایا اولیاء اللہ کے اجسام کا اللہ تعالیٰ خود حافظ ہے۔ انبیاء کے جسم کا محفوظ و مصون ہونا تو منصوص ہے۔ اولیاء اللہ بھی انبیاء کے نائب ہیں۔

پھر فرمایا ایک مرتبہ دریائے اٹک کا پانی کناروں کو تراشتا جاتا تھا۔ ساحل سے زمین کا ایک بڑا ٹکڑا جدا ہو کر گرا تو اس میں سے ایک لاش کفن میں لپٹی ہوئی نکلی اور پانی میں بہنے لگی۔ پھر کچھ دور جا کر وہ لاش پانی کی سطح پر ٹھہر گئی۔ اتنے میں

مٹی کا ایک اور بڑا ٹکڑا گرا تو اس میں سے دوسری لاش نکل اور پانی میں بہتی ہوئی پہلی لاش تک پہنچ گئی۔ پھر دونوں لاشیں اکٹھی تیرتی ہوئی[1] چلی گئیں۔

فرمایا امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے ایک مرتبہ نہر کھدوائی۔ سامنے قبرستان پڑتا تھا۔ حکم دیا کہ لوگ اپنے اپنے مردوں کے جسم نکال کر دوسری جگہ دفن کر دیں۔ لوگوں نے اس حکم کی تعمیل کی۔ باوجودیکہ بیس بیس سال کی لاشیں مدفون تھیں۔ مگر بعض کو دیکھا گیا تو ان کے وجود پر ایسی تازگی پائی جاتی تھی گویا ابھی لحد میں رکھے ہیں۔ حتیٰ کہ کسی میت کے جسم پر اتفاق سے کوئی زخم پہنچا تو اس سے لہو جاری ہو گیا۔

اس کے بعد فرمایا آجکل سوءِ اعتقاد اور کج فہمی کی رو کچھ اس قسم کی چلنے لگی ہے کہ جو باتیں از قسم خوارق کتبِ دین میں لکھی ہیں ان کو توہمات سمجھتے ہیں اور جو بات یورپ کی کتابوں میں درج ہو اگرچہ وہ کیسی ہی لغو و بیہودہ ہو اس پر آمنا و صدقنا کہنے کو تیار ہیں۔ میں نے عرض کیا کہ لکھنؤ کے اخبار "سچ" ۲۰ نومبر ۱۹۳۱ء میں رائٹر کا ایک تار چھپا ہے۔

"کناڈا میں کوئلہ کی ایک نئی کان کے اندر دو چھپکلیاں ہزار ہا ہزار سال کی مدت کے بعد زندہ برآمد ہوئیں۔ یہ کان ابھی دریافت ہوئی ہے۔ کان کھودتے ہی یہ چھپکلیاں نظر پڑیں۔ ان میں سے ایک تو تھوڑی سی کمزور حرکتوں کے بعد مر گئی لیکن دوسری ہزار ہا سال کی زندگی کو ابھی قائم رکھے ہوئی ہے۔"

اس تار پر اخبار مذکور کے ایڈیٹر صاحب یہ حاشیہ اضافہ کرتے ہیں جس میں "نئی روشنی" والوں سے خطاب ہے:

رائٹر کا یہ تار انگریزی اخبارات میں آپ پڑھتے ہیں اور خبر پر بلا تامل و توقف یقین لے آتے ہیں۔ زیادہ سے زیادہ اسے ایک حیرت انگیز واقعہ سمجھتے ہیں۔ اس سے آگے اس کے انکار کرنے یا اس کی واقعیت میں شک کرنے کی بھی جرأت آپ کو نہیں ہوتی حالانکہ آپ کو نہ راوی کا نام معلوم، نہ اس کی عدالت اور ثقاہت کا کوئی علم لیکن جب آپ قرآن مجید میں ایک نبی اور ان کے گدھے کا حال پڑھتے ہیں جنہیں صرف سو سال کے بعد زندہ کر دیا گیا تھا یا احادیث میں اس قسم کے معجزات کا تذکرہ دیکھتے ہیں تو معاً آپ کی سوئی ہوئی عقلیت اور روشن خیالی بیدار ہو جاتی ہے۔ اور آپ طرح طرح کے ظنون و شکوک اوہام و وساوس کے شکار ہو کر رہ جاتے ہیں۔

---

[1] اسی قسم کا ایک واقعہ تذکرۃ الرشید میں بھی لکھا ہے۔ ممکن ہے کہ دونوں روایتیں ایک واقعہ سے تعلق رکھتی ہوں یا دو واقعے ایک ہی طرح وقوع پذیر ہوئے ہوں۔ ۱۲

حضرت نے فرمایا سنا ہے ایک مرتبہ بڑھئی ایک لکڑی کو چیر رہے تھے۔ جب چیرتے چیرتے لکڑی کے وسط میں پہنچے تو آرا ٹیڑھا چلنے لگا۔ بڑھئی ہر چند کوشش کرتے تھے مگر آرا کی رفتار ٹیڑھی ہی رہی۔ آخر جب لکڑی کے دو ٹکڑے الگ ہو گئے تو ان میں سے ایک گوہ (سوسمار) نکل کر بھاگ گئی۔ اب معلوم ہوا کہ آرا اس مقام سے ٹیڑھا چلنے لگا تھا جہاں یہ گوہ اپنے کھوکھل میں بیٹھی تھی۔

بلقیس کا تخت: خوارق کے بیان میں بلقیس کے تخت کا ہزار ہا میل سے ایک لحہ میں آجانے کا ذکر ہوا تو فرمایا حضرت شیخ اکبر علیہ الرحمۃ پر تعجب ہے کہ وہ اس واقعہ کے متعلق یوں تاویل کرتے ہیں کہ وہ تخت بعینہٖ سبا سے حضرت سلیمان علیہ السلام کے پاس نہیں آیا بلکہ وہاں سے معدوم ہو کر یہاں از سرِ نو پیدا ہو گیا تھا حالانکہ یہ تاویل اگر استبعاد واقعہ کی بنا پر کرنی پڑی تو کیا اعدام و ایجاد کا فعل بھی بجائے خود مستبعد نہیں؟

عورتوں کی بے دینی: عورتوں کی بے دینی کا ذکر ہو رہا تھا۔ فرمایا آجکل عورتوں کی بے دینی حدِ انتہا تک پہنچ گئی۔ میں نے عرض کیا کہ ہمارے علاقہ میں اکثر نمازی عورتیں فرض واجب وغیرہ تمام نمازیں بیٹھ کر پڑھتی ہیں۔ بلکہ بعض عورتیں یہ دعویٰ کرتی ہیں کہ عورت ذات کے لیے بیٹھ کر نماز پڑھنے کا حکم ہے کہ اس میں زیادہ پردہ ہے۔ ہر چند ان کو کتابیں دکھا دکھا کر سمجھایا جاتا ہے مگر بہت کم اثر ہوتا ہے۔ آپ نے اس پر بڑی حیرت ظاہر کی اور فرمایا ملک سندھ میں اس سے زیادہ افسوسناک حال ہے۔ اول تو عورتوں میں سرے سے نماز کا رواج ہی نہیں۔ اگر کوئی خدا کی بندی نماز پڑھنے لگے تو دوسری عورتیں اس کو طعنہ دیتی ہیں اور آپس میں چرچا کرتی ہیں کہ نہ معلوم اس سے کون سا بڑا گناہ ہو گیا ہے کہ اب نمازیں پڑھ پڑھ کر بخشوا رہی ہے۔

ولایت اور خوارق: ایک مرتبہ فرمایا ولایت سے مراد قربِ بلاکیف ہے جس کے لیے یادِ حق کا دوام لازم ہے جس قدر قرب میں کمال ہوگا۔ اسی قدر ولایت بدرجۂ اتم ہوگی۔ مگر لوگوں نے غلطی سے صرف ظہورِ خوارق کو ولایت سمجھ رکھا ہے حالانکہ اس مقام میں یہ چیزیں ہیچ[1] ہیں۔ خواجہ عبدالخالق غجدوانی قدس سرہٗ کے حضور میں ذکر ہوا کہ فلاں شخص ہوا پر اڑتا ہے۔ فرمایا یہ کون سا کمال ہے، پرندے بھی تو اڑتے ہیں۔ پھر ذکر ہوا کہ فلاں شخص پانی پر چلتا ہے۔ فرمایا یہ کون سا کمال ہے خس و خاشاک

---

[1] مکتوباتِ معصومیہ میں شیخ شہاب الدین سہروردی قدس سرہٗ سے منقول ہے کہ مرتبہا ایں ہمہ خوارق و کرامات فرو تر ست از مرتبۂ تجربہ بعد کرد وجود و ذکر ذات ۱۲ مکتوب ۲۰۵ جلد اول

بھی پانی کی سطح پر چلتے ہیں۔ پھر کہا گیا۔ فلاں شخص ایک لمحہ میں ایک جگہ سے دوسری جگہ پہنچ جاتا ہے۔ فرمایا یہ کہاں کا کمال ہے شیطان مشرق سے مغرب تک پہنچ جاتا ہے۔ پھر فرمایا:

مرد آنست کہ زن کند و درمیان خلق نشیند و داد و ستد کند — مرد وہ ہے جو نکاح کرے اور لوگوں میں بیٹھے، لین دین کرے اور

ویک لمحہ از ذکر خدا غافل نماند — (ساتھ ہی) ایک لمحہ کے لیے بھی خدا کی یاد سے غافل نہ ہو۔

دشمن کے ساتھ مناسب سلوک: ایک مرتبہ خاکسار نے عرض کیا۔ اگر کوئی شخص علماء کی توہین و تضحیک کا عادی ہو۔ امور دین مثل تعمیر مسجد و اصلاح رسوم میں حارج اور رسوم جاہلیت اور بدعات کا حامی اور مروج ہو۔ کیا اس کے حق میں بددعا کرنا اور اس کی تخریب و تباہی کے لیے کوئی عمل کرنا جائز ہوگا یا نہیں؟ آپ نے فرمایا میں اس کے متعلق کچھ نہیں کہہ سکتا پھر کسی قدر توقف کے ساتھ فرمایا۔ اگر ایسی ہی قبولیتِ دعا کی امید ہے تو کیوں نہ یہ دعا کی جائے کہ وہ نیک بن جائے۔ علماء کی تعظیم کیا کرے اور امورِ دین کا حامی ہو۔[1]

؎ گڑ سے جو مرے تو زہر کیوں دو

محبتِ شیخ: ایک مرتبہ فرمایا۔ میں ایام جوانی میں بہت طاقت ور تھا۔ والد مرحوم کا ارادہ تھا کہ فوج میں کوئی عہدہ دلایا جائے۔ اس لیے مجھے گھوڑے کی سواری کا فن بھی خاص طور پر سکھایا تھا۔ طاقت کا یہ عالم تھا کہ ایک مرتبہ حضرت[2] مرحوم آخر شب میں سُون کے علاقہ سے سوار ہوئے۔ خوشاب پہنچنا تھا۔ جو بارہ میل دُور تھا۔ مجھ سے فرمایا راستے میں پانی صرف ہندوؤں کی سبیلوں سے مل سکے گا۔ وضو کے لیے بڑی دقت پیش آئے گی۔ میں نے اسی وقت پانی کا لوٹا ساتھ لیا اور پیدل حضرت کی سواری کے ساتھ چل پڑا۔ سواری اس سرعت سے چلتی تھی کہ ساتھ کے تمام سوار اور پیادے پیچھے رہ گئے مگر میں رکاب کے ساتھ تھا۔ فجر کی نماز کے وقت خوشاب پہنچے تو میں نے وضو کے لیے پانی کا لوٹا پیش کیا۔

ایک بار ارشاد فرمایا کہ میں حضرت مرحوم کی زیارت کے لیے موسیٰ زئی شریف جاتا تھا۔ تو صرف دریا خاں تک ریل کی سواری ملتی۔ اگلی مسافت پیدل طے کرنی پڑتی جو لق و دق بیابانوں اور خشک ریگستانوں پر مشتمل تھی۔ میلوں تک پانی کی

---

[1] وکان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اذا سئل ان یدعو علی احد مسلم او کافر عام او خاص عدل عن الدعاء علیہ الی الدعاء لہٗ۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے جب التماس کیا جاتا کہ کسی فلاں مسلمان یا کافر خاص یا عام کے لیے بددعا کریں تو آپ بددعا کی بجائے نیک دعا کرتے (احیاء العلوم)

[2] خواجہ سراج الدین علیہ الرحمۃ

بندگت میسر نہیں آتی تھی! مگر میں اپنے ذوق وشوق میں کچھ بھی تکلیف محسوس نہیں کرتا تھا۔ اور شاداں و فرحاں منزلیں طے کرتا چلا جاتا تھا

یارب ایں کعبۂ مقصود تماشا گہ کیست

کہ مغیلانِ طریقش گل و نسرینِ من ست

مستری ظہور الدین راوی ہیں کہ حضرت دام ظلہم نے حضرت مرحوم کی معیت میں حج کیا تھا۔ طواف کے وقت حجرِ اسود پر بوسہ دینے والوں کا اس قدر ہجوم تھا کہ حجر کو لکڑی سے چھو کر بوسہ دینا بھی ممکن نہ تھا۔ ادھر حضرت مرحوم کو تقبیلِ حجر کی بڑی آرزو تھی مگر اس کی کوئی صورت نظر نہ آتی تھی۔ ہمارے حضرت نے کیا ہمت کی کہ لوگوں کے اژدحام کو چیر کر آگے پہنچے۔ پیچھے پیچھے حضرت مرحوم تھے اور حجرِ اسود کے سامنے دونوں بازو پھیلا کر اس طرح ڈٹ گئے کہ آپ کی اوٹ میں حضرت مرحوم نے بآسانی بوسہ دے لیا اور جتنی دیر چاہتے بوسے دیتے۔ اہلِ ہجوم میں سے کسی ترک، افغان، مصری، ہندی، جاوی، چینی، روسی جوان میں اتنی طاقت نہ تھی کہ اس مضبوط حصار کو توڑ سکتا۔

شیر مست نام مجذوب: میری حاضری خانقاہ کے ایام میں شیر مست نام ایک مجذوب کا آنا بھی عجیب واقعات سے تھا۔ یہ مجذوب صاحب قدیم سے حضرت کے واقف اور معتقد ہیں۔ اب کے پندرہ سال کے بعد ان کا آنا ہوا۔ اس لیے خانقاہ کے نئے خدام ان کو نہیں جانتے تھے۔ مگر مولوی احمد الدین صاحب اور مولوی محمد شفیع صاحب وغیرہ پرانے خدام ان کے خوب شناسا تھے۔ جب وہ آئے تو اپنی کچکول وغیرہ اتار کر رکھ دی۔ وضو کیا اور پھر حضرت کی مجلس میں حاضر ہوئے پہلے حضرت سے مصافحہ کیا۔ پھر دوسرے لوگوں سے اور مصافحہ کے وقت ہر شخص پر ایک متجسسانہ نظر ڈالی۔

شیر مست کیا ہیں۔ فی الواقع انسانی صورت میں ایک قوی ہیکل شیر اور نشۂ جذب میں مست ہیں۔ سفید مشتع داڑھی۔ پرجلال چہرہ۔ پرکیف آنکھیں۔ سفید دانتوں کی خوبصورت لڑی پیرانہ سالی میں جوانمردانہ قوت کا پتہ دیتی ہے۔ ایک ہاتھ کلائی سے کٹا ہوا مگر دوسرا سالم ہاتھ اپنے مضبوط پنجے اور پرگوشت بازو سے اکیلا دو ہاتھوں کا قائم مقام۔ طبیعت کے تلون کا یہ عالم کہ ابھی تو مولوی احمد الدین وغیرہ سے ہنس ہنس کر ایسے لفظوں میں مذاق کرتے اور قہقہے لگاتے ہیں جن سے تہذیب کان دباتی ہے اور ابھی جوش میں آکر آہیں بھرنے اور چھاتی پیٹنے لگے۔ چند لمحہ کے بعد معقولیت کے ساتھ سنجیدہ گفتگو شروع کر دی اور تھوڑی دیر میں پھر وہی دورہ۔ پہلے حضرت سے گلہ شروع کیا کہ میں ان پندرہ برس میں دو مرتبہ زیارت کے لیے حاضر ہوا مگر دونوں مرتبہ آپ نہ ملے۔ پھر اس زمانے میں خانقاہوں کی ابتری اور گدی نشینوں کی بداعمالی کا ذکر نہایت درد کے ساتھ

کیا۔ ایک خانقاہ کا خصوصیت کے ساتھ بہت رونا رویا۔ جس کے ساتھ ان کو خاص رُوحانی تعلق معلوم ہوتا تھا کہ اس کے سجادہ نشینوں کی اولاد آج فرنگیانہ فیشن اختیار کرتی جاتی ہے۔ اسی سلسلۂ گفتگو میں شیعوں کی بھی بہت مذمت کی۔

اتنے میں حاضرین پر سرسری نظر ڈالی اور کہا یہ سب درویش ہیں فیض حاصل کرنے کے لیے دُور دُور سے حاضر ہوئے ہیں۔ (حضرت سے مخاطب ہو کر کہا) آپ فیضان کے خزانے لیے بیٹھے ہیں' ان غریبوں پر رحم کرو۔ ان کو بھی کچھ بخشو۔ نہیں کہ جو کچھ ملا آپ ہی ہضم کر لیا۔ کسی کو کچھ نہ دیا۔ پھر کہا حضرت فیض پہنچنے کی صورت تو یہ ہے کہ خادم اپنے پیر کا جاں نثار ہو اور پیر اپنے خادم کا عاشق ہو۔

اس کے بعد کسی اور سلسلۂ کلام میں جوش کے ساتھ آہ کھینچی اور کہا موسےٰ (علیہ السلام) سے ایک تجلی بھی برداشت نہ ہو سکی (اپنی چھاتی پر مُکا مار کر) یہاں روزانہ تین سو ساٹھ تجلیاں ہوتی ہیں اور برداشت کرنی پڑتی ہیں۔ حضرت نے اس فقرہ پر مسکرا کر کہا۔ لاحول ولا قوۃ الا باللہ العلی العظیم۔[1]

تھوڑی دیر کے بعد کہا۔ پیاس لگی ہے پانی پلاؤ۔ حضرت کے حکم سے ایک خادم لسی کا پیالہ بھروا کر لایا۔ مجذوب نے اس کو پی چکنے کے بعد خالی پیالے کی طرف دیکھ کر کہا۔ ایک شخص نے مجھ سے پانی مانگا۔ میں نے پہچان لیا کہ یہ شیعہ ہے۔ پیاسے کو پانی پلانا میرا فرض تھا۔ کٹورا بھر کر پلا دیا۔ جب پی چکا تو میں نے کہا یہ کٹورا تم ہی لے جاؤ۔ میرے کام کا نہیں رہا (حضرت سے مخاطب ہو کر) حضرت چار چیزیں سب سے زیادہ نجس ہیں۔ خنزیر۔ کتا۔ کراڑ (بنیا)۔ چوہا۔ مگر میرے نزدیک شیعہ ان سے بھی زیادہ ناپاک ہے۔ ان چاروں چیزوں کا جھوٹا برتن تو پاک ہو سکتا ہے۔ شیعہ کا جھوٹا پاک نہیں ہو سکتا۔ اثنائے گفتگو میں اِدھر اُدھر نظر کی تو سید عبدالسلام اور سید مختار احمد کے بارے میں پوچھا یہ کون ہیں؟ کسی نے بتایا کہ یہ سید ہیں۔ شیر مست صاحب فوراً تعظیماً کھڑے ہو گئے اور ان دونوں سے دوبارہ مصافحہ کیا اور گھٹنوں کو

---

[1] حضرت کے لاحول پڑھنے میں یہ اشارہ مضمر تھا کہ مجذوب کا یہ قول درست نہیں بلکہ داخل بے ادبی ہے۔ واضح رہے کہ مجذوبوں اور مست فقیروں کے ایسے کلمات جو دائرۂ شریعت سے خارج واقع ہوں قابلِ حجت نہیں ہوتے اور نہ ان مجذوبوں کے مقبولِ حق ہونے میں قادح ہو سکتے ہیں۔ بشرطیکہ وہ مجذوب یا فقیر فی الواقع خدا رسیدہ ہو کوئی مکار و مزور نہ ہو جیسے کہ آجکل بہت سے رنگے ہوئے گیدڑ پھرتے ہیں۔ وہ کلمات قابلِ حجت تو اس لیے نہیں ہوتے کہ ایسے مجذوب بے علم ہونے کی وجہ سے حق بات اور ناحق بات میں تمیز نہیں رکھتے خصوصاً مسائلِ کلامیہ اور احکامِ فقہیہ میں اور ان کے درجہ و رتبہ میں قادح اس لیے نہیں ہو سکتے کہ وہ حواس و ادراکات پر ضبط نہ رکھ سکنے کی وجہ سے قابلِ عفو ہیں ۱۲

چھوٹا۔ تھوڑی دیر کے بعد حضرت کی خدمت میں سید عبدالسلام کے لیے سفارش کی کہ یہ تو نورٌ علیٰ نور ہو چکے ہیں۔ اب ان کو کیوں قید کر رکھا ہے، چھٹی دے دیجیے کہ اپنی بیوی کے پاس جائیں، بیچاری منتظر ہے[1]۔ اس کے بعد اپنی کچکول اٹھائی سب سے مصافحہ کیا اور جنگل کی راہ لی۔

قطعۂ تاریخ تصنیف کتاب ھٰذا

از احقر الخدام عبدالرسول ساکن بھیرہ ضلع شاہپور

مرتب کرد چوں از طبع نقاد — سوانح قبلۂ اقطاب و امجاد

جناب مولوی عرشی معظم — ز خورسندی دل خدام شد شاد

در فیض و ہدایت بر کشادہ — مصنف را ہزاراں آفریں باد

بگفتا عبد ہاں تاریخ ہم جو

عجیب ایں تحفۂ ارباب ارشاد

۱ ۳ ۵ ۵ ۱

---

[1] یہ ان مجذوب صاحب کا کشف تھا۔ فی الواقع سید عبدالسلام صاحب اس وقت سلوک کا نصاب پورا کر چکے تھے۔ ڈیڑھ سال ان کو حضرت کی خدمت میں گزر چکا تھا اور چند روز سے ان کی رخصت کی تجویزیں ہو رہی تھیں۔ ان مجذوب صاحب کے کشف اور کسی پر توجہ ڈال کر اسے بے تاب کر دینے کے بہت سے واقعات ہیں ۱۲

شجرۃٌ طیبۃٌ اصلہا ثابتٌ وفرعہا فی السماء

شجرہ معلّٰی سعدیہ

جس کو بحکم

اعلیٰ حضرت سیدی ومولائی مولانا ابو السعد احمد خاں صاحب مدظلہم العالی

خادم حقیر مرزا محمد نذیر عرشی دہلوی نے مرتب و منظوم کیا

○

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الٰہی بحرمت شفیع المذنبین رحمۃ للعالمین حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم[1]۔ الٰہی بحرمت خلیفہ رسول اللہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ[2]۔ الٰہی بحرمت صاحب رسول اللہ حضرت سلمان رضی اللہ عنہ[3]۔ الٰہی بحرمت حضرت قاسم ابن محمد ابن ابی بکر رضی اللہ عنہم[4]۔ الٰہی بحرمت حضرت امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ[5]۔ الٰہی بحرمت حضرت بایزید بسطامی رحمۃ اللہ علیہ[6]۔ الٰہی بحرمت حضرت خواجہ ابوالحسن خرقانی رحمۃ اللہ علیہ[7]۔ الٰہی بحرمت حضرت خواجہ ابوعلی فارمدی رحمۃ اللہ علیہ[8]۔ الٰہی بحرمت حضرت خواجہ یوسف ہمدانی رحمۃ اللہ علیہ[9]۔ الٰہی بحرمت حضرت خواجہ جہاں عبدالخالق غجدوانی رحمۃ اللہ علیہ[10]۔ الٰہی بحرمت حضرت خواجہ عارف ریوگری رحمۃ اللہ علیہ[11]۔ الٰہی بحرمت حضرت خواجہ محمود انجیر فغنوی رحمۃ اللہ علیہ[12]۔ الٰہی بحرمت حضرت خواجہ عزیزان علی رامیتنی رحمۃ اللہ علیہ[13]۔ الٰہی بحرمت حضرت خواجہ محمد بابا سماسی رحمۃ اللہ علیہ[14]۔ الٰہی بحرمت حضرت سید میر کلال رحمۃ اللہ علیہ[15]

---

[1] تاریخ ولادت مبارک ۱۲ ربیع الاول سنہ ۱ بعد رفع عیسیٰ علیہ السلام۔ وفات دوشنبہ ۱۲ ربیع الاول سنہ ۱۱ھ [2] ولادت دو سال چار ماہ بعد واقعہ فیل وفات ۲۲ جمادی الاول ۱۳ھ عمر ۶۳ سال [3] وفات ۱۰ رجب ۳۶ھ عمر ۲۵۰ قبر بمقام مدائن [4] وفات ۲۴ جمادی الاول ۱۰۱ھ عمر ۷۰ سال [5] وفات ۱۵ رجب ۱۴۸ھ عمر ۶۸ سال مرقد جنت البقیع مدینہ منورہ [6] وفات ۱۴ شعبان ۲۳۴ھ عمر ۷۳ سال مدفون شہر بسطام [7] وفات یوم عاشورا ۴۲۵ھ مرقد شہر خرقان [8] وفات ماہ ربیع الاول ۴۷۷ھ مرقد شہر طوس [9] وفات ۲۸ رجب ۵۳۵ھ عمر ۹۰ سال مرقد مقام مرو از مضافات ہرات [10] وفات ۱۲ ربیع الاول ۵۷۵ھ۔ [11] وفات ماہ شوال ۶۱۶ھ مرقد موضع ریوگر قریب بخارا [12] وفات ۷۱۵ھ مرقد موضع انجیر فغنہ [13] وفات ۲۰ ذیقعدہ ۷۱۵ھ عمر ۱۳۲ سال مرقد شہر خوارزم [14] وفات ۷۵۵ھ مرقد موضع سماس۔ [15] وفات ۵ جمادی الاخری ۷۷۲ھ مرقد قریہ سوخار

الٰہی بحرمت خواجہ خواجگاں پیر پیراں حضرت سید بہاؤالدین نقشبند رحمۃ اللہ علیہ[1] ۔ الٰہی بحرمت حضرت خواجہ علاؤالدین عطار رحمۃ اللہ علیہ[2]
الٰہی بحرمت حضرت مولانا یعقوب چرخی رحمۃ اللہ علیہ[3] ۔ الٰہی بحرمت حضرت خواجہ عبیداللہ احرار رحمۃ اللہ علیہ[4] ۔ الٰہی بحرمت حضرت
مولانا محمد زاہد رحمۃ اللہ علیہ[5] ۔ الٰہی بحرمت حضرت خواجہ درویش محمد رحمۃ اللہ علیہ[6] ۔ الٰہی بحرمت حضرت مولانا خواجگی امکنگی رحمۃ اللہ علیہ[7]
الٰہی بحرمت حضرت خواجہ محمد باقی باللہ رحمۃ اللہ علیہ[8] ۔ الٰہی بحرمت حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی شیخ احمد فاروقی سرہندی رحمۃ اللہ
علیہ[9] ۔ الٰہی بحرمت عروۃ الوثقیٰ حضرت خواجہ محمد معصوم رحمۃ اللہ علیہ[10] ۔ الٰہی بحرمت سلطان الاولیا حضرت شیخ سیف الدین
رحمۃ اللہ علیہ[11] ۔ الٰہی بحرمت سید نور محمد بدایونی رحمۃ اللہ علیہ[12] ۔ الٰہی بحرمت شمس الدین حبیب اللہ حضرت مرزا جانجاں مظہر شہید
رحمۃ اللہ علیہ[13] ۔ الٰہی بحرمت مجدد مأۃ الثالث عشر نائب حضرت خیر البشر خلیفہ خدا مروج شریعت مصطفٰے حضرت مولانا و سیدنا
عبداللہ المعروف بشاہ غلام علی دہلوی رحمۃ اللہ علیہ[14] ۔ الٰہی بحرمت حضرت شاہ ابوسعید رحمۃ اللہ علیہ[15] ۔ الٰہی بحرمت حضرت شاہ احمد سعید
رحمۃ اللہ علیہ[16] ۔ الٰہی بحرمت حاجی دوست محمد قندھاری رحمۃ اللہ علیہ[17] ۔ الٰہی بحرمت حضرت خواجہ محمد عثمان رحمۃ اللہ علیہ[18] ۔ الٰہی بحرمت
قیوم زماں قطب دوراں محبوب رب العلمین حضرت خواجہ حاجی محمد سراج الدین رحمۃ اللہ علیہ[19] ۔ الٰہی بحرمت سیدنا و سندنا
مقبول رحمٰن، حضرت مولانا ابوالسعد احمد خاں رحمۃ اللہ علیہ[20] ۔ (الٰہی بحرمت حضرت سیدنا و سندنا و مولانا محمد عبداللہ رحمۃ اللہ علیہ[21] ۔
الٰہی بحرمت سیدنا و مولانا ابوالخلیل خان محمد سلمہم اللہ تعالیٰ) برفقیر حقیر[22] .... رحم فرما و محبت و معرفت خود نصیب او کن

---

[1] ولادت مبارک ۷۱۸ھ وفات ۳ ربیع الاول ۷۹۱ھ عمر مبارک ۷۳ سال [2] وفات ۲۰ رجب ۸۰۲ھ [3] وفات ۵ صفر ۸۵۱ھ [4] وفات ۲۹ ربیع الاول ۸۹۵ھ مرقد شہر سمرقند [5] وفات یکم ربیع الاول ۹۳۶ھ [6] وفات ۲۹ محرم الحرام ۹۷۰ھ مرقد موضع اسقرار ملک ماوراء النہر [7] وفات ۲۲ شعبان ۱۰۰۸ھ عمر ۹۰ سال مرقد شہر امکنگ [8] وفات ۲۵ جمادی الثانی ۱۰۱۲ھ عمر ۴۰ سال سمرقندی الاصل ہیں ولادت کابل میں ہوئی اور مرقد دہلی میں ہے [9] وفات ۲۸ صفر ۱۰۳۴ھ عمر ۶۳ سال مرقد مبارک بمقام سرہند [10] ولادت ۱۰۰۷ھ وفات ۹ ربیع الاول ۱۰۷۹ھ مرقد بمقام سرہند [11] ولادت ۱۰۴۹ھ وفات ۲۶ جمادی الاول ۱۰۹۶ھ عمر مبارک ۴۷ سال مرقد بمقام سرہند [12] وفات ۱۱ ذیقعدہ ۱۱۳۵ھ مرقد بمقام دہلی نزد مزار خواجہ نظام الدین اولیا [13] ولادت ۱۱ رمضان ۱۱۱۱ھ بروز جمعہ شہادت بیوم عاشورا ۱۱۹۵ھ مرقد مبارک بمقام چتلی قبر دہلی [14] ولادت بمقام بٹالہ پنجاب وفات ۲۲ صفر ۱۲۴۰ھ مرقد بمقام چتلی قبر دہلی [15] وفات یوم عید الفطر ۱۲۵۰ھ مرقد مبارک بمقام چتلی قبر دہلی عمر ۵۹ سال [16] وفات ربیع الاول ۱۲۷۷ھ مرقد مبارک جنت البقیع مدینہ منورہ عمر ۶۰ سال [17] وفات ۲۲ شوال ۱۲۸۴ھ مرقد مبارک خانقاہ موسیٰ زئی ڈیرہ اسمٰعیل خاں عمر ۶۰ سال [18] وفات ۲۲ شعبان ۱۳۱۴ھ مرقد مبارک خانقاہ موسیٰ زئی ڈیرہ اسمٰعیل خان عمر ۷۰ سال [19] وفات ۲۶ ربیع الاول ۱۳۳۳ھ مرقد بمقام خانقاہ موسیٰ زئی ڈیرہ اسمٰعیل خاں عمر ۳۴ سال [20] وفات ۱۲ صفر ۱۳۶۰ھ بروز دوشنبہ [21] وفات ۷ شوال ۱۳۷۵ھ ۔ نمبر ۲۰، ۲۱ حاشیہ کا اضافہ کیا گیا۔ تحفہ سعدیہ کی اشاعت نو کے وقت خانقاہ شریف کا تیسرا دور گزر رہا ہے ۱۲ محمد محبوب الٰہی عفی عنہ [22] یہاں ہر شجرہ پڑھنے والا اپنا نام درج کرے اور ورد میں اپنا نام پڑھا کرے ۱۲

شجرۂ سعدیہ منظوم[1] اردو

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

خداوندا بحق سرور دیں | محمد مصطفیٰ با عز و تمکیں
بحق حضرت بوبکر صدیق | بہ سلمان فارسی اہل توفیق
بحق قاسم عالی مقامے | بحق جعفر صادق امامے
بحق بایزید شاہ بسطام | بحق بوالحسن فرخندہ فرجام
بحق بوعلی اہل عرفان | بحق خواجہ بویوسف زہمدان
بحق عبد خالق غجدوانی | بخواجہ عارف فی اللہ فانی
بحق خواجۂ محمود انجیر | بحق آں عزیزاں علی پیر
بحق خواجۂ بابائے سماس | بآں میر کلال پاک انفاس
بحق آں بہاؤالدین ذیشاں | جناب نقشبند شاہ[2] شاہاں
بحق آں علاؤالدین عطار | بآں یعقوب چرخی پُر انوار
بحق شہ عبیداللہ احرار | بحضرت زاہد آں ابر گہر بار
بحق خواجہ درویش محمد | بحق خواجگی امکنگی امجد
بحق مرشد کل باقی باللہ | بآں حضرت مجدد صاحب جاہ
بحق عروۃ الوثقائے معصوم | بحق شیخ سیف الدین قیوم
بحق سید نور محمد | بہ مرزا جان جاناں ماہ مشہد

---

[1] یہ شجرہ شریفہ خاص حضور حضرت صاحب مدظلہم (قدس سرہٗ) کے ارشاد اور ہدایت کے مطابق لکھا گیا ۱۲ عرشی

[2] پیر پیراں (محبوب الٰہی)

بحقِ شہ غلام علی[۱] ذیشاں ۔۔۔ بہ شاہِ بوسعیدِ اہلِ عرفاں
بہ شہ احمد سعیدِ صاحبِ تاج ۔۔۔ بہ دوست محمد[۲] سرخیل حجاج
بہ حضرت خواجہ عثماں صاحبِ دل ۔۔۔ باں حاجی سراج الدین کامل
بہ شیخی سیدی غوثی اِمامی ۔۔۔ ملاذی منیتی کہفی ھمامی
کہ ہیں بوسعد احمد خان نامی ۔۔۔ زمانے میں مکرم اور گرامی
(بآں[۳] شیخ الشیوخ ایں زمانی ۔۔۔ امامی ، قدوتی ، غوثی ، امانی
باسمِ شیخ عبدُ اللہ موسوم ۔۔۔ بہ "صدیقِ زماں" در لوح مرقوم
بحقِ بوخلیل خاں محمد ۔۔۔ کہ ہیں وہ وارثِ ذیشانِ احمدؒ
کرم فرما کہ محبوبِ الٰہی ۔۔۔ ہے اس منزل کا اک واماندہ راہی)
دعا کرتا ہے ـــــــ احقر[۴] ۔۔۔ الٰہی مجھ پہ رحمت کی نظر کر
مرے دل میں محبت اپنی بھر دے ۔۔۔ منور معرفت سے اس کو کر دے
مرے دل میں نہ پیدا کچھ خطر ہو ۔۔۔ مری شاخِ تمنا پر ثمر ہو
میں پاؤں دین و دنیا میں بھلائی ۔۔۔ نہ تجھ سے دل کو ہو اک دم جدائی
ہو آساں مجھ پہ وقتِ نزع و سکرات ۔۔۔ نہ دکھ دیں قبر کے اندر کی آفات
خطر کا وقت ہو جب روزِ محشر ۔۔۔ کرم کر مجھ پہ یا اللہ کرم کر
شفاعت سے مجھے محظوظ فرما ۔۔۔ عذابِ نار سے محفوظ فرما

---

[۱] بضرورتِ شعری سکتہ روا رکھا گیا۔ جس کے بغیر چارہ نظر نہ آیا۔ اگر کوئی صاحب بلا سکتہ اس نام کو باندھ سکیں تو براہِ کرم اِطلاع بخشیں، میں ممنون ہونگا ۱۲ عرشیؔ" حضرت قدس سرہٗ کے اصل نام عبداللہ کو باندھا جائے تو ط بحقِ شاہِ عبداللہ ذی شاں، مصرعہ بے سکتہ ہو جاتا ہے۔ محمد محبوب الٰہی

[۲] اس مصرعہ میں بھی نام کی وجہ سے سکتہ روا رکھا گیا ہے لیکن نام کے دونوں لفظوں کو مقدم موخر کرکے ط بقندھاری محمد دوست الحاج۔ کہا جائے تو سکتہ نہیں رہتا اور نسبتِ وطن قندھاری کا اضافہ بھی ہو جاتا ہے (محمد محبوب الٰہی)

[۳] یہ چار اشعار بمناسبت اشاعتِ نو اضافہ کیے گئے ۱۲ محمد محبوب الٰہی عفی عنہ

[۴] ہر شجرہ خواں یہاں اپنا نام درج کر لے ۱۲ عرشیؔ"

مرے احباب اور خویش و برادر رہیں قائم ہمیشہ راہ حق پر
الٰہی ہو ہمیشہ فتح اسلام رہے ہر دشمن اسلام ناکام
مرے مرشد جو ہیں اک شیخ اکبر رہیں مجھ پر ہمیشہ سایہ گستر
سدا پہنچے مجھے فیضان ان کا
میں ہوں گرویدۂ احسان ان کا

✿✿✿✿✿✿

شجرۂ سعدیہ منظوم پنجابی[1]

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

یَارَبّ تُوں صِفْتَاں دَا سَائِیں تَیْں تھِیں ہَر دَم کَراں دُعَائِیں
وَاسِطَہ اَپْنے پَاک نَبی دَا جو سَرْوَر ھے دِین دُنی دَا
وَاسِطَہ اُس صِدِّیقِ اَکْبَر دَا پَیَارا سَاتھی پَیْغَمْبَر دَا
حَضْرَت سَلْمَان فَارِس وَالے پِیتے حُبّ نَبی دے پیالے
حَضْرَت قَاسِم شیرِ خُدَا دَا اَبُوبَکْر اُس دَا ھے دَادَا
حَضْرَت جَعْفَر صَادِق پیارے اَہْل بَیْت دے رَوْشَن تَارے
بَایَزِید بُسْطَام نَوَاسی جو سَرْوَر کُل وَلْیَاں دَا اِسی
حَضْرَت اَبُو الْحَسَن خَرْقَانی جیہڑے سَن اَللہ وِچ فَانی
اَبُوعَلی جو فَارمَدی سَن ھَرا اُنھاں تھیں دِین دا گُلْشَن

---

[1] بعض پنجابی مستورات اور رعایۃ الناس جو صرف قرآن مجید پڑھے ہوئے ہیں ان کو اردو زبان اور اردو خط میں شجرہ پڑھنا مشکل تھا۔ ان کی ضرورت کو ملحوظ رکھ کر یہ شجرہ پنجابی زبان میں لکھا گیا ہے۔ مگر چونکہ خاکسار نے آج تک پنجابی میں کبھی ایک مصرعہ تک نہیں کہا اس لیے اس میں غلطی کا احتمال غالب ہے، ناظرین معاف فرمائیں۔

اَتے حضرت یوسف ہمدانی　　رب دے خاص بندے نورانی
حضرت عبدالخالق پیارے　　کُل ولیاں دے راج دُلارے
واسطہ عارف ریوگری دا　　جو حامی سی دین نبی دا
اَتے حضرت محمود فغنوی　　تازہ جنہاں تھیں سُنت نبوی
خواجہ عزیزان علی رامیتن　　ہویا جہان جنہاں تھیں روشن
اوہ حضرت بابا سماسی　　دُنیا سی دیدار دی پیاسی
سید میر کلال مکرم　　درویشی دے بھید دے محرم
شاہ بہاءُ الدین حقانی　　نقشبند محبوب ربانی
خواجہ علاؤ الدین عطاری　　ہر دم برسے رحمت باری
مولانا یعقوب دا صدقہ　　اُس اپنے محبوب دا صدقہ
خواجہ عبیداللہ احراری　　رب اُنہاں بخشی سرداری
حضرت خواجہ محمد زاہد　　عارف کامل اتے مجاہد
اوہ خواجہ درویش محمد　　پاک مراتب عالی مقصد
واسطہ خواجگی امکنگی دا　　رب دے پیاریاں دے سنگی دا
حضرت خواجہ محمد باقی　　جام طریقت دے اوہ ساقی
اتے مجدد دین نبی دے　　اوہ سورج اسمان زمیں دے
اَتے حضرت معصوم دا صدقہ　　اُمت دے قیوم دا صدقہ
حضرت سیف الدین منور　　بڑے ولی ولیاں دے سرور
حضرت سید نور محمد　　دلی دے وچ جنہاں دا مرقد
حضرت مرزا مظہر جاناں　　بخشی دولت اہل ایماناں
واسطہ شاہ غلام علی دا　　ولیاں دے سردار ولی دا

اَبُو سَعِیدُ حَبِیبُ خُدَا دے — بَڑے گھرانے دے شہزادے
شاہ سَعِیدُ خُدَا دے پیارے — اُمَّتْ دے پُرنُور سِتارے
حَضْرَتْ دوست مُحَمَّدُ حاجی — سارے مُرِیدُ اُنہاں دے ناجی
خواجہ مُحَمَّدُ عُثمان عالی — نَقْشْبَنْدِی گُلزار دے مالی
حاجی سِرَاجُ الدِّینْ دا صَدْقَہ — اُس صَاحِبْ تَمکِینْ دا صَدْقَہ
صَدْقَہ میرے پِیر وَلِی دا — اَبُوسَعدُ اَحمَدْ خاں جی دا
پِیر عَبْدُ اللہ حَضْرَتْ ثانی — جو نائِبْ قَیُّوم زَمانی
صَدْقَہ خان مُحَمَّدْ سائیں — اِس عاجِز تے کَرَم کَمائیں
خادِماں اُتّے بار خُدایا — قائِم رَہے اُنہاں دا سایا
اَپنی دے پہچان اِلٰہی — رَکھّاں تیرا دِھیان اِلٰہی
اَپنے پیار دا جام پِلادے — جو دُنیا دی حُبّ بھُلادے
قَبْر عَذابوں دے چھُٹکارا — بَخْشْ عَذابوں پار اُتارا

بَخْشِیں خاص حُضُوری حَضْرَتْ
دِین دُنی وِچ رَکھِیں عِزَّتْ

در مدحت نائب قیوم زماں صدیق دوراں

حضرت مولینا محمد عبداللہ قدس سرہٗ

پیشوائے طریقت احمد خاں — عصرِ خود را مجددِ ذیشاں
بود قیومِ امتِ احمد — قلبِ او سلسبیلِ فیضِ ابد
ثانیش ہر کرا ہمی خوانی — بود اندر زمانہ لاثانی!
آں امامِ ہمام عبداللہ — از مقاماتِ معرفت آگاہ
دلش آئینہ دارِ جلوۂ ذات — پیروِ راہِ فخرِ موجودات
قدمش در طریقِ عرفاں تیز — جاں ز سوز و گداز طوفاں خیز
نفتاد از کمالِ استغنا — نگہش بر زخارفِ دنیا
بہ جبیں سربلندیٔ ازلش — محکم از شرعِ مصطفٰے عملش
فانی از خویش و باخدا باقی — آمِنَّا یَوْمَ قِیْلَ مَنْ رَّاقٍ
نظرش کیمیا اثر بودہ — بہ حرم گاہِ قدس آسودہ

فضلِ سبحانہٗ تعالےٰ شد
صاحب فضل ہادیٔ ما شد

۱۳۵۷۶

نتیجۂ فکر:
حافظ محمد افضل فقیر

حالاتِ نائبِ قیّومِ زماں، صدّیقِ دوراں

حضرت مولانا محمّد عبداللہ قدس سرّہٗ

سجّادہ نشین خانقاہ سراجیہ، کندیاں (ضلع میانوالی)

حضرت اقدس کا اسمِ گرامی **محمّد عبداللہ** ولدیت میاں نور محمد ولد میاں قطب الدین، اور مولد و مسکن موضع سلیم پور سدھواں تحصیل جگراؤں ضلع لدھیانہ تھا۔ تاریخِ ولادت سرٹیفکیٹ ارد و مڈل کے اندراج کے مطابق ۵ اکتوبر ۱۹۰۴ء مطابق ۱۳۲۲ھ ہے۔

والدِ ماجد کا مختصر حال: آپ کے والد ماجد حضرت میاں نور محمد صاحب اپنے گاؤں کے متوسط درجہ کے زمیندار تھے۔ نہایت دیندار، پاک طینت، سادہ مزاج اور صاحبِ دل انسان تھے۔ بعض امراض کا مؤثر دم بھی جانتے تھے۔ اس قدر ہمدرد خلائق تھے کہ اگر کوئی شخص پچھلی رات کو بھی دم کرانے کے لیے آجاتا تو کسی قسم کا بار محسوس نہ فرماتے۔ اہلِ خانہ کو ہدایت کر رکھی تھی کہ جس وقت بھی کوئی ضرورت مند آئے، مجھے جگا دیا جائے۔ خلقِ خُدا کی یہ خدمت آپ لوجہ اللہ انجام دیتے تھے۔ مروّت و مودت کا یہ عالم تھا کہ اگر کسی ایسے قصبے میں تشریف لے جاتے، جہاں اپنے گاؤں کی لڑکیاں بیاہی ہوتیں، تو انہیں اپنی اولاد سمجھتے ہوتے، ہمیشہ ان کی خیر و عافیت دریافت کرتے۔ آپ کا یہ معمول عمر بھر رہا۔ اپنے گاؤں اور برادری میں عزت کی نگاہ سے دیکھے جاتے تھے، یہاں تک کہ اپنے پرائے سب ان کا ادب و احترام کرتے تھے۔

صوم و صلوٰۃ اور طاعتِ الٰہی سے متعلق امور کے بڑے پابند تھے۔ اس سلسلہ میں اپنے کنبے اور برادری کے بچوں کی بھی نگہداشت کرتے تھے اور سب کو احکامِ شرعیہ کا پابند بنانے کی کوشش میں لگے رہتے۔

اولاد: آپ کے تین صاحبزادے اور ایک صاحبزادی تھی۔ صاحبزادوں کے نام حسبِ ذیل ہیں:۔

فرزندِ اکبر: حضرت اقدس مولانا محمد عبداللہ قدس سرہٗ سجادہ نشین خانقاہ سراجیہ، کندیاں

فرزندِ اوسط: ماسٹر بدرالدین صاحب مدظلہٗ جواب اسکول کی ملازمت سے فارغ ہو کر بستی سراجیہ خانیوال میں قیام پذیر ہیں۔

فرزندِ اصغر: میاں محمد ابراہیم صاحب مدظلہ جو کپڑے کی تجارت اور زمینداری کرتے ہیں۔ آپ بھی بستی سراجیہ ہی میں مقیم ہیں۔

ماحول : گاؤں کی زندگی کا اسلوب سادہ اور بے تکلف تھا۔ مسلمانوں کے گھروں میں عموماً اور آپ کے گھرانہ میں خصوصاً دینداری کا چرچا تھا۔ فضا شہری تکلفات سے بالکل پاک تھی۔ انگریزی طرزِ تمدن اور معاشرت کے اثرات یکسر ناپید تھے۔ اسلامی تعلیم، قرآن مجید اور نماز روزہ وغیرہ کے مسائل تک محدود تھی۔ خط وکتابت کی ضرورت کے لیے اردو کی پرائمری یا مڈل تک بچوں کو تعلیم دلائی جاتی تھی۔ انگریزی تعلیم کا نام ونشان نہ تھا بلکہ مغربی تہذیب اور اس کے طرز وانداز سے یکسر نفرت تھی۔

گھریلو زندگی سادگی کا مرقع تھی۔ لباس اور وضع قطع سے اسلامی شان نمایاں تھی۔ سادہ اور مقوی غذا بکثرت دستیاب تھی۔ بستی میں رہنے والے لوگ اکثر وبیشتر متقی و پرہیزگار تھے۔ سب فجر سے پہلے اٹھتے۔ تہجد کی نماز ادا کرتے اور یادِ الٰہی سے فراغت کے بعد اپنے روزمرہ کے کام کاج میں مشغول ہو جاتے۔ مساجد سے ذکرِ الٰہی کی صدا بلند ہوتی اور فضا پر عطر باری کرتی تھی۔

رمضان شریف کا احترام اور زکوٰۃ وخیرات کا اہتمام بہت زیادہ کیا جاتا تھا۔ ہر گھر میں ایک بار کم از کم سو ڈیڑھ سو آدمیوں کے لیے کھانا پکایا جاتا اور لوگوں کو دعوت دی جاتی تھی۔ یہ دعوت بھی دعوتِ شیراز کی طرح بے حد سادہ ہوتی تھی جس میں بے تکلفی سے تمام مدعوین شریک ہوتے، برضا ورغبت کھاتے اور اللہ تعالیٰ کا شکر بجا لاتے تھے۔

لوگ صحت مند اور توانا تھے۔ بیس پچیس میل پیدل سفر کر لینا ان کے لیے معمولی بات تھی۔ گاؤں میں دو مسجدیں تھیں اور ہر ایک میں بچوں کو قرآن عزیز پڑھانے کا انتظام تھا۔

حضرت کی پیدائش : غرض اس صاف ستھرے، سادہ اور پاکیزہ ماحول میں حضرت مولانا محمد عبداللہ قدس سرہٗ میاں نور محمد کے گھر ۵ اکتوبر ۱۹۰۴ء کو پیدا ہوئے۔ بوقتِ پیدائش آپ کی ہیئت سے یوں معلوم ہوتا تھا جیسے آپ بارگاہِ الٰہی میں سجدہ ریز ہوں۔

تعلیم وتربیت : پانچ سال کی عمر تک والدین کی آغوش میں لاڈ پیار کے ساتھ پرورش پاتے رہے۔ آپ میاں صاحب موصوف کے پہلوٹے بیٹے تھے۔ جب چھٹا سال شروع ہوا تو قریبی مسجد میں پڑھنے کے لیے بٹھا دیے گئے۔ امام مسجد ہی معلم مکتب تھے۔ تھوڑے دنوں میں قاعدہ اور پارۂ عم کی ناظرہ تعلیم کے ساتھ شش کلمے، نماز کی ترکیب اور نماز میں پڑھی جانے والی سورتیں اور دعائیں سب حفظ کر لیں اور نماز پابندی کے ساتھ ادا کرنے لگے۔ ابھی قرآن مجید

مکرمی برادر [illegible] سلمهم الله تعالی

بعد الحمد والصلوة وارسال التسلیمات از فقیر محمد [illegible] معروض [illegible] گرامی

معلوم نمایند که گرامی نامه رسیده خوشوقتی بخشید اراده تشریف آوری ظاهر فرموده اند

فقیر نیز در انتظار است امید که از توفیق تشریف آوری [illegible] خواهند فرمود در حالات کیفیات

که تحریر فرموده اند بسیار خوب اند الحمد لله نشانه مزید ترقیات معرفت کشا و نسبت حقیقی

رساناد درباره تبدیل سیئات که نوشته اند آن هم وزن دارد این [illegible] حکم [illegible]

در حکم فرموده اند که معصیة اورثت ذلا واستغفارا خیر من طاعة اورثت عزا و استکبارا

نیز در حدیث شریف است لو لم تذنبوا لجاء الله تعالی بقوم یذنبون لیغفر لهم او کما قال صلی الله علیه وسلم

غضب چون سبب ندامت گردد مغفور شود نیز یک معنی تبدیل حسنات امام ربانی [illegible]

در مکتوب دو صد و شصتم از جلد اول تحریر فرموده اند آن را نیز مطالعه فرمایند

مصائب کفاره بودن امراض که نوشته آن نیز اصیل است الحمد لله [illegible]

روزی کناد [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] سلام [illegible] نمایند

بسوی برادران [illegible] الحمد لله تسلیمات و دعوات برسند

والسلام

[illegible]

۱۹ ذیقعده

مکتوب گرامی حضرت ثانی مولانا محمد عبدالله صاحب

بسم اللہ والصلوٰۃ۔ ماہ رسالہ التسلیات فقیر کو مل گیا۔ مرض کی شکایت بھی دیکھی فقیر نے دعا کی

معلوم کریں کہ آپ خود صحیح کریں حالات سے آگاہی ہوئی۔ ذکر کی طرف توجہ نہیں، یکسوئی باعث

پریشانی کا اظہار کیا ہے۔ اللہ تعالیٰ توجہ عطا فرمائیں۔ کوئی وقت فرصت کا نکالا کریں اور اپنے

کے پاس یا ماسٹر شاہ زمان صاحب کے پاس ضرور بیٹھا کریں۔ ان شاء اللہ تعالیٰ فائدہ

ہوگا۔ اور دوسری چیز کا بھی احساس پیدا ہو جائیگا۔ اور فرصت نکالا کریں کچھ دن فقیر کے پاس

بیٹھنے کا بھی خیال کریں۔ دنیا کے کاروبار کبھی ختم نہیں ہوتے سوائے مرنے کے۔ اس لئے

اس کو پہلے ہی مرنا تصور کر کے وقت نکالا جائے تو نکل سکتا ہے۔ اللہ تعالیٰ اپنا

فضل فرمائے۔ اور اپنی محبت و معرفت اور ذکر کی دولت دے۔ ذکر کرتے رہیں ان شاء اللہ تعالیٰ

اثر ہو جائیگا۔ پہلے ایسا ہی ہوا کرتا ہے۔ گھبرانا نہیں چاہئے۔ جب تشریف لاویں گے وقت زیادہ لگانا

بالکل ترک نہ کریں

وہاں سب صاحبان کی خدمت میں سلام عرض کر دیں۔

فقیر دعا کرتا ہے۔ اپنا خیال رکھیں۔ والسلام

اللہ دعا میں یاد کریں

۲۲ ربیع الثانی ۱۷ھ

مکتوب گرامی حضرت ثانی مولانا محمد عبداللہ صاحبؒ

پورا ختم نہ کرنے پائے تھے کہ سن ۱۹۱۱ء میں آپ کو پرائمری اسکول سلیم پور میں پہلی جماعت کے طالب علم کی حیثیت سے داخل کرادیا گیا۔ ۱۹۱۶ء تک اسی اسکول میں تعلیم حاصل کرتے رہے۔ حضرت اقدس اپنے اسکول میں داخل ہونے کا یہ واقعہ خود ذکر فرمایا کرتے تھے کہ جب ماسٹر صاحب نے اسکول میں میرا نام درج کرلیا تو مجھے جماعت میں بیٹھنے کے لیے اس طرح خطاب کیا۔ "تشریف کا ٹوکرا رکھیے۔" میں اسکول کے صحن میں ادھر اُدھر ٹوکرا تلاش کرنے لگا مگر وہاں ٹوکرا مجھے کہاں ملتا۔ بعد میں اس محاورہ کے معنی معلوم ہوئے تو اپنی لاعلمی پر بڑی ہنسی آئی۔

آپ کی مبارک عادت تھی کہ عالم طفولیت میں بھی ہر شخص سے خوش خلقی کے ساتھ پیش آتے اور بزرگوں کا ادب احترام ملحوظ رکھتے۔ اسکول آتے جاتے اگر راستے میں گاؤں کا کوئی بڑا یا بزرگ مل جاتا اور وہ گنتی سنانے کے لیے کہتا تو آپ فوراً کھڑے ہو جاتے اور اچھا جی کہہ کر سُنانا شروع کردیتے۔

قدرت نے دین سے رغبت آپ کی سرشت میں ودیعت کر رکھی تھی۔ جب سے ہوش سنبھالا کبھی نماز ترک نہ کی۔ علم کے شائق، ذہن کے تیز اور حافظہ کے قوی تھے۔ ہر جماعت میں امتیازی نمبروں سے کامیابی حاصل کرتے رہے۔ ۱۹۱۶ء کے اوائل میں پرائمری اسکول کی تعلیم سے فارغ ہوئے اور سالانہ امتحان میں شاندار کامیابی پر مستحق وظیفہ قرار پائے۔

<u>دینی تعلیم کا غیبی سامان</u> : حضرت اقدس رحمہ اللہ تعالےٰ نے خود اس زمانے کا یہ واقعہ بیان فرمایا۔ اسے انہیں کی زبانی سُنیے :-

ہمارے گاؤں میں ایک بزرگ صورت عالم دین کبھی کبھی آیا کرتے تھے اور ان کا قیام ہماری مسجد ہی میں ہوا کرتا تھا۔ جن دنوں میں پرائمری اسکول سے وظیفہ یاب ہو کر فارغ ہُوا، وہ تشریف لائے ہوئے تھے۔ مسجد میں گیا تو انھوں نے مجھے محبت اور پیار سے اپنے پاس بلایا اور مجھ سے مسائلِ نماز پوچھنے لگے۔ میں اپنی یادداشت سے جواب دیتا رہا اور صحیح بتاتا رہا۔ ایک مسئلہ انھوں نے ایسا پوچھا جو مجھے نہ آتا تھا مگر تھوڑا سا تامل کر کے اس کا جواب دینے میں کامیاب ہو گیا۔ جواب گو صحیح تھا مگر اپنے اندازہ اور قیاس سے دیا تھا۔ مولانا نے یہ بات بھانپ لی اور فرمایا کہ تم نے

لہ آپ کو قرآن عزیز پڑھنے کا بہت شوق رہا۔ آپ قرآن مجید ختم کرنا چاہتے تھے مگر آپ کے تایا فتح محمد صاحب نے یہ وعدہ کر کے اس وقت راضی کرلیا کہ مڈل پاس کرلینے کے بعد تمہیں قرآن شریف پڑھائیں گے۔

جواب تو صحیح دیا ہے لیکن یہ بتاؤ کہ تمھیں یہ جواب معلوم تھا یا اپنے اندازہ سے بتایا ہے۔ میں نے کہا کہ اندازے ہی سے جواب دیا ہے! اس پر مولانا نے مجھے آفرین کہی اور ساتھ ہی یہ تنبیہ بھی کر دی کہ دیکھو دین کا مسئلہ جب اچھی طرح معلوم نہ ہو بتانا نہیں چاہیے۔ اگر اندازے سے جواب صحیح بھی دیا جائے، تو آدمی پھر بھی گنہگار ہو جاتا ہے۔ آئندہ اس کا خیال رکھنا۔ پھر انھوں نے مجھے علم دین حاصل کرنے کی ترغیب دیتے ہوئے کہا کہ اسکول کی تعلیم ختم کرنے کے بعد کسی عربی مدرسہ میں داخل ہو کر علم دین پڑھنا۔ ان سے یہ گفتگو جاری تھی کہ اتنے میں میرے والد ماجد آ گئے۔ مولانا موصوف نے والد محترم سے فرمایا۔ ماشاء اللہ آپ کا بچہ بڑا ہونہار اور ذہین ہے۔ یہ سن کر والد صاحب بول اُٹھے کہ جی ہاں! ماشاء اللہ اسکول میں نمایاں کامیابی پر اس کا وظیفہ بھی مقرر ہو گیا ہے۔ یہ سنتے ہی مولانا کی حالت متغیر ہو گئی اور آہ سرد بھر کر فرمایا:۔

میاں صاحب! آپ نے یہ بہت بُری خبر سنائی۔ اسے ابھی سے اگر فرنگی کا پیسہ کھانے کا چسکہ پڑ گیا تو پھر یہ دین کہاں سے پڑھے گا؟ بس یہ تو کسی اسکول کا ماسٹر بن جائے گا۔

حضرت اقدس فرماتے تھے کہ مولانا قمرالدین صاحب کی آہ اور اس جملہ نے مجھ پر ایسا اثر کیا کہ دینی تعلیم کی اہمیت اور دنیوی تعلیم سے نفرت میری طبیعت میں راسخ ہو گئی جس نے بالآخر مجھے اسکول کے ماحول سے نکال کر مدرسۂ عربیہ میں پہنچا دیا۔

بچپن کی کرامت: سات آٹھ سال کی عمر ہو گی کہ ایک روز آپ کوٹھے پر چڑھے ہوئے تھے۔ پانی کا کٹورا ہاتھ میں تھا آسمان پر بادل چھائے ہوئے تھے۔ اتفاقاً بادل بہت زور سے گرجا اور ایک مہیب آواز پیدا ہوئی مگر آپ بالکل نہ ڈرے بلکہ غصہ سے بادل کو مخاطب کر کے کہا۔ اے بادل! تو کیا گرجتا ہے۔ دیکھ اگر پھر گرجا تو یہ پیالہ پھینک کر ماروں گا۔ خدا کی قدرت کہ گرج چمک فوراً بند ہو گئی۔ (بروایت ماسٹر بدرالدین صاحب)

مڈل اسکول کی تعلیم: ابھی کم عمری کا عہد تھا کہ والد صاحب اور تایا صاحب کی منشا کے مطابق قصبہ سُوڈی ضلع لدھیانہ کے مڈل اسکول میں جو اپنے گاؤں کے قریب تر تھا ۱۴ اپریل ۱۹۱۶ء کو داخل ہونا پڑا۔ ۲۶ فروری ۱۹۱۹ء تک اسی اسکول میں تعلیم پائی اور اردو مڈل کے امتحان میں نمایاں کامیابی حاصل کی۔

مذہبی رواداری کا واقعہ: مڈل سکول میں تعلیم کے دوران آپ کا قیام اسکول کے بورڈنگ ہاؤس میں رہتا تھا۔ اتوار

کی تعطیل پر گھر آجایا کرتے تھے۔ اس زمانہ کا ایک واقعہ حضرت قبلہ نے خود بیان فرمایا کہ جب ہم مڈل سکول سوہی میں پڑھتے تھے تو ہندو مسلمان اور سکھ لڑکے سب ایک ساتھ بورڈنگ ہاؤس میں رہا کرتے تھے۔ باہمی الفت، یگانگی اور مذہبی معاملات میں رواداری کا احساس اس قدر تھا کہ مسلمان لڑکے، ہندو اور سکھ طلبہ کے جذبات کا احترام کرتے ہوئے ان کی رسوئی (مطبخ) میں قدم رکھنے سے پرہیز کرتے تھے۔ اسی طرح ہندو اور سکھ لڑکے مسلمان طلبہ کی نماز پڑھنے کی جگہ میں، جو بورڈنگ ہاؤس میں بنی ہوئی تھی، داخل نہ ہوتے تھے۔ آپس میں کبھی جھگڑا یا فساد برپا نہ ہوتا تھا بلکہ جب ہمارے ساتھی اتوار کی چھٹی گزارنے کے لیے ہفتہ کی شام سلیم پور روانہ ہوتے تو میں رستہ میں سب لڑکوں کو پنجابی میں کلمۂ پاک کا ذکر کرایا کرتا تھا۔ ہندو سکھ لڑکے مسلمان طلبہ کے ساتھ ہم آہنگ ہو کر یہ گایا کرتے تھے۔

دل کلمے دے ول جوڑمیاں ہُن غیر محبتاں چھوڑمیاں

منہ نیکی دے ول موڑمیاں کہو لا الٰہ الا اللہ

پڑھ لا الٰہ الا اللہ

اُردو مڈل کے بعد: اردو مڈل سکول میں آپ نے وظیفہ یاب طالب علم کی حیثیت سے تعلیم پائی اور امتیازی نمبروں سے کامیابی حاصل کی تھی۔ محکمہ تعلیم کی طرف سے آپ کو سکول کی ملازمت پیش کی گئی مگر یہاں صورتحال مختلف تھی۔ ملازمت درکنار، آپ نے مڈل تک تعلیم بھی بادلِ نخواستہ حاصل کی تھی جس کا پس منظر مولانا قمرالدین صاحب کا ارشاد تھا کہ اگر اس بچے کو انگریز کے پیسہ کا چسکہ پڑ گیا تو یہ دین کہاں پڑھے گا۔ اسی وقت سے آپ کے دل میں دینی تعلیم کے حصول کا جذبہ و شوق پیدا ہو گیا تھا۔

مڈل پاس کرنے کے بعد اس خیال کے تحت کہ کہیں اہلِ خانہ کسی ملازمت کے لیے مجبور نہ کر دیں چپکے سے مولانا محمد ابراہیم صاحب سلیم پوری کے پاس دھرم کوٹ ضلع فیروز پور چلے آئے۔ ان کی خدمت میں جانے کا مقصد یہ تھا کہ دینی تعلیم کا سلسلہ شروع ہو جائے گا مزید برآں حضرتِ اقدس کے والد ماجد کے ساتھ ان کے دیرینہ مراسم بھی تھے جن کے باعث وہ دینی تعلیم کے سلسلہ میں معاونت کر سکتے تھے اور آپ کے والد ماجد کو بھی مطمئن کر سکتے تھے، چنانچہ آپ مولانا محمد ابراہیم کے زیرِ تربیت تعلیم پاتے رہے اس کے بعد دو سال مدرسہ عزیزیہ لدھیانہ میں پڑھا۔ اور کچھ عرصہ مدرسہ عربیہ امرتسر میں بھی تعلیم پائی بالآخر ۱۳۴۲ھ میں دارالعلوم دیوبند تشریف لے گئے اور درسِ نظامی کے متوسطات سے دورۂ

حدیث تک تمام علوم و فنون کی کتابیں دارالعلوم ہی میں پڑھیں۔ ۱۳۴۵ھ میں دورۂ حدیث سے فارغ ہوئے جن اساتذہ کی خدمت میں مختلف علوم پڑھے ان کی تفصیل حسب ذیل ہے۔

۱۔ فن حدیث و تفسیر کے اساتذہ
- حضرت علامہ سید انور شاہ صاحب کشمیری صدر المدرسین دارالعلوم دیوبند
- حضرت میاں اصغر حسین صاحب
- حضرت مولانا مرتضیٰ حسن صاحب
- حضرت مولانا مفتی عزیز الرحمٰن صاحب
- حضرت علامہ شبیر احمد صاحب عثمانی

۲۔ فقہ و ادب کے اساتذہ
- مولانا محمد اعزاز علی صاحب
- مولانا محمد ادریس صاحب کاندھلوی مدظلہ

۳۔ منطق و فلسفہ کے اساتذہ
- مولانا محمد رسول خان صاحب
- مولانا محمد ابراہیم صاحب بلیاوی

<u>سہ سالہ امتحانات کی تفصیل</u>: حسن اتفاق سے مولانا انوار الحسن صاحب شیرکوٹی مؤلف 'انوار قاسمی' کے پاس دارالعلوم دیوبند کی ۱۳۴۳ھ لغایۃ ۱۳۴۵ھ کی سالانہ رؤیدادیں موجود ہیں۔ مولانا موصوف دارالعلوم میں حضرت اقدس کے ہمدرس بھی رہے ہیں۔ ان رؤیدادوں سے جن میں سالانہ امتحانات کے نتائج بھی مندرج ہیں' یہ ظاہر ہوتا ہے کہ حضرت اقدس نے ۱۳۴۳ھ میں جلالین، ہدایہ اولین، سلم العلوم، رشیدیہ اور مقامات حریری کے امتحانات میں کامیابی حاصل کی تھی اور جلسہ تقسیم انعام میں آپ کو تین کتابیں مرقاۃ، انوار الفطر اور ارشاد مرشد بطور انعام دی گئی تھیں۔

۱۳۴۴ھ میں مشکوٰۃ شریف، نخبۃ الفکر، ہدایہ اخیرین، دیوان متنبی، ملا حسن اور تحریر عربی کے امتحانات میں شامل ہوئے اور سب پرچوں میں نمایاں کامیابی حاصل کی اور مدرسہ کی طرف سے کتاب انوار احمدیہ آپ کو بطور انعام عطا کی گئی۔

۱۳۴۵ھ میں دورۂ حدیث شریف (صحاح ستہ وغیرہا) کل گیارہ کتابوں کے امتحانات میں شرکت فرمائی

اور حسب ذیل نقشہ کے مطابق نمبر[1] حاصل کرکے کامیاب ہوئے

نمبر شمار	نام کتاب	حاصل کردہ نمبر	کل کتابیں	نمبر شمار	نام کتاب	حاصل کردہ نمبر
۱۔	مسلم شریف	۴۹		۷۔	ابن ماجہ شریف	۴۵
۲۔	ابوداؤد شریف	۴۹		۸۔	شمائل ترمذی شریف	۴۵
۳۔	مؤطا امام محمد	۴۶	۱۱	۹۔	مؤطا امام مالک	۴۵
۴۔	بخاری شریف	۴۵		۱۰۔	تفسیر بیضاوی شریف	۴۳
۵۔	نسائی شریف	۴۵		۱۱۔	ترمذی شریف	۴۰
۶۔	طحاوی شریف	۴۵				

دارالعلوم دیوبند کا ماحول: چار سال آپ نے دارالعلوم دیوبند میں گزارے۔ وہاں کا دینی ماحول عجب شان کا حامل تھا بلند پایہ اور بے لوث علماء طلبہ کی تعلیم و تربیت پر مامور تھے۔ ہر اُستاد علم و عمل کا جامع، اتباعِ سنت کا مُرقع اور سادہ و پاکیزہ زندگی کا آئینہ دار تھا۔ یہاں طلبہ کو درس و مطالعہ اور تکرارِ اسباق سے سروکار تھا۔ دنیا کا کوئی فکر نہ تھا اور دل تمام اندیشوں سے بے نیاز۔ معمول یہ تھا کہ علی الصبح فجر سے پہلے اٹھنا، نوافل ادا کرنا اور مطالعۂ کتب، ساتھ ہی پچھلے سبق کا اعادہ اور اگلے اسباق کی تیاری۔ حاضری کا گھنٹہ بجتے ہی تمام اساتذہ و طلبہ درس و تدریس میں مصروف ہو جاتے۔ درس گاہ قال اللہ وقال الرسول کی صداؤں سے گونج اٹھتی تھی۔ اوقاتِ تدریس روزانہ چار گھنٹے صبح اور دو گھنٹے ظہر کی نماز کے بعد تھے۔ مغرب کی نماز کے بعد طلبہ کی متفرق جماعتیں نودرہ یا دوسری درس گاہوں میں بیٹھ جاتیں۔ باری باری ہر طالب علم باندازِ استاد سبق کی تقریر دہراتا اور اس طرح جب تک اسباق کا اعادہ مکمل نہ ہو جاتا، اپنی جگہ سے نہ اٹھتے تھے۔

اسباق کے تکرار اور اعادہ سے فارغ ہو کر سب طلبہ اپنے اپنے حجروں میں چلے جاتے شرکائے حجرہ ایک ہی لیمپ

---

[1] واضح رہے کہ دارالعلوم دیوبند میں جہاں نظام تعلیم مثالی حیثیت رکھتا ہے۔ وہاں امتحانات کے پرچوں کے لیے نمبروں کا معیار بھی منفرد نوعیت کا حامل ہے۔ دارالعلوم میں ہر کتاب کا پرچہ مستقل طور پر الگ ہوتا ہے۔ ہر پرچہ میں مساوی نمبروں کے تین سوال دیے جاتے ہیں جن میں ہر ایک لازمی ہوتا ہے۔ کل نمبر ۵۰ ہوتے ہیں۔ درجہ سوم میں کامیابی کے لیے طالب علم کو کم از کم ۴۰ نمبر حاصل کرنا ضروری ہیں اور درجہ دوم کے لیے ۴۱ تا ۴۹ اور فرسٹ ڈویژن کے لیے ۵۰ نمبر درکار ہیں۔ اس کے بعد اگر طالب علم کا پرچہ غیر معمولی اور امتیازی شان رکھتا ہو تو ۵۰ سے ۵۲ تک امتیازی نمبر دیے جاتے ہیں۔ سنا ہے اب اس معمول میں کچھ تبدیلی کر دی گئی ہے۔

کے گرد یا الگ الگ بیٹھ کر خاموشی سے ہر کتاب کے آئندہ سبق کا مطالعہ کرتے اور اکثر اس میں رات کے بارہ بج جایا کرتے تھے۔

فرنگی کھیلوں کو اس ماحول میں پسند نہ کیا جاتا تھا سینکڑوں میں بمشکل چند طلبہ ہوں گے جو عصر کے بعد تھوڑی دیر کے لیے سیر و تفریح کی غرض سے مدرسہ کے عقبی میدان میں دوڑتے بھاگتے۔

دارالعلوم کا دائرہ اہتمام: دارالعلوم کا نظام اہتمام و انصرام نہایت مقدس مدبر اور آزمودہ کار بزرگوں کے ہاتھ میں تھا۔ صدر مہتمم حضرت مولانا حافظ محمد احمد رحمہ اللہ تعالیٰ تھے۔ جو بانی دارالعلوم دیوبند حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی رہ کے فرزندِ وحید اور علم و عمل میں نمونۂ اسلاف تھے نائب مہتمم حضرت مولانا حبیب الرحمٰن عثمانی قدس سرہٗ تھے جو مولانا شبیر احمد عثمانیؒ کے برادر بزرگ اور مفتی عزیز الرحمٰن کے برادرِ خورد تھے۔ آپ حضرت مولانا گنگوہیؒ کے فیض یافتہ تھے اور علمی و عملی اعتبار سے بڑی پاکیزہ اور بارُعب شخصیت کے مالک تھے رعب و جلال کا یہ عالم تھا کہ اگر طلبہ و اساتذہ میں سے کوئی اثنائے راہ ان سے دوچار ہو جاتا تو سراپا ادب و احترام بن کر ان کے سامنے آنکھیں بچھا دیتا تھا۔ دارالعلوم میں ان حضرات کی زیارت دل و دماغ کے لیے موجبِ تسکین تھی۔ اساتذہ میں نائب شیخ الہندؒ امام المحدیث حضرت مولانا سید انور شاہ صاحب کشمیریؒ حضرت مولانا میاں اصغر حسین صاحب، حضرت مولانا مفتی عزیز الرحمٰن صاحب، حضرت علامہ شبیر احمد عثمانی، حضرت مولانا مرتضیٰ حسن صاحب چاند پوری، حضرت مولانا اعزاز علی صاحب امروہوی، حضرت مولانا عبدالسمیع صاحب، حضرت مولانا محمد نبیہ الحسن صاحب، حضرت مولانا محمد ابراہیم صاحب بلیاوی، حضرت مولانا رسول خان صاحب ہزاروی اور حضرت مولانا سراج احمد صاحب رشیدی رحمۃ اللہ علیہم اجمعین منتخبِ روزگار اور خلاصۂ عالم تھے۔ یہ اکابر علم و عمل کے وہ درخشندہ ستارے تھے کہ جن کی نظیر چشمِ فلک شاید پھر کبھی نہ دیکھ سکے۔

مقامِ اساتذہ: حضراتِ اساتذہ کرام نہ صرف یہ کہ اپنے اپنے ذوقِ خاص کے مطابق حدیث، تفسیر، علم کلام، فقہ، ادب، منطق، فلسفہ، صرف و نحو، معانی بیان، افتاء اور مناظرہ وغیرہ علوم و فنون میں یکتائے روزگار تھے بلکہ حقائق و اسرار معارف لدنیہ، حکمتِ ربانیہ اور باطنی کمالات سے مالا مال تھے۔ ظواہرِ شریعت پر اس درجہ کاربند تھے کہ صاحبِ نسبت شخص ہی ان کے روحانی مقام کا اندازہ کر سکتا تھا۔ متعدد اساتذہ کو یونیورسٹیوں اور کالجوں سے گراں قدر مشاہرات پر بُلایا گیا مگر انھوں نے دارالعلوم کے ساٹھ، ستر روپے کے مشاہرے کو کالجوں کے ہزاروں پر ترجیح دی۔

سلوک کی ابتدا : حضرت اقدس رحمہ اللہ تعالیٰ نے دارالعلوم دیوبند میں طالب علمی کے زمانے میں حضرت مولانا مفتی عزیزالرحمٰن نقشبندی مجددی رحمہ اللہ تعالیٰ سے طریقۂ نقشبندیہ میں بیعت کا شرف حاصل کرلیا تھا۔ دارالعلوم میں اکثر طلبا، نمازِ عصر کے بعد روحانی سکون اور باطنی اطمینان کے لیے حضرت علامہ سید انور شاہ صاحب کشمیریؒ اور مولانا میاں اصغر حسین صاحبؒ کی پاکیزہ مجالس میں شریک ہوا کرتے تھے۔ ان میں سے بعض طلبہ حضرت مفتی عزیزالرحمٰن قدس سرہٗ کی صحبت میں بھی حاضر ہوتے تھے۔ انہی میں حضرت سیدنا و مولانا محمد عبداللہ قدس سرہٗ تھے۔

حضرت اقدسؒ نے راقم الحروف سے بیان فرمایا۔ کہ میں وقتاً فوقتاً ان بزرگوں کی صحبت میں عصر کے بعد حاضر ہوا کرتا تھا۔ رفتہ رفتہ حضرت مفتی عزیزالرحمٰن رحمہ اللہ کی طرف روحانی کشش پیدا ہوئی۔ اور ان سے بیعت کی درخواست کی۔ حضرت مفتی صاحب نے پہلے تو میرے طالب علم ہونے کی بنا پر بیعت کرنے میں تامل کیا۔ مگر کئی بار عرض کرنے کے بعد بالآخر طریقۂ نقشبندیہ مجددیہ میں داخل کرلیا۔ اور یہ ارشاد فرمایا۔ کہ کوئی ایک نماز اس چھوٹی مسجد[1] میں پڑھ لیا کرو۔ حضرت فرماتے تھے۔ کہ بیعت کے بعد پانچوں وقت اسی مسجد میں نماز پڑھنا میرا معمول بن گیا تھا۔ اور حضرت مفتی صاحب نے نسبتِ مجددیہ کی جس لذت سے قلب و روح کو آشنا کیا تھا وہی بالآخر مجھے اعلیٰ حضرت قیوم زماں قدس سرہٗ کی خدمت میں خانقاہ سراجیہ کشاں کشاں لے آئی۔

خانقاہ سراجیہ میں حاضری : ماہ شعبان ۱۳۴۵ھ میں آپ نے دارالعلوم دیوبند سے فارغ التحصیل ہوکر اپنے وطن مراجعت فرمائی۔ اکتسابِ علم سے فراغت کے بعد شادی کا مرحلہ پیش آگیا۔ چنانچہ اہل و عیال اور والدین بزرگوار کے لیے کسبِ معاش کا خیال دامن گیر ہونا لازمی تھا۔ دیہات میں اہل علم کے لیے مسجد کی امامت و خطابت یا دینی مدارس میں بچوں کی ابتدائی تعلیم کے سوا اور کوئی مشغلہ ممکن نہ تھا۔ اور اس کام کے لیے آپ اپنے خاندان کی افتادِ طبع کے باعث خود کو آمادہ نہ پاتے تھے۔ دارالعلوم دیوبند ہی میں آپ کو رفیقِ درس حضرت مولانا سید مغیث الدین شاہ صاحب سے، بواسطہ حضرت بانیٔ خانقاہ سراجیہ کے متوسل تھے۔ یہ معلوم ہو چکا تھا کہ سرگودھا میں مولانا حکیم عبدالرسول صاحب کلاں مطب بھی کرتے ہیں۔ اور طب کا درس بھی دیتے ہیں۔ فنِ طب میں علمی، عملی اور تدریسی لحاظ سے امام فن کا مقام رکھتے

---

[1] مسجد چھتہ سے محلہ شاہ رمزالدین کی طرف جاتے ہوئے تھوڑے سے فاصلہ پر یہ مسجد واقع ہے۔ اس کی تعمیر خود مفتی صاحب رحمہ اللہ نے کرائی تھی چند کمرے طلبہ و متوسلین کے لیے مختص تھے آپ پنجگانہ نمازیں یہیں ادا فرمایا کرتے تھے اور متوسلین کی روحانی تربیت کا مرکز بھی یہی مسجد تھی۔

ہیں۔ اس لیے اُسی وقت سے آپ نے زندگی کے مستقبل کا لائحۂ عمل یہ سوچ رکھا تھا کہ اس فنِ شریف کو حاصل کر کے اسے خدمتِ خلق کے ساتھ معاشی زندگی کا وسیلہ بنانا مناسب ہوگا۔

اس بنا پر آپ فنِ طب کی تحصیل کے لیے حکیم صاحب موصوف کی خدمت میں سرگودھا تشریف لے گئے۔ انھوں نے آپ کو فن کا طالب صادق پاکر طب کا درس دینا شروع کر دیا۔ حکیم صاحب ممدوح اعلیٰ حضرت قدس سرہٗ کے حلقۂ ارادت میں بھی شامل تھے اور طریقت میں ان کی طرف سے مجاز تھے۔

حُسنِ اتفاق کہ اعلیٰ حضرت حکیم صاحب کے ہاں سرگودھا تشریف لے آئے۔ اور اُن کے حلقۂ درس میں ایک صالح نوجوان کو دیکھ کر حکیم صاحب سے ان کے بارے میں دریافت فرمایا۔ حکیم صاحب نے عرض کیا۔ کہ اِن کا نام مولوی عبداللہ ہے۔ دارالعلوم دیوبند کے فارغ التحصیل ہیں۔ اب فنِ طب حاصل کرنے کے لیے میرے پاس آئے ہیں۔ اعلیٰ حضرت نے یہ سُن کر از راہِ کشف فرمایا۔ کہ یہ طبیب بنتے تو نظر نہیں آتے۔ البتہ آپ پڑھاتے رہیں تاکہ ان کا شوق پُورا ہو جائے۔

حضرتِ اقدس کو حضرت مفتی عزیز الرحمٰن رحمہ اللہ کے فیضِ صحبت سے طریقۂ نقشبندیہ کی نسبت نصیب ہو چکی تھی۔ اور اب اعلیٰ حضرت کی صحبت میں جو باطنی کیفیات و واردات کا بے پایاں ادراک ہُوا۔ تو وہیں اعلیٰ حضرت سے تجدیدِ بیعت فرمائی۔ بروایتِ دیگر بیعتِ ثانیہ کا واقعہ اس طرح ہے کہ آپ اعلیٰ حضرت قدس سرہٗ سے حکیم عبدالرسول صاحب کے نام ایک سفارشی تحریر لینے کے لیے خانقاہ سراجیہ تشریف لائے۔ چنانچہ آپ نے سفارشی تحریر مرحمت فرمادی جب حضرتِ اقدس حکیم صاحب کے پاس سرگودھا تشریف لے گئے تو حکیم صاحب نے اعلیٰ حضرت کی تحریر کو سر آنکھوں پر رکھا اور خصوصی توجہ کے ساتھ تعلیمِ طب کا سلسلہ شروع کر دیا۔ لیکن صحبت کے اُن چند لمحات میں جو سفارشی خط حاصل کرنے کے لیے اعلیٰ حضرت کی خدمت میں گزرے۔ آپ کو عجیب و غریب کیفیات کا ادراک ہُوا۔ آپ نے شیخِ اول حضرت مفتی صاحبؒ کو دیوبند خط لکھا جس میں اعلیٰ حضرت کا تذکرہ اُن کی خدمت میں حاضری اور ادراکِ فیض کا ذکر کیا۔ مفتی صاحبؒ نے اس کے جواب میں تحریر فرمایا۔ کہ آپ کو بزرگ موصوف سے مناسبت معلوم ہوتی ہے۔ اس لیے میری طرف سے اجازت ہے۔ کہ آپ ان کے حلقۂ ارادت میں شامل ہو جائیں۔ قریب ہونے کے لحاظ سے بھی اُن کی صحبت میں حاضری آسان ہو گی۔ اور اِس سلسلۂ پاک میں مدارِ فیض صحبتِ شیخ پر ہے۔

اس کے بعد اعلیٰ حضرت حکیم صاحب کے پاس سرگودھا تشریف لائے تو حکیم صاحب سے ان کا ذوق شوق

پورا کرنے اور تعلیم طب جاری رکھنے کے لیے فرمایا۔ اس دوسری صحبت میں حضرت اقدس کو مزید واردات وکیفیات کا احساس ہوا۔ اب آپ نے بیعت کے لیے درخواست کی۔ حضرت اعلیٰ نے کشفاً فرمایا: "آپ پہلے ہی سلسلہ نقشبندیہ سے منسلک ہیں۔ اجازتِ شیخ کے بغیر بیعتِ ثانی مناسب نہیں۔"

حضرت اقدس نے جناب مفتی صاحبؒ کا اجازت نامہ آپ کے سامنے پیش کر دیا۔

اعلیٰ حضرت نے اس کے بعد آپ کو اپنے حلقۂ ارادت میں شامل کر لیا اور حکیم صاحب کو مزید ہدایت فرمائی کہ انھیں طبی کورس پر جلد عبور کرا دیں۔

حضرت اقدس اپنے باطنی احوال و واردات کے سلسلہ میں اعلیٰ حضرت کو خطوط لکھتے رہتے تھے اور گاہے گاہے حاضر بھی ہوا کرتے تھے۔ ایک دفعہ حکیم صاحب کے ساتھ اعلیٰ حضرت کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ اعلیٰ حضرت نے حکیم صاحب کو ارشاد فرمایا کہ آپ اپنی حکمت انھیں جلد پڑھا دیں کیونکہ اس کے بعد مجھے اپنی حکمت بھی پڑھانی ہے اور یہ شعر پڑھا ؎

چند خوانی حکمتِ یونانیاں   حکمتِ ایمانیاں را ہم بخواں

حضرت اقدس فرمایا کرتے تھے کہ اعلیٰ حضرت کی زبانِ مبارک سے یہ شعر سن کر میرا دل فنِ طب کی تعلیم سے یکسر سرد ہو گیا۔ غرض آپ اس وقت حکیم صاحب کے ساتھ سرگودھا واپس تشریف لے گئے۔ وہاں پہنچ کر اپنے باطنی احوال و کوائف سے حضرت اعلیٰ کو مطلع کیا تو اعلیٰ حضرت نے آپ کی قوتِ استعداد اور سرعتِ سیر کو دیکھتے ہوئے حکیم صاحب کو لکھ بھیجا کہ مولوی عبداللہ صاحب کی تعلیمِ طب جہاں تک ہو چکی ہے کافی ہے۔ اب آپ انھیں خانقاہ شریف بھیج دیں۔ ادھر آپ کا دل بھی طبِ یونانی سے سرد اور حکمتِ ایمانی کی طلب میں سرگرم ہو چکا تھا۔ چنانچہ آپ برضا و رغبت تعلیمِ طب کا سلسلہ ملتوی کر کے اعلیٰ حضرت کی خدمت میں خانقاہ شریف حاضر ہو گئے اور حاضر بھی ایسے ہوئے کہ بس یہیں کے ہو رہے۔ پھر اس حاضری کی برکت سے وہ سعادتِ لازوال حاصل کی جو روزِ ازل سے آپ کا مقدر تھی۔ پوری زندگی آستانۂ شیخ کی خدمت کے لیے وقف کر دی اور اسی خاکِ پاک میں آخری آرام گاہ پائی ؎

ایں سعادت بزورِ بازو نیست   تا نہ بخشد خدائے بخشندہ

ذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَاۤءُ ۗ وَاللّٰهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيْمِ۔

<u>مدتِ قیام و درویشی</u>: غرض چودہ پندرہ سال اعلیٰ حضرت کی خدمتِ اقدس میں گزارے، سفر و حضر میں ساتھ رہے

اور تحصیل کمالاتِ باطنی کے بعد مجاز طریقت ہوئے بلکہ وصیت نامہ کے مطابق جس کا ذکر اعلیٰ حضرت قدس سرہٗ کے حالات میں گزر چکا ہے، آپ کے جانشین نامزد ہو گئے۔ شیخ کی ذات میں ایسے فنا ہوئے کہ اس طویل مدت میں ایک دو بار ہی اپنے وطن سلیم پور لدھیانہ والدین اور اہل و عیال سے ملنے کیلیے گئے ہوں گے ۔

تعلق حجاب است و بے حاصلی چو پیوند ہا بگسلی واصلی

بادۂ عرفان جس نے آپ کو اپنے وجود اور ذاتی روابط سے ناآشنا اور بے تعلق بنا دیا تھا بھلا کب اپنے تقاضوں کی تکمیل سے پہلے یہ اجازت دے سکتا تھا کہ آپ غیر کی طرف متوجہ ہوں۔ شروع میں آپ کے والدِ ماجد اور دیگر اقربا جو تکمیل تعلیم کے بعد تحصیلِ معاش میں آپ کی معاونت کے منتظر تھے، آپ کا یہ رنگ دیکھ کر مایوس بلکہ کسی حد تک آپ سے شاکی تھے لیکن جب تھوڑے عرصہ بعد اس دولتِ خداداد کی عظمت سے آگاہ ہوئے جس کے آگے ہفت اقلیم کی شہنشاہی بھی ہیچ ہے تو بے حد خوش اور مسرت اندوز ہوئے۔ چنانچہ وہ آپ کے وجودِ گرامی کو اپنے خاندان کے لیے باعثِ ہزار افتخار جانتے ہوئے مسرور و شکرگزار رہے ۔

نہ پوچھ ان خرقہ پوشوں کی ارادت ہو تو دیکھ ان کو یدِ بیضا لیے بیٹھے ہیں اپنی آستینوں میں

منصبِ شیخی : اعلیٰ حضرت قدس سرہٗ نے آپ کو اپنی حیاتِ مبارکہ ہی میں جانشین نامزد فرمایا تھا باوجودیکہ آپ کے تین صاحبزادوں میں سے صاحبزادہ مولانا محمد معصوم موجود تھے۔ لیکن یہ امانتِ الٰہیہ وراثت کی بجائے اہلیت کی متقاضی تھی اس لیے وَاَنْ تُؤَدُّوا الْاَمَانَاتِ اِلٰٓی اَھْلِھَا کے مطابق آپ نے اپنے وارثِ نسبی کے بجائے فرزندِ روحانی کو اس منصب سے سرفراز فرمایا اور خانقاہ شریف کا انتظام و انصرام آپ کے حوالہ کر دینے کی وصیت فرمائی۔ اپنے سامنے ہی امامتِ نماز ذکر و ختم کے جملہ امور اور دیگر اشغالِ طریقت و روحانی تربیت بھی آپ کے سپرد کر دی تھی، جب بتقدیرِ الٰہی ۱۲ صفر ۱۳۶۰ھ کو اعلیٰ حضرت قدس سرہٗ کی وفاتِ حسرت آیات کا سانحۂ جاں گداز پیش آیا اس وقت حضرتِ اقدس ہی اعلیٰ حضرت کے جسدِ مبارک کو کانپور سے خانقاہ شریف لائے۔ آپ کی اقتداء میں جمِ غفیر نے نمازِ جنازہ ادا کی۔ آپ نے بصد حسرت و یاس جاں سے عزیز تر شیخ کو مشیتِ الٰہی پر راضی رہتے ہوئے آغوشِ لحد میں رکھا۔ پوششِ قبرِ مبارک سے پہلے حضرت مولانا ظہور احمد صاحب بگوی امیر حزب الانصار بھیرہ نے جو اعلیٰ حضرت کے مخلص خادم تھے تمام حاضرین کو بآوازِ بلند اعلیٰ حضرت قدس سرہٗ کا وصیت نامہ پڑھ کر سنایا چنانچہ حضرت اقدس کے دستِ مبارک پر

تمام برادران طریقت نے تجدید بیعت کر لی۔ اس کے بعد قبر کی پوشش کا کام سرانجام پایا۔ الحمد للہ کہ طالبانِ طریقت میں سے جو حضرات شریکِ جنازہ تھے، کسی کو کوئی تردد لاحق نہ ہوا۔ سب نے بطیب خاطر اعلیٰ حضرت کی وصیت پر عمل کیا اور اللہ رب العزت نے طالبانِ حق کو اعلیٰ حضرت کے وصال کے بعد حضرت ثانیؒ کی بدولت پھر باطنی سکون اور جمعیتِ خاطر سے نوازا۔

صبر و استقامت: حضرت اقدس رحمہ اللہ صبر و استقامت کے کوہِ گراں تھے جس سے حادثاتِ روزگار ٹکرا کر خود بخود پاش پاش ہو جاتے تھے۔ ہر چند کہ اس راہ میں دشواریاں پیش آئیں مگر آپ نے پورے حلم و وقار اور صبر و استقامت کا ثبوت دیتے ہوئے شانِ نیابت کو برقرار رکھا اور پائے ثبات میں ادنیٰ سی لغزش بھی پیدا نہ ہونے دی۔ وصیتِ شیخ علیہ الرحمہ کے ایک ایک حرف کو صبر آزما حالات میں بھی کمال ہمت کے ساتھ پورا کیا۔

ایک لطیف اور عبرت انگیز اشارہ: شوال ۱۳۷۲ھ میں حضرتِ اقدس مانسہرہ تشریف لے گئے تھے۔ راقم الحروف بھی حاضر تھا۔ اتفاق سے خلوت میسر تھی۔ خادم و مخدوم کے علاوہ کوئی تیسرا فرد موجود نہ تھا۔ نہ معلوم اس وقت حضرت اقدس کی لوحِ خیال پر کن صبر آزما حوادث کا نقشہ ابھر آیا کہ اچانک فرمانے لگے کہ بعض اوقات جی تو یہ چاہتا ہے کہ کہیں نکل چلیں لیکن پھر خیال آتا ہے کہ ہاں کہ[1] بیٹھے ہیں۔"

ادائے فرضِ منصبی: اس منصب عالی کا تقاضا تھا کہ آپ کسی حال میں بھی طالبانِ حق کی رہنمائی کے اہم فریضہ سے صرفِ نظر نہ فرمائیں۔ چنانچہ حضرتِ اقدس نے اپنے دل و دماغ کو ہر قسم کے تردد و انتشار سے فارغ کر کے پوری توجہ طلب گارانِ معرفت کی تربیت و تلقین اور ان کے دلوں میں القائے سکینت کی طرف مرکوز رکھی۔ حق تعالےٰ نے آپ کو توجہ کی بے پناہ قوت سے نوازا تھا۔ جس طالبِ حق پر ایک ادنیٰ سی توجہ فرما دی اس کے قلب و روح کو عرفانِ حق کے کیف و سرور سے معمور کر دیا۔ سرشارانِ جہاں کو اگرچہ ظاہری ہوش اور شعور سے بیگانہ بنایا لیکن انھیں وہ سرمدی سرور آگاہی بخشا جو ماسوا اللہ کی دراندازی سے زائل نہ ہو سکتا تھا۔ جام شریعت اور سندان عشق کو ایسے دل آویز انداز سے یک رنگ کر دیا کہ شعر سعدی گویا آپ کے حال کا ترجمانِ صادق بن گیا۔ ؎

بر کفے جام شریعت ، بر کفے سندانِ عشق   ہر ہوسناکے نداند جام و سندان باختن

---

[1] یہ فرائض نیابت اور حقوق طریقت کی ادائیگی کی طرف اشارہ ہے۔

منصب نشینی کوئی پھولوں کی سیج نہیں بلکہ یہ سخت نوکیلے کانٹوں کا ایک تاج ہے جو اسی فرد یگانہ کے سر پر سجتا ہے جس نے طلبِ حق کی راہ میں بے شمار نشیب و فراز اور دشوار گزار گھاٹیوں سے اٹی ہوئی خار دار وادیوں کو زہد و توکل اور ثبات و استقامت سے طے کیا ہو۔ خصوصاً اس وقت جبکہ ایک نامور اور جلیل القدر شیخ نے اپنی مسندِ عرفان کی عزت و حرمت کے لیے اسے اپنا جانشین بھی مقرر کر دیا ہو۔ ہر کس و ناکس اس امر کی اہمیت کا اندازہ نہیں لگا سکتا۔ ظاہر پرست لوگ جنہوں نے سجادہ نشینوں کے اوضاع و اطوار دیکھے ہیں وہ تو یہی سمجھیں گے کہ سجادہ نشینی عیش و تنعم کے حصول کا ذریعہ ہے۔ انھیں کیا معلوم کہ کاملانِ طریقت کی نظر میں کسی متمول شخصیت کو اپنے حلقۂ اثر میں لانے کا خیال بھی کفر کے مترادف ہے۔ یہ حضرات زرکش نہیں ہوتے بلکہ زرپاش و زربخش ہوتے ہیں۔ امام ربانی حضرت مجدد الف ثانیؒ کے فرمان روزِ نو روزی نو کے مطابق ان حضرات کا ہر آنے والا دن نئی روزی لے کر آتا ہے۔ رازقِ ازل خزانۂ غیب سے جو کچھ دن میں ان کے پاس بھیجتا ہے وہ رات سے پہلے ان کے ہاتھ سے نکل کر اہلِ حقوق کے مصرف میں خرچ ہو جاتا ہے۔ افسوس کہ رسم پرستوں کے اطوار نے پاکبازانِ طریقت کی آبرو کو بھی داغدار کر دیا۔ بقولِ غالبؔ ؎

ہر بوالہوس نے حسن پرستی شعار کی — اب آبروئے شیوۂ اہلِ نظر گئی

حضرت اقدس کی پاکیزہ زندگی کو ہر پہلو سے دیکھنے والے ہزاروں شاہد عدل موجود ہیں کہ آپ نے جس زہد و اتقا اور بے نفسی و بے لوثی کے ساتھ اپنی عمرِ عزیز کے چودہ پندرہ برس عالمِ درویشی میں اور قریباً اتنے ہی سال بحالتِ سجادہ نشینی میں گزارے ہیں اس کی نظیر قرونِ اولیٰ میں تو بآسانی نظر آسکتی ہے لیکن موجودہ عہد میں فقر و درویشی کی تاریخ شاید ہی اس کی کوئی مثال پیش کر سکے۔

<u>نیابتِ قیومِ زمانی</u>: حضرتِ اقدس اعلیٰ حضرت کی وصیت و ہدایت کے تحت ان کے جانشین بنے تھے۔ ورنہ اس سے پہلے کبھی اس منصب کی طلب و آرزو کا گزر بھی ان کے حاشیۂ خیال میں نہ ہوا تھا۔ یہ ایک اہم ذمہ داری تھی جو اعلیٰ حضرت نے بالہامِ ربانی آپ کو سونپی تھی۔ اس راہ میں پیش آنے والی دشواریوں کو آپ بخوبی جانتے تھے لیکن اپنے شیخِ مربی کے امر کا احترام تھا کہ آپ نے ساری زندگی طریقۂ پاک کی ترویج و اشاعت میں صرف کر دی۔ آپ حضرت اعلیٰ کے خلیفۂ اعظم تھے۔ اس مسندِ جلیل کا تقاضا بھی یہی تھا کہ آپ اپنی اور اہل و عیال کی آسائشوں کو نظر انداز کرتے ہوئے آستانۂ شیخ کی عزت و حرمت کو حضرتِ شیخ ہی کے اسلوب و انداز پر برقرار رکھیں۔ چنانچہ آپ نے طریقہ

پاک کی خدمت کو اپنا اصلِ اصول قرار دیا۔ یہی ضمینیت شیخ کا مقتضا اور نیابت قیوم زماں کا منشا تھا۔ آپ نے دیگر امور سے صرفِ نظر فرما کر اسی کو اپنا نصب العین بنایا۔ حضرت شیخ علیہ الرحمہ کی وفات کے بعد جن سالکانِ طریقت کے قلوب افسردہ، چہرے پژمردہ اور حوصلے پست ہوتے نظر آئے ان کے دلوں کو تازگی، چہروں کو شگفتگی اور حوصلوں کو بلندی عطا کی۔ ہر طرح سے ان کی دلجوئی کی اور منازلِ سلوک طے کرانے میں اپنی پوری روحانی قوت اور قلبی توانائی کو بروئے کار لائے۔

مولانا سید جمیل الدین احمد صاحب[1] کا بیان ہے کہ اعلیٰ حضرت قدس سرہٗ کی وفات کے بعد میں بہت شکستہ خاطر تھا اپنے اندر تجدیدِ بیعت کی ہمت نہ پاتا تھا۔ بلکہ کبھی کبھی یہ خیال بھی آتا کہ اب سلوکِ چشتیہ صابریہ کے اوراق و اوان سے تسکین خاطر کا سامان فراہم کیا جائے۔ اس قسم کے عجیب و غریب تردد و انتشار کا عالم تھا کہ میں نے حضرت اقدس کی خدمت میں اعلیٰ حضرت کی جدائی کے صدمے اور باطنی پریشانی کا اظہار کرتے ہوئے ایک عریضہ لکھا جس کے جواب میں حضرت اقدس نے تحریر فرمایا کہ بے شک حضرت شیخ علیہ الرحمہ کی جدائی ایک عظیم سانحہ ہے جو سالکانِ طریقت کے لیے سخت رنج والم اور پریشانی کا موجب ہے لیکن واضح رہے کہ اعلیٰ حضرت ایسے مضبوط اور قوی ہاتھ میں معاملہ سونپ گئے ہیں کہ جس کے ہوتے ہوئے انشاء اللہ برادرانِ طریقت کے لیے واماندگی کا کوئی اندیشہ نہیں حضرت اقدس کی اس حوصلہ افزائی اور دلدہی سے متاثر ہو کر میں نے آپ کے ہاتھ پر تجدیدِ بیعت کر لی اور بحمدہٖ تعالیٰ اپنے وہم و گمان سے بڑھ کر آپ کی کرم فرمائیوں کے ثمرات و نتائج سے بہرہ یاب ہُوا۔ فالحمد للہ علیٰ ذالک۔

نیز مولانا موصوف کا بیان ہے کہ جب میں تجدیدِ بیعت کے لیے حاضر ہوا تو سابقہ بے تکلفی سے عرض کیا کہ تجدید کا ارادہ تو کر لیا ہے مگر آپ کے جلال سے ڈر لگتا ہے کہ سابقہ بے تکلفانہ انداز کا عادی ہونے کی وجہ سے اگر آدابِ شیخ کی بجا آوری میں کوئی فروگزاشت ہو گئی تو جو کچھ اعلیٰ حضرت دے گئے ہیں کہیں وہ بھی نہ چھین جائے۔ یہ سُن کر حضرت اقدس مُسکرائے اور شفقت و عنایت سے مجھے آغوش میں بھینچ لیا۔ بعد ازاں فرمایا اس کا کچھ خیال نہ کریں آپ سے جو راہ و رسم ہے وہ انشاء اللہ برقرار رہے گی۔

---

[1] مولانا موصوف دارالعلوم دیوبند میں حضرت اقدس کے ہم درس تھے۔ ہم عصری اور ہم پیری کے باعث آپ سے بہت بے تکلف تھے۔ اسی بنا پر حضرت اقدس بھی مولانا سے خاص شفقت و مروت کا سلوک فرمایا کرتے تھے۔

مولینا عبدالخالق پر شفقت وعنایت: حضرت مولانا عبدالخالق رحمہ اللہ بانی ومہتمم مدرسہ عربیہ کبیروالا اس زمانے میں دارالعلوم دیوبند میں مدرس تھے اور اعلیٰ حضرت قدس سرہٗ سے سلوک طے کر رہے تھے کہ رحلتِ شیخ کا سانحہ پیش آگیا سخت حیرانی وسرگردانی لاحق ہوئی۔ رہنما سے اثنائے سفر بچھڑ گئے۔ حضرت اقدس کی جانشینی کا علم ہوا تو سابقہ روابط کے پیش نظر آپ سے امید نوازش بندھی مگر اظہارِ مدعا کی جرأت اپنے قلم وزبان میں نہ پاکر حضرت علامہ شبیراحمد عثمانی رح سے سفارش نامہ لکھوا کر ارسال کیا اور تجدیدِ بیعت کی درخواست کی۔ سفارش نامہ کی عبارت درج ذیل ہے:۔

کرمفرمائے محترم جناب مولینا عبداللہ صاحب دامت معالیہم

بعد سلام مسنون آنکہ الحمدللہ مجھے اب بہت کچھ صحت ہے۔ کچھ خفیف سا بقیہ مرض ہے انشاءاللہ وہ بھی زائل ہوجائے گا۔ بہرحال دعا کا طالب ہوں۔ عریضہ ہذا لکھنے کی ضرورت یہ ہے کہ حق تعالیٰ شانہٗ نے اپنے فضل ورحمت سے آپ کو اپنے مقامِ قرب سے نوازا اور اپنے شیخ علیہ الرحمہ کے اختصاصی فیوض سے بہرہ یاب کیا۔ یہی وجہ ہے کہ حضرت شیخ علیہ الرحمہ کے بعد ان کے متوسلین کے قلوب آپ پر جمع ہو گئے۔ حق تعالیٰ کے اس احسانِ عظیم کا شکریہ ادا کیجیے۔ آپ بھی تا بحدِ امکان دوسروں کو سیراب کرنے کی سعی سے دریغ نہ فرمائیں۔ حامل عریضہ مولانا عبدالخالق صاحب مدرس دارالعلوم بحمداللہ حضرت شیخ سے مستفیض ہو چکے ہیں۔ لیکن باطنی تشنگی دور ہونے سے پہلے شیخ کی وفات نے تشنگی پیدا کردی۔ اب جو کچھ امیدیں ہیں آپ سے وابستہ ہیں۔ گو اس معاملہ میں سفارش کی ضرورت نہیں۔ مولانا کو آپ سے خاص عقیدت اور تعلق ہے مگر ان کے احوال پر نظر کرتے ہوئے اپنے دیرینہ تعلقات نے مجبور کیا کہ میں بھی شفاعت کرکے مستوجب اجر ہوں۔ مجھے امید ہے کہ میرے معروضہ پر خیال فرما کر موصوف کی طرف خصوصی توجہ اور ہمت مبذول فرمائیں گے۔ اس صورت میں بندہ بھی دال علی الخیر اور ساعی فی الحسنہ کے ثواب حاصل کرنے کا امیدوار ہے۔ والسلام

شبیراحمد عثمانی   ازدیوبند ۶ ذی الحجہ ۱۳۶۴ھ

حضرت علامہ ممدوح حضرت اقدس رحمہ اللہ کے استادِ حدیث تھے۔ اس لیے اس عرضداشت اور سفارش نامہ کو ملاحظہ فرما کر حضرت اقدس نے مولینا موصوف پر وہ شفقت وعنایت فرمائی کہ چند سال ہی میں سلوکِ نقشبندیہ طے کروا

لے یہ مکتوب پروفیسر مولانا محمد انوارالحسن صاحب شیرکوٹی نے حضرت اقدس رحمہ اللہ سے حاصل کیا تھا اور اب انہی کے پاس ہے۔ علامہ عثمانی کا مجموعہ مکتوبات جو موصوف نے "انوارِ عثمانی" کے نام سے شائع کیا ہے۔ اس کے صفحہ ۱۲۹، ۱۳۰ پر یہ مکتوب درج ہے۔

دیا اور حج کے موقع پر حرم شریف میں طریقۂ پاک کی اجازت سے نوازا۔ حقیقت یہ ہے کہ مولانا موصوف نے وہ انداز طلب اختیار کیا جس نے شیخ کو غایت توجہ اور کرم گستری پر آمادہ کر دیا پھر ادھر سے صداقتِ طلب تھی اور ادھر سے کثرت نوال و عطا۔ چنانچہ تھوڑے ہی عرصہ میں منزلِ مقصود کو جالیا۔ سچ ہے۔ ؎

جو مانگنے کا طریقہ ہے اس طرح مانگو　　درِ کریم سے بندے کو کیا نہیں ملتا

کتب خانہ کی توسیع : اعلیٰ حضرت قدس سرہٗ نے از روئے وصیت نامہ آپ کو کتب خانہ کی حفاظت اور اس کی ترقی و توسیع کا کام بھی سونپ دیا تھا۔ چنانچہ آپ نے اسلاف کے ان جواہر پاروں کی ہمیشہ حفاظت کی اور اس ذخیرہ میں قابلِ قدر اضافہ کی طرف اپنی توجہ مبذول رکھی۔ حج پر تشریف لے گئے تو مدینہ منورہ کے کتب خانہ سے تصوّف کی ایک نایاب قلمی کتاب تحقیقات کی نقل ... ریال دے کر حاصل کی۔ اس کے علاوہ تفسیر و حدیث کی متعدد کتابیں خرید کر انھیں خانقاہ شریف کے کتب خانہ کی زینت بنایا۔ حج سے واپسی کے وقت جب کسٹم آفس کراچی پر سامان چیک کیا جا رہا تھا تو کسٹم آفیسر نے پوچھا آپ کے ساتھ سونا تو نہیں ہے؟ اس کے جواب میں آپ نے فرمایا ہمارے لیے سونا یہ کتابیں ہیں۔ اگر ہمارے پاس رقم میں گنجائش ہوتی تو ہم یہ سونا اور خرید کر لے آتے۔ ؎

بہ نزدیکِ دانائے صاحب ہنر　　کتابے بود بہ ز انبارِ زر

حفاظت و نقلِ کتب اور جلد بندی کے لیے مولانا غلام محمد صاحب فاضلِ مظاہر العلوم کو مامور فرمایا۔ مولانا موصوف اب بھی خانقاہ شریف میں قیام پذیر ہیں۔ کتابوں کی حفاظت اور دیگر متعلقہ خدمات انجام دے رہے ہیں۔

ظاہری تعمیرات سے استغنا اور اس کا سبب : خانقاہ شریف سے متعلقہ عمارتیں کتب خانہ، تسبیح خانہ، مہمان خانہ اور درویشوں کے لیے چار کمرے، مدرسہ سعدیہ اور ایک عظیم الشان مسجد اعلیٰ حضرت کے عہدِ مبارک ہی میں تعمیر ہو چکی تھیں ان پر پلاستر نہ ہونے پایا تھا کہ حضرتِ اعلیٰ کی وفات حسرت آیات کا عظیم سانحہ پیش آگیا حضرتِ اقدس کے عہد جانشینی میں عمارات میں کوئی خاص اضافہ نہ ہوا۔ ایک بار کندیاں ریلوے اسٹیشن کے اسٹاف نے یہ پیش کش کی کہ ہم مسجد کے باقی ماندہ کام کی تکمیل کے لیے ماہوار رقوم جمع کر کے پیش کرتے رہیں گے تاکہ گنبدوں، میناروں اور مسجد کے اندر باہر پلاستر کرالیا جائے۔ لیکن حضرتِ اقدس نے غایتِ استغنا سے یہ ارشاد فرمایا کہ ہمارے لیے چندوں کا حساب کتاب رکھنا مشکل ہے اس بنا پر ہم آپ کی پیشکش قبول کرنے سے معذور ہیں۔

بادی النظر میں یہ خیال ہو سکتا ہے کہ آپ نے موجودہ عمارات کی تکمیل یا ان میں اضافہ کی طرف خصوصی توجہ کیوں منعطف نہیں فرمائی۔ لیکن واقفِ حال حضرات جانتے ہیں کہ آپ کی نگاہ میں وصیت نامۂ شیخ کی تعمیل کو اہم اہمیت حاصل تھی جس میں ترویج طریقہ پر پوری ہمت صرف کرنے کا ارشاد تھا اور تعمیرات کے سلسلہ میں کوئی خاص حکم نہ دیا گیا تھا بجز اس کے کہ آپ بوقتِ ضرورت اہل و عیال کے لیے ایک مکان سفید زمین پر لنگر کے خرچ سے تعمیر کرا سکتے ہیں لہٰذا آپ نے زندگی کے آخری دور میں دو کروں اور کشادہ صحن پر مشتمل صرف ایک رہائشی مکان تعمیر کرایا جس میں آپ بمشکل سال بھر اہل و عیال کے ساتھ مقیم رہے۔ ذخیرۂ کتب میں اضافہ کے پیشِ نظر ایک وسیع عمارت کتب خانہ کے لیے مسجد کی شرقی جانب تعمیر کرانے کا خیال ظاہر فرمایا کرتے تھے لیکن اس کے معرضِ وجود میں آنے سے پہلے ہی آپ رفیقِ اعلیٰ سے واصل ہو گئے۔

درج ذیل روایات حضرت جناب قاضی شمس الدین صاحب مدظلہ سے منقول ہیں

<u>عنایتِ خصوصی</u>: قاضی صاحب کا بیان ہے کہ شروع شروع میں جب خانقاہ شریف حاضر ہوا تو حضرتِ اقدس مجھے اپنے ساتھ چائے پلایا کرتے تھے۔ ایک دو روز بعد قاضی صاحب موصوف کو یہ خیال آیا کہ لنگر شریف سے چائے حضرتِ اقدس کے حصہ کی آتی ہے اور حضور ازراہِ مروّت و اخلاق مجھے بھی اس میں شریک کر لیتے ہیں۔ چنانچہ اس بنا پر ایک مرتبہ چائے کے وقت میں مسجد کی جنوبی سمت چلا گیا۔ چائے پیش کی گئی تو حضرت نے مجھے بلوایا۔ میں کمرہ میں موجود نہ تھا آپ نے میاں گل محمد مخدوم عرف گلایا سے فرمایا کہ قاضی صاحب کو ڈھونڈ کر لاؤ۔ جب میں حاضر ہوا تو حضرت نے ارشاد فرمایا کہ قاضی صاحب آپ چائے میرے ساتھ پیا کریں۔ یہ واقعہ پہلی حاضری کا ہے اس کے دو روز بعد شرفِ بیعت حاصل ہو گیا۔

فقیر نہ بیعت کے ارادہ سے آیا تھا اور نہ زیادہ ٹھہرنے کا خیال تھا۔ اب بیعت کے بعد جب بھی جانے کا ارادہ کرتا تو یہ خیال آتا کہ نہ معلوم پھر حاضری کب نصیب ہو لہٰذا دو چار روز اور ٹھہرنا چاہیے۔ یہاں تک کہ ماہ ذی الحجہ کی ۷ تاریخ آ گئی۔ اب بتقریبِ عید گھر جانے کا ارادہ کر لیا۔ اجازت لینے کے لیے حاضرِ خدمت ہُوا تو حضرتِ اقدس نے فرمایا پھر کب آؤ گے؟ جا کر ہمیں بھول تو نہ جاؤ گے؟ اس خاص توجہ اور ارشادِ گرامی کا اثر یہ ہوا کہ اگرچہ اس وقت چلا گیا مگر عید سے فارغ ہوتے ہی ۱۳ ذی الحجہ کو روانہ ہو کر ۱۴ ذی الحجہ سن ۱۳۶۱ھ کو پھر خانقاہ شریف حاضر

ہو گیا۔ زیارت سے مشرف ہُوا۔ حضرت اقدس بہت خوش ہُوئے۔ اس مرتبہ مجھے حجرہ شریف سے متصل ایک کمرے میں ٹھہرایا گیا جس کی وجہ سے ہر وقت حضوری کے ساتھ خدمت کا موقع بھی ہاتھ آتا رہتا تھا۔

اخلاقِ عالیہ: حضرت اقدس بہت بلند اخلاق اور بے حد شفیق تھے۔ کسی سے کوئی خدمت لینا ہوتی تو بڑے دلربا انداز میں خطاب فرماتے۔ پوری مدت قیام ایک بار بھی ایسا نہ ہوا کہ فقیر کو تُو کے لفظ سے مخاطب کیا ہو۔ پینے کے لیے پانی کی خواہش ہوتی تو یوں ارشاد فرماتے: قاضی صاحب جی! تھوڑا سا پانی عنایت فرماسکو گے۔

چند دن بعد فقیر کو بخار آنے لگا۔ بخار کی حالت میں ایک روز طبیعت نے چائے کا تقاضا کیا۔ دروازہ کے سامنے سے صوفی عبداللہ صاحب کو دیکھ کر آہستہ سے پُکارا۔ مگر انھوں نے آواز نہ سُنی اور چلے گئے۔ حضرت اقدس نے اپنے کمرہ میں آواز سُن لی۔ درمیانی کھڑکی سے فوراً تشریف لائے اور پوچھا کیا کام ہے؟ عرض کیا حضرت کچھ نہیں۔ فرمایا پھر صُوفی عبداللہ کو کیوں پُکارا تھا۔ فقیر نے ہر چند بات ٹالنا چاہی مگر آپ نے باصرار دریافت فرمایا کہ ٹھیک ٹھیک بتاؤ کیا کام ہے۔ مجبوراً عرض کرنا پڑا کہ اس وقت چائے پینا چاہتا تھا اس لیے چائے بنوانے کے لیے صُوفی عبداللہ کو بلایا تھا۔ فرمایا اچھا منہ ڈھانپ لو کہیں ہوا نہ لگ جائے۔ میں صوفی عبداللہ کو بھیجتا ہوں وہ چائے بنا دیں گے۔ حسبِ ارشاد فقیر نے منہ ڈھانپ لیا تو حضرت اقدس نے چپکے چپکے چائے بنانا شروع کر دی۔ تیار کرنے کے بعد ٹرے میں چینک اور ایک پیالی لگا کر میری چارپائی کے پاس رکھ دی اور یہ کہتے ہوئے اُٹھایا کہ قاضی صاحب جی! عبداللہ نے چائے بنا کر رکھ دی ہے۔ اُٹھ کر پی لو۔

ایک بار پھر بخار آیا۔ میں کپڑا لپیٹے لیٹا ہوا تھا کسی نے آکر بدن دبانا شروع کر دیا۔ منہ کھولا تو دیکھا کہ خود حضرت والا ہیں۔ یہ دیکھ کر فقیر نے گھبرا کر اٹھنے کی کوشش کی مگر آپ نے فرمایا نہیں نہیں۔ لیٹے رہو لیٹے رہو۔ کچھ بات نہیں۔ یہ فرماتے رہے اور بدن دباتے رہے۔ سُبحان اللہ! تواضع اور انکسار کا کیا عالم تھا کہ خود مخدوم، خادم کی خدمت انجام دے رہا ہے اور خادم کی ہر تکلیف کو کن شفقت بھرے کلمات سے دُور کیا جا رہا ہے۔

شیخ سے رابطۂ محبّت: حضرت اقدس کو اعلیٰ حضرت قدس سرہٗ کے ساتھ بے حد والہانہ محبت تھی۔ جب اعلیٰ حضرت کی یاد آتی اور کیفیتِ ہجر ستاتی تو محویت کے عالم میں اپنے مخصوص پُردرد اور پُرتاثیر مترنم لہجے میں فارسی اور پنجابی کے یہ شعر پڑھتے اور پڑھتے ہوئے آپ کی آنکھیں اشکبار ہو جاتیں۔

فارسی : باز گو از نجد و از یارانِ نجد تا در و دیوار را آری بوجد

پنجابی : مرے بابل جدوں دی جا آیاں میں خدا جانے ترے لڑ لائیاں میں

مندرجہ ذیل عربی اشعار بھی حزن انگیز ترنّم کے ساتھ اکثر پڑھا کرتے تھے۔

وَكَيْفَ تَرَىٰ لَيْلَىٰ بِعَيْنٍ تَرَىٰ بِهَا سِوَاهَا وَمَا طَهَّرْتَهَا بِالْمَدَامِعِ[1]

وَتَسْمَعُ بِالْأُذْنِ الْكَلَامَ وَقَدْ جَرَىٰ حَدِيثُ سِوَاهَا فِي خُرُوقِ الْمَسَامِعِ

یہ درد انگیز اشعار حضرتِ اقدس کی زبانِ مبارک سے بارہا سُننے میں آئے اور جب کبھی آپ یہ اشعار پڑھتے تو حاضرین پر حزن و غم کی عجیب و غریب کیفیت طاری ہو جاتی۔

امورِ دینیہ میں رسُوخ اور پختگی : فرائض کے علاوہ مسنون اور مستحب امُور کا اہتمام فرمانے میں بھی حضرت اقدس پوری جدوجہد فرماتے تھے۔ اذانِ نماز کے مستحب اوقات از روئے فقہ حنفی معلوم کرنے کے لیے بڑے اہتمام سے دھوپ گھڑی بنوا کر مسجد کے حاشیہ پر لگا رکھی تھی ہر روز بلا ناغہ بوقتِ زوال اپنی جیبی گھڑی کو درست کیا کرتے تھے۔

لباس میں سُنّت کا اہتمام اس قدر تھا کہ اسے حضرتِ والا کی کرامت ہی پر محمول کیا جا سکتا ہے۔ آپ کا جسمِ مُبارک ذرا بھاری بھرکم تھا اور قوی الجثّہ آدمی کا تہبند عموماً سرک کر ٹخنوں سے نیچے ہو جایا کرتا ہے مگر کسی وقت بھی آپ کا تہبند ٹخنوں سے نیچے تو در کنار ان کے متصل بھی دیکھنے میں نہیں آیا، بلکہ ہمیشہ چار پانچ انگشت اونچا ہی رہتا تھا۔

اتباعِ شریعت اور پیروئ سنت کے اہتمام میں اس قدر سرگرم تھے کہ مسجد میں آنے یا نکلنے والے کا قدم اگر بے خیالی میں سُنّت کے خلاف پڑتا تو بلا کر اسے نرمی سے سمجھاتے کہ داخل ہوتے وقت دایاں پاؤں پہلے اندر رکھنا چاہیے اور نکلتے وقت بایاں پاؤں باہر رکھنا چاہیے۔

بعض مستحسن امُور کی رعایت : جن امُور کے مسنون ہونے میں فقہا کا اختلاف ہے اگر مسلکِ فقہی میں اس کی صریح ممانعت نہیں ہے تو ان کی رعایت مستحسن سمجھتے تھے۔ چنانچہ فجر کی سنتوں کے بعد چند منٹ کے لیے لیٹ جایا کرتے تھے لیکن اس کا التزام نہ فرماتے تھے۔ اس طرح دونوں سجدوں کے درمیان جلسہ میں اَللّٰھُمَّ اغْفِرْ لِیْ

---

[1] اپنے محبوب کو تو اس آنکھ سے کیسے دیکھ سکتا ہے جس سے تو دوسرے کو دیکھ رہا ہے درآں حالیکہ تو نے اسے آنسوؤں سے دھو کر پاک بھی نہیں کیا اور اپنے کانوں سے محبوب کا کلام تو کیسے سن سکتا ہے جبکہ تیرے کان کے سوراخ غیر کے قصّوں سے بھرے ہوئے ہیں۔

وَارْحَمْنِیْ وَاھْدِنِیْ وَارْزُقْنِیْ وَاجْبُرْنِیْ پڑھنے کو مستحسن سمجھتے تھے۔ مگر فرائض کی جماعت میں اَللّٰھُمَّ اغْفِرْلِیْ وَارْحَمْنِیْ پر اکتفا فرماتے۔ سنن ونوافل میں پوری دعا پڑھتے تھے کیونکہ امام احمد بن حنبلؒ کے نزدیک یہ پڑھنا واجب ہے۔ نماز وتر کے بعد ۳ بار سُبْحَانَ الْمَلِكِ الْقُدُّوْسِ دوبار آہستہ اور تیسری بار قدرے بلند آواز سے قُدُّوْس کی واؤ کو دراز کر کے پڑھتے کہ یہ مسنون ہے۔ فرماتے تھے کہ میں نے دیوبند میں متولی محمد ابراہیمؒ نگران تقسیم طعام کو اس سنت پر عمل کرتے دیکھا ہے۔

سورۃ الم السجدہ پڑھنے کا معمول: قاضی شمس الدین صاحب مدظلہ کا بیان ہے کہ میں حضرت اقدس کو ایک سجدہ کرتے ہوئے دیکھتا تھا۔ وجہ معلوم نہ تھی۔ ایک روز پوچھ ہی لیا کہ آپ یہ ایک سجدہ روزانہ کیسا ادا فرماتے ہیں؟ فرمایا سب ساتھیوں کو بتا دو کہ سورۃ الم السجدہ پڑھا کرتا ہوں تاکہ یونہی میری اقتداء میں کہیں دیکھنے والے محض اپنی قیاس آرائی سے سجدۂ شکر سمجھ کر اس کا اہتمام نہ کرنے لگیں۔ رمضان المبارک میں آخر شب وتروں کے بعد اس سورت کی تلاوت فرمایا کرتے تھے پھر اس کا وقت تبدیل فرما دیا تاکہ لوگوں کو سجدۂ شکر کا گمان ہی نہ ہو۔

فرض نماز کے بعد ایک خصوصی دعا: ہر فرض نماز کا سلام پھیرنے کے بعد آپ دایاں ہاتھ پیشانی پر رکھ کر پیچھے کی طرف پھیرا کرتے تھے۔ اس سلسلہ میں قاضی صاحب موصوف نے ایک روز عرض کیا کہ آپ نماز کے بعد سر پر ہاتھ کیوں پھیرتے ہیں؟ فرمایا کتب خانہ سے حصن حصین لاؤ۔ قاضی صاحب موصوف کتاب لے آئے۔ آپ نے کتاب کھولی اور حدیث نکال کر دکھائی کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام فرض نمازوں کے بعد اسی طرح سر پر ہاتھ رکھ کر یہ دعا پڑھا کرتے تھے:

بِسْمِ اللّٰهِ الَّذِیْ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ الرَّحْمٰنُ الرَّحِیْمُ، اَللّٰهُمَّ اَذْهِبْ عَنِّی الْهَمَّ وَالْحُزْنَ۔

مسلک فقہی میں اعتدال: رفع یدین اور آمین بالجہر کے بارے میں بھی اعتدال پر گامزن تھے خود نہ کرتے تھے مگر کرنے والوں کو منع بھی نہ فرماتے تھے بلکہ قرأت خلف الامام کے سلسلہ میں بھی مولانا محمد عمر صاحب بستوی مقیم راولپنڈی نے بیعت کے بعد جب اپنے مسلک اہلحدیث کے تحت عرض کیا کہ میں نے مدارس احناف میں فقہ حنفی پڑھی ہے۔ مجھے فریقین کے دلائل بھی معلوم ہیں لیکن میری طبیعت امام کے پیچھے فاتحہ پڑھے بغیر نہیں مانتی۔ اس پر حضرت اقدس نے انہیں اجازت دے دی کہ آپ پڑھ لیا کریں۔ اس لیے کہ بعض ائمہ کا مسلک قرأت خلف الامام ہے۔

چنانچہ انھوں نے دوسری نماز میں حضرت اقدس کے پیچھے فاتحہ پڑھنے کا ارادہ کیا مگر مولانا موصوف کی حیرت کی انتہا نہ رہی کہ ہزار کوشش کے باوجود بھی نہ پڑھ سکے۔ یوں محسوس ہوتا تھا جیسے زبان پر قفل لگ گیا ہو۔ حضرت اقدس نے اس انداز سے مولانا موصوف کے ذہن کو لاشعوری طور پر تقلید پر آمادہ کردیا اور وہ اس تصرف و کرامت کو دیکھ کر مسلکِ حنفی کی حقانیت پر مطمئن ہوگئے چنانچہ پھر پڑھنے کا کبھی ارادہ نہ کیا۔ سبحان اللہ! کیا اندازِ تعلیم و تربیت تھا جس سے فکر و عمل میں انقلاب برپا ہوجاتا تھا

حرمتِ شیخ کی پاسداری: قاضی شمس الدین صاحب مدظلہ کا بیان ہے کہ کندیاں میں ایک مولوی صاحب تھے جو اعلیٰ حضرت قدس سرہٗ العزیز سے عناد رکھتے تھے اور نامناسب تنقید سے بھی نہ چوکتے تھے۔ ایک دفعہ کسی مسئلہ کی تحقیق کے سلسلہ میں کتب خانہ خانقاہ سراجیہ میں کتابیں دیکھنے آئے۔ فقیر نے حضرت اقدس کو اطلاع دی کہ فلاں صاحب کتابیں دیکھنے آئے ہیں۔ آپ نے فرمایا کتب خانہ ان کے لیے کھول دو۔ چنانچہ کتب خانہ کھول دیا گیا۔ انھوں نے مطلوبہ کتب دیکھیں اس کے بعد حضرت اقدس کی خدمت میں آبیٹھے اور ادھر ادھر کی زمانہ سازی کی سی باتیں کرنے لگے۔ ان کی باتیں سننے کے بعد حضرت اقدس کے چہرے پر غیرت و جلال کے آثار نمایاں ہوگئے۔ فرمایا: بس مولوی صاحب زیادہ باتیں نہ کریں۔ آپ ہمارے شیخ حضرت قبلہ ابوالسعد احمد خان رحمۃ اللہ علیہ کے خلاف زبان درازی کرتے رہے ہیں اور ہمارے اکابر رحمہم اللہ کا فرمان ہے: "ہر کہ با پیر تو بد باشد و ترا باوے بد نباشی سگ از تو بہتر"

یہ فرماتے ہوئے حضرت اقدس کی آنکھوں سے آنسو بہنا شروع ہوگئے۔ وہ مولوی صاحب چپکے سے اٹھے اور اپنا سا منہ لے کر چلے گئے۔ نَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنْ غَضَبِ الْحَلِیْمِ ؕ

خلافِ سنت امور پر تنبیہ۔ اعلیٰ حضرت قدس سرہٗ کے بھتیجے اور داماد ملک حاکم خان صاحب خانقاہ شریف میں وفات پاگئے۔ انتقال سے دو چار روز بعد دوسری بستی کی کچھ عورتیں پرسہ دینے آگئیں اور اپنی بستی کے دستور کے مطابق بلند آواز سے نوحہ شروع کردیا۔ جب شور و شیون کی یہ آواز حضرت اقدس کے گوش گزار ہوئی تو برہنہ پا بھاگتے ہوئے حویلی کے دروازے پر پہنچے اور پکار کر کہا کہ بلند آواز سے رونا بند کریں۔ یہ شرعاً منع ہے، جسے رونا آئے وہ چپکے چپکے رولے۔

حضرت اقدس کی آواز سنتے ہی سب عورتیں خاموش ہوگئیں۔

اس لیے حضرت کی وفات پر ایک سال گزرنے کے بعد بعض بااثر اصحاب نے اصرار کیا کہ سالانہ ختم کیا جائے حضرت اقدس جانتے تھے کہ یہ چیز آئندہ چل کر سالانہ عرس کی حیثیت اختیار کرلے گی۔ اس لیے آپ نے انکار فرمایا۔ لیکن جب تقاضا کرنے والوں کا اصرار بڑھ گیا تو تین شرطوں کے ساتھ اجازت دے دی۔

ا: کسی اخبار یا اشتہار سے اعلان نہ کیا جائے۔

ب: صرف مرد شریک ہوں، عورتیں اور بچے ہرگز نہ آئیں۔

ج: ختم قرآن، دعا اور فاتحہ پر اکتفا کیا جائے۔

یہ شرطیں مان لی گئیں۔ شرط اول وسوم پر تو عمل ہوا لیکن دوسری شرط پر عمل نہ کیا جاسکا۔ عورتیں اور بچے بھی آگئے جس کی وجہ سے نظام لنگر شریف میں بے انتظامی ہوئی۔ ادھر بچوں نے کھیتوں سے گدرائے ہوئے چنے کثرت سے توڑ لیے۔ یہ دیکھ کر حضرت اقدس نے اسی مجمع میں اعلان کردیا کہ اس سال لوگوں کے اصرار پر مشروط اجازت دی گئی تھی مگر دوسری شرط پوری نہیں کی گئی۔ عورتیں اور بچے بھی آگئے ہیں اور انھوں نے کھیتوں کو اجاڑ ڈالا ہے۔ حقوق العباد کا یہ اتلاف کون اپنے سر لینے کیلیے تیار ہے؟ لہذا فقیر ابھی اعلان کرتا ہے کہ آئندہ سال کسی قسم کا اجتماع نہ ہوگا چنانچہ اس کے بعد سالانہ ختم کا اہتمام بھی موقوف ہوگیا۔ متوسلین میں سے جس کا جی چاہتا ہے بطور خود فاتحہ خوانی کے لیے آجاتا ہے اور فاتحہ پڑھ کر چلا جاتا ہے۔ کوئی ہنگامہ آرائی نہیں ہوتی۔ موجودہ سجادہ نشین حضرت مولانا ابوالخلیل خان محمد صاحب قبلہ نے حضرت اقدس کے وصال کے بعد یہی طریقہ اختیار کیا ہوا ہے۔ چنانچہ دائمی ایصال ثواب کا سلسلہ خاموشی کے ساتھ ہر لمحہ جاری ہے۔

لطافتِ مزاج: آپ کی لطافتِ طبع کا یہ عالم تھا کہ اگر کسی قابلِ نفرت چیز کا ذکر روبرو آجائے تو دیر تک طبیعت مکدر رہتی تھی۔ ایک دفعہ ہاگڑہ میں دسترخوان پر مچھلی کا سالن تھا۔ اہلِ ضیافت میں سے کسی نے اس کی تعریف کرتے ہوئے عرض کیا کہ حضرت: یہ مچھلی دریا کی ہے۔ دریا کی مچھلی بہت لذیذ ہوتی ہے اور ٹوبہ یا تالاب کی مچھلی تو ایسی بدمزہ ہوتی ہے کہ مچھلی کیا کھائی گوبر کھا لیا۔ یہ سنتے ہی حضرت اقدس نے اس شخص پر تنبیہ فرمائی کہ کھاتے وقت ناپسندیدہ چیز کا ذکر نہیں کرنا چاہیے۔ اور خود دسترخوان چھوڑ کر اپنے کمرہ میں تشریف لے گئے۔ دیر تک طبیعت مکدر رہی۔ بالآخر استفراغ کے بعد کچھ سکون ہوا۔

اہلِ دنیا سے بے نیازی: رمضان المبارک میں مانسہرہ قیام کے دوران ایک روز عصر کے وقت کسی ریاست کے والی کا آدمی آیا اور عرض کیا کہ نواب صاحب ملاقات کے لیے وقت مانگتے ہیں۔ حضرت نے فرمایا کہ اس وقت گنجائش نہیں نمازِ عصر ہوگی۔ پھر ختم خواجگان اور اس کے بعد افطار کی تیاری۔ کل ظہر کے بعد وہ آکر مل سکتے ہیں۔ چنانچہ نواب صاحب سرکاری ریسٹ ہاؤس میں ٹھہرے رہے اور اگلے روز نمازِ ظہر کے بعد اپنے سٹاف سمیت حضرتِ اقدس کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ آپ کے کلام مبارک سے محظوظ ہوئے اور چلتے وقت بطورِ نذر قریباً پانچ سو روپیہ پیش کیا۔ حضرتِ اقدس نے مناسب و موزوں الفاظ میں قبولِ نذر سے معذرت چاہی۔ نواب صاحب بے نیلِ مرام چلے گئے۔ ان کے چلے جانے کے بعد حضرت نے فرمایا کہ اپنے حضرات کا معمول یہ ہے کہ غیر متعلق شخص کا ہدیہ اور نذرانہ قبول نہیں کرتے۔ کیونکہ اس میں کچھ نہ کچھ دنیوی غرض بھی شامل ہوتی ہے۔ یہ نواب صاحب آجکل کسی مشکل میں مبتلا ہیں۔ یہاں کسی پیر فقیر کا نام سنتے ہیں اس کے پاس چلے جاتے ہیں۔ نذرانہ دیتے ہیں اور دعا کرواتے ہیں۔ فقیر کو ان کا کام ہوتا نظر نہیں آتا۔ جب کام نہ ہوگا تو نذر قبول کرنے والوں کو نہ جانے کیا کچھ کہیں گے۔ الحمدللہ کہ اس فہرست میں فقیر کا نام تو شمار نہیں کریں گے۔ پھر آپ نے اعلیٰ حضرت قدس سرہٗ کی استغنا کا واقعہ سنایا کہ جب اعلیٰ حضرت دہلی میں حکیم نابینا صاحبؒ کے زیرِ علاج تھے تو کسی سیٹھ کو آپ کی تشریف آوری کا پتہ چل گیا۔ وہ ملاقات کرنے اور نذر پیش کرنے کے لیے معقول رقم لے کر آیا۔ حضرت اعلیٰ نے رقم قبول کرنے سے حسبِ معمول انکار فرمادیا۔ اس نے ہرچند کوشش کی مگر آپ نے اس کی نذر قبول نہ کی۔ بالآخر اس نے یہ کہا کہ اس رقم کو آپ مستحقین میں تقسیم فرمادیں مگر لے ضرور لیں۔ اس پر اعلیٰ حضرت نے فرمایا: سیٹھ صاحب! یہ آپ کی محنت کی کمائی ہے۔ آپ کو اس کا درد ہوگا اور تلاش کر کے آپ صحیح مستحق لوگوں کو دیں گے۔ ہم سے اتنا تردد نہ ہو سکے گا۔ لہٰذا آپ خود ہی مستحقین کو تلاش کر کے تقسیم کر دیں۔ غرض وہ سیٹھ خجالت کے ساتھ اپنی رقم لے کر چلا گیا۔

قبولِ زکوٰۃ سے احتراز: حضرتِ اقدس زکوٰۃ کی رقم اپنے غریب درویشوں کو بھی کھلانا پسند نہ فرماتے تھے۔ ایک دفعہ ایک متمول شخص غالباً مانسہرہ ہی میں زکوٰۃ کی رقم لایا اور کہا کہ یہ زکوٰۃ کی رقم ہے۔ اسے آپ اپنے درویشوں میں تقسیم فرمادیں۔ آپ نے فرمایا یہاں کوئی شخص مستحقِ زکوٰۃ نہیں۔ یہ سب لوگ اغنیاء ہیں۔ آپ اپنی رقم واپس لے جائیں اور خود مستحقین کو تلاش کر کے انہیں دے دیں۔

مدتِ قیام مانسہرہ میں حضرتِ اقدس کی طرف سے لنگر تقسیم ہوا کرتا تھا۔ مانسہرہ کے عوام آپ کی شانِ استغنا اور

درویشوں کی شان وشوکت دیکھ کر تعجب کیا کرتے تھے کہ یہ عجیب درویش ہیں. ململ کے کرتے پہنتے ہیں. گندم کی روٹی کھاتے بلکہ کھلاتے ہیں. کسی سے کوئی سروکار نہیں رکھتے اور پھر فقیر بھی کہلاتے ہیں۔

آپ کی نظر میں سلوک کا ماحصل : قاضی ثناء اللہ پانی پتی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے رسالہ ارشاد الطالبین میں اثبات ولایت کے باب میں کشف وکرامت کو دلیل پنجم قرار دیا ہے لہٰذا اگر صاحب کرامت ورع وتقویٰ سے آراستہ ہو تو کرامت سحر واستدراج کے دائرے سے نکل کر اس کی ولایت کی دلیل ہو سکتی ہے اگرچہ حضرت اقدس سے کرامات کا ظہور بکثرت ہوا کرتا تھا اور کرامات الاولیاء حق کے پیش نظر اس کے ذکر وبیان میں بظاہر کوئی مضائقہ نظر نہیں آتا. لیکن آپ کشف وکرامت کو کوئی خاص اہمیت نہ دیا کرتے تھے اور اس کے اظہار کو بھی ناپسند فرمایا کرتے تھے اس بنا پر راقم الحروف نے بے شمار واقعات کا علم ہونے کے باوجود اس باب سے صرف نظر کیا ہے. صرف بطور مشتے نمونہ از خروارے چند ایک کا ذکر بسبیل تذکرہ آگیا ہے. آپ کی نظر میں تخلق باخلاق اللہ، اخلاص وتقویٰ، قلب وروح کا تزکیہ وتصفیہ، حضور دائم، دوام ذکر اور قول وفعل میں شریعت مطہرہ کا کامل اتباع قابل قدر تھا. خود آپ کی ساری زندگی گفتار وکردار کے اعتبار سے ایک ایسا مثالی نمونہ تھی جس میں حضور ختمی مرتبت صلی اللہ علیہ وسلم کے اسوۂ حسنہ کی پوری جھلک نظر آتی تھی. چلتے وقت بھی حضور رسالت مآب کی رفتار مبارک کا عکس آپ کی چال سے نمایاں تھا. یوں معلوم ہوتا تھا جیسے آپ ڈھلوان زمین پر چل رہے ہیں۔

حافظ امان اللہ صاحب خلیفہ مجاز حضرت ثانی کا بیان ہے کہ آپ عمر بھر صاحب نصاب نہ ہوئے کہ آپ پر زکوٰۃ فرض ہوتی. عقیدت مند جو نذرانے اور ہدایا پیش کرتے، آپ ان سب کو گھر میں حضرت مائی صاحبہ کے پاس بھجوا دیتے تھے. زندگی میں کوئی ایسا فعل سرزد نہ ہوا جو سر مو خلاف شریعت ہو. اصلاح وتربیت کا انداز نہایت نرالا اور پاکیزہ تھا. بسا اوقات کسی نامناسب عمل پر براہ راست سمجھانے کی بجائے آیت قرآنی یا حدیث شریف کی طرف توجہ دلاتے مثلاً آپ وضو سے فارغ ہونے کے بعد اٹھے اور پاس بیٹھنے والے تمام ساتھی بھی اٹھ کھڑے ہوئے تو آپ ان میں سے کسی شخص کو فرماتے مولوی صاحب! اس حدیث شریف کا کیا مفہوم ہے[1] وَلَا تَقُوْمُوْا كَمَا يَقُوْمُ الْيَهُوْدُ وَالنَّصَارٰى یا اگر عشاء کی نماز کے بعد بعض حضرات مصروف گفتگو ہو جاتے تو آپ ان میں سے کسی ایک کو مخاطب

---

[1] تم اس طرح نہ اٹھا کرو جیسے یہود ونصاریٰ ایک دوسرے کے لیے تعظیماً کھڑے ہوتے ہیں۔

کرتے ہوئے استفسار فرماتے کہ حدیث لَا مُسَامَرَۃَ بَعْدَ الْعِشَاءِ[1] کا کیا مطلب ہے؟ اس سے تمام حضرات اپنی کوتاہی پر متنبہ ہو کر اصلاحِ احوال کی طرف متوجہ ہو جاتے۔

ایک مرتبہ حافظ صاحب موصوف نے حضرتِ اقدس کو پانی کا ایک پیالہ بسم اللہ شریف پڑھے بغیر پیش کر دیا حضرت اقدس نے فرمایا کیا آپ مجھے برکت سے خالی پانی پلانا چاہتے ہیں۔ اس کے بعد حافظ صاحب کی عادتِ ثانیہ بن چکی ہے کہ کسی کام کا آغاز بسم اللہ شریف پڑھے بغیر نہیں کرتے۔

نمود و نمائش سے احتراز: نمود و نمائش سے آپ کو سخت نفرت تھی اگر کہیں پیدل جاتے اور چند خدام بھی ساتھ ہوتے تو ان سے یہ فرما دیتے کہ سب ساتھی الگ الگ ہو کر چلیں تاکہ لوگ ان کی طرف متوجہ نہ ہوں اور یہ نہ سمجھیں کہ کوئی بزرگ ہیں جن کے جلو میں مُرید چلے جا رہے ہیں۔ اگر دو آدمی بھی ساتھ ہوتے تو ایک آپ کے برابر چلتا اور دوسرے کو آگے آگے چلنے کا امر فرما دیتے۔ چنانچہ ایک بار ایسا ہوا کہ آپ لاہور میں حکیم سیفی صاحب مرحوم کے مکان پر رونق افروز تھے۔ دورانِ قیام ایک دن میو ہسپتال میں کسی مریض کی عیادت اور اس کے بعد مولانا محمد ادریس صاحب کاندھلوی مدظلہ سے ملاقات کا ارادہ فرمایا۔ پا پیادہ تشریف لے گئے قاضی شمس الدین صاحب اور راقم الحروف کو شرفِ رفاقت بخشا۔ عیادتِ مریض سے فارغ ہو کر جب مولانا محمد ادریس صاحب کے مکان کی طرف چلے تو قاضی صاحب موصوف حضرتِ اقدس کے ساتھ چل رہے تھے اور یہ خادم پیچھے پیچھے آ رہا تھا۔ یکایک حضرتِ اقدس نے پیچھے مُڑ کر دیکھا اور خادم سے فرمایا کہ آپ آگے آگے راستہ بتاتے ہوئے چلیں۔ راستہ بتانا تو ایک بہانہ تھا۔ دراصل آپ کو کسی شخص کا نیازمندانہ انداز میں پیچھے پیچھے چلنا گوارا نہ تھا۔ اس وقت اگرچہ ہیبت کی وجہ سے شیخ کے آگے آگے چلنا احقر کو دشوار ہو رہا تھا لیکن تعمیلِ ارشاد سے چارہ نہ تھا۔ مولانا موصوف کے مکان تک یہی منظر رہا کہ ناچیز آگے آگے جا رہا تھا اور آپ قاضی صاحب کے ساتھ پیچھے پیچھے تشریف لا رہے تھے۔

دیدِ قصور: تمام مقامات و مناسبِ عالیہ مجددیہ پر فائز ہونے کے باوجود آپ خود کو ہیچ در ہیچ سمجھتے تھے۔ اخفائے احوال کا یہ عالم تھا کہ کسی طور بھی اپنے کمالات کا اظہار نہ ہونے دیتے تھے۔ ایک خادم اپنے مکتوبات میں حضرتِ اقدس کے فیوض و برکات اور مادی و روحانی فوائد کا ذکر متشکرانہ انداز میں بار بار کیا کرتا تھا۔ حکیم ذوالفقار احمد مدظلہ کا بیان ہے

---

[1] نمازِ عشا کے بعد باتیں نہیں کرنی چاہئیں۔

کہ ایک روز حضرتِ اقدس مجھے ساتھ لے کر احاطہ خانقاہ شریف سے باہر ٹہلنے کے لیے تشریف لے گئے۔ اثنائے گفتگو اس شخص کا نام لے کر مجھ سے فرمانے لگے کہ فلاں صاحب اپنے خطوط میں بہت سے مادی و روحانی فوائد حاصل ہونے کا ذکر کیا کرتے ہیں۔ خدا جانے انھیں کیسے فائدہ ہو جاتا ہے ہمیں تو کچھ پتہ نہیں چلتا۔ ؎

بزرگاں نکردند در خود نگاہ　　　خدا بینی از خویشتن بیں مخواہ

اپنے احوال و اذواق کا کبھی ذکر نہ فرماتے البتہ اگر کوئی سالک اپنے کسی خاص حال کے بیان سے قاصر ہوتا تو اس کے حال و ذوق کی تصدیق کے لیے کبھی کبھی اپنا کوئی واقعہ بیان فرما دیا کرتے تھے۔ راقم الحروف کو دو تین مرتبہ اس قسم کے تجربات ہوئے جو درج ذیل ہیں۔

کشاں کشاں لیے چلنا: اوائل میں کچھ یوں محسوس ہوتا تھا کہ بے اختیار کھنچا چلا جا رہا ہوں۔ اس کیفیت کے بیان سے عاجز تھا لہٰذا آپ سے دریافت بھی نہ کر سکتا تھا ایک روز حضرت اقدس نے خود فرمایا کہ ہمیں حضرت اعلیٰ کی خدمت میں رہتے ہوئے کسی حال کا ادراک نہ ہوتا تھا۔ البتہ یوں محسوس ہوا کرتا تھا کہ آپ ہمیں کشاں کشاں لیے جا رہے ہیں۔ آپ کی زبانِ مبارک سے یہ سُن کر تصدیقِ حال کے ساتھ اس کا پیرایۂ بیان بھی معلوم ہو گیا اور بے حد اطمینان نصیب ہوا۔ حضرتِ اقدس کے کشفِ احوال پر حیرت زدہ ہو کر رہ گیا اور زبان پر شیخ سعدیؒ کا یہ شعر آ گیا جس میں اسی کیفیت کا بیان ہے۔ ؎

رشتۂ در گردنم افگندہ دوست　　　می بَرد ہر جا کہ خاطر خواہِ اوست

گاہے گاہے نصیحت کے طور پر یہ بھی فرمایا کرتے تھے کہ مُرید کو شیخ کے ہاتھ میں کَالْمَيِّتِ فِىْ يَدِ الْغَسَّالِ اور مثلِ نابینا بدستِ قائد بنے رہنا چاہیے۔

تمام بدن کا سُننا: حضرت اقدس کی اقتدا میں نماز پڑھتے ہوئے قرات کے ہر لفظ پر تمام بدن میں سنسناہٹ اور کیفیتِ سماعت محسوس ہوتی تھی۔ اس حال کو بیان کرنے کے لیے الفاظ نہ ملے اس لیے عرض خدمت نہ کر سکا۔ جب تسبیح خانہ میں بوقتِ دوپہر حاضری کی سعادت نصیب ہوئی تو حضرت اقدس نے بطرزِ سابق راقم الحروف کے حال کی تصدیق کرتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ حضرت اعلیٰ کی اقتدا میں نماز پڑھتے ہوئے بعض اوقات یوں محسوس ہوتا تھا

۱؎ جس طرح مُردہ غسل دینے والے کے ہاتھ میں اور نابینا اپنے رہنما کے ہاتھ میں ہو کہ ہر دو کی نقل و حرکت اپنے اختیار میں نہیں ہوتی۔

کہ تمام بدن سن رہا ہے۔

ایک غلط فہمی کا ازالہ: حضرت اقدس کے متوسلین میں سے ہر شخص کا یہ عالم تھا کہ وہ اپنی زندگی کے ہر حال یہاں تک کہ حرکت و سکون اور اپنے سانس تک کو حضرت اقدس کی کرامت تصور کرتا تھا اور یہ بلاشبہ ایک حقیقت تھی۔ اسی تصور کے تحت راقم الحروف نے ایک مرتبہ حضرت اقدس سے دریافت کیا کہ کیا شیخ کو اپنی کرامات اور سالک کی ہر حالت و کیفیت کا علم ہوتا ہے؟ فرمایا کوئی ضروری نہیں، ہوتا بھی ہے[1] اور نہیں بھی ہوتا۔ اس کے بعد کچھ غلط فہمی سی پیدا ہو گئی کہ شاید آپ میرے بعض واردات اور ان سے رونما ہونے والے فوائد سے آگاہ نہیں۔ چنانچہ ان امور میں حضرت اقدس سے مراسلت کیا کرتا تھا اسی اثنا میں حضرت اقدس لاہور تشریف لائے اور یہاں سے ماسٹر محمد شادی خان صاحب کی استدعا پر گوجرانوالہ تشریف لے گئے۔ راقم الحروف نے بھی ہمراہ چلنے کی اجازت حاصل کر لی۔ حضرت اقدس ماسٹر صاحب موصوف کے مکان پر تشریف فرما ہوئے۔ نیازمند بھی قریب بیٹھ گیا۔ اس وقت ارشاد فرمایا۔ بسا اوقات سالک کو یہ خیال آتا ہے کہ شاید شیخ اس کے بعض احوال سے آشنا نہیں۔ یہ خیال درست نہیں۔ یہ سن کر بندہ نے عرض کیا کہ حضرت! گوجرانوالہ آنا میرے لیے بہت مفید ثابت ہوا۔ فرمایا وہ کیسے؟ عرض کیا کہ حضور کے اس ارشاد سے میری ایک بہت بڑی غلط فہمی دور ہو گئی۔ یہ سن کر حضرت اقدس مسکرا دیے اور خاموش ہو گئے۔ عارف رومی نے اس مقام پر بجا ارشاد فرمایا ہے ؎

دستِ پیر از غائباں کوتاہ نیست　　　دستِ او جز قبضۂ اللہ نیست

ایک خواب اور اس کی تعبیر: راقم الحروف نے بیعت ہونے سے چند روز بعد خواب دیکھا کہ ایک بہت بڑا وسیع کمرہ ہے جس میں فرش بچھا ہوا ہے اور چاروں طرف دیواروں کے ساتھ اولیائے عصر حلقہ باندھے بیٹھے ہوئے ہیں۔ درمیان میں ایک بڑا تخت ہے اس پر ایک مرصع و مزین نہایت خوشنما چوکی ہے جس پر حضرتِ اقدس جلوہ افروز ہیں۔ احقر دروازہ سے داخل ہوا۔ گرد و پیش بیٹھے ہوئے اولیائے کرام کی طرف بالکل توجہ نہ کی اور سیدھا جا کر حضرتِ اقدس کی پشت کی جانب کھڑا ہو گیا۔

---

[1] اللہ تعالیٰ اپنی عنایت سے شیخ کامل کو اس کے زیرِ تربیت مریدوں کے جمیع احوال و کیفیات کا ادراک بھی عطا کر دیتا ہے حضرت اقدس نے 'نہیں بھی ہوتا' کے الفاظ سے جو نفی فرمائی ہے وہ اصولِ طریقت کے تحت ہے۔ ورنہ مرید کی جمیع کیفیات شیخ کامل کے انوار و برکات کا ہی پرتو ہوتی ہیں۔ البتہ ان کوائف سے آگاہی صرف صاحبِ ادراک شیخ کو ہوتی ہے جیسا کہ حضرت امام ربانیؒ نے شیخ احمد دیبی کے نام مکتوب نمبر ۱۲۱ دفتر سوم میں تفصیل کے ساتھ بیان فرمایا ہے۔

حضرت اقدس کی خدمت میں عریضہ لکھ کر اس خواب کی تعبیر دریافت کی۔ سبحان اللہ! استغنائے حال کی کیا شان تھی کہ صرف اتنے حصہ کی تعبیر دی جو نیاز مند سے متعلق تھا۔ تحریر فرمایا کہ خواب نیک ہے جو قوت رابطہ پر دلالت کرتا ہے کہ آپ دوسروں کی طرف توجہ دیے بغیر سیدھے اپنے شیخ کے پیچھے آ گئے۔ حضرت اقدس نے ادنیٰ سا اشارہ بھی اپنے رتبہ و مقام کی طرف نہ فرمایا۔ اب دل میں خواب کے بقیہ حصہ کی تعبیر خود بخود آ گئی ہے کہ حضرت اقدس ماشاء اللہ اپنے عہد کے قطب الارشاد تھے۔ تمام اولیائے زمانہ آپ کے گرد شل دائرہ جمع ہو کر آپ کے انوار فیض سے مستفیض ہو رہے تھے۔ فالحمد للہ تعالیٰ علیٰ ذٰلک

<u>عالی شان مکان</u>: حضرت اقدس کی نظر میں دُنیوی شان و شوکت کی کوئی وقعت نہ تھی بلکہ ساز و سامانِ دنیا کا ذکر کلماتِ تحسین کے ساتھ بھی ناپسند فرماتے تھے۔ ایک دفعہ شیخ محمد صدیق مرحوم نے حضرت اقدس سے راؤ جمشید احمد صاحب کے الاٹ کرائے ہوئے وسیع مکان کی تعریف میں یہ کہہ دیا کہ راؤ جمشید کو بڑا عالی شان مکان مل گیا ہے۔ آپ کو دنیائے ناپائیدار کی چند روزہ اقامت گاہ کا ذکر 'عالی شان' کی صفت کے ساتھ ناموزوں معلوم ہوا ان سے فرمایا: مسجد کی طرف دیکھو عالی شان مکان تو یہ ہے۔ کیا وہ مکان اس کے برابر ہے؟ یہ سنا تو شیخ صاحب نادم ہو کر دم بخود رہ گئے۔ بعد میں انھوں نے کہیں اس بات کا ذکر راؤ جمشید صاحب سے کر دیا۔ راؤ صاحب کی عقیدت اور وابستگی کا یہ عالم تھا کہ جب اس مکان کے ذکر پر حضرت اقدس کی ناپسندیدگی کا اظہار معلوم ہوا تو اسے فوراً چھوڑ دیا حالانکہ وہ مکان اپنی وسعت محل وقوع اور مکانیت کے اعتبار سے اہلِ دنیا کی نظر میں واقعی عالی شان تھا۔ اس کے بعد جب راؤ صاحب موصوف خانقاہ شریف حاضر ہوئے تو حضرت اقدس نے پوچھا کہ آپ کو اچھا مکان مل گیا ہے؟ عرض کیا مل تو گیا تھا مگر میں نے اسے چھوڑ دیا۔ فرمایا: کیوں چھوڑ دیا؟ عرض کیا اس لیے کہ اس کا ذکر حضرت والا کے مزاجِ مبارک پر گراں گزرا تھا۔ مسکرا کر فرمایا وہ تو شیخ صاحب کو متنبہ کیا تھا۔ خیر جو ہوا بہتر ہوا۔ پھر راؤ صاحب کے لیے آرام دہ مکان میسر آنے کی دعا بھی فرما دی۔ چنانچہ موصوف کو چند روز میں پہلے مکان کی بجائے ایک عمدہ اور آرام دہ مکان مل گیا۔ وہ آج کل اسی مکان میں میانوالی قیام پذیر ہیں۔

<u>آپ کے تصرف کا ایک واقعہ</u>: حضرت اقدس کے ایک مخلص خادم صوفی محمد صادق صاحب جنگِ عظیم کے زمانے میں ریاست نابھہ کے ٹرانسپورٹر تھے۔ پولیس کے ہندو سکھ متعصب اہل کاروں نے ان پر پٹرول کے سلسلہ میں ڈیفنس رولز کے تحت ناحق مقدمہ قائم کر دیا اور لدھیانہ میں ایک سخت مزاج سکھ مجسٹریٹ کی عدالت میں ان کی پیشی مقرر ہو گئی۔ صوفی صاحب نے پریشانی کے باوجود مقدمہ کو دُنیوی معاملہ سمجھتے ہوئے حضرت اقدس کی خدمت میں زبانی یا تحریری طور پر اس کا کوئی تذکرہ نہ کیا۔

اتفاق سے انھی دنوں حضرتِ اقدس خانقاہ شریف سے اپنے وطن سیم پر سدھواں تشریف لے آئے۔ صوفی صاحب موصوف اور ماسٹر محمد شادی خاں صاحب بھی آپ کی تشریف آوری کی خبر سن کر حاضرِ خدمت ہو گئے۔ اسی اثنا میں صوفی صاحب کے مقدمہ کی تاریخ آگئی۔ انھوں نے بپاسِ ادب ماسٹر صاحب کی وساطت سے حضرتِ اقدس سے رخصت مانگی۔ آپ نے فرمایا خلافِ معمول ہماری روانگی سے قبل کیوں جانا چاہتے ہیں؟ اس پر ماسٹر صاحب نے ان کے مقدمہ کی روداد عرض کر دی۔ مقدمہ کا ذکر سنا تو حضرتِ اقدس نے صوفی صاحب کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا: تم بھی عجیب آدمی ہو۔ اس معاملہ کا ذکر اب تک ہم سے کیوں نہیں کیا؟ صوفی صاحب نے آبدیدہ ہو کر عرض کیا کہ حضور سے خادم کا تعلق محض اللہ کے لیے ہے۔ اس لیے دُنیوی معاملہ کا تذکرہ کچھ مستحسن نظر نہ آیا۔ یہ سُن کر حضرتِ اقدس نے قدرے سکوت اختیار کیا اور پھر صوفی صاحب سے فرمایا: جاؤ بے فکر رہو۔ کچھ نہیں ہوگا:

تاریخِ پیشی پر صوفی صاحب عدالت میں پہنچے۔ اُن کے مُقدمہ سے پہلے اس قسم کے جتنے مقدمات پیش ہُوئے، مجسٹریٹ نے سب میں مختلف جرمانوں کی سزا سنائی۔ لیکن جب صوفی صاحب کی باری آئی تو مجسٹریٹ نے کاغذاتِ مقدمہ پر ایک سرسری نظر ڈال کر حکم سُنا دیا کہ صوفی محمد صادق کو بری کیا جاتا ہے۔ ہرچند سرکاری وکیل نے مجسٹریٹ کی توجہ بار بار مقدمہ کی سنگینی کی طرف دلائی مگر مجسٹریٹ یہی کہتا رہا کہ میں محمد صادق کو بری کر چکا ہوں بس یہی آخری فیصلہ ہے۔

غرض حضرتِ اقدس کی دعا و تصرف کے نتیجہ میں صوفی صاحب کامیاب و کامراں لدھیانہ سے واپس آئے ضبط شدہ پٹرول بھی انھیں واپس مل گیا اور زیرِ ضمانت ڈرائیور نے بھی اس ابتلا سے نجات پائی۔ پیرِ رومیؒ کا یہ شعر اس واقعہ کی موزوں تعبیر ہے۔ ؎

گفتۂ او گفتۂ اللہ بود — گرچہ از حلقومِ عبد اللہ[1] بود

دلداری اور سیر چشمی کی ایک عظیم مثال: صوفی محمد صادق صاحب اگرچہ دُنیوی لحاظ سے شکستہ حال ہیں مگر محبت و رابطۂ شیخ کی دولت سے مالا مال ہیں۔ ان کے گھر سونے کی بالیاں تھیں۔ خیال آیا کہ حضرتِ اقدس کی صاحبزادی کی شادی کے وقت نہ معلوم میرے پاس کوئی چیز موجود ہو یا نہ ہو اس لیے یہ بالیاں ہی آپ کی خدمت میں پیش کر دینی چاہئیں چنانچہ انھوں نے خانقاہ شریف حاضر ہو کر یہ ہدیہ آپ کی خدمت میں پیش کر دیا۔ حضرتِ اقدس نے بپاسِ دلداری قبول کر لیا۔ مگر گھر جا کر اہلیہ محترمہ سے فرمایا کہ یہ بالیاں ہمارے ایک مسکین ساتھی محمد صادق کی امانت ہیں، انھیں محفوظ رکھیں۔ کسی موزون

---

[1] حضرتِ اقدس کا اسمِ گرامی عبد اللہ تھا۔ اس رعایت نے لطافتِ شعری میں اضافہ کر دیا ہے

وقت پر انھیں لڑنا ہے۔

حضرتِ اقدس کی وفات حسرت آیات کے بعد حسبِ ارشاد حضرت مائی صاحبہ نے صوفی صاحب کی وہ امانت ان کے حوالہ کر دی۔ اب صوفی صاحب کو معلوم ہوا کہ حضرت کا اس وقت قبول فرمالینا محض میری دلداری کے لیے تھا ورنہ آپ مال و دولتِ دنیا کی طرف نظر اٹھا کر دیکھنا بھی پسند نہ کرتے تھے۔ ؎

درویش نام دارد و سلطانِ عالم است　　　درویش را کہ گنجِ قناعت مُسلّم است

ولادت فرزند پر آپ کے تاثرات: اعلیٰ حضرت قدس سرہٗ کے وصال کے بعد حضرت اقدس خانقاہ شریف میں قیام پذیر رہے۔ آپ کے اہل و عیال، والدین اور دیگر اعزہ واقارب وطنِ مالوف موضع سلیم پور سدھواں ضلع لدھیانہ اقامت گزیں تھے۔ جانشینی کا منصب سنبھالنے کے بعد بھی جب تک والدین بقید حیات رہے آپ نے اپنے اہل و عیال کو خانقاہ شریف نہیں بلایا۔ سال ڈیڑھ سال کے بعد صرف چند روز کے لیے وطن تشریف لے جایا کرتے تھے۔

صوفی محمد صادق کا بیان ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے حضرت اقدس کو فرزند عطا فرمایا تو آپ کو بذریعہ تار صاحبزادہ کی ولادت کی اطلاع ملی۔ اس خوش خبری کی اطلاع پا کر حضرت اقدس پر خوف و خشیہ کی ایسی کیفیت طاری ہوئی کہ آپ آبدیدہ ہو گئے اور تادیر اشکبار رہے۔ آپ کی گریہ زاری سے تمام اہلِ مجلس بھی متاثر ہوئے۔ بعدازاں ایک لمبا سانس لے کر فرمایا کہ گھر سے لڑکا پیدا ہونے کی اطلاع آئی ہے بے شک اولاد خدائے تعالیٰ کی عطا کردہ ایک نعمت ہے مگر بعض اوقات ابتلائے سخت کا موجب بن جاتی ہے بلکہ والدین کی عاقبت بھی برباد کر دیتی ہے۔ سب ساتھی دعا کریں کہ اللہ تعالیٰ نومولود کو سعادت مند بنائے، کسی امتحان و ابتلا کا موجب[1] نہ ہو۔

حضرت مائی صاحبہ رحمۃ اللہ علیہا کو اطلاع ہوئی تو بہت مسرور و شادماں ہو کر آمد و رفت کا کرایہ عنایت فرمایا اور وطن جانے کی تاکید کی۔ حضرت اقدس کے وطن جانے کی خبر سن کر بستی گرد سرگانہ ضلع ملتان کے بعض متوسلین جن میں حضرت میاں سامان محمد صاحب مرحوم و مغفور بھی شامل تھے، حضرتِ اقدس کی ہمرکابی کا شرف حاصل کرنے لیے آپ سے لاہور آملے۔ پھر تمام رفقاء کی معیت میں آپ سلیم پور رونق افروز ہوئے۔ بچے کا نام محمد عابد تجویز فرمایا اور سنتِ عقیقہ ادا

---

[1] یہ حضرتِ اقدس کی دعا و برکت کا ثمرہ ہے کہ صاحبزادہ محمد عابد نہایت خلیق، منکسر المزاج اور سعادت مند نوجوان ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے انھیں حفظِ قرآن اور علمِ دین کی دولت سے حظِ وافر عطا فرمایا ہے۔

ادا فرمائی۔ بنفسِ نفیس گوشت کا لذیذ سالن تیار کیا اور اصحاب و احباب کو خود کھلاتے رہے۔ سبحان اللہ! آپ صحیفۂ داؤدی کے اس حکم[1] اِذَا رَاَیْتَ لِیْ طَالِبًا فَکُنْ لَہٗ خَادِمًا کا عملی نمونہ تھے۔

بعد وفات اولادِ شیخ پر نظر: صاحبزادہ محمد عارف سلمہ اللہ تعالیٰ نے بیان فرمایا کہ حضرت اقدس کے وصال کے بعد ایک روز احساسِ تنہائی کی وجہ سے میری طبیعت سخت پریشان تھی اور یاس انگیز خیالات کا ہجوم تھا۔ اسی عالم میں بغرض تحصیلِ سکون حضرتِ اقدس نائب قیوم زمان مولانا محمد عبداللہ قدس سرہٗ کے مزارِ مبارک پر حاضر ہوا۔ فاتحہ پڑھنے کے بعد آپ کی طرف متوجہ ہو کر بیٹھ گیا۔ اسی اثنا میں نیند آگئی۔ خواب دیکھا کہ حضرت اقدس رحمہ اللہ تعالیٰ نمازِ عشا مسجد میں ادا فرما کر حسبِ معمول سُنتیں اور وتر پڑھنے کے لیے حجرہ شریف کی جانب تشریف لے جا رہے ہیں۔ جب مسجد کے دالان سے صحن میں پہنچے اور میں بھی ان کے پیچھے پیچھے مسجد کے صحن میں آگیا تو دیکھا کہ مسجد کے باہر کا میدان سپاہیوں اور فوجیوں سے بھرا ہوا ہے۔ ان میں سے ایک سپاہی آگے بڑھ کر مسجد میں داخل ہوا اور حضرتِ اقدس سے دریافت کیا کہ عارف کہاں ہے؟ آپ نے فرمایا: کیوں؟ تمھیں اس سے کیا کام ہے؟ سپاہی نے جواب دیا کہ ہم اسے ختم کرنے کے لیے بھیجے گئے ہیں۔ آپ نے یہ سن کر مجھے اشارہ فرمایا کہ مسجد میں جا کر باقی نماز پڑھ لو اور مولوی محمد عثمان صاحب سے فرمایا کہ اس سپاہی کو مسجد سے نکال دو۔ چنانچہ مولوی محمد عثمان صاحب سپاہی کو دھکیلتے ہوئے پیچھے لے گئے اور اسے مسجد کے شرقی حاشیہ سے نیچے گرا دیا۔ میں حضرت اقدس کے حسب الحکم مسجد میں باقی نماز ادا کرنے کے بعد باہر آیا تو دیکھا کہ تمام سپاہی اور فوجی غائب ہو چکے ہیں اور حضرتِ اقدس اپنے حجرہ شریف کے سامنے مہمان خانہ اور تسبیح خانہ کے دالان میں بندوق حمائل کیے ٹہل رہے ہیں۔ میں نے قریب آکر عرض کیا کہ حضرت! میں بھی اپنی بندوق لے آؤں۔ فرمایا: نہیں۔ تم گھر جا کر آرام کرو۔ میں حفاظت کے لیے کافی ہوں۔ جب میری آنکھ کھلی تو دل سکون و اطمینان سے لبریز تھا۔ اللہ کا شکر ہے اس کے بعد کبھی کسی قسم کا خوف و ہراس مجھ پر اثر انداز نہیں ہوا۔ سبحان اللہ! حضرتِ اقدس کی شفقت اور حمایت پردہ فرمانے کے بعد بھی اپنے شیخ کے عیال و اطفال پر کس قدر مبذول ہے۔ برد اللہ مضجعہٗ و نور مرقدہٗ

بیعت کا مقصد: مارچ ۱۹۵۶ء میں راقم الحروف کی دختر کے نکاح کے موقعہ پر حضرت اقدس لاہور تشریف فرما تھے۔ لکھنؤ سے برادرم مقبول الٰہی ایم۔ اے (علیگ) آئے ہوئے تھے۔ حضرت اقدس سے ملاقات کے بعد ایک روز انھوں نے

---

[1] زبور میں حضرت داؤد علیہ السلام کو حکم ملا تھا کہ اے داؤد! جب تمھیں کوئی ہمارا طلبگار ملے، تو تم اس کے خدمت گار بن جاؤ۔

احقر سے کہا۔ بیعت کی غرض و غایت کیا ہے؟ اور اس سے کیا فائدے حاصل ہوتے ہیں؟ میں نے کئی بزرگوں سے یہ سوال کیا ہے مگر ان کے جواب سے میری تشفی نہیں ہوئی۔

احقر نے اس خیال سے کہ کہیں میرا جواب بھی تسلی بخش نہ ہو اور بحث کی صورت بن جائے۔ انھیں مشورہ دیا کہ حضرت اقدس تشریف فرما ہیں۔ آپ یہ بات خود ان سے پوچھ لیں۔ وہ کہنے لگے کہ حضرت اقدس سے دریافت کرتے ہوئے اس لیے جھجکتا ہوں کہ کہیں میری کوئی بات ناگوارِ خاطر نہ ہو جائے۔ میں نے کہا کہ حضرت اقدس بہت شفیق ہیں، انھیں کوئی بات بارِ خاطر نہ ہوگی، آپ جس طرح چاہیں بات کریں۔ چنانچہ وہ حضرت اقدس کی خدمت میں حاضر ہوئے اور بیعت کا مقصد دریافت کیا۔ فرمایا، آپ نے اپنے بھائی سے کیوں نہیں پوچھ لیا؟ عرض کیا کہ پوچھا تھا مگر انھوں نے آپ کی طرف رجوع کرنے کی ہدایت کی ہے۔

یہ سن کر حضرت اقدس نے فرمایا، آپ دیکھتے ہیں کہ احکام شرعیہ اور امورِ دینیہ کا علم ہوتے ہوئے بھی لوگوں کو اخلاقِ حسنہ اور اعمالِ صالحہ پر کاربند رہنا مشکل ہوتا ہے بہت سے مسلمان ایسے بھی ہیں کہ نماز روزہ کے تو عادی ہوتے ہیں مگر جھوٹ، فریب اور غیبت جیسی بُرائیوں سے پرہیز نہیں کرتے۔ بیعت کا مقصدِ وحید یہ ہے کہ انسان سے رذائل چھوٹ جاتے ہیں اور ان کی بجائے اخلاقِ عالیہ[1] پیدا ہو جاتے ہیں۔ اعمالِ صالحہ کی بجا آوری میں سہولت اور معاصی سے نفرت ہو جاتی ہے۔

حضرت اقدس کا یہ جواب مقبول الٰہی صاحب کے لیے ایسا وجہِ اطمینان ہوا کہ اسی وقت درخواستِ بیعت کی اور داخلِ طریق ہو گئے۔ سبحان اللہ! حضرت اقدس نے ان مُبارک الفاظ میں شریعت و طریقت کی رُوح کو سمو دیا ہے۔

<u>حضرت مولانا عبدالقادر رائے پوری ؒ سے روابط</u>: ایک دفعہ حضرت اقدس اپنے رفقاء کے ساتھ سرہند شریف سے دہلی تشریف لے جا رہے تھے حضرت مولانا خان محمد صاحب مدظلہ بھی ہمراہ تھے۔ راستہ میں خواجہ محمد صادق کاشمیری کی دعوت پر ایک روز انبالہ قیام فرمایا۔ حسنِ اتفاق کہ حضرت رائے پوری ؒ بھی انبالہ تشریف فرما تھے۔ ان سے ملاقات ہوئی تو آپ نے حضرت رائے پوری ؒ سے مولانا خان محمد صاحب کا تعارف کرایا اور ساتھ ہی یہ بھی

---

[1] اِنَّمَا بُعِثْتُ لِاُتَمِّمَ مَکَارِمَ الْاَخْلَاقِ (حدیث شریف: میں اخلاقِ حسنہ کی تکمیل کے لیے بھیجا گیا ہوں)۔

کہا کہ انھیں کوئی نصیحت فرما دیجیے۔ یہ سن کر حضرت رائے پوریؒ نے روئے سخن مولانا خان محمد صاحب قبلہ کی طرف کرتے ہوئے فرمایا: فقیر آپ کو یہ نصیحت کرتا ہے کہ جی کرے یا نہ کرے مولانا عبداللہ صاحب سے چمٹے رہنا۔

ایک مرتبہ حضرت رائے پوریؒ حضرت اقدس کی دعوت پر خانقاہ سراجیہ تشریف لائے۔ نماز عصر کے بعد حضرت اعلیٰ کے مزار مبارک پر تادیر مراقب رہے یہاں تک کہ مغرب کا وقت قریب آگیا۔ مراقبہ سے فارغ ہو کر حضرت رائے پوریؒ نے آپ سے یہ ارشاد فرمایا کہ مولانا نماز کا وقت ہو گیا تھا ورنہ اُٹھنے کو جی نہیں چاہتا تھا۔

مغرب کے بعد تسبیح خانہ میں مجلس منعقد ہوئی۔ آپ نے حضرت رائے پوریؒ سے مسند پر بیٹھنے کے لیے فرمایا مگر حضرت رائے پوریؒ باوجود اصرار مسند کے ایک گوشہ پر تشریف فرما ہوئے اور دوسرے گوشہ پر آپ بیٹھ گئے۔ دوران گفتگو حضرت رائے پوری نے آپ سے سلوک نقشبندیہ مجددیہ کی تفصیلات کے بارے میں استفسار فرمایا جس پر آپ نے ولایاتِ ثلاثہ کمالاتِ ثلاثہ اور دیگر حقائق ومقامات کی مختصر توضیح فرمائی۔ اسی اثنا میں حکیم محمد مظہر صاحب پر ایسا والہانہ جذب طاری ہوا کہ وہ عالم بے اختیاری میں بلند آواز سے اللہ اللہ پکارنے لگے۔ آپ نے کسی خادم سے کہا کہ انھیں باہر لے جاؤ۔ اس پر حضرت رائے پوریؒ نے فرمایا، مولانا! کوئی بات نہیں ایسا ہو ہی جایا کرتا ہے۔ بعد ازاں حضرت رائے پوریؒ نے اپنے خدام سے فرمایا: دیکھو! تربیت اسے کہتے ہیں کہ شیخ کی ہیبت تمام مریدوں پر چھائی ہوئی ہے اور ہر شخص اپنے اپنے کام میں مشغول ہے۔

حضرت رائے پوریؒ سے آپ کا رابطہ جانی اس قدر مستحکم تھا کہ اگر حضرت رائے پوریؒ خانقاہ شریف سے قریب کسی جگہ قیام فرماتے تو آپ ان سے ملنے کے لیے وہاں ضرور تشریف لے جایا کرتے تھے۔ اس قسم کی ایک ملاقات کے دوران حضرت رائے پوریؒ نے اپنے خدام کو کمرہ سے باہر چلے جانے کا اشارہ فرمایا چنانچہ دونو حضرات کے درمیان خلوت میں فقر و درویشی کے بعض اسرار و رموز پر گفتگو ہوتی رہی جن میں ایک بات یہ بھی تھی کہ حضرت رائے پوریؒ نے آپ سے دریافت فرمایا، مولانا! کمال کسے کہتے ہیں؟ ہمیں اس راہ میں تگ و دو کرتے ہوئے اتنا عرصہ گزر چکا ہے مگر کمال کا کہیں پتہ نہیں چلتا۔

آپ نے ارشاد فرمایا: حضرت! بس یہی کمال ہے[1] ؎

دلِ عارف ز ہر اندیشہ خالی است — کمالِ عشق اندر بے کمالی است

---

[1] حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی قدس سرہٗ کا قول ہے۔ "دریں طریق کمال در بے کمالی است وحاصل در بے حاصلی"

مزار امام ربانیؒ پر ایک مشاہدہ: سید گل حسن شاہ صاحب ساکن کوٹلہ الوری ضلع گجرات حضرت اعلیٰ سے اور ان کے بعد حضرت ثانیؒ سے وابستہ رہے۔ ایران کی ایک پٹرولیم کمپنی میں ملازم تھے۔ ایک مدت تک ملازمت کرنے کے بعد گھر چلے آئے لیکن جب وطن میں کسب معاش کی کوئی مناسب و موزون صورت نظر نہ آئی تو پھر سابقہ ملازمت دوبارہ اختیار کرنے کے لیے حضرت اقدس کی خدمت میں بار بار دعا کی درخواست کرتے رہتے تھے۔ ایک مرتبہ حضرت اقدس نے سرہند شریف حضرت مجدد الف ثانیؒ کے مزار مبارک پر جانے کا پروگرام بنایا تو شاہ صاحب موصوف کو بھی وہاں پہنچنے کے لیے گرامی نامہ تحریر فرمایا۔ شاہ صاحب اپنے قصبہ سے صوفی عبدالجلیل صاحب کے ہمراہ جو حضرت اعلیٰ کے مُرید اور صاحب کشف درویش تھے، آپ کی خدمت میں سرہند شریف پہنچ گئے۔ دوران قیام ایک روز حضرت اقدس معہ ارادتمندان سلسلہ کے ساتھ حضرت امام ربانیؒ کے مزار مبارک پر مراقب ہوئے۔ اثنائے مراقبہ صوفی عبدالجلیل صاحب نے دیکھا کہ حضرت امام ربانیؒ نے ایک تحریر حضرت اقدس کو عنایت فرمائی جس میں یہ درج تھا کہ اگر سید گل حسن شاہ ملازمت کے لیے دوبارہ ایران گئے، تو اس میں انہیں بہت سے مصائب و آلام پیش آئیں گے حتیٰ کہ ان کی جان کا بھی خطرہ ہے۔

مراقبہ سے فراغت کے بعد حضرت اقدس اپنی قیام گاہ پر تشریف لے آئے اور احباب سے کہا کہ ہمارے سلسلہ میں سراسر خاموشی اور سکوت ہے، کوئی ہا ؤ ہو نہیں۔ اس گفتگو کے دوران حضرت اقدس نے فرمایا کہ ساتھیوں میں سے اگر کسی نے کوئی بات دیکھی ہو تو وہ اسے بیان کرے۔ اس ارشاد پر صوفی عبدالجلیل صاحب نے مذکورہ بالا مشاہدہ عرض کیا حضرت اقدس نے فرمایا کہ اپنے مشاہدہ سے شاہ صاحب کو بھی آگاہ کر دیں۔ چنانچہ شاہ صاحب موصوف نے اسے سننے کے بعد عرض کیا کہ حضور! اب مجھے ملازمت نہیں چاہیے بس آپ یہ دعا فرمائیں کہ میری عاقبت بالخیر ہو جائے۔

حضرت داتا گنج بخش رحمۃ اللہ علیہ سے روحانی تعلق: ایک مرتبہ حضرت اقدس لاہور تشریف لاتے۔ صوفی محمد اسلم صاحب جو حضرت اقدس کے مریدوں میں سے صاحب کشف بزرگ ہیں، آپ کی زیارت کے لیے آئے حضرت اقدس کے دوران قیام صوفی صاحب موصوف حضرت سید مخدوم علی ہجویری داتا گنج بخش رحمۃ اللہ علیہ کے مزار مبارک پر حاضر ہوتے اثنائے مراقبہ انہیں حضرت داتا صاحبؒ کی زیارت ہوئی۔ آپ نے انہیں بے کراں الطاف و عنایات سے نوازا اور ساتھ ہی یہ بھی ارشاد فرمایا کہ آپ کے شیخ لاہور آیا کرتے ہیں ان سے کہنا کسی روز ہم سے بھی آ کے مل جائیں۔

واپس آ کر صوفی صاحب موصوف نے حضرت اقدس سے وہ تمام مشاہدات بیان کیے جو حضرت داتا صاحبؒ کے

مزارِ مبارک پر پیش آئے تھے نگران کا خصوصی پیغام ذہن سے اتر گیا۔ اگلے روز حضرت اقدس نے صوفی صاحب سے فرمایا کہ آپ حضرت داتا صاحبؒ کے مزار پر گئے تھے مگر کوئی خاص بات بیان کرنا بھول گئے۔ اس پر صوفی صاحب نے عرض کیا، افسوس! مجھے یاد نہیں رہا۔ حضرت داتا صاحبؒ نے یہ ارشاد فرمایا تھا کہ اپنے شیخ سے کہنا کسی روز ہم سے بھی آکے مل جائیں۔ یہ سن کر حضرتِ اقدس نے فرمایا اب آپ حضرت داتا صاحبؒ کے مزارِ مبارک پر جا کر اپنی فروگزاشت کی معذرت کریں۔ باقی میں ان سے مل آیا ہوں۔

تحفظِ ختمِ نبوت سے والہانہ لگاؤ: حضرت اقدس رحمہ اللہ تعالیٰ اسلام اور داعیِ اسلام علیہ الصلوٰۃ والسلام کی حرمت و ناموس کو عقیدۂ ختمِ نبوت کی اساس سمجھتے تھے۔ چنانچہ آپ اس عقیدہ کو ایمان کا موقوف علیہ تصور فرماتے ہوئے اس کے تحفظ کے سلسلہ کو حرزِ جان کی طرح اولین اہمیت دیتے تھے۔ ختمِ نبوت کے منکروں، اس عقیدہ میں من گھڑت تاویلات کرنے والوں اور جعلی نبوت کے قائلین کو اسلام کا سب سے بڑا دشمن گردانتے تھے۔ ۱۹۵۳ء میں جب تحریکِ ختمِ نبوت ابھری، تو آپ نے اس کی پوری طرح پشت پناہی فرمائی۔ عقیدۂ حق کا اعلان کرنے والوں کی گرفتاریاں شروع ہوئیں اور ان پر گولیاں برسنے لگیں۔ جہاں جہاں آپ کے متوسلین تھے، انھوں نے اس تحریک میں سرگرمی سے حصہ لیا۔ خود آپ نے مرکز میں رہ کر اس تحریک کی قیادت فرمائی۔ موجودہ سجادہ نشین حضرت خان محمد صاحب قبلہ کو برملا اعلانِ حق کرنے اور میانوالی اجلاس منعقد کرنے کے لیے بھیجا۔ حضرت قبلہ تعمیلِ ارشاد کے پیشِ نظر قید و بند کی صعوبتوں سے بے نیاز میانوالی تشریف لے گئے اور خود کو گرفتاری کے لیے پیش کر دیا۔ پہلے میانوالی جیل میں رہے۔ پھر بورسٹل جیل لاہور منتقل کر دیے گئے۔ بعد ازاں اس تحریک کو دبانے کے لیے اس دور کے وزیرِ اعظم خواجہ ناظم الدین نے حدودِ لاہور میں جو تحریک کا سب سے بڑا عملی مرکز تھا، مارشل لاء نافذ کر دیا۔ مولینا غلام غوث ہزاروی مدظلہ العالی کے متعلق حکم دے دیا گیا کہ جہاں ملیں، انھیں گولی مار دی جائے۔ مولنا ہزاروی حضرت اقدس کے حلقۂ ارادت میں شامل تھے۔ آپ کو ان کی حفاظتِ جان کی فکر ہوئی۔ انھیں لاہور سے خانقاہ شریف خاص حکمتِ عملی سے لایا گیا۔ پھر کسی محفوظ دمخفی مقام پر حالات درست ہونے تک رکھا گیا۔ پھر جب لاہور میں اس تحریک کے سلسلہ میں تحقیقاتی کمیشن بیٹھا تو منکرینِ ختمِ نبوت کے خارج از اسلام ہونے اور عقیدۂ ختمِ نبوت کو اسلام کا بنیادی عقیدہ ثابت کرنے کے لیے علمائے اسلام کا بورڈ حکیم عبدالمجید صاحب سیفی کے مکان بیڈن روڈ پر بیٹھا۔ متعلقہ کتب فراہم کی گئیں۔ تحریکِ مرزائیت لعن اللہ بانیہا سے متعلق تمام لٹریچر جمع کیا گیا۔ علمائے کرام ختمِ نبوت

کے عظیم الشان مسئلہ کے اثبات میں کتابوں سے حوالے تلاش کر کے فراہم کرتے رہے۔ حتیٰ کہ مودودی جماعت کے افراد بھی حکیم عبدالرحیم اشرف لائلپوری کی سرکردگی میں اس مرکزِ تحقیق سے اپنے لیے کارآمد مواد حاصل کر کے لے جایا کرتے تھے۔

حضرت اقدس نے دو بار حج بیت اللہ شریف فرمایا۔ دوسرے حج کے بعد عالم فانی سے رُوگردانی کے آثار کچھ زیادہ نمودار ہونے لگے تھے۔ حافظ سید عبدالمجید صاحب بہاولپوری راوی ہیں کہ دوسرے حج سے واپسی کے بعد حضرت اقدس نے فرمایا کہ اعلیٰ حضرت نے جو باتیں بتائی تھیں، وہ سب کی سب اس حج کے موقعہ پر حل ہو گئی ہیں۔ بس ایک عقدہ باقی رہ گیا ہے اِنْ شَاءَ اللہ وہ بھی عنقریب حل ہو جائے گا۔ یہ اشارہ اس طرف تھا کہ مقاماتِ عالیہ مجددیہ کے تمام اسرار و معارف اور سلسلۂ ارشاد کے تمام مقاصد پورے ہو چکے ہیں۔ اب صرف جان و تن کے ربط کا معاملہ باقی رہ گیا ہے تاکہ رُوح قیدِ تن سے آزاد ہو کر فضائے لامکاں کی سیر کرتے ہوئے رفیقِ اعلیٰ کی طرف ایسا عرُوج کرے کہ اس کے بعد نزول کا سوال ہی پیدا نہ ہو۔ حاصلِ کلام یہ کہ آپ کے اطوار و احوال سے یہ مترشح ہونے لگا تھا کہ اب آپ کا دل عالم آب و گل سے سیر ہو چکا ہے۔ مزاجِ مُبارک میں طبعی حرارت کے علاوہ، محبت الٰہی کے سوزِ دروں نے بھی ایک آگ سی لگا رکھی تھی۔ سرد آہیں کثرت سے بھرا کرتے تھے۔ سانس سے گوشت کے جلنے کی سی بُو آتی تھی۔ اسی دوران دردِ قولنج کی شکایت ہو گئی جس سے اضمحلال بہت بڑھ گیا۔ مقامی علاج سے جب کچھ افاقہ نہ ہوا تو حکیم عبدالمجید صاحب سیفی نے اپنے ہاں مستقل علاج کے لیے لاہور تشریف لانے کی دعوت دی۔ آخر ماہِ رجب ۱۳۷۵ھ میں راقم الحروف کی دختر کی شادی بھی لاہور میں تھی۔ اس پر حضرت اقدس مدعو تھے چنانچہ شادی کی تاریخ سے پہلے ہی لاہور تشریف لے آئے۔ سیفی صاحب مرحوم نے اپنے مخصوص معمولات کے مطابق علاج کیا۔ روز بروز افاقہ ہو کر طبیعت قریب قریب بحال ہو گئی۔ تقریباً بیس روز تک قیام فرمایا۔

سرہند شریف کا آخری سفر: شعبان ۱۳۷۵ھ کے دوسرے ہفتہ میں سرہند شریف، مالیر کوٹلہ اور دہلی کے ارادہ سے ہندوستان تشریف لے گئے۔ چونکہ ویزا میں مالیر کوٹلہ کا اندراج سب سے پہلے تھا۔ لہٰذا پہلے مالیر کوٹلہ جانا پڑا۔ اس کے بعد سرہند شریف تشریف لائے۔ تقریباً ایک ہفتہ وہاں قیام رہا۔ حکیم سیفی صاحب، حاجی جان محمد صاحب، مولوی عبدالمجید صاحب اور صوفی محمد صادق صاحب وغیرہم ہمراہ تھے۔ راقم الحروف بھی وقت نکال کر سرہند شریف پہنچ گیا۔ دہلی ساتھ چلنے کا قصد تھا۔ دہلی میں مولانا احمد رضا صاحب بجنوری مصنف انوار الباری شرح اردو صحیح بخاری کو جو حضرت اقدس سے وابستہ تھے، سفر کے پروگرام سے مطلع کیا جا چکا تھا۔ توقع تھی کہ وہ سرہند شریف آجائیں گے۔ لیکن انہیں

خط دیر سے ملا اور پروگرام سمجھنے میں بھی کچھ غلط فہمی ہوئی۔ لہٰذا وہ متوقع تاریخ پر سرہند شریف نہ آ سکے۔ ادھر حکیم سیفی صاحب مرحوم کو اسہال کی شکایت ہو گئی اور وہ بھی بوجہ نقاہت سفرِ دہلی کے قابل نہ رہے۔ لہٰذا حضرت نے سفرِ دہلی کا ارادہ ملتوی فرما دیا اور سرہند شریف ہی سے لاہور کے لیے واپسی طے ہو گئی۔ دریں اثناء مولانا سید احمد رضا صاحب بھی دہلی سے آ گئے۔ چونکہ اب پروگرام بدل چکا تھا اس لیے حضرتِ قبلہ اگلے روز لاہور کے لیے روانہ ہو گئے اور مولانا احمد رضا صاحب دہلی چلے گئے۔ حضرت اقدس نے ایک دو روز لاہور قیام فرمایا اور اس کے بعد خانقاہ سراجیہ تشریف لے گئے۔ رمضان المبارک کی آمد قریب تھی۔ حرارتِ مزاج اور شدتِ گرما کی وجہ سے آپ رمضان المبارک مانسہرہ میں گزارا کرتے تھے جو نسبتہً خاصا سرد مقام ہے۔ اس علاقہ میں حضرت کے متوسلین بھی کثیر تعداد میں تھے لیکن اس سال رمضان شریف اپریل اور مئی میں آیا۔ چونکہ موسم ہلکا سا معتدل تھا اس لیے آپ نے رمضان المبارک خانقاہ شریف ہی میں گزارا اور حسبِ دستور پورے مہینے کی راتیں تا سحر تراویح و مراقبات میں بسر کیں۔ بحمدہٖ تعالیٰ طبیعت بہت شاداں و فرحاں رہی۔ وسطِ شوال میں موسم زیادہ گرم ہو جانے کی وجہ سے مانسہرہ تشریف لے جانے کا ارادہ فرما رہے تھے کہ طبیعت بوجہ غلبۂ صفرا علیل ہو گئی۔ حرارتِ درونی کی سوزش نے سخت بے تابی پیدا کر دی۔ آپ کے متوسلین میں سے نامور حکیم مولانا چن پیر اور حکیم محمد زبیر صاحب علاج کے لیے خانقاہ شریف حاضر ہو گئے۔ علاج ہوتا رہا مگر تکلیف بڑھتی گئی۔ قاضی شمس الدین صاحب اور صوفی محمد صادق صاحب کو مانسہرہ روانہ کیا گیا تاکہ انتظام مکمل ہو جانے کی اطلاع آئے تو حضور روانہ ہوں لیکن اس کی نوبت آنے سے پہلے ہی صفرا اور استفراغ کی شدت ہو گئی۔ کوئی دوا یا غذا اندر نہ ٹھہرتی تھی۔ موجود طبیبوں نے ہر چند تدابیر کیں مگر قضائے الٰہی کے آگے پیش نہ گئی۔ سوزشِ درونی کا یہ عالم تھا کہ ٹھنڈے پانی کے چھینٹے اپنے بدن اور تلووں پر زور زور سے چھڑکواتے تھے تو کچھ چین آتا تھا۔

یہ حالت دیکھ کر صاحبزادہ محمد عارف صاحب ۲۹ شوال کی صبح لاہور پہنچے اور اسی وقت حکیم سیفی صاحب کو ساتھ لے کر شام کے بعد خانقاہ شریف پہنچ گئے۔ حضرت اقدس نے حکیم صاحب کو دیکھا تو اظہارِ اطمینان کے ساتھ تعجب بھی کیا۔ ارشاد فرمایا کیا ہوائی جہاز سے آئے ہو؟ سب حکیموں اور حاضرین پر یاس والم کی عجیب کیفیت طاری تھی مگر حضرت ان سب کو تسلی و تشفی دیتے تھے۔

حکیم محمد زبیر صاحب نے روتے ہوئے عرض کیا کہ آپ نے مجھے مرتے ہوئے اپنے تصرفات سے سلبِ مرض فرما کر

حق تعالیٰ کی جناب سے دوبارہ مانگا تھا۔ کچھ اپنے ازالۂ مرض کے لیے بھی توجہ فرمائیں لیکن جواب سوائے رضا بہ قضا، کچھ عنایت نہ فرمایا۔ صوفی محمد عبداللہ صاحب بھی عجز و الحاح کے ساتھ اللہ رب العزت کی بارگاہ میں آپ کی صحت کے لیے بار بار دعا کرتے تھے مگر حضرت اقدس نے فرمایا "صوفی! چھڈ ٹکن دے" یعنی چھوڑ دو قصہ ختم ہونے دو۔ دن پوچھا تو عرض کیا گیا کہ چہارشنبہ گزر کر جمعرات کی شب آگئی ہے۔ کچھ اطمینان کا سانس لیا۔ حکیم سیفی صاحب نے نبض دیکھی۔ آپ نے پوچھا کہ نبض کا کیا حال ہے؟ عرض کیا کہ اللہ تعالیٰ فضل فرمائے نبض بہت کمزور ہے۔ یہ سن کر فرمایا ماشاءاللہ! پھر خاموشی اختیار فرمائی۔ اتفاق سے حضرت کی اہلیہ محترمہ اپنے بھائی کے ہاں لٹنے والا گئی ہوئی تھیں۔ گھر میں صرف صاحبزادی صاحبہ تھیں والد صاحب قبلہ کی اس حالت سے سخت بے چین تھیں۔ آپ باہر تھے اور وہ اندر۔ حضرت ان کو تسلی و تشفی دلاتے رہے۔ مگر افسوس کہ وقتِ آخر آپہنچا تھا۔ اب آپ نے اپنا رُخ اور رُوئے سخن سب سے ہٹا کر اپنے آقا و مولا تعالیٰ شانہٗ کی طرف کر لیا۔ بالآخر یہ جامع کمالات وجودِ مسعود استغراق و محویت میں راضی برضائے الٰہی ساڑھے بارہ بجے شب بروز پنجشنبہ، ۲۷ شوال ۱۳۷۵ھ بمطابق ۷ جون ۱۹۵۶ء رفیقِ اعلیٰ سے واصل ہو گیا۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔ ؎

آنچہ از من گم شدہ، گر از سلیماں گم شدے ہم سلیماں، ہم پری، ہم اہرمن بگریستے

آپ نے پندرہ سال، آٹھ ماہ اور پندرہ روز مسندِ ارشاد کو زینت بخشی۔

نو دس بجے دن کو تدفین عمل میں آئی۔ مفتی عطا محمد صاحب اور دیگر حضرات نے غسل دیا۔ حضرت مولانا خان محمد صاحب مدظلہ العالی نے نمازِ جنازہ بجماعتِ کثیر پڑھائی۔ اپنے شیخ علیہ الرحمہ کی آغوش میں بجانب غرب مدفون ہوئے نوّر اللہ مرقدہٗ وعطّر اللہ مضجعہ وامطر علیہ شآبیب الرضوان۔ اللّٰھم لا تحرمنا من برکاتہ ؏ ویرحم اللہ عبداً قال آمینا۔

پس ماندگان: اولاد میں ایک صاحبزادی اور ایک صاحبزادہ مولانا حافظ محمد عابد صاحب سلمہ ان کی والدہ دام مجدھا۔ دو چھوٹے بھائی ماسٹر بدرالدین صاحب اور میاں محمد ابراہیم صاحب ان کے علاوہ ہزاروں سالکانِ طریقت پس ماندگان میں شامل ہیں۔

تقسیم ملک کے بعد آپ کے برادران اور دیگر اعزہ سلیم پور لدھیانہ سے منتقل ہو کر بستی سراجیہ متصل خانپور میں آباد ہو چکے تھے اس لیے آپ کی وفات کے بعد سے آپ کے متعلقین اسی بستی میں مقیم ہیں۔ صاحبزادی اور صاحبزادہ

بحمداللہ ہر دو اپنے گھروں میں خوش وخرم آباد ہیں انبتھما اللہ تعالیٰ نبا تاً حسناً وجعل اللہ تعالیٰ ابنہ الصالح کاسمہٖ عابداً ولکمالات والدہ العظیم وارثاً آمین

حضرت اقدس رحمہ اللہ تعالیٰ کے خلفاء

حضرت اقدس علیہ الرحمہ کے معروف خلفاء درج ذیل ہیں :۔

۱ :۔ حضرت مولنا ابوالخلیل خان محمد صاحب مدظلہ العالی۔ جو آپ کی وفاتِ حسرت آیات کے بعد ۲ شوال ۱۳۷۵ھ کو آپ کے جانشین منتخب ہو کر مسندِ ارشاد پر جلوہ افروز ہوئے۔ آپ کے حالات کتاب ہذا کے آخر میں ہدیۂ ناظرین ہیں۔

۲ :۔ حضرت حاجی میاں جان محمد صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ۔ آپ سلسلہ نقشبندیہ مجددیہ میں اعلیٰ حضرت قدس سرہ کے مجاز تھے۔ آپ کے مختصر حالات حضرت اعلیٰ کے خلفاء کے ذکر میں بیان ہو چکے ہیں آپ نے ازسرِ نو تفصیل سلوک حضرت اقدس کی خدمت میں رہ کر طے فرمایا اور طریقہ نقشبندیہ کے ساتھ سلاسلِ اربعہ میں حضرت اقدس کی طرف سے بھی شرفِ اجازت سے بہرہ یاب ہوئے۔

۳ :۔ حضرت مولنا سید پیر عبداللطیف شاہ صاحب مدظلہ العالی۔ ساکن احمد پور سیال ضلع جھنگ۔ حضرت اقدس نے اپنے عہد جانشینی میں سب سے پہلے آپ کو خلافت عطا کی۔ آپ حضرت سید مخدوم جہانیاں جہاں گشت علیہ الرحمہ اوچ شریف کی اولاد و امجاد میں سے ہیں۔ حضرت پیر سید عبداللہ شاہ صاحب آپ کے چچا تھے جو حضرت اعلیٰ قیوم زماں کے جلیل القدر خلیفہ مجاز اور بہت باکمال بزرگ تھے۔ آپ نے عربی، فارسی کی ابتدائی تعلیم پنجاب کے مختلف مدارس میں حاصل کی اور تکمیل حضرت مولنا سید انور شاہ صاحب کشمیری اور مولانا شبیر احمد عثمانی قدس سرہما کی خدمت میں رہ کر جامعہ اسلامیہ ڈابھیل ضلع سورت میں کی۔ سلوک طریقہ نقشبندیہ اعلیٰ حضرت قدس سرہٗ کی خدمت میں طے کرنا شروع کیا تکمیل حضرت قبلہ جانشین قیومِ زماں مولانا محمد عبداللہ رحمہ اللہ تعالیٰ سے کی۔ اولاً طریقہ نقشبندیہ مجددیہ میں مجاز ہوئے پھر دیگر سلاسل کی نسبتوں سے فیض یاب ہو کر تمام سلاسل میں اجازتِ مطلقہ سے مشرف ہوئے۔ بحمدہ تعالیٰ سلسلۂ پاک کی اشاعت میں مشغول و منہمک ہیں۔ وید ذکر کا غلبہ آپ پر بہت زیادہ ہے۔ موجودہ سجادہ نشین حضرت مولانا خان محمد صاحب قبلہ کی خدمت میں ایک مریدِ باخلاص کی حیثیت سے حاضر ہوتے رہتے ہیں۔ خاص طور پر رمضان المبارک کا پورا

مدینہ خانقاہ شریف میں ارادت مندوں کے ساتھ گزارتے ہیں۔ زہد و اتقاء اور فقر و قناعت کا ایک مثالی نمونہ ہیں۔ اطال اللہ حیاتہ و ابقاہ لافاضۃ برکات الاکابر رحمہم اللہ تعالیٰ

۴ : حضرت مولانا قاضی شمس الدین صاحب مدظلہ ساکن موضع درویش ہری پور ہزارہ۔ آپ ۱۳۳۴ھ مطابق ۱۹۱۹ء میں موضع کوٹ نجیب اللہ تحصیل ہری پور ہزارہ میں حضرت مولانا فیروز الدین قدس سرہٗ کے گھر متولد ہوئے۔ والد مرحوم معقول و منقول کے جلیل القدر عالم تھے اور نانا مولانا فیض عالم ہزاروی مؤلف نبراس الصالحین و نبراس البررہ مشہور آفاق عالم گزرے ہیں۔ ان کی بعض تحقیقاتِ نادرہ میں سے قریات صغیرہ میں جمعہ کے عدم جواز کا فتویٰ ہے جس کی طرف صدر المدرسین دارالعلوم دیوبند حضرت علامہ سید انور شاہ صاحب کشمیری رحمہ اللہ نے بدیں الفاظ اشارہ فرمایا ہے وَاَوَّلَ مَنِ اسْتَدَلَّ بِهِ الْمَوْلَوِیْ فَیْضَ عَالِم الهزاروی۔ نیز مولانا موصوف ہی نے سب سے پہلے غیر مقلد عالم محمد حسین بٹالوی کے دس سوالوں کے جوابات دیے تھے۔

غرض اس علمی و ادبی گھرانے میں قاضی صاحب موصوف نے علوم متداولہ کی تحصیل کی۔ پھر دورۂ حدیث ۱۳۵۵ھ مطابق ۱۹۳۶ء علامہ مفتی کفایت اللہ رحمہ اللہ کی خدمت میں مدرسہ امینیہ دہلی میں پڑھا۔ پہلی بیعت بزمانِ طالب علمی ۱۳۵۵ھ میں حضرت پیر مہر علی شاہ صاحب گولڑوی قدس سرہٗ سے کی تھی۔ مگر قاضی صاحب موصوف کے بیان کے مطابق طالب علمانہ مشاغل اور آزادہ روی تحصیلِ مقامات میں حائل رہی۔ دریں اثناء ۱۳۵۶ھ میں حضرت پیر صاحبؒ کا وصال ہو گیا۔ ۱۳۶۰ھ میں حضرت اقدس کی بیعت سے مشرف ہوئے اور سلوک نقشبندیہ مجددیہ کی تکمیل کے بعد مجاز طریقت قرار پائے۔

آپ علم فقہ و حدیث میں خصوصی دستگاہ کے علاوہ مذاہب باطلہ خصوصاً قادیانیت کے ابطال سے گہری واقفیت رکھتے ہیں۔ نہایت منکسر المزاج، عالی حوصلہ، بلند اخلاق اور مرنجاں مرنج بزرگ ہیں۔ حضرت اقدس کی وفات کے بعد موجودہ سجادہ نشین حضرت مولانا خان محمد صاحب قبلہ سے تجدید بیعت کر کے کسب مدارج عالیہ میں سرگرم ہیں۔ زیر نظر کتاب کی ترتیب کے سلسلہ میں بیش بہا معلومات کی فراہمی آپ کی مساعی جمیلہ کی مرہونِ منت ہے۔ ادصلہ اللہ تعالیٰ الیٰ ما یتمناہ و ابقاہ لافادۃ الطالبین۔

۵ : حضرت مولانا عبدالخالق صاحب رحمۃ اللہ علیہ بانی دارالعلوم کبیر والا ضلع ملتان۔ آپ حضرت اقدس کی طرف سے

21A

سلاسلِ اربعہ میں مجاز ہوئے۔ علمِ ظاہر اولاً پنجاب کے مدارس میں حاصل کیا۔ پھر متوسطات سے دورۂ حدیث تک دارالعلوم دیوبند میں تعلیم پائی۔ معقول و منقول کے جامع اور متبحر عالم کی حیثیت سے علمی حلقہ میں درجۂ شہرت رکھتے ہیں۔ سلوک کی ابتدا اعلیٰ حضرت قدس سرہٗ کی خدمت میں کی مگر تکمیل حضرت اقدس کی خدمت میں رہ کر میسر آئی۔ آپ کافی مدت دارالعلوم دیوبند میں طبقۂ عالیہ کے مدرسین میں شامل رہے۔ پاکستان کے معرضِ وجود میں آنے کے بعد کچھ عرصہ جامعہ عباسیہ بہاولپور میں شیخ الحدیث رہے پھر ترکِ ملازمت کر کے اپنی نگرانی میں دارالعلوم کا اجراء کبیروالا ضلع ملتان میں کیا اور حضرت اقدس کی سرپرستی میں مدرسہ کو ترقی دی۔ بحمدہٖ تعالیٰ اب یہ مدرسہ پنجاب کا ایک مرکزی دارالعلوم شمار ہوتا ہے۔ بعد از نمازِ فجر بحالتِ مراقبہ واصل بحق ہوئے تغمدہ اللہ بفضلہٖ و کرمہٖ۔

۶: حضرت مولانا حافظ محمد امان اللہ صاحب مدظلہ۔ آپ بھی حضرت اقدس کے ممتاز خلفاء میں سے ہیں۔ تعلیمِ دین کی مبادیات پنجاب کے بعض مدارس میں پڑھیں اور تکمیل دارالعلوم دیوبند میں کئی سال مقیم رہ کر فرمائی۔ صاحبِ علم و عمل اور جامعِ کمالاتِ ظاہر و باطن ہیں۔ حضرت اقدس کے خلفاء میں غالباً آپ سب سے کم عمر ہیں۔ جید عالمِ دین ہونے کے علاوہ دولتِ حفظِ قرآن سے بھی بہرہ ور ہیں۔ حضرت اقدس کے عہد میں مدت تک درسِ قرآن اور تعلیمِ کتبِ عربی کی خدمات انجام دیتے رہے۔ صاحبزادہ محمد زاہد صاحب سلمہٗ نے آپ ہی سے قرآن شریف حفظ کیا۔ طبابت میں بھی دستگاہ کامل رکھتے ہیں۔ موضع جھلار مدینہ متصل ہاگرو سرگانہ میں درس، مطب اور امامت و خطابتِ مسجد کے ساتھ ساتھ طریقۂ پاک کی اشاعت و ترویج میں سعیِ بلیغ فرما رہے ہیں۔ فجزاہم اللہ جزاءً حسناً۔

۷: حضرت مولانا مفتی عطا محمد صاحب مدظلہ ساکن چودھوان ضلع ڈیرہ اسماعیل خان۔ آپ کا شمار حضرت اقدس کے جلیل القدر خلفاء میں ہوتا ہے۔ جامع معقول و منقول اور عالمِ دین ہیں۔ تحصیلِ علم پنجاب کے بعض مدارس میں فرمائی۔ درس و تدریس کا ملکہ کامل رکھتے ہیں۔ تحصیلِ سلوک کے ساتھ حضرت اقدس کے حسب الارشاد مدرسہ سعدیہ خانقاہ شریف میں بھی پڑھاتے رہے۔ حضرت اقدس نے آپ کو طریقۂ پاک کے اسرار و معارف سے سیراب کیا۔ آپ کے درس کا اہتمام خصوصی طور پر غالباً اعلیٰ حضرت صاحبزادہ محمد عارف و صاحبزادہ محمد زاہد سلمہا کی تعلیم و تربیت کی خاطر عمل میں آیا تھا۔ شرفِ اجازت حاصل کر لینے کے باوجود بارگاہِ شیخ سے وابستہ رہے۔ حضرت اقدس کے وصال پر بھی حاضرِ خدمت تھے۔ آپ نے دیگر رفقاء کے ساتھ مل کر غسل و تکفین کی خدمات بھی انجام دیں اور تدفین کے وقت جب انتخابِ جانشین کا مسئلہ درپیش ہوا

تو آپ نے حضرت مولانا ابوالخلیل خان محمد صاحب مدظلہ کے مراتب و کمالات کے پیش نظر آپ کی جانشینی کی پر زور تائید کی خود بھی تجدید بیعت کی اور دوسروں کو بھی مخلصانہ مشورہ دیا، پھر کئی سال حضرت والا کی خدمت میں گزارے اور حسب معمول مدرسہ سعدیہ میں بھی تعلیم دیتے رہے۔ آجکل اپنے وطن چوہدوان میں دینی مدرسہ قائم کر رکھا ہے اور اپنے فرزند مولانا قطب الدین صاحب سلمہ کے ساتھ خدمات دین انجام دے رہے ہیں۔ اپنے علاقہ میں مفتی اور فقیہ کے نام سے معروف ہیں آپ نے رسالہ تحفۂ سعدیہ پر نظر ثانی کی اور اس کے حواشی میں اضافہ کی سعی بلیغ فرمائی۔ وفقہ اللہ تعالیٰ لتائید الدین واشاعۃ الطریقۃ العالیہ۔

۸ : حضرت مولانا محمد کرانی رحمۃ اللہ علیہ۔ آپ نے سلوک نقشبندیہ مجددیہ کی تحصیل اعلیٰ حضرت قیوم زماں کی خدمت میں رہ کر شروع کی اور مجاز ہوئے۔ حضرت اعلیٰ کے وصال کے بعد جانشین قیوم زماں حضرت مولانا محمد عبداللہ قدس سرہٗ کی خدمت میں انتہائی مقامات طے فرماتے اور دیگر سلاسل کی نسبتوں سے سرفراز ہو کر اجازت مطلقہ حاصل کی۔ آپ کا ذکر اعلیٰ حضرت کے خلفاء میں قدرے تفصیل کے ساتھ گزر چکا ہے۔

۹ : حضرت حافظ محمد سعد اللہ خان صاحب خاکوانی مدظلہ، آپ کی بیعت اول اعلیٰ حضرت قدس سرہٗ سے ہے مگر آپ کو تلقین ذکر اور طریقۂ پاک کی اجازت حضرت اقدس سے حاصل ہوئی۔ جید حافظ اور عالم دین ہیں۔ دارالعلوم دیوبند میں تحصیل حدیث فرمائی۔ خطۂ ملتان کے با اثر اور عالی قدر زمینداروں میں شمار ہوتے ہیں۔ آپ کا تمام خانوادہ حضرات مجددیہ کی برکات سے بطفیل خانقاہ سراجیہ شرفیاب ہوا۔ اللہ تعالیٰ نے دولت دارین سے نوازا ہے ؎

وَمَا اَحْسَنَ الدِّیْنَ وَالدُّنْیَا اِذَا اجْتَمَعَا

عمر رسیدہ بزرگ ہیں اور اپنے علاقہ میں طریقۂ پاک کی اشاعت فرما رہے ہیں۔ وفقہ اللہ لمرضاتہٖ واطال حیاتہٗ۔

۱۰ : حضرت حکیم عبدالمجید احمد صاحب سیفی رحمہ اللہ تعالیٰ ساکن بیڈن روڈ لاہور۔ آپ حضرت اقدس کے آخری خلیفہ ہیں جنہیں آپ نے دوسرے حج سے واپسی کے بعد خانقاہ شریف میں ۲۰ ربیع الاول ۱۳۷۵ھ کو اجازت طریقہ عطا فرمائی[1]

---

[1] حضرت اقدس نے حکیم صاحب مرحوم کو پہلے رسالہ ایضاح الطریقہ تعلیم فرمایا پھر اجازت طریقہ قبول کرنے پر آپ کو آمادہ کرتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ اگرچہ تمہیں اس کی ضرورت نہیں لیکن طریقۂ پاک کو تمہاری ضرورت ہے۔ حکیم صاحب مرحوم نے خانقاہ شریف سے واپسی پر اس بات کا ذکر راقم الحروف سے کیا تو مجھے بڑا تعجب ہوا تھا کہ نہ معلوم اس میں کوئی راز ہے۔ آخر وقت آنے پر [illegible] حضرت اقدس کے وصال کے بعد ۸ شوال ۱۳۷۵ھ کو منکشف ہوا کہ حضرت اقدس کا یہ ارشاد قرب ارتحال کی طرف اشارہ تھا [illegible]۔

آپ ضلع سرگودھا میں مولینا عبدالقادر رائے پوری رحمہ اللہ کے گاؤں ڈھڈیاں سے متصل موضع سداکبورہ کے رہنے والے تھے۔ بسلسلۂ مطب لاہور میں پہلے نکلسن روڈ پھر ہیڈن روڈ پر قیام فرما رہے اور یہیں داعیٔ اجل کو لبیک کہا۔ آپ متوسط درجہ کے زمیندار گھرانے سے تعلق رکھتے تھے۔ ایف۔ اے تک تعلیم علی گڑھ یونیورسٹی میں حاصل کی۔ تحریکِ آزادی میں مولانا محمد علی جوہرؒ کے ساتھ ان کے پرائیویٹ سیکرٹری کی حیثیت سے کچھ عرصہ قومی خدمات انجام دیتے رہے۔ پھر خوش قسمتی سے اعلیٰ حضرت قیومِ زماں قدس سرہٗ کی خدمت میں رسائی نصیب ہوئی اور طریقۂ مجددیہ سے منسلک ہونے کے بعد اسی کے ہو رہے۔ والد کے انتقال کے بعد اپنے حصہ کی جائیداد فروخت کر کے یکسو ہو گئے تاکہ پھر وطن جانے کا خیال ہی نہ آئے۔ برسوں اعلیٰحضرت کی خدمت میں رہ کر کسبِ فیض کرتے رہے۔ حضرت اعلیٰ آپ کی دلجوئی کا خاص خیال رکھتے تھے۔ چونکہ اخبار بینی کے عادی تھے اس لیے بعض اوقات خود حضرت اعلیٰ انھیں انگریزی اخبار منگوا کر دیا کرتے تھے۔ کسبِ معاش کے سلسلہ میں آپ نے استادِ طب جناب حکیم عبدالرسول صاحب رحمہ اللہ سے فنِ طب میں کمال حاصل کیا اور فنِ ادویہ سازی میں مجتہدانہ تصرفات کیے۔ اعلیٰ حضرت کے وصال کے بعد نائبِ قیومِ زماں حضرت مولانا محمد عبداللہ قدس سرہٗ سے رابطۂ باطن استوار رکھا۔ حضرت اقدس جب لاہور تشریف لاتے تو حکیم صاحب موصوف کے مکان ہی پر قیام فرمایا کرتے تھے۔ آپ جان و دل سے حضرت اقدس کی خدمات بجا لاتے اور ہر طرح کے آرام و آسائش کا خیال رکھتے تھے۔ سیفی صاحب مرحوم کے مکان پر ہمہ وقت ارادتمندوں کا اجتماع رہتا تھا۔ راقم الحروف، مکرمی حبیب احمد صاحب ٹیلر ماسٹر اور دیگر وابستگانِ سلسلہ ختم خواجگان اور مجالسِ ذکر میں شریک ہوا کرتے تھے۔ آپ متوکل ہونے کے ساتھ بڑے فیاض طبع اور نفیس مزاج تھے۔ اللہ تعالیٰ نے انھیں وسعتِ رزق بھی عطا فرمائی تھی۔ خود حضرتِ اقدس بھی ان کی استقامت کی تعریف فرمایا کرتے تھے۔

سلوکِ نقشبندیہ سے متعلق حضرت شاہ غلام علی قدس سرہ کے مکاتیب، رسالہ ایضاح الطریقہ، امام ربانی حضرت مجدد الف ثانی رحمہ کے رسائل مبدأ و معاد اور معارفِ لدنیہ، قاضی ثناء اللہ پانی پتیؒ کا رسالہ ارشاد الطالبین اور مولانا محمد باقر لاہوری کا رسالہ کنز الہدایات چھپوا کر شائع کیے۔ مکتوباتِ معصومیہ، مکتوباتِ سعیدیہ اور رسالہ فضائلِ اذکارِ معصومیہ کی اعلیٰ کتابت بلاک بنوا کر طبع کرانے میں سعی فرمائی لیکن طباعت سے پہلے بارگاہِ الٰہی سے طلبی آگئی اور بتاریخ ۱۴ر اگست سنہ ۱۹۶۰ میلادی نمازِ فجر کے بعد ہاتھ میں تسبیح لیے ہوئے بحالتِ ذکر و مراقبہ واصل بحق ہوئے ؎ حق مغفرت کرے عجب آزاد مرد تھا۔

میں طریقۂ عالیہ کی شانِ خاص کے بقا میں آپ سے کام لیا جائیگا۔ چنانچہ حکیم صاحب موصوف نے حضرت اقدس کے وصال کے بعد حضرت شاہ محمد صاحب قبلہ کی سجادہ نشینی کے انتظام میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا۔ حکیم حق پیر صاحب، حکیم محمد زبیر صاحب، مفتی عطا محمد صاحب اور دیگر متوسلین آپ کے ہم خیال اور مؤید تھے۔ واللہ اعلم بالصواب

تعزیت نامے

نائبِ قیومِ زماں حضرت مولانا محمد عبد اللہ قدس سرہ العزیز کی وفاتِ حسرت آیات پر یوں تو بہت سے علماء نے تعزیت نامے ارسال کیے مگر وہ اکابر جن کے قلبی واردات و تاثرات شاملِ اشاعت ہیں، درج ذیل ہیں :ـــــــــــ

۱۔ امیرِ شریعت حضرت سید عطاء اللہ شاہ صاحب بخاری رحمۃ اللہ علیہ

۲۔ حضرت مولٰنا حبیب الرحمٰن صاحب لدھیانوی رحمۃ اللہ علیہ

۳۔ حضرت مولٰنا سید انظر شاہ صاحب مدظلہ فرزندِ حضرت علامۃ العصر سید محمد انور شاہ صاحب کشمیری قدس سرہ

۲۹ر شوال

حضرت محترم المقام السلام علیکم و علی من لدیکم

عزیزی مولوی حسین صاحب نے دیسی پر مولنا علیہ الرحمہ
کی علالت کی خبر جب سنائی بیزار تھا اسی وقت محسوس
ہوا کہ خدا خیر کرے دوسرے روز مومن کی والدہ نے
بتایا ظہر کے وقت خواب دیکھا جو حضرت ہی کے متعلق
تھا اور سکے اور طبیعت پریشان ہوئی دل تڑپ گیا
جی چاہا کہ پہونچوں مگر کمی کے سبب رسیری جمعہ کے روز حکیم
حنیف اللہ صاحب کانپور سے واپس ہونے لگا تو مولوی
منظور الحق صاحب کہا ایک ملگئے اور انھوں نے یہ خبر
سنایا میرا گھر تک پہونچنا مشکل ہو گیا پہلے ہی بہت کمزور
ہوں اس پر یہ صدمہ میرے عزیز دین کا ایک کہہ ٹوٹ گیا اور
خود ہم سنیوں پر کیا گذرا اور نہ معلوم کیا گذر رہی ہے اللہ تعالیٰ ہی
بہتر جانتے ہیں ۔ فلک نے گرائی اسی پر بجلی
جو اک شاخ تھی آشیانہ کے قابل۔ انا للہ وانا الیہ راجعون
ہم لوگ آپ حضرات کے غم و الم کو بانٹ تو نہیں سکتے
لیکن شریک غم ضرور ہیں دعائیں کرتے ہیں میرے خاص کی

نے تو کل ہی دو ختم قرآن کریم مسجد مائی عائشہ صدیقہ مرحومہ میں
کرا دیئے اور ربع قاسم العلوم میں مفتی محمود صاحب کی خدمت
میں میں خود حاضر ہوا وہ مدرسہ پہونچنے سے پہلے آ ما دتا ہوئے
تھے چنانچہ دس گیارہ بجے مدرسہ میں حقیقی کرا کر انھوں نے
بھی ختم کرا یا اور ساتھ ہی انشاء اللہ ستر ہزار مرتبہ کلمہ شریف بھی
پڑھوا دیا انشاء اللہ خیر المدارس میں بھی اور نعمانیہ میں بھی آج
یہ کام ہو گیا ہوگا میری طرف سے اور مبارک ہو آپ کی طرف سے حضرت
گو کہ میں بھی بہت بیمار ہوں
بھی دو تین دن سے بخار اور تشنیاں اور دیگر بیماریاں ہیں لیکن دعا گو
ہیں کہ اللہ تعالیٰ اس شفاخانہ روحانی کو آباد رکھے اور اس کا فیض
جاری و ساری رہے۔ اور میں کیا لکھوں میرے لئے اب لکھنا بھی
ایک مشکل کام ہے بڑی محنت سے یہ چند سطریں لکھ رہا ہوں
ہاتھ اچھی طرح کام نہیں کرتا آپ کے حضرت جو آج کل ضعیف ہیں
دعا گو ہے آستانہ کیلئے صحت کی دعا فرمائیں ہیں آپ حضرت
کی دعاؤں کا محتاج ہوں ہو سکتا ہے آپکا کہ آپ کے حوالے سے اس ہیر
بڑی کرم کی توجہ کی ضرورت ہے۔ تمام خلفاء و اہل سلسلہ کی
خدمت میں السلام علیکم۔ والسلام مع التعظیم والاکرام
دعا گو سید عطاء المحسن ملتان شہر

(مولانا) حبیب الرحمان لدھیانوی (Maulana)

Habibur Rehman Ludhianvi

ٹیلیفون ۲۳۰۲۰

کوچہ رحمان چاندنی چوک دھلی۔

Kucha Rehman,
Chandni Chowk DELHI-6
Telephone :—23020

۱۵/ جون ۱۹۵۶

مکرم [illegible] خان [illegible]

السلام علیکم – حضرت مولانا محمد [illegible] لدھیانوی کے انتقال کی خبر معلوم ہو کر بے اندازہ صدمہ ہوا – ایک مشفق اور باخدا انسان کی جدائی بہت بڑا نقصان ہے – وہ لدھیانہ کے [illegible] تھے اور ہمارے بزرگوں کے [illegible] تھے اور انہوں نے ہمارے مدرسہ میں تعلیم بھی پائی تھی – ان کو ہمیشہ [illegible] سال شروع میں جب [illegible] میرے پاس [illegible] تشریف لائے – وہ مجھ سے [illegible] کا تعلق کسی استاد اور بزرگ سے ملتا ہے – میں چونکہ بیمار تھا اس لئے وہ میرے پاس بیٹھ کر میرے لئے دعا کرتے رہے – مجھے [illegible] ان کے دل میں اپنا [illegible] موجود نہیں ہے – اس کے بعد مدینہ منورہ [illegible] بیمار ہو گئے – مجھے افسوس ہے کہ ان کی بیماری کی اطلاع مجھے اس وقت ملی جب میرا سامان ہوائی جہاز پر چلا گیا تھا – اس لئے میں اس وقت ان کی خدمت میں حاضر نہ ہو سکا – اللہ تعالیٰ ان کو جنت الفردوس میں جگہ عنایت فرمائے – ان کے بچوں کا سرپرست [illegible] آپ تمام [illegible] کو میری طرف سے [illegible] پیغام پہنچا دیں – [illegible] بچے ہیں – [illegible] ہو رہے ہیں – تمام خانقاہ کے [illegible] کی خدمت میں سلام – میری صحت [illegible] زیادہ خراب ہے میں بہت زیادہ دعا کا محتاج ہوں – میری صحت اور مسلمانوں [illegible] دعا فرمائیں [illegible] یہ بھی دعا کریں کہ اللہ تعالیٰ ہم سب کو ہر قسم کی آزمائشوں سے محفوظ رکھے –

صاحبزادہ محمد جان صاحب۔ یہ مسلم لیگ کے ... میرے گھر پر تشریف فرما ہیں۔ ان کو بھی ہمیشہ
مولانا صاحب کے انتقال کی خبر ملی۔ سن کر دلی رنج ہوا، بے پناہ صدمہ پہنچا۔ بہت بہت
سلام فرماتے ہیں۔ اور آج یا کل وہ لاہور روانہ ہو جائیں گے۔ وہ عنقریب خود آپ کے ہاں تشریف
لا کر ملیں گے۔

دوست مخلص
[illegible]

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

حضرت المکرم ادام اللہ ظلکم العالی۔ سلام مسنون۔

مجھے ابھی آنمحترم کے مکتوب گرامی اور بھتیجے برادرم استاذ المکرم مولانا محبوب الٰہی صاحب کے گرامی نامہ سے
حضرت رئیس الاقطاب، زبدۃ الاصفیاء، قدوۃ الاولیاء الشیخ مولانا عبداللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی
وفات حسرت آیات کی اطلاع پہونچی۔ پاؤں تلے کی زمین نکل گئی۔ آنکھوں کے سامنے اندھیرا ہو گیا۔ اللہ اکبر
جس مجسمہ زہد و تقویٰ کے دیدار سے سرہند شریف کے "عالم قدس" میں آنکھیں منور کی گئی تھیں
آج وہ ان رسمی کدورتوں سے انتقال کر رہے ہیں۔ خوش و خرم جنت کے دروازے مستقبل ہیں
سرہند میں ایک مختصر سی زیارت میں حضرت کو جس طرح پایا۔ زبان و قلم سے اس کا اظہار بھی
ممکن نہیں۔ احسان و سلوک کے جس اعلیٰ مقام اور قرب بارگاہ ایزدی کے جس ارفع منصب
پر حضرت فائز تھے اس کا صحیح اندازہ تو ارباب نظر اور اہل دل ہی کر سکتے ہیں۔ مجھ جیسے فاسق و فاجر
کو جو نظر آیا۔ انکسار، زہد و استغناء، اتباع سنت، سراپا اخلاق نبوی علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام
سوا ان آنکھوں نے دیکھا اس کی نظیر میں نظر نہ آ سکے گی۔
حضرت رحمۃ اللہ علیہ کی اس زیارت کو اور ان چند صحبتوں کو اپنے لئے سرمایہ سعادت سمجھتا ہوں
اور انشاء اللہ یہی چند ساعتیں نجات کا سبب بن جائیں گی۔ کاش کہ ان نفوس قدسیہ کے
اہل دل کا روشن ستارہ تھا اور موقعہ ملتا اور بار بار زیارت سے سرایا زہد و اتقا ہو کر ایمان کی اور
... آرزوئے دل۔
مہلت دریافت کی لیکن ... پلنگ پر تشریف فرما ہیں، چہرہ انور پر کچھ
وفات کے چند روز بعد خواب میں زیارت ہوئی ... ارشاد فرمایا الحمد للہ بہت آرام
سرخی ہے۔ میں نے عرض کیا کہ حضرت مزاج عالی کیسے ہیں۔ اس کے بعد فرمایا کہ حضرت شاہ صاحب تم سے بہت
متاثر ہیں۔ ہاں سفر کی وجہ سے کچھ تکان ہے۔ خواب ختم ہو گیا۔ مجھ کو اس
خوشی ہوئی اور درود شریف ... حضرت کا انجام کیا رہا۔ شعر لکھا جس کا مطلب
دل دردمند ... "فنا" ... گزار دی کیا اب بھی ہم اس کو اپنے وصال
پر قیاس کریں کہ جنہے تمام عمر ... ملاقات کے ... محروم رکھیں گے۔ سبحان اللہ۔ واللہ علیٰ کل شیء قدیر

خدا کرے کہ حضرت رحمۃ اللہ علیہ کا مرقد - انوار الٰہی سے لبریز رہے اور آرامگاہ ابدی [illegible]
میسر ہے - اور آپ جو ان کے طفیل میں سب پر خدام و متوسلین اور پسماندگان [illegible] النظر
کو استقامت علی الایمان والاستقلال علی دین الحق [illegible] - آمین -
اس خبر کے اعلان پر اکثر حضرت والا کی جانشینی المحترم کو تفویض ہونے [illegible] -
علی وجہ البصیرۃ عرض کرتا ہوں کہ آپ اس منصب کے اہل ہیں - اللہ ہر حیثیت سے اہل [illegible]
ہیں - حضرت کے مقام متوسلین و خدام کو المحترم کے وجود کو غنیمت سمجھنا چاہئے - اور آپ کے
نفوس قدسیہ کے دامن [illegible] چاہئے -
اس کے بعد ایک گزارش اس ناچیز کی سن لیجیے -
حضور والا - آج مودودی [illegible] جماعت اسلامی نے [illegible] معتقدات کو مجروح [illegible]
کر رکھے ہیں اور یہ فتنہ خاص انداز میں اسلام کے خلاف زمین روز ہموار کر رہا ہے
اس کا تقاضا یہ ہے کہ ہر طرف توجہ دی جائے [illegible] - اسلام کے نام میں حرف
نہ آ جائیں - خدارا اس گمراہ جماعت [illegible] فرما لیجئے - اور متوسلین و
متعلقین پر اس کی تردید [illegible] لگا دیجئے میں امید کرتا ہوں کہ حضرت والا
ایک مستند [illegible] فرمائیں گے -
آپ سے ملاقات کو بے اختیار دل چاہتا ہے [illegible] تشریف لائیں تو [illegible] ہر قدم [illegible]
ورنہ میں [illegible] ان شاء اللہ تشریف آوری [illegible] - جواب کا منتظر رہوں گا -

والسلام
[illegible]
دارالعلوم
دیوبند
۹ [illegible] ۷۵

احوال ومعارف

حضرت مُرشدنا ومولینا الحاج خان مُحمّد صاحب مدظلہُ العالی

سجّادہ نشین خانقاہ سراجیّہ، کندیاں

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الحمد للہ الذی تجلت بنورہ الآفاق ویسبحہ ما فی السموٰت والارض بالعشی و الاشراق وقصر عن کنھہ الادراک ویطیعہٗ ما فی الثریٰ الی السماک ثم الصلوٰۃ علیٰ سیّد الموجودات وفخر المکوّنات الذی اتباعہ منتھی المقامات وازکی التسلیمات علیٰ صحبہ الکرام الذین کانوا مصابیح الظلام ثم السلام من الملک الجلیل علیٰ من ھو ابر الخلیل۔ شرفہ الرحمٰن بتاج الھدایۃ والارشاد۔ ھذا عطاء اللہ مالہ من نفاد۔ متّعنا اللہ بضیاء افاداتہٖ طول حیاتہٖ دائماً سرمداً۔

آپ ۱۹۲۰ء میں عالم امکاں میں جلوہ افروز ہوئے۔ مولد موضع ڈِنگ ضلع میانوالی ہے۔ سلسلۂ نسب اس طرح ہے حضرۃ مولینا خان محمد صاحب ولد ملک خواجہ عمر ولد ملک مرزا صاحب ولد ملک غلام محمد صاحب قوم تلوکر راجپوت۔

آبائی حالات: آپ کے والد ماجد حضرت خواجہ عمر رحمہ اللہ اعلیٰحضرت مولٰنا ابوالسعد احمد خان قدس سرہٗ کے چچا زاد بھائی تھے۔ بہت متورع اور خدا ترس انسان تھے۔ امام الاولیاء حضرت خواجہ سراجُ الدین قدس سرہ سے سلسلۂ عالیہ نقشبندیہ مجددیہ میں بیعت تھے۔ آپ حضرت خواجہؒ کی خدمت میں اکثر حاضر ہوتے رہے۔

حضرت خواجہؒ کا دستور تھا کہ موسم گرما میں جب موسٰی زئی شریف سے سون سکیسر تشریف لے جاتے تو اثنائے سفر چند روز دریا خان قیام فرماتے تا کہ مضافات میں بسنے والے مُریدوں اور عقیدتمندوں کو استفادہ کا موقع مل سکے۔ اس طرح حضرت خواجہؒ کو بھی تلقینِ ذکر میں سہولت میسّر آتی۔ سون سکیسر سے واپسی پر بھی دریا خان چند روز ٹھہرنے کا معمول تھا۔ حضرت خواجہ عمر دریا خان میں بارہا حضرت خواجہ سراج الدین قدس سرہٗ کی زیارت سے مستفیض ہوئے۔ حضرت

خواجہ ان کے حال پر بہت شفقت و عنایت فرماتے اور محبت کے ساتھ انہیں "نکا مُرید" کہہ کر پکارا کرتے تھے۔

حضرت خواجہ عمر رحمہ اللہ ایک اچھے خاصے زمیندار تھے۔ کاشتکاری کے لیے کافی زمین تھی چشمہ بیراج کی تعمیر کے بعد زمین کا معتد بہ رقبہ واپڈا کالونی اور بیراج کی نذر ہو گیا جس سے سخت وقت کا سامنا کرنا پڑا۔ اب بقیہ زمین زیر کاشت ہے۔ آپ کے چار صاحبزادے تھے جن میں سے دو کا انتقال ہو گیا۔ ہر چار کے اسامی ان کی عمروں کے مطابق درج ذیل ہیں:۔

ا۔ ملک شیر محمد صاحب مرحوم

ب۔ حضرت مرشدنا و مولٰنا خان محمد صاحب قبلہ سجادہ نشین مدظلہ

ج۔ ملک فتح محمد صاحب مرحوم

د۔ ملک محمد افضل صاحب سلمہ

ابتدائی تعلیم: جب آپ ذرا سن شعور کو پہنچے تو لوئر مڈل سکول کھولہ میں داخل کرا دیے گئے۔ یہاں چھٹی جماعت تک تعلیم حاصل کی۔ پھر حضرت اعلیٰ مولٰنا ابوالسعد احمد خان قدس سرہٗ نے آپ کو خلق خدا کی ہدایت اور طلبگاران معرفت کے تزکیۂ نفوس کے لیے منتخب فرما لیا جس کے نتیجہ میں سکول کی تعلیم کو خیرباد کہنا پڑا۔ سکول چھوڑنے اور علوم عربیہ کے آغاز کے ساتھ ایک واقعہ منسوب ہے جو ہدیۂ ناظرین ہے۔

حضرت اعلیٰ قدس سرہٗ نے ایک مرتبہ آپ کے والد ماجد حضرت خواجہ عمرؒ سے فرمایا کہ آپ کے پاس تین چیزیں ایسی ہیں کہ میرے پاس اس قسم کی ایک بھی نہیں۔ آپ ان میں سے ایک مجھے دے دیں۔ اتفاق کی بات کہ ان ایام میں لنگر کی شیر دار بھینس خشک ہو چکی تھی اور حضرت خواجہ عمرؒ کے پاس تین شیر دار بھینسیں تھیں۔ چنانچہ ان کا فکر اس طرف مبذول ہوا کہ اعلیٰحضرت اپنے لنگر کے درویشوں کے لیے ایک بھینس طلب فرما رہے ہیں لہٰذا اس خیال کے پیش نظر فرمایا کہ آپ میری تینوں شیر دار بھینسیں لے لیں۔ اس پر حضرت اعلیٰ نے مسکرا کر فرمایا "خواجہ عمرؒ! ہمیں کسی بھینس کی احتیاج نہیں۔ اپنا ایک فرزند ہمیں دے دو"۔ حضرت خواجہ عمرؒ نے جواب دیا کہ آپ جونسا لڑکا پسند فرمائیں وہ آپ کی

ا۔ حضرت جناب قاضی شمس الدین صاحب مدظلہ نے یہ واقعہ بیان فرمایا۔

۲۔ اس وقت حضرت خان محمد صاحب مدظلہ العالی کے بھائی ملک شیر محمد اور فتح محمد رحمہما اللہ حیات تھے اور آپ تینوں بھائیوں میں منجھلے تھے۔ کیونکہ محمد افضل صاحب ابھی متولد نہ ہوئے تھے۔

خدمت کے لیے حاضر ہے۔ چنانچہ اعلیٰحضرت کے ارشاد کے بموجب حضرت خان محمد صاحب قبلہ کو سکول کی تعلیم سے اٹھا کر آپ کی خدمت میں خانقاہ شریف بھیج دیا گیا۔ گویا آپ حضرت اعلیٰ قدس سرہٗ کی مُراد تھے جنہیں حضرت قیوم زماں کی نگاہِ حقیقت شناس نے سلسلۂ عالیہ کی ترویج و اشاعت کے لیے منتخب فرما لیا تھا۔ اللہ یجتبی الیہ من یشاء ویھدی الیہ من ینیب ط

حافظ شیرازی علیہ الرحمہ نے اسی مقام پر ارشاد فرمایا ہے ؎

تراز کنگرۂ عرش می زنند صفیر　　ندانمت کہ دریں دامگہ چہ افتاد است

<u>علوم عربیہ کی تحصیل</u> : خانقاہ شریف آنے کے بعد سب سے پہلے آپ نے مولٰنا سید عبداللطیف شاہ صاحب سے قرآنِ عزیز پڑھا۔ پھر فارسی نظم و نثر اور علم صرف و نحو کی کتابیں حضرت مولٰنا محمد عبداللہ قدس سرہٗ سے پڑھیں۔ اس کے بعد دارالعلوم عزیزیہ بھیرہ میں داخل ہو کر متوسطات عربیہ کی تحصیل کی۔ پھر جامعہ اسلامیہ ڈابھیل ضلع سورت تشریف لے گئے اور وہاں مشکوٰۃ شریف، جلالین، ہدایہ، مقامات حریری اور دیگر کتب پڑھیں۔ جامعہ مذکورہ میں درج ذیل اساتذہ سے کسب فیض کیا :-

ا۔ صدر المدرسین حضرت مولٰنا حافظ عبدالرحمٰن صاحبؒ امروہی

ب۔ حضرت مولٰنا بدر عالم صاحبؒ

ج۔ حضرت مولٰنا محمد یوسف صاحب بنوری مدظلہ

د۔ حضرت مولٰنا محمد ادریس صاحبؒ سکروڈھوی

ہ۔ حضرت مولٰنا عبدالعزیز صاحب کیمبل پوری

حدیث و تفسیر کی تکمیل کے لیے ۱۳۶۲ھ میں دارالعلوم دیوبند تشریف لے گئے۔ اس زمانہ میں حضرت مولانا حسین احمد مدنی رحمۃ اللہ علیہ نظر بند تھے لہٰذا مولٰنا اعزاز علی صاحبؒ اور دیگر اساتذہ کرام سے دورۂ حدیث پڑھا۔ جب خانقاہ سراجیہ واپس لوٹے تو معقول و منقول کے جامع اور علم و ادب میں کامل تھے۔ علوم دینیہ سے سیراب ہونے کے بعد اب زمینِ قلب تزکیۂ باطن کے لیے ہموار تھی۔ ہر چند کہ عرفانِ الٰہی کی منزل قریب تر نظر آ رہی تھی، تاہم ہنوز سفر باقی تھا۔ لہٰذا امام ربانی حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ کے ارشاد کے مطابق کہ ظاہر بے باطن ناتمام است و باطن بے ظاہر نافرجام، آپ کو باطنی علوم اور مقامات قرب کی تحصیل کا شوق دامنگیر ہوا۔ آپ نے حضرت ثانی قدس سرہٗ کی خدمت میں کنز الہدایات، مکاتیب حضرت شاہ غلام علی دہلوی

مکتوبات معصومیہ اور ہدایۃ الطالبین سبقاً سبقاً پڑھیں۔ مکتوبات امام ربانیؒ تین مرتبہ پڑھے۔

پھر خانقاہ شریف کی فضا نے جو اتباع سنت خیر الوریٰ صلی اللہ علیہ وسلم سے معمور تھی، آپ کے فکر و نظر کی نشوونما کی۔ معرفت الٰہی کا یہ گل سرسبد بہار آفریں ثابت ہوا جس کی عطر آمیزی سے طالبان حق اپنے دامن مراد کو ہمیشہ ہمیشہ بھرتے رہیں گے۔

زمانۂ تدریس کا ایک دلچسپ واقعہ : حضرت قبلہ کو لنگر شریف کی مصروفیات سے فرصت میسر نہ تھی، پھر بھی حضرت ثانیؒ کے حسب ارشاد مدرسہ سعدیہ خانقاہ شریف میں جہاں دیگر فارغ التحصیل اساتذہ متعین تھے، آپ طلبہ کو گلستان، بوستان، منیۃ المصلی، قدوری، اصول الشاشی اور دیگر کتب پڑھایا کرتے تھے۔

ایک روز حافظ ظفر احمد صاحبؒ نے جو مظفر گڑھ کے رہنے والے تھے، حضرت ثانیؒ سے عرض کیا کہ میں بعض کتب حضرت خان محمد صاحب قبلہ سے پڑھنا چاہتا ہوں۔ اس پر حضرت ثانیؒ نے فرمایا کہ وہ عدیم الفرصت ہیں، ان سے علم حاصل کرنے کا بس ایک ہی طریقہ ہے وہ یہ کہ کتاب لے کر ان کے پیچھے لگے رہو۔ جہاں انہیں فراغت ملے، سبق پڑھ لو۔ ایک روز حضرت مولانا خان محمد صاحب گھوڑے پہ سوار ہو کر کندیاں سے خانقاہ شریف پہنچے۔ سورج غروب ہو چکا تھا۔ آپ نے گھوڑے کو تھان پر باندھا اور نماز مغرب ایک کمرے میں ادا کی۔ نماز سے فارغ ہوئے تو دیکھا کہ حافظ محمد ظفر صاحب کتاب لیے بیٹھے ہیں، پوچھا کیا کام ہے۔ حافظ صاحب نے جواب دیا کہ سبق پڑھنا چاہتا ہوں۔ آپ نے فرمایا سبق پڑھنے کا یہ کون سا وقت ہے۔ بایں ہمہ انہیں چند اسباق پڑھائے، تو مطمئن ہو گئے۔

آپ کے اس دور تدریس کے قدیم تلامذہ میں سے مولانا عبداللہ خالد صاحب ہیں جو اس وقت مرکزی جامع مسجد مانسہرہ میں خطیب ہیں۔

حضرت قبلہ کی ازدواجی زندگی : جب سن بلوغت کو پہنچے تو حضرت اعلیٰ نے اپنی صاحبزادی کی شادی آپ سے کر دی گویا فیضان باطن کے ساتھ ظاہری انعام و اکرام سے بھی نواز دیا۔ واسبغ علیکم نعمہ ظاھرۃ و باطنۃ۔ اس شادی کے بعد اللہ تعالیٰ نے تین صاحبزادے عزیز احمد، خلیل احمد، رشید احمد اور ایک صاحبزادی عطا فرمائی۔ اہلیہ محترمہ کے ارتحال کے بعد تجرد کا ارادہ فرما لیا تھا مگر ارادتمندوں کے اصرار پہ نکاح ثانی فرمایا۔ دوسری اہلیہ سے صاحبزادہ سعید احمد اور نجیب احمد متولد ہوئے۔

خدمت شیخ : آپ سالہا سال حضرت اعلیٰ کی خدمت میں رہے۔ خانقاہ شریف کے تینوں کمرے مہمان خانہ، تسبیح خانہ اور کتب خانہ کی تعمیرات میں حصہ لیا۔ حضرت اعلیٰ کے تمام خانگی امور کی انجام دہی آپ کے سپرد تھی۔

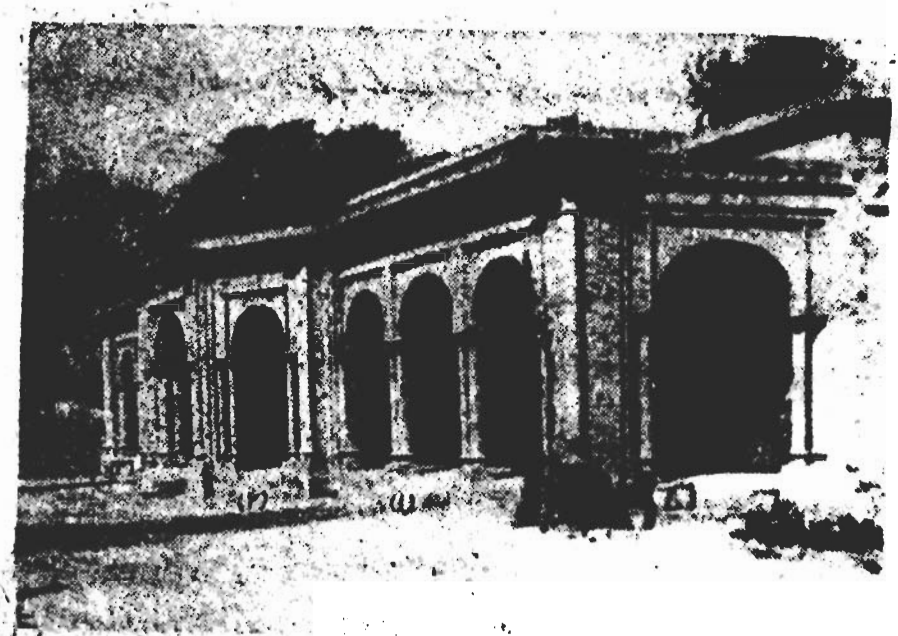

مہمان¹ خانہ، تسبیح² خانہ اور کتب³ خانہ کی عمارات

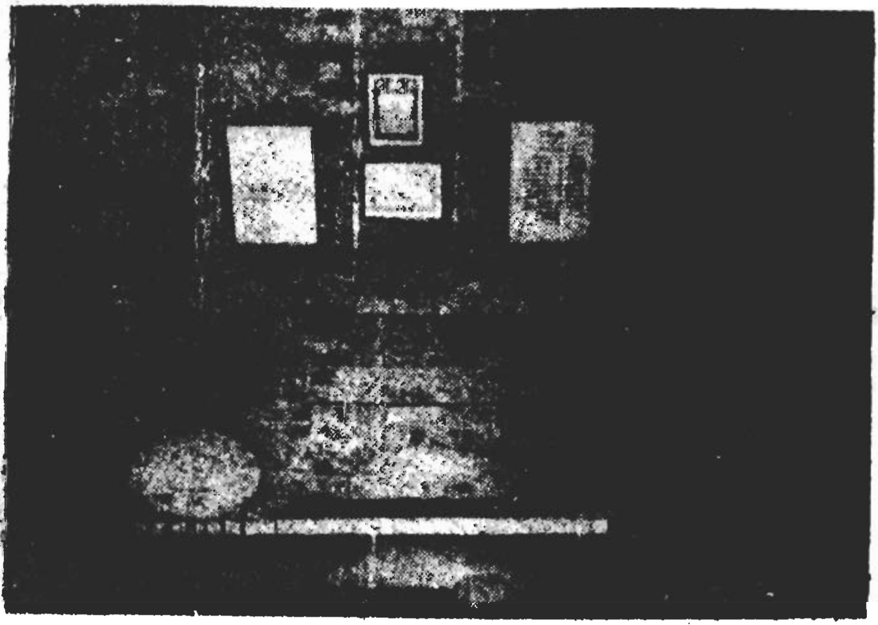

تسبیح خانہ کا اندرونی منظر

گھوڑیوں اور دیگر مویشیوں کی دیکھ بھال' ان کے لیے چارہ کی فراہمی سابقہ خدمات پر مستزاد تھی۔ آپ نے اپنی زندگی درویشوں اور زائرین بارگاہ کی خاطر مدارات کے لیے وقف کر رکھی تھی ـــــ سبحان اللہ یہ خدمت آج تک جاری ہے۔

طریقت بجز خدمتِ خلق نیست   بہ تسبیح و سجادہ و دلق نیست

حضرتِ اعلیٰ کے وصال کے بعد مسلسل پندرہ سال حضرتِ ثانی رحمہ اللہ کی خدمتِ اقدس میں رہے۔ فطرتِ الٰہیہ نے آپ کو ہر دو اکابرِ مجددیہ سے فیض یاب ہونے کی سعادت عطا فرمائی جس سے ترویج و تکمیلِ طریقہ کی تمام شاہراہیں آپ پر کشادہ ہو گئیں۔ اس طرح اللہ رب العزت نے آپ کی تمام صلاحیتوں اور استعدادوں کو اُجاگر فرما دیا تاکہ آپ وسیع پیمانے پر طالبانِ حق کی تربیت کر سکیں اور انہیں وصول الی اللہ کے تمام مقامات طے کرا سکیں۔

<u>حضرت قبلہ کی اسیری</u> : ۱۹۵۳ء میں تحریکِ ختمِ نبوت نے زور پکڑا تو امتِ مسلمہ کے ہر فرد و بشر نے جذب و مستی سے سرشار ہو کر اس میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا۔ جاں نثارانِ حضرت ختمی مرتبت، فدایانِ ناموسِ رسالت، عاشقانِ رحمۃ للعالمین علمبردارانِ پیغامِ آخریں دریائے خوں سے گزر کر تاریخِ امت میں ایک نئے باب کا اضافہ کر رہے تھے اور اپنی جاں سپاری سے روایاتِ عشق و محبت کو دوام بخش رہے تھے۔

نہ جب تک کٹ مروں میں خواجۂ یثرب کی حرمت پر
خدا شاہد ہے کامل میرا ایماں ہو نہیں سکتا

اس سلسلے میں علمائے کرام کی گرفتاریاں شروع ہوئیں۔ حضرت قبلہ خان محمد صاحب جیسا کہ اجمالاً ذکر ہو چکا ہے حضرت ثانیؒ کے ارشاد سے میانوالی تشریف لے گئے اور اپنے آپ کو گرفتاری کے لیے پیش کیا۔

اے عاشقانِ ختمِ نبوت بشارتے
زنداں دہر بہ صدقِ شما ہم شہادتے

چنانچہ آپ ۵ اپریل ۱۹۵۳ء کو سیفٹی ایکٹ کے تحت گرفتار ہونے کے بعد میانوالی جیل بھیج دیے گئے اور ۵ اپریل ۵۳ء کو میانوالی سے سنٹرل جیل لاہور منتقل کر دیے گئے۔ ۲۰ اپریل ۱۹۵۳ء کو بورسٹل جیل جانا پڑا۔ جہاں سے پھر ارباب بست و کشاد نے ۱۱ اگست کو سنٹرل جیل منتقل کر دیا۔ جب سنٹرل جیل کی کال کوٹھڑیوں میں آپ اسیری کے ایام بسر کر رہے تھے، آپ سے متصل احاطہ میں درج ذیل حضرات اسیر تھے۔

۱۔ امیر شریعت حضرت سید عطاء اللہ شاہ صاحب بخاری رحمۃ اللہ علیہ

۲۔ مولنٰا محمد علی جالندھری رحمۃ اللہ علیہ

۳۔ مولنٰا ابوالحسنات قادری رحمۃ اللہ علیہ

۴۔ مولنٰا ابوالحسنات کے صاحبزادے مولنٰا خلیل احمد صاحب مدظلہ

۵۔ مولنٰا عبدالحامد بدایونی صاحب

۶۔ صاحبزادہ فیض الحسن صاحب

۷۔ مولنٰا عبدالستار خان صاحب نیازی

۸۔ جناب سید ابوالاعلیٰ مودودی صاحب

۹۔ جناب تقی علی نقی صاحب وغیرہم

اس دَور کا ایک دلچسپ واقعہ خود حضرت قبلہ نے بیان فرمایا کہ ایامِ اسیری میں عیدالاضحیٰ آگئی اور ہم سب حضرت شاہ جیؒ کی زیارت کے لیے ان کے احاطہ میں چلے گئے۔ اسی اثناء میں مودودی صاحب، نصراللہ خان عزیز اور تقی علی نقی صاحب بھی حضرت شاہ جیؒ سے ملنے کے لیے آگئے۔ آپ انہیں باوقار انداز سے ملے اور خیر و عافیت پوچھی۔ مودودی صاحب کو پنڈلی پر پھوڑے اور پھنسیاں نکلی ہوئی تھیں۔ شاہ جیؒ نے دیکھا تو از خود علاج تجویز فرمایا کہ فینائل پانی میں گھول کر لگائیں انشاء اللہ آرام آجائے گا۔ چند لمحوں بعد مودودی صاحب اپنے ہمراہیوں سمیت اٹھ کھڑے ہوئے اور رخصت چاہی شاہ جیؒ اور آپ، کے عقیدت مند بھی ان حضرات کی مشایعت کے لیے چل پڑے۔ شاہ جیؒ نے مودُودی صاحب سے چلتے ہوئے دریافت کیا کہ آپ کہاں جا رہے ہیں۔ مودودی صاحب نے جواب دیا کہ میں احاطہ بم کیس جا رہا ہوں۔ وہاں دوستوں نے نمازِ عید کا اہتمام کیا ہُوا ہے۔ اس پر شاہ جیؒ نے پوچھا کیا جیل میں نمازِ عید جائز ہے؟ مودودی صاحب نے جواب دیا کہ اگر کوئی پڑھ لے تو ہو جاتی ہے، نہ پڑھے تو کچھ مضائقہ نہیں۔ شاہ جیؒ نے فرمایا کہ یہ تو کوئی فتویٰ نہ ہُوا۔ اس کے بعد مودُودی صاحب نے کہا کہ میں یہاں جیل میں جمعہ نہیں پڑھتا۔ شاہ جیؒ نے جواب دیا کہ جمعہ تو میں بھی نہیں پڑھتا۔ مگر میرا نہ پڑھنا حضرت امام اعظم علیہ الرحمۃ کی تقلید کے باعث ہے اور آپ میں رگ دُوسری ہے۔ شاہ جیؒ کے اس تبصرے پر مودودی صاحب بھنا گئے اور آگے چل دیے۔

حضرت ثانیؒ کا ایک لطیف اشارہ: حضرت ثانیؒ نے ایک بار قاضی شمس الدین صاحب مدظلہ سے بیان فرمایا کہ حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ جب مالٹا میں نظر بند تھے، تو معارفِ قرآنِ حکیم پر ایک کتاب لکھنے کا ارادہ فرمایا۔ مگر چند صفحات لکھنے کے بعد اسے ترک کر دیا۔ استفسار پر فرمایا کہ میں نے کتاب کی بجائے ایک آدمی (حضرت مولانا حسین احمد مدنی رحمہ اللہ) پر محنت شروع کر دی ہے تاکہ خلقِ خدا کی ہدایت کے لیے ایک چلتا پھرتا نسخہ تیار ہو جائے۔ حضرت اقدس نے یہ واقعہ بیان کرنے کے بعد فرمایا کہ میں بھی ایک آدمی تیار کر رہا ہوں۔ بعد ازاں قرائن سے پتہ چلا کہ وہ آدمی حضرت خان محمد صاحب دامت برکاتہم تھے۔ فالحمد للہ علیٰ ذٰلک

حضرت قبلہ کی سجادہ نشینی: حضرت ثانیؒ کا وصال اکابر نقشبندیہ مجددیہ کے اس مرکزِ فیض کے لیے ایک عظیم المیہ تھا، مگر تائیدِ الٰہی نے طالبانِ حق کی دستگیری کی۔ چنانچہ تمام حضرات نے جو حضرت ثانیؒ کے وصال پر خانقاہ شریف موجود تھے اور جن میں حکیم چن پیر صاحب، مفتی عطا محمد صاحب، حکیم سیفی صاحب جیسے بزرگ بھی شامل تھے، بالاتفاق حضرت قبلہ کے دستِ حق پرست پر تجدیدِ بیعت کر لی۔ بعد میں تمام مخلص مُرید اس سلکِ تابدار سے وابستہ ہو گئے۔ بعض ایسے تھے کہ جنہوں نے حضرت اقدس کے بعد تجدیدِ بیعت کے بارے میں تامل کیا مگر انہیں خواب میں حضرت ثانیؒ کی زیارت ہوئی اور آپ نے فرمایا کہ مجھ میں اور خان محمد میں کوئی فرق نہیں لہٰذا اب حضرت خان محمد صاحب سے تجدیدِ بیعت کرنے کے بعد ہی فیضانِ مجددیہ کا حصول ممکن ہے۔ اس حکم کے بعد وہ آپ سے منسلک ہو گئے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے اپنے فضلِ خاص سے اس سلسلۂ پاک کے فیوض و برکات کو جاری رکھا۔

حضرت قاری محمد سعید احمد صاحب رحمہ اللہ نے جو احاطہ قبرستان خانقاہ شریف میں مدفون ہیں، راقم الحروف سے بیان کیا کہ انہیں خواب میں حضرت اعلیٰ قدس سرہٗ کی زیارت ہوئی اور آپ نے یہ ارشاد فرمایا کہ اگر تربیتِ باطن چاہتے ہو تو خانقاہ شریف جا کر حضرت خان محمد صاحب سے رابطہ قائم کرو۔ چنانچہ انہوں نے بموجب ارشاد عمل کیا۔

حضرت قبلہ کی سجادہ نشینی کے سلسلہ میں حافظ ریاض احمد اشرفی خازن روزنامہ جنگ راولپنڈی کا بیان نہایت ایمان افروز ہے۔ انہوں نے حضرت ثانی رحمہ اللہ کے وصال کے بعد ۱۹۶۵ء میں خواب دیکھا کہ وہ بیت اللہ شریف میں بابِ ملتزم کے سامنے کھڑے ہیں۔ خلقِ خدا کا بے پناہ ہجوم ہے، بے شمار علمائے کرام کا اجتماع ہے جن میں بعض آپ کے متوسلین بھی ہیں۔ یہ ندا آ رہی ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لانے والے ہیں اور آپ امامِ وقت کا اعلان فرمائیں گے۔ دریں اثنا

بیت اللہ شریف کا دروازہ ایک دم آواز کے ساتھ کھُلا۔ حضرت مولانا محمد عبداللہ قدس سرہٗ اپنے جانشین حضرت قبلہ خان محمد صاحب مدظلہ العالی کا بازو تھامے ہوتے نمودار ہوئے اور تمام حاضرین کرام سے فرمایا کہ تم سب اس امام وقت کے مُرید ہو۔ اس کے بعد اپنے سر مبارک سے دستار اتار کر مولانا خان محمد صاحب مدظلہ کے سر پر رکھ دی۔ چنانچہ حضرت قبلہ نے سب کو کلمۂ شہادت اور استغفار پڑھا کر داخلِ سلسلہ کیا۔ ذکر خفی کی تلقین فرمائی۔ پھر وہیں کھڑے کھڑے حضرت اقدس رحمہ اللہ نے اذان دی، تکبیرِ اقامت کہی اور حضرت قبلہ خان محمد صاحب نے تمام حضرات کو نماز پڑھائی۔

علومِ اسلامیہ کی ترویج و اشاعت : حضرت قبلہ نے اس امر کو شدت سے محسوس کیا کہ ملتِ اسلامیہ کا احیاء اور اس کی فلاح و بہبود اسلامی تعلیمات کے فروغ میں مضمر ہے۔ جب تک فرزندانِ توحید کے قلوب اسلام کے مذہبی و ثقافتی سرمایہ سے بہرہ ور نہ ہوں گے، تبلیغِ دین کا صحیح مقصد پورا نہ ہو سکے گا۔ لہٰذا آپ نے دینی علوم کی ترویج و اشاعت کے عظیم مقصد کو اپنا نصب العین بنایا۔ وہی نصب العین جو حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ کے افکار و نظریات کی رُوحِ رواں تھا اور جسے بعد میں حضرت شیخ الہند رحمہ اللہ نے زندہ رکھا۔ حقیقت یہ ہے کہ ان اکابر کی فیض رسانی سے کفر و الحاد کی ظلمتیں چھٹ گئیں اور برصغیر میں افرادِ امت اسلام کی شوکت و عظمت سے روشناس ہوئے ؎

بسکہ بر قدم راہرو دانست مرا　　　خارہا از اثرِ گرمیِ رفتارم سوخت

چنانچہ آپ نے وابستگانِ سلسلہ کو اس کارِ خیر کی اہمیت کا احساس دلایا کہ دینِ قیم کے اس چراغ کو جس نے کائنات کے گوشے گوشے کو منور کر دیا تھا، فروزاں رکھا جائے۔ اس کی ضیاء ہماری زندگی ہے اور اس کی بقا ہماری سلامتی ہے۔ علومِ عربیہ کی پاکیزہ اقدار پر عمل پیرا ہو کر ہی دورِ حاضر کے فسق و فجور اور مغربی تہذیب کے مکر و فن کا سدِ باب ممکن ہے۔ اس کے پیشِ نظر آپ نے مختلف عربی مدارس کی سرپرستی فرمائی۔ جن مدارس کے اربابِ نظم و نسق شکستہ خاطر تھے ان کی حوصلہ افزائی فرمائی اور جو تعاون چاہتے تھے، ان کی معاونت فرمائی۔ اس وقت متعدد مدارسِ عربیہ قرآن و حدیث، فقہ و تفسیر اور دیگر علوم و فنون کی ترویج و اشاعت کا فریضہ آپ کی سرپرستی میں انجام دے رہے ہیں۔ ان میں خصوصی طور پر قابلِ ذکر مدارس حسبِ ذیل ہیں :-

۱- دارالعلوم کبیر والا	۲- مدرسہ قاسم العلوم فقیر والی
۳- مدرسہ فرقانیہ راولپنڈی	۴- مدرسہ عثمانیہ۔ ورکشاپی محلہ راولپنڈی

۵۔ مدرسہ سراجیہ ۔ فورٹ عباس ۶۔ دارالعلوم مجددیہ ۔ مانکی شریف

۷۔ مدرسہ سعدیہ خانقاہ سراجیہ ۔ضلع میانوالی

اس کے علاوہ آپ دارالعلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک کی مجلسِ عاملہ کے ممبر بھی ہیں۔

مشہور آئینِ شریعت کانفرنس جو لاہور میں منعقد ہوئی، اس کے ایک اجلاس کی صدارت کی۔ آپ اسلامی تہذیب و ثقافت کے احیاء کے لیے شبانہ روز کوشش کر رہے ہیں۔ جمعیت علمائے اسلام کے مخلص معاون اور سرپرست ہیں۔

کچھ کرامات کے بارے میں: اولیاء اللہ سے کرامات کا ظہور ممکن ہے اور اس سے کوئی شخص انکار نہیں کر سکتا۔ مگر کرامت کے مقابلہ میں جو مقام اہلِ عرفان کے نزدیک استقامت کو حاصل ہے وہ ارفع و اعلیٰ ہے۔ بحمداللہ کہ حضرت قبلہ کا ہر قول و فعل شریعتِ مطہرہ اور سنتِ نبویہ کے عین مطابق ہے اور ان کی عظمت پر یہی دلیل کافی و وافی ہے۔ اہلِ ارادت نے حضرت قبلہ کی بے شمار کرامات مشاہدہ کی ہیں جنہیں بخوفِ طوالت درج نہیں کیا جا سکتا۔ پھر اس امر کا بھی اندیشہ ہے کہ زیرِ نظر کتاب کا قاری کرامات کے باب کو کہیں عام مدحت سرائی پر محمول نہ کر بیٹھے اور اس طرح چشمۂ فیض سے سیراب ہونے کی بجائے تہی داماں نہ رہ جائے۔ ویسے حضرت قبلہ بھی کرامات کو چنداں اہمیت نہیں دیتے اور ان کا تذکرہ بھی پسند نہیں فرماتے۔ اس کے پیشِ نظر ہم صرف ایک دو واقعات تحریر کرنے پر اکتفا کریں گے جس سے ناظرین آپ کے علوِ مرتبت اور رفعتِ مقام کا اندازہ ایک حد تک لگا سکیں گے۔

۱۔ جناب حبیب الرحمٰن خان صاحب ساکن احمد پور شرقیہ حضرت قبلہ کی بیعت سے مشرف ہوئے۔ ۱۹۶۵ء میں حبیب خان صاحب نے اہلیہ اور اپنی بہن کے ساتھ حج بیت اللہ کا ارادہ کیا تو اس مبارک سفر کے سلسلہ میں حضرتِ شیخ سے خصوصی ہدایات حاصل کرنے کے لیے خانقاہ شریف حاضر ہوتے۔ آپ نے بکمالِ شفقت و عنایت تمام مقامات کو تفصیل کے ساتھ سمجھایا اور ساتھ ہی یہ ارشاد بھی فرمایا کہ اگر اثنائے سفر کوئی دشواری پیش آئے تو فقیر کی طرف متوجہ ہو کر بارگاہِ ایزدی میں عجز و الحاح سے دعا کریں۔

حبیب خان صاحب ہوائی جہاز سے ظہران کے ہوائی اڈہ پر اترے تو وہاں سے ٹیکسی پر مکہ شریف جانے کا خیال تھا۔ لیکن اترتے ہی حکومتِ سعودی عرب کا یہ اعلان سنا کہ تمام زائرینِ حرم کو ظہران سے بذریعہ ہوائی جہاز جدہ جانا پڑے گا

خان صاحب کے پاس کرنسی نوٹ تو تھے لیکن ریال کی صورت میں اتنی رقم نہ تھی جس سے وہ آپنے علاوہ اہلیہ اور بہن کا کرایہ ادا کر سکتے، چنانچہ سخت پریشانی لاحق ہوئی۔ اس مایوسی کے عالم میں حضرت والا کی نصیحت یاد آئی۔ نمازِ تہجد ادا کی اور حضرت قبلہ کے توسل سے اللہ ربّ العزّت کی بارگاہ میں دُعا کی۔ نمازِ فجر کے بعد ایک صاحب رسمی تعارف کے بعد انہیں ملک عباس صاحب کے گھر لے گئے جنہوں نے گیارہ سو بیس ریال خان صاحب موصوف کو پیش کیے۔ اس رقم سے موصوف نے اپنے تمام مصارفِ سفر ادا کیے اور واپسی پر یہ رقم اپنے محسن کو لوٹا دی۔

اس کے علاوہ جب بھی خوف و ہراس یا کسی قسم کی ذہنی پریشانی کا سامنا کرنا پڑا تو اللہ تعالیٰ نے حضرت قبلہ کے فیض سے انہیں تمام دشواریوں سے نجات عطا فرمائی۔

۲۔ قاری محمد عارف صاحب مظفر گڑھ کے ایک دینی مدرسہ میں معلّم ہیں اور وہ حضرت قبلہ کے مخلص ارادتمند ہیں۔ ایک مرتبہ خانقاہ شریف حاضر ہوئے اور حضرت قبلہ سے عرض کیا کہ میں آپ جیسی عظیم الشان ہستی کا مُرید ہوں مگر مجھے واردات وکیفیات وغیرہ کا کبھی ادراک نہیں ہُوا۔ آپ یہ کرم فرمائیں کہ مجھے حضور رسالتمآب صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت ہو جائے۔ آپ یہ سُن کر مسکرا دیے اور خاموش ہو رہے۔

اسی رات قاری صاحب موصوف حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت سے مشرف ہوئے۔ حضرت قبلہ مدظلہ بھی آپؐ کے ساتھ تشریف فرما تھے۔ حضرت قبلہ نے فرمایا کہ قاری صاحب! اب خوب جی بھر کر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی زیارت کر لو۔ اس کے بعد ان کا خواب ختم ہو گیا۔

صبح کو جب حضرت قبلہ مجلس مبارک میں تشریف لائے تو قاری صاحب موصوف نے حاضر ہو کر پھر التماس کیا کہ میں حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کا ہنوز مشتاق ہوں۔ اس سعادت کے حصول کے لیے آپ ضرور توجہ فرمائیں۔ حضرت قبلہ نے جواب دیا کہ قاری صاحب! روز روز پروگرام نہیں بنا کرتے۔ اس ارشاد سے قاری صاحب کو یہ معلوم ہو گیا کہ حضرت قبلہ میرے رات کے مشاہدے سے کامل طور پر باخبر ہیں اور اس طرف اشارہ فرما رہے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت ایک بار ہو چکی ہے اور یہ عنایات ہر روز نہیں ہُوا کرتیں۔ اس انتہائے کرم نوازی پر قاری صاحب موصوف دیر تک اشکبار رہے۔

اختتامیہ: اولیاء اللہ کے احوال و معارف تحریر کرتے ہُوئے جو کیفیات لکھنے والے کے دل و دماغ پر

طاری ہوتی ہیں، قلم انہیں سپرد قرطاس نہیں کرسکتا اور پھر فکر میں بھی یہ رفعت کہاں کہ کسی باکمال ہستی کے صحیح مقام تک رسائی حاصل کر پائے ۔

نہ حسنش غایتے دارد نہ سعدی را سخن پایاں
بمیرد تشنہ مستسقی و دریا ہمچناں باقی

آخر میں یہی کہنا کافی ہوگا کہ آپ کی ذات گرامی ایک عظیم الشان ہستی ہے جس کی شفقت و رأفت کا دامن ہمہ ارادت مند پر وسیع ہے۔ اس کی نرم گفتگو اور چہرے کا متبسمانہ انداز سامع کو اس کی توقعات سے بڑھ کر نوازتا ہے جس میں اسے ہر مشکل ترین کام کی آسان ترین صورت جھلکتی ہوئی نظر آتی ہے۔ سراپا حلم اور بے پناہ بردباری جس طرح سینۂ بحر میں کوئی چٹان ہو کہ متلاطم موجیں بڑھ کر اس سے ٹکرائیں اور خود ہی پاش پاش ہو کر رہ جائیں۔ طاغوتی قوتوں کے مقابل ہر آن سینہ سپر۔ اہلِ ایمان کی زبوں حالی کا چارہ گر۔ اتباعِ سردار کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کا پیکر۔ نورِ باطن سے آراستہ اخلاص و تقویٰ سے پیراستہ۔ آئینہ دار کیفِ روزِ الست۔ قلم اینجا رسید و سر بشکست ۔

بہ حسنِ لطف و وفا کس بہ یار ما نرسد
ترا دریں سخن انکار کارِ ما نرسد

شجرہ ہائے سلسلہ عالیہ نقشبندیہ مجددیہ

ارباب طریقت کا معمول ہے کہ اکابر طریقہ کے توسل سے حق تعالیٰ کی بارگاہ میں فلاح دارین کی دعا کیا کرتے ہیں اس غرض کے لیے منثور و منظوم شجرے مرتب کیے جاتے ہیں جن کا صبح و شام ایک بار پڑھ لینا ہزار ہا برکتوں اور سعادتوں کا موجب ہے۔ طریقہ نقشبندیہ مجددیہ کے متعدد شجرے نظم و نثر میں موجود ہیں۔

ہم جن تین شجروں کو پیش کر رہے ہیں وہ تین زبانوں عربی، فارسی اور اردو میں ہیں۔ عربی و اردو کے شجرے تمام و کمال اور فارسی شجرے کے آخری چار شعر ہمارے مخلص دوست پروفیسر حافظ محمد افضل صاحب فقیر کے دقاد ذہن اور نقاد طبیعت کا نتیجہ فکر ہیں۔ حافظ صاحب موصوف اردو، فارسی، عربی اور انگریزی لٹریچر میں کامل دستگاہ رکھتے ہیں۔ آپ نے عربی ادب کی تحصیل حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ کے تلمیذ رشید حضرت مولانا محمد عبید اللہ قدس سرہٗ پروفیسر گورنمنٹ کالج شاہ پور سے فرمائی ہے ہر زبان کے صدہا فصیح و بلیغ اشعار آپ کی نوکِ زبان سے تراوش کرتے رہتے ہیں۔ زندگی کا انداز فقیرانہ اور متوکلانہ ہے۔ حضرت سیدنا و مولانا ابو الخلیل خان محمد مدظلہ العالی سے فرطِ ارادت و مودت رکھتے ہیں۔

فارسی شجرہ میں چند اشعار کا اضافہ کرنے کی تقریب یوں ہوئی کہ آپ خانقاہ سراجیہ تشریف لائے۔ حضرت قبلہ مدظلہ نے آپ کو حضرت شاہ غلام علی دہلوی قدس سرہٗ کے مجاز طریقت حضرت خالد رومیؒ کا دیوان فارسی مطالعہ کے لیے دیا۔ دیوان میں حضرۃ خالد رومیؒ کا ترتیب دیا ہوا پانچ شعروں پر مشتمل ایک منظوم شجرہ بھی تھا جو حضرت رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم سے حضرت شاہ غلام علی قدس سرہٗ تک پہنچتا ہے۔

مطالعہ کرنے کے بعد حافظ صاحب موصوف نے عرض کیا کہ حضرت قبلہ اجازت دیں تو شجرۂ خالدیہ فقیر کے چند شعروں کے اضافہ سے آپ تک پہنچ سکتا ہے۔ حصولِ اجازت کے بعد موصوف نے تین شعروں میں حضرت شاہ ابو سعید سے لے کر حضرۃ شیخ ابو الخلیل تک شجرہ کا تتمہ نظم کر کے پیش کر دیا۔ وہی زبان، وہی آب و تاب اور وہی روانی ہے۔ اگر بتایا نہ جائے تو کلام خالدؒ و کلامِ فقیر میں تمیز نہیں ہو سکتی۔ حضرت قبلہ نے محظوظ ہو کر فرمایا کہ ایک دعائیہ شعر کا اضافہ مزید ہونا چاہیے۔ حافظ صاحب موصوف نے چند لمحوں میں دعائیہ شعر کا اضافہ کر کے شجرۂ فارسی کو مکمل کر دیا۔ فجزاہ اللہ تعالیٰ خیر الجزاء

شجرہ منظومہ اردو

محمدؐ مصطفٰے ، صدیق اکبرؓ، حضرت سلمانؓ
امام قاسم و جعفر سے پھر جاری ہوا فیضاں

جنابِ بایزید و پیرِ خرقانؒ بوعلیؒ یوسف
ہے عبدالخالق و عارف کا سارے فقر پر احساں

ہوئے محمود سے رامیتنی بابا کلال میر
امامِ نقشبنداں سے علاءُ الدینِ عالی شاں

جہاں چرخی عبیداللہؒ زاہد سے ہوا روشن
بنے درویش امکنگی سے باقی صاحبِ عرفاں

مجدد الف ثانی ، حضرتِ معصوم ، سیف الدیں
ہوئے نورِ محمد کے مبارک جانشیں جاناں

جو عبداللہؒ حضرت بوسعید احمد سعید آئے
بنے پھر خواجہ قندھاری کے وارث حضرۃ عثماں

سراج و حضرت بوسعد عبداللہ سے چمکا
سراجیہ کا ہر ذرہ مثالِ نیّرِ تاباں

متاعِ جاں نثار حضرتِ خانِ محمد ہے
امامِ پاکبازاں ، نورِ عرفاں ، ہادیِ دوراں

الٰہی سب کے صدقے میں رہے مجھ پر کرم تیرا
شفاعت سرورِ عالم کی محشر میں عطا فرما

شجرۂ منظومہ بزبانِ فارسی

نبیؐ صدیقؓ و سلمانؓ، قاسم است و جعفر و طیفور
که بعد از بوالحسن شد بوعلی و یوسفش گنجور

زعبدالخالق آمد عارف و محمود ذو بہرہ
کز ایشاں شد دیارِ ماوراء النہر کوہِ طور

علی بابا، کلال و نقشبنداست و علاء الدین
پس از یعقوب چرخی خواجۂ احرار شد مشہور

محمد زاہد و درویش، حضرت خواجگی، باقی
مجدد، عروۃ الوثقیٰ و سیف الدین، سید نور

حبیب اللہ مظہر، شاہِ عبداللہ پیرِ ما
ازینہا رشکِ صبحِ عید شد ما را شبِ دیجور

جناب بوسعید احمد سعید و خواجہ قندھاری
ہمہ بودند ترویجِ شریعت را زحق مأمور

زعثمان و سراج و حضرت بوسعد، عبداللہ
ہدایت یافتند آناں کہ بودند از طریقت دور

سراجیہ مبارک خانقاہ پاکبازانست
بود از حضرتِ خانِ محمد تا ابد معمور

بہ یمنِ عارفانِ ذات یارب سرفرازم کن
بگرداں از کرم در اُمتِ خیرالوریٰ محشور

شَجَرَةٌ عَرَبِيَّةٌ لِأَصْحَابِ الطَّرِيقَةِ الْعَالِيَةِ النَّقْشَبَنْدِيَّةِ الْمُجَدِّدِيَّةِ قَدَّسَ اللّٰهُ تَعَالٰی أَسْرَارَهُمْ

أَلَا إِنَّ فَضْلَ اللّٰهِ لِلْمُتَعَبِّدِ	١	وَغُفْرَانُهُ الْعَاصِيْنَ لَيْسَ بِمُؤْيِدِ
وَمِنْ ظُلُمَاتِ الْكُفْرِ هُدْنَا سَلَامَةً	٢	إِلٰی رَحْمَةٍ لِّلْعَالَمِيْنَ مُحَمَّدِ
أَبُوْ بَكْرِنِ الصِّدِّيْقُ أَرْحَمُ أُمَّةٍ	٣	سِوٰی خُلَّةِ الْمُخْتَارِ لَمْ يَتَزَوَّدِ
وَمَنْ عَدَّهُ الرَّسُوْلُ مِنْ أَهْلِ بَيْتِهٖ	۴	عَظِيْمَ النُّهٰی سَلْمَانَ بِالرُّوْحِ نَقْتَدِیْ
إِذَا قَسَّمَ النَّعْمَاءَ فِی الدَّهْرِ قَاسِمٌ	۵	أَخَذْنَا نَصِيْبًا مِّنْ نَّعِيْمٍ مُّخَلَّدِ
وَجَعْفَرُ تَاجُ الصَّادِقِيْنَ يَزِيْنُهٗ	۶	فَخَارُ وِلَايَةِ الْعَلِيِّ الْمُمَجَّدِ
تَوَسُّلُ طَيْفُوْرٍ مِّنَ اللّٰهِ رَحْمَةٌ	۷	لِكُلِّ غَرِيْقٍ فِی الشُّهُوْدِ مُوَحِّدِ
لَنَزْهُوْ بِخَرْقَانِیِّ نِ اكْتَسَبَ الْعُلٰی	۸	بِهٖ مِلَّةُ الْإِسْلَامِ لَمْ تَتَبَدَّدِ

ترجمہ

(۱) بے شک اللہ تعالیٰ کا فضل و کرم پرہیزگاروں کے لیے ہے اور گنہگاروں کی بخشش اس ذات پر کچھ دشوار نہیں۔

(۲) ہم نے کفر کی ظلمتوں سے نکل کر سلامتی کے ساتھ جناب رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف راہ پائی۔

(۳) حضرت صدیقِ اکبرؓ امت بھر میں سب سے زیادہ مہربان ہیں جنہوں نے حبیبِ خدا کی دوستی کے سوا کوئی توشہ پسند نہیں کیا۔

(۴) ہم دل و جان سے صاحبِ دانش و عرفان حضرت سلمان فارسیؓ کی پیروی کرتے ہیں جنہیں رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے اہلِ بیت میں شمار فرمایا

(۵) جب حضرت قاسم بن محمد بن ابی بکرؓ نے دنیا میں تقسیمِ فیضان کی، تو ہم دائمی نعمتوں سے بہرہ یاب ہو گئے۔

(۶) حضرت امام جعفرؓ صادقین کے وہ تاج ہیں جسے حضرت علی المرتضیٰ کرم اللہ وجہ کی ولایت کا گوہر زینت دے رہا ہے۔

(۷) حضرت بایزید بسطامیؒ کا توسل وحدتِ شہود میں ڈوبے ہوئے ہر سالک کے لیے رحمتِ خداوندی ہے۔

(۸) ہمیں حضرت ابوالحسنؒ خرقانی پر فخر ہے جنہوں نے بلندیٔ عرفان کو پالیا۔ ان کی برکت ہی سے ملتِ اسلامیہ کا شیرازہ منتشر نہ ہوا۔
دوسرے مصرعہ میں لشکرِ محمود غزنوی کی تلمیح ہے جو آپ کی دعا سے مظفر و منصور ہوا۔

تَجَلَّى الصُّدُورُ مِن لَوَامِعِ ذِكْرِهٖ ⑨ يُزَكِّي الْعِبَادَ بُوعَلِيٍّ بِفَرْمَدِ

وَجِئْنَا بِمُزْجَاةٍ تَرَحَّمْ إِلٰهَنَا ⑩ بِيُوسُفَ هَمْدَانِيِّ نِ الْمُتَوَدِّدِ

وَمِنْ نُورِ عَبْدِ الْخَالِقِ انْبَجَسَتْ لَنَا ⑪ يَنَابِيعُ فَيْضَانٍ عَلٰى كُلِّ مَوْرِدِ

نُكَسِّرُ أَوْثَانَ الْغَوَايَةِ كُلَّهَا ⑫ بِعَارِفِ آيَاتِ الْعَوَالِمِ مُهْتَدِي

نَقَدْ وَرِثَ الْمَحْمُودُ فَوْزَ الْأَكَابِرِ ⑬ وَمَنْ يَغْتَنِمْ فَضْلًا عَنِ الذُّلِّ يَبْعُدِ

وَرَامِيتَنِيٌّ قَدْ تَعَزَّزَ بِالنَّدٰى ⑭ فَإِنْ تَبْتَغِ الذُّرٰى لَبَا الصِّدْقِ تَصْعَدِ

وَرَائِحَةَ الْإِمَامِ قَدْ شَمَّ قَبْلَهٗ ⑮ فَرَاحَ سَمَاسِيٌّ إِلٰى طِيبِ مَوْلِدِ

وَلَازِمْ كُلَالَ الشَّيْخِ إِنْ صِرْتَ آيِسًا ⑯ وَبِاللّٰهِ مَنْ يَرْجُ الْمَكَارِمَ يَزْدَدِ

سَقَانَا بَهَاؤُ الدِّينِ مِنْ نَفَحَاتِهٖ ⑰

مُدَامَ الْحَيٰوةِ السَّرْمَدِيَّةِ بِالْيَدِ

بِذِكْرِ عَلَاءِ الدِّينِ نَمْحُو ظَلَامَنَا ⑱ كَأَبْيَضِ فَجْرٍ بِالْكَرَامَةِ نَغْتَدِي

---

⑨ حضرت بوعلی فارمدیؒ لوگوں کے نفوس کا تزکیہ فرمایا کرتے تھے، چنانچہ ان کے انوار ذکر سے سینے جگمگا اٹھے۔

⑩ اے اللہ! ہم حقیر پونجی لے کر آئے ہیں۔ ہم پر اپنے دوست یوسف ہمدانیؒ کے طفیل کرم فرما۔

⑪ حضرت خواجہ عبدالخالق غجدوانیؒ کے نور سے ہماری ہر راہ پر چشمہ ہائے فیضان پھوٹ نکلے۔

⑫ ہم انفس و آفاق کی آیات کے شناسا اور ہدایت یافتہ حضرت عارف ریوگریؒ کے وسیلے سے گمراہی کے تمام بتوں کو پاش پاش کر دیتے ہیں۔

⑬ حضرت محمود انجیر فغنویؒ اسلاف کی کامرانیوں کے وارث بنے۔ ہر وہ شخص جو روحانی فضیلت کو غنیمت جانتا ہے، دنیوی ذلتوں سے دور رہتا ہے۔

⑭ خواجہ عزیزاں علی رامیتنیؒ ظاہری و باطنی جود و سخا سے معزز ہوئے۔ پس تو بھی اگر رفعت کی چوٹیوں پر پہنچنا چاہتا ہے، تو ان پر صدق و صفا ہی کے زینے سے چڑھ سکے گا۔

⑮ حضرت بابا سماسیؒ نے امام الطریقہ (خواجہ نقشبندؒ) کی بوئے ولایت ان کے ظہور سے پہلے ہی سونگھ لی تھی، چنانچہ وہ اس خوشبو کی رہنمائی میں ان کے مولد پاک کی طرف تشریف لے گئے۔

⑯ اگر تو اپنی کوششوں سے ناامید ہو گیا ہے تو حضرت امیر کلالؒ کی صحبت پابندی سے اختیار کر۔ بخدا جو اخلاق عالیہ کا آرزومند ہو جاتا ہے، وہ ان میں برابر اضافہ ہی کرتا چلا جاتا ہے۔

⑰ حضرت خواجہ بہاؤالدین نقشبندؒ نے اپنے نفحات انس سے ہمیں بدست خود حیات ابدی کی شراب پلائی۔

⑱ ہم حضرت علاؤالدین عطارؒ کے نور ذکر سے اپنی ظلمتوں کو مٹاتے ہیں اور سپیدۂ سحر کی مانند ضیائے کرامت کے ساتھ چلتے ہیں۔

فَهَلْ مِثْلَ يَعْقُوبَ الشَّهِيرِ قَعَدْتُمْ ۱۹ لِمَعْرِفَةِ الرَّحْمٰنِ فِي كُلِّ مَرْصَدِ
بِجُهْدِ عُبَيْدِ اللهِ صَارَتْ شَرِيعَةٌ ۲۰ كَقَصْرٍ بِأَنْوَاعِ اللَّآلِي مُمَرَّدِ
وَنَابِغَةُ الْأَعْصَارِ فِي الزُّهْدِ زَاهِدٌ ۲۱ لَهُ حُلَّةُ التَّوَرُّعِ بِالْمَجْدِ يَرْتَدِي
بِدَرْوِيشِ هَادٍ مَنْ تَوَسَّلَ قَدْ نَجَا ۲۲ أَمَانٌ لَهُ مِنْ هَوْلِ يَوْمٍ مُمَدَّدِ
هَدَانَا إِلَى الْعِرْفَانِ أَمْكَنْكَ وَاهْتَدَى ۲۳ وَمَنْ يَخْشَ مَا عِنْدَ الْقِيَامَةِ يُرْشَدِ
تَرَى بَاقِيًا بِاللهِ يَعْشَقُهُ الرِّضَى ۲۴ مَتَى تَشْتَغِلْ بِالْبَاقِيَاتِ لَتَشْهَدِ
أَمِيرٌ إِمَامُ الْمُؤْمِنِينَ مُجَدِّدٌ ۲۵
لَعَمْرُكَ تَرْضَى أُمَّةٌ بِمُسَوَّدِ
وَبِالْعُرْوَةِ الْوُثْقَى إِذَا مَا اعْتَصَمْتُمْ ۲۶ هُدِيتُمْ إِلَى الْإِحْسَانِ غَايَةَ مَقْصَدِ
نَذُودُ بِسَيْفِ الدِّينِ مَنْ لَمْ يَقُمْ بِهِ ۲۷ وَنَطْرُدُ أَضْغَانَ الْعِدَى كُلَّ مَطْرَدِ
وَسَيِّدُنَا نُورٌ لِشَمْسِ الْمَوَاهِبِ ۲۸ بِتَهْلِيلِهِ ضَاءَتْ جَوَانِبُ قَرْدَدِ

---

۱۹ کیا تم حضرت یعقوبؒ نامور کی طرح عرفانِ الٰہی کی ہر کمیں گاہ میں بیٹھے ہو؟

۲۰ حضرت خواجہ عبیداللہ احرارؒ کی کوشش سے شریعتِ محمدیہ ایسے آراستہ محل کی طرح ہو گئی جس میں طرح طرح کے لعل و جواہر جڑے ہوئے ہوں۔

۲۱ حضرت خواجہ محمد زاہد پرہیزگاری میں منتخبِ روزگار ہیں۔ ورع و تقویٰ ان کا لباسِ فاخرہ ہے اور مجد و شرف ان کی ردائے جمیل ہے۔

۲۲ جس نے رہنمائے طریقت حضرت درویش محمدؒ کا دامن تھام لیا نجات پا گیا اور اسے روزِ حشر کی ہولناکیوں سے پناہ مل گئی۔

۲۳ حضرت خواجہ امکنگیؒ نے عرفانِ خداوندی کی جو راہ پائی ہمیں بھی وہی راہ دکھائی۔ جسے قیامت کو پیش آنے والے صدمات کا خوف ہوگا، وہ رشد و ہدایت سے ہمکنار ہو جائے گا۔

۲۴ تم رضائے الٰہی کو حضرت خواجہ باقی باللہؒ پر فریفتہ دیکھو گے۔ جب باقیاتِ معرفت میں مشغول ہو جاؤ گے، تو خود اس امر کی شہادت دو گے۔

۲۵ حضرت مجدد الف ثانیؒ مومنین کے پیشوا اور مقتدا ہیں۔ اے دوست: تیری جانِ عزیز کی قسم کہ ساری امتِ مسلمہ ان کی سیادت پر راضی ہے۔

۲۶ جب تم نے عروۃ الوثقیٰ حضرت خواجہ محمد معصومؒ کا دامن تھام لیا، تو تم نے مقامِ احسان کی طرف ہدایت پائی جو سلوک کی آخری منزل ہے۔

۲۷ جو شخص دین پر ثابت نہ رہے، ہم اسے تیغِ اسلام (خواجہ سیف الدینؒ) کے ذریعہ دور ہٹا دیتے ہیں اور دشمنانِ دین کے کینوں کو کچل کر رکھ دیتے ہیں۔

۲۸ حضرت سید نور محمد بدایونیؒ عنایاتِ الٰہیہ کے آفتاب ہیں۔ آپ کے ذکر کی روشنی سے (قلوب کی) سنگلاخ زمینوں کے اطراف و جوانب منور ہو گئے۔

وَمَظْهَرُ اَسْرَارِ الطَّرِيقِ حَبِيْبُنَا (۲۹) لَطَافَتُهُ الْعُلْيَا كَسِدْرٍ مُّخَضَّدِ

وَلَايَةُ عَبْدِ اللّٰهِ كَالْاَرْضِ اَنْبَتَتْ (۳۰) سَنَابِلَ نُوْرٍ سُوْقُهَا لَمْ تُحْصَدِ

وَآيَةُ حَقٍّ بُوْسَعِيْدٍ بِرُشْدِهٖ (۳۱) فَمَالِيْ اِنِ اسْتَكْبَرْتَ عَنْهَا وَتَعْتَدِيْ

وَمَنْ يَّلْتَزِمْ ذَيْلَ السَّعِيْدِ فَاِنَّهٗ (۳۲) مُجَابٌ وَّمِنْ سَهْمِ الْهَوٰى لَمْ يُهَدَّدِ

وَسِيْلَتُهٗ تُنْجِي الْقُلُوْبَ مِنَ الْعَمٰى (۳۳) نُبَاهِيْ بِقَنْدَارِيِّنِ الْمُتَزَهِّدِ

وَاَنْقَذَنَا عُثْمَانُ مِمَّا يُضِيْقُنَا (۳۴) وَمَنْ يَّطْلُبِ الْمَوْلٰى فَلَمْ يَتَرَدَّدِ

نَعِيْمًا مُّقِيْمًا بِالسِّرَاجِ وَرِثْتُمْ (۳۵) كَرِيْمٌ بِفَوْزِ السَّابِغَاتِ مُؤَيَّدِ

بِطَاعَتِهٖ قَدْ كَانَ بُوالسَّعْدِ اُمَّةً (۳۶) وَكَمْ مِّنْ عَطَايَا لِلْمُنِيْبِيْنَ بِالْغَدِ

مَقَامَاتُ عَبْدِ اللّٰهِ اَبْوَابُ رَحْمَةٍ (۳۷) بِمَا عَمَّمَ الْهُدٰى لَهٗ خَيْرُ مَوْعِدِ

وَجَدْنَا اِمَامَ الْعَارِفِيْنَ بِاَرْضِنَا (۳۸) سِرَاجِيَّةِ الْعُلْيَا بِاَلْطَافِ سَرْمَدِ

---

(۲۹) اسرارِ طریقت کے مظہر ہمارے حضرت حبیب اللہ جانِ جاناں ہیں۔ ان کی لطافت و نزاکت اس بیری (سدرۃ المنتہی) کی طرح ہے جس کے کانٹے چھانٹ دیے گئے ہوں۔

(۳۰) حضرت شاہ غلام علیؒ کی ولایت اس زمین کی مانند ہے جس نے نور کے ایسے خوشے اگائے کہ ان کی نالیں کاٹی نہیں گئیں۔

(۳۱) حضرت شاہ ابوسعیدؒ دہلوی اپنے رشد و ہدایت کے باعث آیتِ الٰہی ہیں۔ اگر تو اس آیت سے اعراض کرنے اور سرکشی اختیار کرے تو اس میں میرا کیا نقصان ہے۔

(۳۲) جو شخص حضرت شاہ احمد سعیدؒ کے دامن سے وابستہ ہے مقبولِ خدا ہے۔ پھر وہ خواہشاتِ نفسانی کے تیروں سے دہشت زدہ نہیں ہو سکتا

(۳۳) ہم پرہیزگار بزرگ حاجی دوست محمد قندھاریؒ پر نازاں ہیں۔ ان کا وسیلہ قلوب کو نابینائی سے نجات دلاتا ہے۔

(۳۴) حضرت خواجہ محمد عثمانؒ دامانی نے ہمیں زندگی کی تنگنائیوں سے باہر نکال لیا' یقیناً جو طالبِ مولیٰ ہو' اسے تردد لاحق نہیں ہو سکتا۔

(۳۵) تم حضرت خواجہ سراج الدینؒ کی برکت سے نعمتِ دائمی کے وارث بن گئے۔ وہ ایسے کریم تھے کہ اللہ کی کامل نعمتوں کی سرفرازی سے مؤید تھے۔

(۳۶) قیومِ زماں حضرت مولٰنا ابوالسعد احمد طاعت گزاری میں بجائے خود ایک امت تھے۔ بے شمار عنایاتِ خداوندی ہیں جو فردائے قیامت رجوع کرنے والوں کو نصیب ہوں گی۔

(۳۷) حضرت مولٰنا محمد عبداللہ کے مقامات رحمتِ الٰہی کے ابواب ہیں۔ رشد و ہدایت کی ترویج پر انہیں اللہ تعالٰی کی طرف سے بہترین وعدۂ انعام ہے۔

(۳۸) ہم نے سرزمینِ خانقاہ سراجیہ عالیہ میں امام العارفین حضرت خان محمد صاحب مدظلہ کو ذاتِ لم یزل کے الطاف دامن میں سمیٹے ہوئے پایا۔

لَنَا بُوالْخَلِيلِ الشَّيْخُ يُظْهِرُ نُوْرَهٗ ﴿۳۹﴾ فَطُوبٰى لِمَنْ يَّأْوِیْ اِلَيْهِ وَيَهْتَدِیْ

بِحُرْمَتِهِمْ رَبِّیْ اِلٰهِیْ تُظِلَّنِیْ ﴿۴۰﴾ لِيَوْمٍ اِذَا الْمَحْشُوْرُ مِنْ هَوْلِهِ الصَّدِیْ

﴿۴۱﴾ اِلَى اللّٰهِ فَارْغَبْ اَيُّهَا الْعَبْدُ وَاسْجُدِ

وَصَلِّ عَلٰى خَيْرِ الْاَنَامِ مُحَمَّدِ

﴿۳۹﴾ ہمارے شیخ حضرت ابوالخلیل ہیں جو اپنے انوار پھیلا رہے ہیں پس اس شخص کو مژدہ ہو جو ان کی پناہ میں آئے اور ہدایت پائے۔

﴿۴۰﴾ اے میرے رب! میرے مولا! ان اولیائے کرام کے طفیل مجھ پر اس روز اپنی رحمت کا سایہ ڈال جب میدان حشر میں اُٹھنے والا اس روز کی ہیبت سے سخت تشنہ ہوگا۔

﴿۴۱﴾ اے بندۂ خُدا! تو اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کر اور اسی کو سجدہ کر اور جناب سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم پر دُرود شریف بھیج۔

کتبہ۔ محمد یوسف نگینہ عفی اللہ عنہٗ
نگینہ
سید اصغر علی ہاشمی ڈالمیا پریس